

اَقْلَامُ دُرَرٍ وَنَا الْقُرْآنِ

# تَذَكُّرُ قُلُوبِ

مولانا امین حسن صہلانی رحمہ اللہ

العنكبوت ۲۹ — الزمر ۳۹



# تذکرہ قرآن

—جلد ششم—



کِتَابُ الْإِسْلَامِ بِرُكْنِ لَيْلٍ وَالْإِسْلَامِ لَيْلٌ وَالْإِسْلَامُ لَيْلٌ وَالْإِسْلَامُ لَيْلٌ

# مَدِيرِ قُرْآن

جلد ششم

تفاسیر  
سُورَةُ عَنكَبُوت (۲۹) — تا — سُورَةُ زُمر (۳۹)

امین حسن صیلائی



فاران فاؤنڈیشن

لاہور — پاکستان



جملہ حقوق عکس و طباعت محفوظ

القسم — حسن خاور

مطبع — فلک شیر پرنٹرز، ابراہیم روڈ، لاہور

تاریخ اشاعت — نومبر 2009ء — ذیقعد 1430ھ

ادارہ —  فاران فاؤنڈیشن

سیکنڈ فلور، علق پریس بلڈنگ، 19-اے،  
ایبٹ روڈ، لاہور، پاکستان۔ فون: 042-6303244  
ای میل: faran@wol.net.pk



# فہرِس

۷	دیباچہ
۹	تفسیر سورة العنکبوت - ۲۹
۶۷	تفسیر سورة الروم - ۳۰
۱۱۳	تفسیر سورة لقمن - ۳۱
۱۴۹	تفسیر سورة السجدة - ۳۲
۱۷۷	تفسیر سورة الاحزاب - ۳۳
۲۸۳	تفسیر سورة سبا - ۳۴
۳۴۵	تفسیر سورة فاطر - ۳۵
۳۹۵	تفسیر سورة یس - ۳۶
۴۴۷	تفسیر سورة الصافات - ۳۷
۵۰۵	تفسیر سورة ص - ۳۸
۵۵۳	تفسیر سورة الزمر - ۳۹
۶۱۷	فہرست مضامین







# دیباچہ

## طبع اول

الحمد للہ تدبر قرآن جلد پنجم طباعت کے لیے پریس کے حوالہ کی جا رہی ہے۔ توقع ہے کہ ان شاء اللہ کتاب بہت جلد قدر دانوں تک پہنچ جائے گی۔ بعض وجوہ سے، جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے اس کتاب کی طباعت و اشاعت کا سابق انتظام بدلنا پڑا جس کے سبب سے اس کی اشاعت میں کچھ تاخیر ہوئی جو قدر دانوں کے لیے باعث تشویش ہوئی لیکن امید ہے کہ یہ تاخیر باعث خیر و برکت ہوگی۔ اس تاخیر سے یہ فائدہ اٹھایا گیا ہے کہ کاپیاں نہایت احتیاط سے دوبارہ پڑھ لی گئی ہیں جس سے غلطیوں کا احتمال بہت کم رہ گیا ہے۔

یہ جلد سورہ زمر پر تمام ہوئی ہے اور میں بفضل خدا سورہ مجادلہ پر اس وقت کام کر رہا ہوں۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ جلد ششم سے زیادہ کا مواد تیار ہے۔ اب یہ بات طے ہے کہ کتاب آٹھ جلدوں میں تمام ہوگی۔ آخری حصہ کی سورتوں میں زبان اور نظام کی شکلیں زیادہ ہیں اور میرا ارادہ یہی ہے کہ بحث و نظر کا جو معیار اب تک رہا ہے وہی آخر تک قائم رکھنے کی کوشش کی جائے۔ قطع نظر اس سے کہ کتاب کے مولف کو اس خدمت کے لیے کتنی فرصت نصیب ہوتی ہے۔

اصحاب علم کی طرف سے اس ناچیز خدمت کی جو پذیرائی ہوئی ہے وہ میری توقعات سے بہت زیادہ ہے۔ میں اس کے لیے اپنے رب ہی کا شکر گزار ہوں اور اس سے مطمئن ہوں کہ وہ آگے کے کام میں بھی میرے ذہن اور قلم کو جادہ حق پر استوار رکھے اور اس کتاب کو خلق کے لیے نافع اور میرے لیے ذریعہ نجات بنائے۔ میں نے اس کتاب میں اپنے استاد مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی سپرد کردہ امانت ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ بیسری دلی آرزو یہ ہے کہ رب کریم مجھے اس کوشش میں کامیابی عطا فرمائے۔ اس سے زیادہ میں کسی چیز کا بھی تمنا و مدعی نہیں ہوں۔



کتاب کی طاہری خوبیوں میں اگر کوئی کمی یا بیشی ہوئی ہے تو اس کا تعلق کلیتہً غا در صاحب سلمہ سے ہے۔  
 اگر وہ کوئی اضافہ کر سکے تو ان کے حسن ذوق اور سلیقہ کار سے یہی توقع ہے۔ اور اگر نہیں کر سکے ہیں تو میرے  
 نزدیک وہ سزاوار ملامت ہرگز نہیں ہیں۔ اس کو چے میں وہ بالکل تودارد ہیں۔ محض میری محبت اور تادام رحمہ اللہ  
 کے انکار سے دالہانہ عقیدت کی بنا پر انھوں نے یہ بارگراں اپنے سر پر اٹھا لیں۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 ان کے لیے یہ کام آسان بنا دے۔

والسلام

ابین احسن اصلاحی  
 رحمان آباد۔ ضلع شیخوپورہ

۱۶ دسمبر ۱۹۷۷ء  
 ۵ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ



# تذکرہ قرآن

۲۹

العنکبوت







## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### ۱۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

اس سورہ کا آغاز ان لوگوں کو مخاطب کر کے ہوا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے جرم میں ستائے جا رہے تھے۔ خاص کر نوجوان اور غلام، سورہ کے نزول کے دور میں، اپنے باپوں اور آقاؤں کے ہاتھوں بڑی سخت آزمائش کے دور سے گزر رہے تھے۔ قدرتی طور پر اس صورت حال نے کمزور ارادے کے لوگوں کے اندر بہت سے سوالات قرآن اور رسول کی صداقت سے متعلق پیدا کر دیے۔ جن کا برسرِ موقع جواب دیا جانا ضروری ہوا۔ تاکہ مظلوموں اور کمزوروں کی ہمت افزائی بھی ہو اور جو لوگ خدا کی ڈھیل کو اپنی فتح سمجھ کر ظلم و ستم میں بالکل بے باک ہونے جا رہے تھے ان کو بھی تنبیہ ہو۔

حالات کے تقاضے سے اس میں ہجرت کی طرف بھی اشارات ہیں اور مظلوم مسلمانوں کو یہ رہنمائی دی گئی ہے کہ انھیں بہر حال ظلم کے آگے سہم نہیں ڈالنی چاہیے۔ اگر حق کی خاطر انھیں اپنے وطن کو چھوڑنا پڑ جائے تو اس کے لیے بھی انھیں تیار رہنا چاہیے۔ نہ خدا کی زمین تنگ ہے اور نہ اس کے خزانہ رزق میں کمی ہے۔ جو لوگ خدا کی راہ میں ہجرت کریں گے خدا ان کے لیے خود اپنا دامن رحمت پھیلانے کا اور ان کی ساری ضروریات کا کفیل ہوگا۔ پچھلی سورہ میں اہل کتاب کی مخالفت کی طرف بعض اشارات گزرے ہیں۔ اس سورہ میں ان کی مخالفت کمال کر سامنے آگئی ہے اس وجہ سے مسلمانوں کو یہ رہنمائی بھی دی گئی ہے کہ اہل کتاب کے ساتھ بحث میں ان کو کیا روش اختیار کرنی چاہیے۔

### ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۷) اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ حق کی راہ میں آزمائشیں لازماً پیش آتی ہیں۔ یہی پہلے بھی ہوا ہے اور یہی آئندہ بھی ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سنت ہے۔ اسی سے مومن و منافق میں امتیاز ہوتا ہے۔ البتہ آج جن لوگوں کو اللہ نے ڈھیل دے رکھی ہے وہ اس بات کو یاد رکھیں کہ وہ خدا کی گرفت سے باہر نہیں نکل سکتے اور جو لوگ ظلم و ستم کا ہدف بنے ہوئے ہیں وہ یہ یقین رکھیں کہ آج ایمان کی راہ میں جو دکھ وہ جھیل رہے ہیں ان سے کہیں بڑھ کر وہ اس کا صلہ پانے والے ہیں۔

(۸-۱۳) فالدین اور بزرگوں کی اطاعت کے حدود کی وضاحت کہ ان کی اطاعت خدا کی اطاعت کے تحت



ہے اس وجہ سے اگر کسی کے ماں باپ اس سے خدا کی نافرمانی کا مطالبہ کریں تو اس معاملے میں ان کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ خدا کے ہاں کوئی دوسرے کے اعمال کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ ہر شخص کو اپنے اعمال کی جواب دہی خود کرنی ہے۔

(۱۲-۴۰) حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور مدین، عاد، ثمود، قارون، فرعون اور ہامان کے واقعات کی طرف اجمال اشارہ جس سے مقصود انہی باتوں کو تاریخ کی روشنی میں مدلل کرنا ہے جو تہذیب میں مذکور ہوئی ہیں۔ یعنی

— حق کی راہ میں امتحان کے مراحل سے گزرنا اللہ تعالیٰ کی ایک مقرر کردہ سنت ہے۔

— حق کے مقابل میں رشتوں، قرابتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ سب سے بڑا حق اللہ کا ہے۔

— جو لوگ اللہ کے بندوں اور بندیلوں کو فتنوں میں ڈالتے ہیں وہ خدا کی گرفت سے باہر نہیں جاسکتے۔

(۴۱-۴۵) ان لوگوں کے زور و اثر کی تشیل جو دوسرے سہاروں کے بل پر خدا کے حریف بن کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ فرمایا کہ ان لوگوں کی تمام سسی و تدبیر کی مثال مکرسی کے جالے کی ہے جس سے زیادہ کمزور اور بے بنیاد تعمیر کوئی بھی نہیں ہے۔ ان کے مزعومہ شرکاء، دشمنکار کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ دنیا کوئی بازیچہ اطفال نہیں ہے بلکہ ایک غایت و حکمت کے ساتھ خدا نے اس کو بنایا ہے اور وہ غایت و حکمت ایک دن لازماً ظہور میں آئے گی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت کہ تم تمام مخالفتوں سے بے پردا ہو کر لوگوں کو اللہ کی کتاب سنناؤ اور نماز کا اہتمام کرو۔ اسی نماز کے اندر اہل ایمان کے لیے تمام ضروری آفات سے امان اور یہی طاقت کا اصلی خزانہ ہے۔

(۴۶-۵۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اہل کتاب کے بعض اعتراضات کا جواب۔ ان کے ساتھ بحث میں مسلمانوں کو جو روش اختیار کرنی چاہیے اس کی ہدایت۔ اچھے اہل کتاب کی تحسین۔ جو لوگ کسی معجزہ کا مطالبہ کر رہے تھے ان کو جواب۔

(۵۳-۵۵) عذاب کے لیے جلدی مچانے والوں کو جواب اور اس بات میں اللہ تعالیٰ کی جو سنت ہے اس کی وضاحت۔

(۵۶-۶۰) جو مسلمان ایمان لانے کے جرم میں کفار کے ہاتھوں تباہ ہوئے جارہے تھے ان کو ہجرت کی ہدایت اور دنیا و آخرت دونوں میں ان کو فوز و فلاح کی بشارت۔

(۶۱-۶۹) خاتمہ سورہ جس میں خود مشرکین کے مسمات سے ان پر توحید کے باب میں حجت قائم کی گئی ہے اور ساتھ ہی ان کو ملامت کی گئی ہے کہ اس سرزمین میں تمہیں امن و رفاہیت تو خدا کے حرم کی بدولت حاصل ہوئی لیکن تم خدا کی نعمت کی ناشکری کر رہے ہو اور عین خدا کے حرم میں بیٹھ کر اپنے خود تراشیدہ مبعودوں کے گن گارہے ہو۔ ان کی اس ناشکری کا جو انجام ان کے سامنے آنے والا ہے اس کا بیان اور اہل حق کو خدا کی مدد و نصرت کی بشارت جو اس تاریک ماحول میں حق کا نور پھیلانے کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔



مَكِّيَّةٌ \_\_\_\_\_ أَيَانُهَا ٥٩

١ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ٢ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ٣ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ٤ مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنْ أَجَلَ اللَّهُ لَاتٍ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ٥ وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ٦ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ٧ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۚ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ٨ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ٩ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ



فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةً لِلنَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ  
 مِنْ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي  
 صُدُورِ الْعَالَمِينَ ⑩ وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ  
 الْمُنَافِقِينَ ⑪ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا  
 وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ  
 إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ⑫ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ  
 وَلَيَسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ⑬

ع ۱۳

ترجمہ آیات

۱۳-۱

یہ الٹم ہے۔ کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ محض یہ کہہ دینے پر پھوڑ دیے  
 جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور وہ آزمائے نہیں جائیں گے؟ اور ہم نے تو ان لوگوں کو بھی  
 آزمایا جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ سو اللہ ان لوگوں کو میسر کرے گا جو سچے ہیں اور جھوٹوں  
 کو بھی میسر کر کے رہے گا۔ ۱-۳

کیا جو لوگ برائیوں کا ارتکاب کر رہے ہیں وہ گمان رکھتے ہیں کہ ہمارے قابو سے باہر  
 نکل جائیں گے! بہت ہی بُرا فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں! جو اللہ کی ملاقات کا متوقع ہے  
 وہ اطمینان رکھے کہ اللہ کا مقرر کردہ وقت ضرور آ کے رہے گا اور وہ سننے والا جاننے والا  
 ہے۔ اور جو ہماری راہ میں جدوجہد کر رہا ہے تو وہ اپنے ہی فائدے کے لیے جدوجہد کر رہا  
 ہے۔ اللہ عالم والوں سے بے نیاز ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور جھوٹوں نے نیک اعمال  
 کیے تو ہم ان کی برائیاں ان پر سے جھاڑ دیں گے اور ان کو ان کے عمل کا بہترین بدلہ دیں گے۔  
 اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیک سلوک کی ہدایت کی۔ اور اگر وہ تجھ



پر دباؤ ڈالیں کہ تو کسی چیز کو میرا شریک ٹھہرا جس کے بارے میں تجھے کوئی علم نہیں، تو ان کی بات نہ مان۔ میری ہی طرف تم سب کی دایسی ہے تو جو کچھ تم کرتے رہے ہو میں اس سے تمہیں آگاہ کروں گا اور جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو ہم ان کو صالحین کے زمرہ میں داخل کریں گے۔ ۸-۹

اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے لیکن جب اللہ کی راہ میں انہیں دکھ پہنچتا ہے تو وہ لوگوں کے پہنچائے ہوئے دکھ کو خدا کے عذاب کے مانند قرار دے بیٹھتے ہیں اور اگر تمہارے رب کی طرف سے کوئی مدد ظاہر ہوگی تو کہیں گے کہ ہم تو آپ لوگوں کے ساتھ تھے۔ کیا لوگوں کے دلوں میں جو کچھ ہے اللہ اس سے اچھی طرح باخبر نہیں ہے! اور اللہ ایمان والوں کو بھی تمیز کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی تمیز کر کے رہے گا۔ ۱۰-۱۱

اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ ایمان لانے والوں سے کہتے ہیں کہ تم ہماری راہ پر چلتے رہو، ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھالیں گے۔ حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں بنیں گے۔ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے گناہ لادے ہوئے ہوں گے اور اپنے گناہوں کے ساتھ کچھ اور بوجھ بھی۔ اور جو انفرادہ وہ کر رہے ہیں قیامت کے دن اس کی بابت ان سے پرسش ہونی ہے۔ ۱۲-۱۳

## ۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

الْعَذَابُ أَحْسَبُ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (۲-۱)  
'الْعَذَابُ' اس سورہ کا نام ہے۔ اس کی تحقیق سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

أَحْسَبَ النَّاسُ أَنْ الْآيَةِ: بات اگرچہ عام صیغہ سے فرمائی گئی ہے لیکن اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو کہ کی پرمٹ زندگی سے گھبراہٹے تھے۔ بعض لوگ اسلام میں داخل تو ہو گئے تھے لیکن ان کو اس راہ کی

راہ حق میں  
آزمائشیں لازماً  
پیش آتی ہیں



صورتوں کا اندازہ نہیں تھا۔ ان کو گمان تھا کہ جب انھوں نے نیکی کی راہ میں قدم رکھا ہے تو راہ ہموار ملے گی اور وہ ٹھنڈی سڑک سے منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔ ان لوگوں کو جب کفار کے ہاتھوں زہرہ گداز مصائب سے سابقہ پیش آیا تو ان کے قدم ہل گئے اور اس طرح کے حالات میں خام ذہن کے لوگوں کو جس طرح کے شبہات لاحق ہوتے ہیں ان کے ذہنوں میں بھی اسی قسم کے شبہات پیدا ہونے لگے۔ مثلاً یہ کہ اگر یہ اللہ کا راستہ ہے تو یہ اتنا دشوار گزار کیوں ہے؟ اگر اس کی دعوت دینے والے اللہ کے رسول ہیں تو ان پر ایمان لانا اتنا جان جو حکم کا کام کیوں ہے؟ ہم جب اللہ کے کام کے لیے اٹھے ہیں تو ہم دین کی خدمت کر رہے ہیں، پھر ہماری راہ میں یہ رکاوٹیں اور یہ اڑنگے کیوں ڈال دیے گئے ہیں! اس طرح کے سوالات کا پیدا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ راہ حق اور اس کے تقاضوں سے اچھی طرح آشنا نہیں تھے اور نہایت آسانی سے نفاق کے فتنہ میں مبتلا ہو سکتے تھے۔ اس سورہ میں سب سے پہلے انہی لوگوں کی بیماری کی طرف توجہ فرمائی گئی۔ ارشاد ہوا کہ اگر لوگوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ وہ ایمان کا دعویٰ کریں گے اور مجرد ان کے اس دعوے کی بنا پر ان کا نام مومنین صادقین کے رجسٹر میں درج ہو جائے گا، ان کے کھرے کھوٹے ہونے کی کوئی جانچ نہیں ہوگی، تو یہ انھوں نے نہایت غلط سمجھا تھا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ (۳)

یہ اللہ تعالیٰ نے نہایت مؤکد الفاظ میں اپنی اس سنت کی یاد دہانی فرمائی جس سے ان لوگوں کو لازماً سابقہ پیش آتا ہے جو ایمان و اسلام کا دعویٰ لے کر اٹھتے ہیں۔ فرمایا کہ ان لوگوں سے پہلے جو لوگ یہ دعویٰ لے کر اٹھے ہم نے ان کو بھی آزمائشوں میں ڈال کر ان کا امتحان کیا، اسی طرح ان کا بھی امتحان کریں گے۔ یہ اشارہ پہلے رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کی طرف ہے۔ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ یعنی اگر یہ امتحان نہ ہو تو آخر یہ کس طرح ثابت ہوگا کہ کون اپنے دعوے میں سچا ہے، کون جھوٹا ہے اس وجہ سے اللہ لازماً راست بازوں اور جھوٹے مدعیوں میں امتیاز کرے گا۔ عَلِمَ یہاں متمیز و معین کرنے کے معنی میں ہے۔ اس کی تحقیق اس کے محل میں گزر چکی ہے اور صیغہ یہاں وہ استعمال ہوا ہے جو تاکید کے لیے آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک مقررہ سنت ہے اس وجہ سے یہ کسی کو ناگوار ہو یا گوارا بہر حال اس امتحان سے ہر ایک کو گزرنا ہے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق ہے وہ ہر چیز کو محیط ہے۔ وہ ہر ایک کے باطن سے اچھی طرح باخبر ہے کہ کون مخلص ہے اور کون منافق، لیکن وہ لوگوں کے ساتھ جزا و جزا کا معاملہ مجرد اپنے علم کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ لوگوں کے عمل کی بنیاد پر کرتا ہے۔ اس وجہ سے وہ ہر ایک کو امتحان میں ڈال کر پرکھتا ہے اور اسی امتحان سے ہر ایک کے مدارج معین ہوتے ہیں۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (۴)



ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو متنبہ کرنے کے بعد یہ ان لوگوں کو بھی متنبہ فرما دیا جو کمزور مسلمانوں کو ظلم و ستم کا ہدف بنائے ہوئے تھے۔ فرمایا اگر ان لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ یہ اسی طرح ظلم و ستم کرنے کے لیے چھوڑے رکھے جائیں گے اور کبھی ہماری گرفت میں نہیں آئیں گے تو ان کا یہ گمان بالکل غلط ہے۔ یَعْلَمُونَ الشَّيَاطِیْنَ اِذَا رَفَعُوْا نَفْطًا عَامٌ ہے لیکن اشارہ انہی ناہنجار لوگوں کی طرف ہے جو بے بس مسلمانوں پر ظلم ڈھما رہے تھے اور خدا کی ڈھیل سے شہ پاکردن پر دن دلیہ ہوتے جا رہے تھے۔ فرمایا کہ یہ لوگ اگر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ خدا اسی طرح ان کو ڈھیل دیے رکھے گا تو وہ بڑی سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

’مَسَاءَ مَا يَحْكُمُوْنَ‘ یعنی ان کا یہ فیصلہ خدا کے بارے میں نہایت برا فیصلہ ہے۔ خدا کو اگر انھوں نے کمزور سمجھا ہے کہ وہ ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا جب بھی ان کا یہ فیصلہ نہایت برا ہے اور اگر انھوں نے اپنی ان تمام ستم رانیوں پر اس کو راضی اور اس معاملے سے بالکل بے تعلق و بے پروا سمجھ رکھا ہے جب بھی ان کا یہ فیصلہ نہایت غلط اور نہایت بُرا ہے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۵)

یہ مظلوم مسلمانوں کو تسلی دی ہے کہ بہر حال تمہیں ہر کام آخرت کی امید پر کرنا ہے اور اگر تم یہ امید رکھتے ہو تو اطمینان رکھو کہ اللہ نے اس کے لیے جو مدت ٹھہرا رکھی ہے وہ لازماً پوری ہو کے رہے گی۔ ایک مظلوم مسلمان دن تم اپنے رب سے ملو گے اور اس دن تم اپنی ہر اس محنت و رحمت کا صلہ پا جاؤ گے جو اس کی خاطر تم نے جمیلی ہوگی۔ خدا سمیع و علیم ہے۔ کوئی چیز اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں ہے۔ تمہاری سرفروشاں بھی اس کے علم میں ہوں گی اور تمہارے دشمنوں کی ستم رانیاں بھی اس کے سامنے ہوں گی۔

وَمَنْ جَاهَدْنَا فَآتَيْنَا بِهٖ جَآهَدًا يَنْفُسُهُۥٓ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ (۶)

یہ متنبہ فرمایا ہے کہ جو شخص ایمان لاتا اور اس راہ میں مشقتیں اٹھاتا ہے وہ یاد رکھے کہ وہ اپنا ہی مستقبل ایک برسرِ سنوارتا اور اپنا ہی گھر بھرتا ہے، وہ خدا اور اس کے دین پر کوئی احسان نہیں کرتا۔ اس وجہ سے اسے اس موقع آگاہی بات سے دل گرفتہ نہیں ہونا چاہیے کہ اسے کوئی مصیبت پیش آئی۔ اگر اسے کوئی مصیبت پیش آئی تو خدا کسی کا محتاج نہیں ہے۔ وہ تمام عالم سے متغنی ہے۔ البتہ لوگ اس کے محتاج ہیں اس وجہ سے خدا کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی بھی جو کوئی دیتا ہے وہ درحقیقت اپنے ہی نفع کے لیے دیتا ہے، اس سے خدا کو کوئی نفع نہیں پہنچتا۔ یہاں یہ حقیقت اچھی طرح ملحوظ رہے کہ دنیا کی طرح دین بھی خدا کے کام آنے والی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ بندوں ہی کے کام آنے والی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ راستہ انسان ہی کی سعادت کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ جس طرح ایک کسان اپنے کھیت میں مشقت کرتا ہے تو وہ اپنے ہی لیے کرتا ہے، کسی دوسرے کے لیے نہیں کرتا اسی طرح انسان دین کی راہ میں چل کر اپنی ہی منزلیں طے کرتا ہے۔ خدا کی منزل نہیں طے کرتا۔



وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ (۷)

ایمان کے ساتھ اللہ کا معاملہ قرینہ دلیل ہے کہ لفظ سَيِّئَاتُ یہاں معاف کر یعنی چھوٹے گناہوں کے مفہوم میں ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر صاحب ایمان و عمل کے ساتھ یہ معاملہ کرنے والا ہے کہ اس کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے وہ درگزر فرمائے گا اور اس نے جو نیک اعمال کیے ہوں گے ان کا وہ ان سے کہیں بڑھ کر صلہ دے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جب بندوں کے ساتھ خدا کا معاملہ یہ ہے کہ ہر ایک اپنے ہر چھوٹے بڑے عمل کا صلہ پانے والا ہے تو پھر اس کے دل میں یہ دوسرہ کیوں پیدا ہو کہ اس نے خدا کی راہ میں کوئی تکلیف جھیلی تو یہ اس نے اللہ اور اس کے دین پر کوئی احسان کیا!

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ إِنَّ جَاهِدَكَ بِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِنِّي مَرْجِعُكُمْ بَدَاكُمْ كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۸)

باپ ماں کے حقوق خدا کے حقوق میں ستم ہے اس وجہ سے اس حق سے باپوں نے بسا اوقات بہت غلط فائدہ اٹھایا ہے کہ اپنے حق کے نام پر انھوں نے اپنی اولاد کو خدا کے حقوق سے روکنے کی کوشش کی ہے اور اس کوشش میں انھوں نے ظلم و ستم سے بھی دریغ نہیں کیا ہے۔ اس کی مثالیں ہر دعوت حق کی تاریخ میں موجود ہیں جنہر ابراہیم علیہ السلام پر جو کچھ ان کے باپ کے ہاتھ بر گزری اس کی تفصیل کتاب میں چھپے گزر چکی ہے جسے موسیٰ کی دعوت کے دور میں نوجوانوں کو جن حالات سے سابقہ پیش آیا ان کی طرف بھی کچھ سورتوں میں اشارہ گزر چکے ہیں۔ یہی صورت حال ان نوجوانوں کو بھی پیش آئی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ وہ بھی اسلام لانے کے جرم میں اپنے باپوں اور سرپرستوں کے ظلم و ستم کے بد بھگت بن گئے۔ اس صورت حال کا تقاضا یہ ہوا کہ اس باب میں نوجوانوں کو واضح ہدایت دے دی جائے کہ والدین اگر ان کے دین کے معاملے میں مداخلت کریں تو انھیں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ فرمایا کہ ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیک سلوک کی ہدایت کی ہے اور ساتھ ہی یہ ہدایت بھی اس کو فرمائی ہے کہ اگر وہ تجھ پر اس بات کے لیے دباؤ ڈالیں کہ تو کسی چیز کو بے دلیل میرا شریک ٹھہرا تو اس معاملے میں ان کی اطاعت نہ کیجیو۔ توصیۃ یہاں ہدایت دینے کے مفہوم میں ہے اور اس معنی میں یہ قرآن میں جگہ جگہ استعمال ہوا ہے۔ اسلوب بیان سے یہ بات نکلتی ہے کہ قرآن نے اس کو یہاں تمام مذاہب اور تمام انبیاء کی مستقیم تعلیم کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ تورات، انجیل اور زبور سب میں والدین کی اطاعت کو خدا کی اطاعت کے تحت جگہ دی گئی ہے۔ والدین کو جو حق اولاد پر ملا ہے وہ خدا ہی کا عطا کردہ ہے اس وجہ سے ان کو یہ



حق ماحصل نہیں ہے کہ وہ اولاد کو خدا کے حقوق سے روکیں اور جب والدین کو یہ حق ماحصل نہیں ہے، جن کا حق خدا کے حق کے بعد سب سے بڑا ہے تو پھر دوسروں کے لیے اس حق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ اسلام میں قانون ہے کہ لَاطَاعَةُ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ خَالِقُ كَلَمٍ كَ غِلَافٍ کسی مخلوق کی اطاعت بھی جائز نہیں۔

”مَا لَيْتَ لَكَ بِدَعِيكَ“ یہ شرک کی نفی کی دلیل ہے جو قرآن میں مختلف اسلوبوں سے بیان شرک ایک ہوئی ہے۔ ”دَعِي“ کے معنی دلیل و برہان کے ہیں جہاں تک ایک خدا کا تعلق ہے وہ تو ایک بدیہی بے دلیل حقیقت ہے جس کو ایک مشرک بھی بہر حال مانتا ہے۔ رہے دوسرے اس کے شرک تو ان کی دلیل پیش چیز ہے کرنا ان لوگوں کی ذمہ داری ہے جو ان کو شرک کا خدا ٹھہراتے ہیں اور جب تک ان کے حق میں کوئی دلیل نہ ہو کسی ماقبل کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ ان کو خدائی میں شرک کر کے ان کی غلامی کا قلاوہ بھی اپنی گردن میں ڈال لے۔

”اِنَّا مَرْجِعُكُمْ فَاَنْتُمْ كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ“ میں تسلی بھی ہے اور تنبیہ بھی۔ مطلب یہ ہے کہ تبتیہ اور تسلی سب کی واپسی میری ہی طرف ہوتی ہے کوئی اور مرجع و مادی بننے والا نہیں ہے تو میں سب کو ان کے اعمال سے باخبر کروں گا۔ باخبر کرنے سے مراد ظاہر ہے کہ اعمال کی جزا اور سزا دینے کے ہیں۔ یعنی آج جو لوگ میرے بندوں کو میری راہ سے روکنے کے لیے ان پر ظلم و ستم ڈھا رہے ہیں ان کی کڑوئیں بھی میں ان کے سامنے رکھوں گا اور میرے جو بندے میری راہ میں استغامت دکھائیں گے ان کی جانبازیوں کا انعام بھی ان کو بھرپور دوں گا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (۹)

اوپر کی آیت میں نمایاں پہلو تنبیہ کا تھا اس آیت میں تسلی کے پہلو کا صریح الفاظ میں ذکر فرما دیا۔ ”اَمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ“ یہاں اپنے حقیقی مفہوم میں ہے۔ یعنی جو لوگ اپنے دشمنوں کی تمام دشمنی کے علی الرغم ایمان و عمل صالح پر قائم و استوار رہیں گے۔ فرمایا کہ ان لوگوں کو ہم بلاشبہ زمرة صالحین میں داخل کریں گے۔ زمرة صالحین سے مراد اللہ کے ان خالص و مخلص بندوں کا گروہ ہے جن کو اس دنیا کی مختلف آزمائشوں سے گزار کر اللہ تعالیٰ آخرت کی ابدی بادشاہی کے لیے منتخب فرما رہا ہے۔ اس گروہ میں ہر مدعی کے لیے جگہ نہیں ہے۔ اس میں صرف وہی لوگ بار پائیں گے جو اپنے آپ کو امتحان کی کسوٹی پر کھرا ثابت کریں گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ اٰمَنًا بِاللّٰهِ فَاِذَا اُودِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةً النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِّنْ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعٰلَمِيْنَ (۱۰)



ایمان کے مدعیوں کا ذکر فرمایا کہ یہ لوگ ایمان کا دعویٰ کرنے کو تو کر بیٹھے لیکن جب اس راہ کی آزمائشوں سے سابقہ پیش آیا ہے تو وہ لوگوں کی پہنچائی ہوئی ادیت سے اس طرح گھبرا اٹھے ہیں جس طرح خدا کے عذاب سے ڈرنا اور گھبرانا چاہیے۔ حالانکہ اس دنیا میں جو دکھ بھی پہنچے گا بہر حال وہ چند روزہ ہے۔ برعکس اس کے خدا جس عذاب میں پکڑنے والا ہے وہ ابدی ہے۔ اس وجہ سے حق کی خاطر اس دنیا میں بڑی سے بڑی مصیبت جھیل لینا بھی آسان ہے بمقابلہ اس کے کہ اس سے مرعوب ہو کر آدمی اپنے آپ کو ابدی عذاب کا سزاوار بنا لے۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی جو سنت جاری ہے اس کے تحت ہر شخص کو بہر حال دو راستوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ یا تو وہ حق کا راستہ انتخاب کرے اور پھر پوری پامردی کے ساتھ خلق کی بے مہری بلکہ اس کے ظلم و ستم کا مقابلہ کرے اور اگر اس کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا تو پھر باطل کے ساتھ چلے اور آخرت میں ابدی خسران سے دوچار ہو۔ ان دو کے سوا اور کوئی راہ نہیں ہے۔

یہاں یہ چیز بھی قابلِ توجہ ہے کہ لوگوں کے ہاتھوں آدمی کو جو دکھ پہنچے ہیں ان کو نکتہ یعنی آزمائش سے تعبیر فرمایا ہے اس لیے کہ ان کی حیثیت بہر حال ایک آزمائش سے زیادہ نہیں ہوتی لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ پیش آئے گا اس کو عذاب سے تعبیر فرمایا اس لیے کہ وہ درحقیقت عذاب ہو گا جس سے منفی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

وَلَبِئْسَ جَاءَ نَصْرُكُمْ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۚ یعنی اس وقت تو آزمائشوں نے ان کے قدم ہلا دیے ہیں اور یہ دشمنانِ حق کے ہم نوا بن بیٹھے ہیں لیکن کل جب خدا کی مدد و نصرت کے آثار ظاہر ہوں گے تو یہ بڑے دعوے کے ساتھ کہیں گے کہ ہم نے بھی اس حق کی خاطر بڑی قربانیاں دی ہیں اس راہ میں ہم کسی سے پیچھے نہیں رہے ہیں۔

اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعٰلَمِيْنَ ۚ فرمایا کہ یہ دعویٰ تو اس کے آگے کا رگڑ ہو سکتا ہے جو دلوں کے بھیدوں سے بے خبر ہو جس پر سارا ظاہر و باطن آشکارا ہو اس پر یہ فریب کیا چلے گا!

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ (۱۱)

مطلب یہ ہے کہ جب اس طرح فحاصلین کے ساتھ منافقین بھی ملے ہوئے ہیں تو اللہ ان کو اسی طرح چھوٹے نہیں رکھے گا بلکہ وہ ان دونوں کو چھانٹ کر الگ الگ کرے گا۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے یہاں مومنین فحاصلین مراد ہیں۔ اس لیے کہ اس کے مقابل میں منافقین کا ذکر ہے جن کا کردار اور پروا کی آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ وہ ایمان کے مدعی تو بن بیٹھے ہیں لیکن اس راہ میں چوٹ کھانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ بات بصیغہ تاکید بیان ہوئی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ فرق امتیاز اللہ تعالیٰ کی صفات کا لازمی تقاضا ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو یہ بات اس کے عدل کے منافی ہوگی۔



وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ وَمَا هُمْ بِخَبِيرِينَ  
مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَنْتَ لَا تَمَعُ أَثْقَالَهُمْ زَكَتُكَ  
يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ (۱۲-۱۳)

’الَّذِينَ كَفَرُوا‘ اگرچہ باعتبار لفظ عام ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ اس سے مراد وہ کفار ہیں جن کی اولاد یا دوسرے زیر دست افراد اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ یہ لوگ اپنے زیر دستوں کو اسلام سے پھرنے کے لیے ان پر جبر و ظلم بھی کرتے اور یہ اخلاقی دباؤ بھی ڈالتے کہ ہم نیک و بد اور خیر و شر کو تم سے زیادہ سمجھنے اور پرکھنے والے ہیں۔ اس وجہ سے تم ہمارے طریقے پر چلتے رہو، اگر ہمارا طریقہ غلط ہوا تو اس کا عذاب ثواب ہماری گردن پر ہے، تم اس کی ذمہ داری سے بری ہو، تمہارا بوجھ ہم اٹھالیں گے۔ یہ منطق بزرگوں، سرپرستوں، باپوں، استادوں، پیروں اور لیڈروں کی طرف سے، اپنے چھوٹوں کے مقابل میں، پہلے بھی ہمیشہ استعمال کی گئی ہے اور اب بھی استعمال کی جاتی ہے اور بسا اوقات یہ موثر بھی ہوتی ہے۔ ایک خاص حد تک اس کی تاثیر ایک امر فطری ہے اور اس میں چنداں ہرج بھی نہیں ہے۔ لیکن دین کا معاملہ نہایت اہم ہے۔ اس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے اس کے اپنے کندھوں پر ڈالی ہے۔ اس معاملے میں بے سوچے سمجھے نہ کسی کی تقلید جائز ہے اور نہ کسی کو اپنی تقلید پر مجبور کرنا جائز ہے۔ خدا کے ہاں کوئی بھی کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے والا نہیں بن سکے گا۔ لَا تَزِدُ وَازِدًا وِزْرًا خَرَىٰ یہاں اسی حقیقت کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ جو لوگ اپنے زیر دستوں کو یہ اطمینان دلا رہے ہیں کہ وہ ان کے بوجھ اٹھالیں گے وہ بڑی غلط فہمی میں ہیں اور بالکل جھوٹ اطمینان دلا رہے ہیں۔ قیامت کے دن ایسے لوگوں کا حال یہ ہو گا کہ یہ اپنے گناہوں کے بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہوں گے اور ان لوگوں کے بوجھ میں سے بھی ان کو حصہ بٹانا پڑے گا جو ان کے گمراہ کرنے سے گمراہ ہوں گے۔

’عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ‘ سے مراد وہ بدعتیں ہیں جو ایجاد تو انھوں نے خود کیں لیکن ان کو منسوب اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں اور ان کی حمایت میں اتنا غلو ہے کہ دوسروں کو بھی ان پر مجبور کرتے ہیں اور ان کے عذاب و ثواب کی ذمہ داری اپنے سر لینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ ان سب کی بابت قیامت کے دن ان سے پرسش ہوتی ہے۔

## ۲۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۴۰-۴۱

ادھر کی آیات میں تین باتیں مذکور ہوئی ہیں۔

ایک یہ کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اٹھتے ہیں وہ ٹھنڈی سڑک سے منزل مقصود تک نہیں پہنچ جاتے بلکہ ان کو اس راہ میں بہت سے امتحانات سے گزرنا پڑتا ہے، ان سے گزرے بغیر اللہ تعالیٰ کے



ہاں کسی کو سادقین و مخلصین کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔

دوسری یہ کہ دین کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر شخص خود مسئول و ذمہ دار ہے، کوئی دوسرا اس کا بوجھ اٹھانے والا نہیں بن سکے گا اس وجہ سے اس عذر پر تکیہ کرنا کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس نے کوئی بے راہروی دوسرے کے دباؤ سے اختیار کی، خواہ یہ دباؤ اخلاقی ہو یا مادی۔

تیسری یہ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حق پرست بندوں کو مختلف قسم کی مصیبتوں میں مبتلا کر کے ان کو حق سے پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کو ایک عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل تو ملتی ہے لیکن اس ڈھیل سے اگر ان کا طغیان بڑھ جاتا ہے تو وہ لازماً اللہ تعالیٰ کے قانون کی گرفت میں آتے ہیں اور جب اس کی گرفت میں آ جلتے ہیں تو پھر ان کے لیے کوئی مفر باقی نہیں رہتا۔

آگے کی آیات میں انہی حقائق کو حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے مخالفین و مکذبین کے احوال و واقعات سے بہرہ بن کیا ہے۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٣﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿١٤﴾ وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذِكْرُ خَيْرٍ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٥﴾ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١٦﴾ وَإِنْ تَكْذِبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّن قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿١٧﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿١٨﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ



الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ  
 قَدِيرٌ ②٠ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ وَإِلَيْهِ  
 تُقْلَبُونَ ②١ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ  
 وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ②٢ وَالَّذِينَ كَفَرُوا  
 بَايَتِ اللَّهُ وَلِقَايَهُ أُولَئِكَ يَكْسِبُوا مِنْ رَحْمَتِي وَأُولَئِكَ  
 لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ②٣ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا  
 اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً  
 لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ②٤ وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا  
 مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكْفُرُ  
 بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا  
 لَكُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ②٥ فَأَمِنْ لَهُ لُوطٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ  
 إِلَى بَيْتِ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ②٦ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ  
 وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ  
 فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ②٧ وَلُوطًا إِذْ قَالَ  
 لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ  
 مِنَ الْعَالَمِينَ ②٨ أَيَّتُكُمُ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ  
 وَتَأْتُونَ فِي نَادِيَكُمُ الْمُنْكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ  
 قَالُوا اتُّخِثَ بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ ②٩ قَالَ



رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمَفْسِدِينَ ٣٠ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ  
بِالبُشْرَى قَالُوا إِنَّا مَهْلِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ إِنَّا أَهْلُهَا  
كَانُوا ظَالِمِينَ ٣١ قَالَ إِنْ فِيهَا لُوطٌ فَأَنُوحُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ  
فِيهَا لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا أُمَّرَأَتَهُ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ٣٢  
وَلَمَّا أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيقًا بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذُرْعًا  
وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ إِنَّا مُنْجِيُكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا أُمَّرَأَتَكَ  
كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ٣٣ إِنَّا مُنْزِلُونَ عَلَى أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا  
مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ٣٤ وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً  
بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ٣٥ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ  
يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْبُوا فِي الْأَرْضِ  
مُفْسِدِينَ ٣٦ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي  
دَارِهِمْ جِثَمِينَ ٣٧ وَعَادًا وَثَمُودًا وَقَدْ بَيَّنَّا لَكُم مِّنْ  
مَّسْكِنِهِمْ ۖ وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَغْمَا لَهُمْ فَوَّضَهُمُ عَنِ السَّبِيلِ  
وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ٣٨ وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنُ وَهَامَانَ تَدْوَلَقَدُ  
جَاءَهُمْ مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا  
سَابِقِينَ ٣٩ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذُنُوبِهِ ۖ فَمِنْهُمْ مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ  
حَاصِبًا ۖ وَمِنْهُمْ مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۖ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا  
بِهِ الْأَرْضَ ۖ وَمِنْهُمْ مَّنْ أَغْرَقْنَا ۖ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّهُمْ وَلَكِنْ



كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۴۰﴾

اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا تو وہ ان کے اندر پچاس سال  
کم ایک ہزار سال رہا۔ تو ان کو طوفان نے آپکڑا اور وہ اپنی جانوں پر خود ظلم ڈھانے  
والے بنے۔ پس ہم نے اس کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور اس واقعہ کو دنیا والوں کے  
لیے ایک عظیم نشانی بنایا۔ ۱۴-۱۵

اور ابراہیم کو بھی رسول بنا کر بھیجا جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی بندگی کرو  
اور اس سے ڈرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر جانو۔ تم اللہ کے سوا بس بتوں کی پوجا کر رہے  
ہو اور بتان گڑھ رہے ہو جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو یہ تمہارے لیے رزق پر کوئی اختیار  
نہیں رکھتے تو اللہ ہی کے پاس رزق کے طالب بنو اور اسی کی بندگی کرو اور اسی کے شکر گزار  
رہو۔ اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ ۱۶-۱۷

اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو یاد رکھو کہ تم سے پہلے بھی بہت سی قوموں نے جھٹلایا اور رسول  
پر واضح طور پر پہنچا دینے کے سوا اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ ۱۸

کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ خلق کا آغاز کرتا ہے پھر اس کا اعادہ کر دیتا  
ہے۔ بے شک یہ اللہ کے لیے نہایت آسان ہے۔ ان سے کہو، زمین میں چلو پھر دو اور  
دیکھو کہ کس طرح اللہ نے خلق کا آغاز کیا اور پھر اس کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرے گا بے شک اللہ  
ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا رحم کرے گا  
اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور نہ تم زمین میں خدا کے قابو سے باہر نکل سکو گے اور  
نہ آسمان میں اور تمہارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی کار ساز ہے اور نہ کوئی مددگار۔ اور جن لوگوں



نے اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا تو وہی لوگ ہیں جو میری رحمت سے محروم ہوئے اور وہی لوگ ہیں جن کے لیے ایک دردناک عذاب ہے۔ ۱۹-۲۳

تو اس کی قوم کا جواب صرف یہ ہوا کہ انھوں نے کہا کہ اس کو قتل کر دو یا جلا دو۔ تو اللہ نے اس کو آگ سے نجات دی بے شک اس کے اندر بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائیں۔ ۲۴

اور اس نے کہا تم نے اللہ کے سوا جو بت بنائے ہیں، تمھاری آپس کی دوستی بس دنیا کی زندگی تک ہے۔ پھر قیامت کے دن تم میں سے ہر ایک دوسرے کا انکار کرے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا اور تمھارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمھارا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ ۲۵

پس لوط نے اس کی تصدیق کی اور کہا، میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں۔ بے شک وہی عزیز و حکیم ہے۔ ۲۶

اور ہم نے اس کو عطا کیے اسحاق اور یعقوب اور اس کی ذریت میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ جاری کیا۔ اور ہم نے اس کا سلسلہ اس کو دنیا میں بھی دیا اور وہ آخرت میں بھی نیکوکاروں کے زمرے میں سے ہوگا۔ ۲۷

اور لوط کو بھی ہم نے رسول بنایا۔ جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ ایک کھلی ہوئی بدکاری کا ارتکاب کرتے ہو۔ تم سے پہلے دنیا میں کسی قوم نے بھی اس کا ارتکاب نہیں کیا! کیا تم مردوں سے شہوت رانی کرتے اور فطرت کی راہ مارتے ہو! اور اپنی مجلسوں میں بے حیائی کے مزنگب ہوتے ہو! تو اس کی قوم کا جواب صرف یہ ہوا کہ وہ بولے کہ اگر تم



سچے ہو تو ہمارے اوپر اللہ کا عذاب لاؤ! ۲۸-۲۹

اس نے دعا کی، اے رب! اس مفسد قوم کے مقابل میں میری مدد کر۔ اور جب ہمارے فرستادے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے، انھوں نے کہا، ہم اس بستی والوں کو ہلاک کر دینے والے ہیں۔ اس کے باشندے بڑے ہی ناہنجار ہیں! اس نے کہا، اس میں تو لوط بھی ہے! انھوں نے جواب دیا کہ جو اس میں ہیں ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔ ہم اس کو اور اس کے متعلقین کو بچالیں گے مگر اس کی بیوی کو، وہ پیچھے جانے والوں میں سے ہوگی۔ ۳۰-۳۱ اور جب یوں ہوا کہ آئے ہمارے فرستادے لوط کے پاس تو وہ ان سے آزرہ اور دل تنگ ہوا اور وہ بولے کہ تم نہ کوئی اندیشہ کرو، نہ غم، ہم تم کو اور تمھارے متعلقین کو بچالیں گے بجز تمھاری بیوی کے، وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ ہم اس بستی والوں پر، ان کی نافرمانی کی پاداش میں، آسمان سے ایک آفت اتارنے والے ہیں! درہم نے اس کی ایک واضح نشانی باقی رکھی ان لوگوں کے لیے جو سوچنا سمجھنا چاہیں۔ ۳۲-۳۵

اور ہم نے مدین والوں کے پاس ان کے بھائی شعیب کو بھیجا تو اس نے دعوت دی، اے میری قوم کے لوگو، اللہ کی بندگی کرو اور یوم آخرت کے منتظر رہو اور زمین میں فساد چلانے والے بن کر نہ بڑھو۔ تو انھوں نے اس کو جھٹلایا تو ان کو زلزلہ نے آپکڑا۔ پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ ۳۶-۳۷

اور عاد اور ثمود کو بھی ہم نے ہلاک کر دیا۔ اور تم پر ان کی بستیوں کے نشان واضح ہیں۔ اور شیطان نے ان کے مشاغل ان کی نگاہوں میں گھبا دیے اور اس طرح ان کو صحیح راہ سے روک دیا، حالانکہ وہ بڑے ہی ہوشیار لوگ تھے۔ ۳۸



اور فارون و فرعون اور ہامان کو بھی ہم نے ہلاک کر دیا اور موسیٰ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انھوں نے ملک میں گھنڈ کیا اور وہ ہمارے قابو سے باہر نکل جانے والے نرین سکے۔ ۳۹

پس ہم نے ان میں سے ہر ایک کو اس کے گناہ کی پاداش میں پکڑا۔ ان میں سے بعض پر ہم نے گرد باد کا طوفان بھیجا۔ اور ان میں سے بعض کو کڑک نے آپکڑا، اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے غرق کر دیا اور اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنے۔ ۴۰

### ۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا  
فَاَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ (۱۴)

حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سال عمر کا ذکر صرف اسی سورہ میں آیا ہے۔ عمر کی یہ تصریح اس سورہ کے عمود کے تقاضے سے ہوئی ہے۔ اوپر یہ بات گزر چکی ہے کہ جو لوگ حق کی راہ اختیار کریں ان کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ جلدی سے، بغیر کوئی زحمت و مشقت جھیلے، منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے بلکہ انھیں ایک طویل مدت تک آزمائشوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اسی حقیقت کو مبراہن کرنے کے لیے یہاں حضرت نوح کی عمر کا حوالہ دیا کہ انھیں اپنی قوم کے ساتھ ایک طویل مدت تک کشمکش کرنی پڑی تب کہیں جا کر وہ اللہ تعالیٰ کے امتحان میں سُرخ رُو اور اپنے فرض سے فارغ ہوئے۔

حضرت نوح  
کا طویل امتحان

حضرت نوح علیہ السلام کی جو عمر یہاں مذکور ہوئی ہے بالکل تورات کے بیان کے مطابق ہے۔ تورات میں ہے:

حضرت نوح

کے زمانہ میں

عمروں کا اد

”اور طوفان کے بعد نوح ساڑھے تین برس اور بیتار ہوا اور نوح کی کل عمر ساڑھے نو سو برس کی ہوئی“

تب اس نے وفات پائی۔ (پیدائش: ۲۸-۲۹)

تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں عمروں کا اوسط آج کی نسبت بہت زیادہ تھا۔ حضرت نوح کے والد کی عمر سات سو تہتر برس کی ہوئی۔ ان کے دادا کی عمر نو سو اہتر برس مذکور ہے۔ اسی طرح ان کے



دوسرے اجداد میں سے کسی کی عمر نو سو باسٹھ برس مذکور ہے اور کسی کی آٹھ سو پچانوے برس۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح کی یہ عمر اس دور کی اوسط عمر کے بالکل مطابق ہے۔ اس عہد کی کوئی مدون تاریخ موجود نہیں ہے۔ صرف تورات ہی کے ذریعہ سے کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ تورات کے ان بیانات کی تکذیب کی جائے۔ یہ امر بھی یہاں ملحوظ رہے کہ اس عہد میں جب کہ ہماری یہ زمین ابھی آباد ہو رہی تھی اور تمدن و معیشت کے وہ مفاسد ظہور میں نہیں آئے تھے جو اب زندگی کے ہر شعبے پر چھا گئے ہیں، اگر عمروں کا اوسط زیادہ رہا ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے بلکہ یہ عین حکمت الہی اور نظرت انسانی کے تقاضوں کے مطابق ہے۔

”فَاَخَذَ هُمُ الطُّوفَانُ فَهُمْ ظَالِمُونَ“ اس ٹکڑے سے تمہید میں بیان کردہ دوسری حقیقت کی تائید ہوئی کہ ہر چند اللہ تعالیٰ اعدائے حق کو ڈھیل تو دیتا ہے لیکن اس ڈھیل کی ایک حد ہوتی ہے جس کے بعد وہ ان کو ضرور پکڑتا ہے اور یہ پکڑنا ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ظلم نہیں ہوتا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنتے ہیں اس لیے کہ ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو چکی ہوتی ہے۔ سنت الہی کے مطابق جس طرح اہل حق کا کامیابی کی منزل پر پہنچنے سے پہلے امتحان ضروری ہے اسی طرح اہل باطل پر عذاب سے پہلے ان پر تمام حجت لازمی ہے۔

فَاَنْجَيْنَاهُ وَاَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ (۱۵)

یعنی اتنی طویل کشمکش اور آزمائش کے بعد وہ مرحلہ آیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی اور اس واقعہ کو دنیا والوں کے لیے ایک عظیم نشانی بنایا جس کے آئینہ میں اہل حق اور اہل باطل دونوں اپنے اپنے انجام دیکھ سکتے ہیں۔

”وَجَعَلْنَاهَا“ میں ضمیر کا مرجع کوئی معین لفظ نہیں ہے بلکہ وہ پورا واقعہ ہے جو اوپر بیان ہوا۔ عربی میں ضمیروں کے استعمال کا یہ طریقہ معروف ہے اس کی مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔

حضرت نوح کے اس واقعہ میں اس بات کی دلیل بھی موجود ہے جو اوپر بیان ہوئی کہ دین کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کی طرف سے کوئی دوسرا جواب دہی نہ کر سکے گا۔ اگر اس کی کوئی گنجائش ہوتی تو حضرت نوح اپنے بیٹے کو خدا کی پکڑ سے ضرور بچا لیتے لیکن جب حضرت نوح جیسے جلیل القدر پیغمبر اپنے بیٹے کے کچھ کام نہ آ سکے تو تابہ دیگران چہ رسد۔

وَإِذْ هَبْنَا دَاوُدَ إِلَيْنَا بِالْحَقِّ وَنَاثِقُوهُ ۖ ذِكْرًا لِّكَوْنِكَ خَيْرًا لِّكَوْنِكَ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (۱۶)

یعنی جس طرح ہم نے نوح کو رسول بنا کر بھیجا تھا اسی طرح ابراہیم کو بھی اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ اس نے بھی اپنی قوم کو دعوت دی کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس کے غضب سے ڈرو۔ اس کے غضب

امتحان کے بعد حضرت نوح اور ان کے ساتھیوں کی کامیابی

ضمیر کا مرجع پورا واقعہ ہے

حضرت ابراہیم کی دعوت اور ان کا امتحان



سے ڈرو، یعنی اس کی بندگی میں دوسروں کو شریک کر کے اس کے غضب کو دعوت نہ دو۔ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ  
 اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ تنبیہ کا کلمہ ہے۔ یعنی یہ بہترین نصیحت اور بہترین موعظت ہے جو میں بالکل وقت پر تمہیں  
 پہنچا رہا ہوں بشرطیکہ تم اس کو سمجھو اور اس کی قدر کرو۔

اِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ اِفْكَارًا اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ  
 اللّٰهِ لَا یَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَہٗ  
 اِلَیْہِ تُرْجَعُونَ (۱۷)

یعنی اپنے جن معبودوں کو تم شریکِ خدا سمجھ کر پوج رہے ہو ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے، یہ محض بت  
 اور تھان اور استھان ہیں۔ وَتَخْلُقُونَ اِفْكَارًا یعنی تمہارا یہ دعویٰ کہ خدا نے ان کو اپنی خدائی میں شریک  
 بنایا ہے محض ایک بہتان ہے جو تم خدا پر لگا رہے ہو۔ نہ خدا نے کہیں یہ فرمایا ہے کہ اس نے ان کو اپنا  
 شریک بنایا ہے اور نہ تمہارے پاس اس کے حق میں کوئی دلیل ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللّٰهِ  
 الرِّزْقَ یعنی اگر تمہارا یہ گمان ہے کہ رزق و فضل پر تمہارے ان دیر تاؤں کا کوئی اختیار ہے تو یہ محض  
 تمہارا وہم ہے ان کو تمہارے رزق پر کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ ہر چیز خدا ہی کے اختیار میں ہے تو اگر  
 تم رزق و فضل کے طالب ہو تو خدا ہی کی طرف رجوع کرو اور اسی سے مانگو۔

وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَہٗ یعنی تمہاری عبادت و شکر گزاری کا اصل حقدار وہی ہے جس کے  
 اختیار میں سب کچھ ہے اور جو تمہیں سب کچھ دیتا ہے تو اس کے حق میں دوسروں کو شریک کر کے اس کی  
 ناشکری نہ کرو۔

وَ اِلَیْہِ تُرْجَعُونَ یعنی مرنے کے بعد تم اٹھائے جاؤ گے اور تمہاری پیشی اسی کے سامنے ہونے والی  
 ہے۔ اس دن تمہارے یہ اصنام و اوثان تمہارے کچھ کام آنے والے نہیں بنیں گے۔

وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ وَ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (۱۸)  
 یہ نہایت سخت الفاظ میں تنبیہ ہے کہ اگر تم نے میری بات نہ مانی اور میری کذیب پر اڑے ہے  
 تو یاد رکھو کہ تم سے پہلے بھی بہت سی قوموں نے اپنے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تو جو انجام ان کا ہوا اس  
 انجام سے دوچار ہونے کے لیے تیار رہو۔

وَ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ یعنی رسول کے اوپر ذمہ داری صرف واضح طور پر اللہ  
 کی بات پہنچا دینے کی ہوتی ہے۔ وہ فرض میں نے ادا کر دیا۔ اب ذمہ داری تمہاری ہے۔ اب جو پیش  
 ہوگی وہ تم سے ہوگی۔ اب مجھ سے یہ پیش نہیں ہوگی، کہ تم نے ہدایت کی راہ کیوں نہیں اختیار کی!

اَوْ لَمْ یَسِّرْ لَّکُمْ یٰۤاٰدِیُّ اللّٰهُ اَلَمْ یَخْلُقْ لَّکُمْ لُجُجًا طَرَاتْ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ (۱۹)



یہ اور اس کے بعد کی آیات، آیت ۲۳ تک، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کے بیچ میں اللہ چنڈ آیت  
تعالیٰ کی طرف سے اسی طرح کی تفصیل ہے جس کی متعدد مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بطور تفصیل  
کی بات جب قیامت کے ذکر تک پہنچی تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے قیامت کے دلائل کا  
حوالہ دے کر حضرت ابراہیم کی بات کو مکمل اور کلام کو بالکل مطابق حال بنا دیا۔

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ يَعْنِي اِذَا مَرِئَتْ  
کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے میں کوئی شک ہے تو کیا انھوں نے اس کائنات میں اس حقیقت کا مشاہدہ  
نہیں کیا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ چیزوں کو پیدا کرتا ہے، پھر ان کو فنا کرتا ہے اور پھر دوبارہ ان کا اعادہ کر دیتا  
ہے، یہی وہی دلیل کی طرف اشارہ ہے جو مختلف اسلوبوں سے، متعدد مقامات میں پیچھے گزر چکی ہے مطلب  
یہ ہے کہ جب زمین کو بالکل خشک و بے آب و گیاہ کر دینے کے بعد اس کو از سر نو سرسبز و شاداب کر دینے  
میں خدا کو کوئی مشکل نہیں پیش آرہی تو لوگوں کے مر کھپ جانے کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کر دینے میں اس کو  
کیوں مشکل پیش آئے گی۔

إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۚ يَعْنِي اس کو مستبعد اور بعید از امکان نہ خیال کرو۔ جس خدا نے ہر چیز  
کو عدم سے وجود بخشا اور جو برابر اپنی اس قدرت کا اس کائنات میں مشاہدہ کر رہا ہے اس کے لیے تمہیں  
دوبارہ اٹھا کھڑا کرنا ناپید ہل ہے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ  
إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۲۰)

یہ اس دنیا کے مظاہر پر صحیح نقطہ نگاہ سے غور کرنے کی دعوت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دنیا کے  
نظام کو اس طرح چلا رہا ہے کہ یہ تمام حقائق کی تعلیم کے لیے خود اپنے وجود کے اندر ایک مکمل تربیت گاہ  
ہے۔ توحید، قیامت اور جزا و سزا کے لیے باہر سے دلیل ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس دنیا  
کے شب و روز کے مشاہدات میں ان میں سے ہر چیز کی شہادت موجود ہے۔ فرمایا کہ اس زمین میں جا پھرو  
اور غور کی نگاہ سے دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کس طرح خلق کا آغاز فرماتا ہے اور پھر اس کو فنا کر کے اس کو دوبارہ اٹھا  
کھڑا کرتا ہے۔ ایک قوم کو وہ وجود بخشتا ہے اور پھر اس کو مٹا کر اس کی جگہ دوسری قوم کو لاتا ہے۔ رات  
کے بعد دن نمودار کرتا ہے، خزاں کے بعد بہار آجاتی ہے۔ یہ سارے مشاہدات وہ اسی لیے کر رہا ہے کہ  
انسان مرنے کے بعد کی زندگی کو بعید از امکان نہ تصور کرے بلکہ اپنے روزمرہ کے مشاہدات کی روشنی میں  
یقین رکھے کہ جس خالق کی قدرت کے یہ کرشمے وہ ہر روز اور ہر آن مشاہدہ کر رہا ہے اس کے لیے کوئی کام  
بھی مشکل نہیں ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَإِلَيْهِ تُقْبَلُونَ (۲۱)



یعنی اس دنیا کے واقعات و حوادث اور اس کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور جس پر پاتا ہوتا ہے رحم فرماتا ہے۔ اس کے اپنے تازن علیٰ حکمت کے سوا اور کوئی چیز بھی اس کی مشیت و قدرت پر اثر انداز نہیں ہوتی ہے۔ قرآن میں قوموں کی جو تاریخ بیان ہوئی ہے وہ اس حقیقت کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ اور یہیں سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ آخرت میں بھی عذاب و ثواب کا معاملہ تمام تر اسی کے اختیار میں ہوگا، کوئی دوسرا اس کے اس اختیار میں مداخلت نہ کر سکے گا۔ وہی اپنے عدل و حکمت کے مطابق جس کو چاہے گا سزا دے گا، جس کو چاہے گا اپنی مغفرت سے نواز سکے گا۔

وَالْيَٰسَۥٓءُ تَقْبُضُوۡنَ ۖ اُوۡرِیۡہِیۡنَ سَے یہ بات بھی نکلی کہ سب کی واپسی بالآخر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہوتی ہے، کسی اور کی یہ خشیت نہیں ہے کہ وہ مولیٰ و مرجع بن سکے۔ جب اس دنیا میں اس کی گرفت سے بچانے والا کوئی اور نہ بن سکا، کسی اور کی ڈبائی کچھ کارگر نہ ہو سکی تو آخرت میں اس کے نافع ہونے کی توقع کس بنیاد پر کی جائے!

وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیۡنَ فِی الْاٰدَمِیۡنَ وَلَا فِی السَّمٰوٰتِ زَاۡمَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ دُوۡنِیۡ وَلَا نَصِیۡرٌ (۲۲)

اور پر کی باتیں غائب کے اسلوب میں ارشاد ہوئی ہیں۔ اب یہ قریش کو براہ راست خطاب کر کے تنبیہ کی جا رہی ہے تاکہ کلام بالکل مطابق حال ہو جائے۔ فرمایا کہ جب وہ تم کو پکڑنا چاہے گا تو اس کی پکڑ سے نہ تم زمین میں کہیں اس کے قابو سے باہر نکل سکو گے اور نہ آسمانوں میں۔ نہ یہاں تمہارا کوئی ساتھی اور کارساز بن سکے گا نہ آخرت میں تمہارا کوئی حامی و شفیع ہوگا۔

وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یَاۡبِیۡتِ اللّٰہِ دِیۡقَآئِہٖ اُولٰٓئِکَ یَبِیۡسُوۡا مِنۡ دَحۡمَتِیۡ وَاُوۡلٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ (۲۳)

’بِیۡسُوۡا‘ یہاں ’حوموا‘ اور ’بَعُدُوۡا‘ کے معنی میں ہے۔ یعنی وہ ہلکے ہمیشہ کے لیے خدا کی رحمت و عنایت سے محروم ہوئے۔ اس لفظ میں ’حُرْمُوۡا‘ کے بالتقابل زیادہ زور ہے۔ بعض اوقات کسی چیز سے محرومی اس کے دوبارہ حصول کی امید کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ محرومی زیادہ دل شکن نہیں ہوتی۔ کفار کو آخرت میں خدا کی رحمت سے جو محرومی ہوگی وہ کامل مایوسی کے ساتھ ہوگی۔ ان کے لیے امید کے دروازے ہمیشہ کے واسطے بند ہو جائیں گے۔

فرمایا کہ جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا، جو آج ان کو سنائی جا رہی ہیں اور خدا کے حضور پیشی کا، جس سے ان کو ڈرنا جا رہا ہے، انکار کیا وہ یاد رکھیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے میری رحمت سے مایوس و نامراد ہوئے۔ اس رحمت کا استحقاق پیدا کرنے کا موقع صرف اسی دنیا کی زندگی میں ہے۔ جو لوگ یہ فرصت



رائگاں کر دیں گے ان کے لیے اس کو کھوکھرا پانے کا کوئی امکان نہیں۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۲۴)

بیچ میں تعین کی جو آیات آگئی تھیں وہ اوپر کی آیت پر ختم ہوئیں۔ اب اصل سرگزشت کا بقیہ حصہ  
پھر سامنے آگیا۔ فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ کی اس درد مندانہ دعوت کا جواب ان کی قوم نے دیا تو یہ دیا کہ  
اس شخص کو یا تو قتل کر دو یا جلادو۔ بالآخر اسی دوسری رائے پر اتفاق ہوا اور قرآن میں دوسری جگہ یہ تصریح  
ہے کہ اس کے لیے ایک خفیہ سکیم بنائی گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کو دشمنوں کے اس  
شر سے بچالیا۔ فرمایا کہ اس واقعہ کے اندر ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو ایمان کی راہ  
اختیار کریں۔

اس میں پہلی نشانی تو اس بات کی ہے کہ جو لوگ ایمان کی راہ اختیار کریں وہ اس حقیقت کو یاد رکھیں  
کہ اس راہ میں بہت سے سخت امتحانات پیش آتے ہیں جن سے گزرے بغیر کوئی شخص ایمان کے تقاضوں  
سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو اس راہ میں آگ کے لاؤ کے  
اندر سے ہو کر گزرنا پڑا ہے۔

دوسری نشانی اس بات کی ہے کہ اس راہ میں علاقائی کی زنجیریں کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہیں۔ حضرت  
ابراہیمؑ کے باپ — آزر — نے ان پر پورا دباؤ ڈالا کہ ان کو ایمان کی راہ سے روک دے لیکن حضرت  
ابراہیمؑ علیہ السلام اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ دین کے معاملہ میں ان کا باپ خدا کے ہاں  
ان کی طرف سے جواب دہ نہیں ہوگا بلکہ انہیں اپنی جواب دہی خود کرنی ہوگی اس وجہ سے باوجود اس کے  
کہ وہ اپنے باپ کے لیے اپنے سینہ میں ایک نہایت درد مند دل رکھتے تھے لیکن وہ اس کے مقابل  
میں اپنے دین کی حفاظت کے لیے علاقائی محبت کی تمام زنجیریں توڑ کر سینہ سپر ہو گئے۔

تیسری نشانی اس میں اس بات کی ہے کہ جو لوگ حق کو پسپا کرنے کے لیے اپنا زور و زور اور اپنا  
اختیار و اقتدار استعمال کرتے ہیں، اگرچہ ایک حد تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو زور آزمائی کی مہلت  
ملتی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون آزمائش کا یہ ایک لازمی تقاضا ہے لیکن اس مہلت کی ایک  
خاص حد ہے۔ اگر اہل حق اس کے مقابل میں ڈٹ جاتے ہیں تو بالآخر فتح مند وہی ہوتے ہیں اور اہل باطل  
دنیا اور آخرت دونوں میں رسوا ہوتے ہیں۔

وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا لَا مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ لِّبَعْضٍ زَمَادُكُمْ النَّارَ وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ (۲۵)



گمراہ لیڈروں اور گمراہ پیروں کی دوستی بس اسی دنیا کی زندگی تک ہے۔ یہ محض تمھارے خیال و دہم کی ایجاد ہیں۔ ان کے ساتھ تمھاری ساری دوستی و نیاز مندی بس اسی دنیا کی زندگی تک ہے۔ قیامت کے دن جب اصل حقیقت سامنے آئے گی تو تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور تمہارے آپس میں ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے۔ تم کہو گے کہ اے رب، ہم کو فلاں اور فلاں نے گمراہ کیا۔ اگر یہ نہ ورغلا تے تو ہم تیری سیدھی راہ پر ہوتے۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم جیسے خود تھے ہم نے تم کو ویسے ہی بنایا، تم خود شامت زدہ تھے کہ تم نے ہماری پیروی کی تو ہم کو ملامت کرنے کے بجائے خود اپنے کو ملامت کرو اور اپنے کیے کی سزا بھگتو۔ اس جنگ و جدال کا ذکر قرآن مجید میں جگہ جگہ ہوا ہے اور مقصود اس کے ذکر سے یہ ہے کہ جو لوگ دعوت کے اس دور میں اپنے زبردستوں کو یہ اطمینان دلا رہے تھے کہ وہ ان کے طریقے پر چلتے رہیں، قیامت کے دن وہ ان کی طرف سے جواب دہی کر لیں گے، ان کو یہ آگاہی دے دی جائے گی کہ اس دن اس قسم کے لیڈر اور اس قسم کے پیرو، اس قسم کے معبود اور اس قسم کے عابد سب ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے۔ دوستی و وفاداری کے سارے دعوے بس اسی وقت تک ہیں جب تک اصل حقیقت سے پردہ نہیں اٹھتا۔ پردہ اٹھتے ہی سب پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس طرح کے سارے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ان میں سے کوئی بھی کسی کے کام آنے والا نہیں بنے گا۔

فَاَمَّا لَهُ لَوْ طُمْرٌ وَقَالَ اِنِّیْ مُہَا جِرَّ اِنِّیْ بِقٰی طٰرِئًا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (۲۶)

اول اولیٰ مرتبہ حضرت لوطؑ رسالت پر فائز اور اپنی قوم کی دعوت پر مامور تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے اور خود منصب کی اس کا ذکر اوپر کی آیت میں ہوا۔ یہاں حضرت لوطؑ کی تصدیق و تائید کا حوالہ اس لیے دیا ہے کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی پر بھی ایک وقت ایسا گزرا ہے کہ ان کی دعوت میں ان کی ہمنوائی کرنے والا حضرت لوطؑ کے سوا اور کوئی بھی نہیں تھا لیکن بالآخر وہ وقت بھی آیا کہ ان کی دعوت کی مدد اٹے باز گشت دنیا کے کرنے کو نہ سہی اٹھی۔

فَاَمَّا لَهُ لَوْ طُمْرٌ وَقَالَ اِنِّیْ مُہَا جِرَّ اِنِّیْ بِقٰی طٰرِئًا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ 'قَالَ' کا فاعل حضرت

ابراہیمؑ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب انھوں نے اپنی قوم کا رویہ دیکھ لیا کہ وہ ان کے قتل کر دینے اور جلا دینے کے درپے ہے تو انھوں نے سنت الہی کے مطابق ہجرت کا عزم فرمایا کہ اب میں قوم کو چھوڑ کر اپنے رب کی طرف ہجرت کر رہا ہوں، میرا رب عزیز و حکیم ہے۔ یعنی اگرچہ بظاہر حالات بالکل نامساعد ہیں لیکن میرا رب ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت ہے۔ وہ میرے لیے اپنی قدرت و حکمت سے راہ کھولے گا اور اس تاریکی کے اندر سے روشنی نمودار کرے گا۔



وَدَعَيْنَاكَ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَاتَّخَذْنَا لَهُ  
فِي الدُّنْيَا حِوَارًا فِي الْآخِرَةِ لِمَنِ الصَّالِحِينَ (۲۷)

یہ وہ انعام بیان ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہجرت کے بعد فرمایا۔ ارشاد ہجرت کے بعد  
ہوا کہ اگرچہ ابراہیم نے جب ہجرت کی ہے لوط علیہ السلام کے سوا اور کوئی ان کی ہمنوائی کرنے والا نہ  
تھا لیکن اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو تنہا نہیں چھوڑتا بلکہ وہ ان کو دنیا اور آخرت دونوں  
میں صالحین و ابرار کی معیت و رفاقت نصیب کرتا ہے۔ چنانچہ ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق  
اور حضرت یعقوب جیسے بیٹے اور پوتے عطا فرمائے جن سے دین کے خدمت گزاروں کا ایک عظیم گھرانہ  
آباد ہوا اور اس گھرانے کے اندر اللہ تعالیٰ نے نبوت اور کتاب کا سلسلہ جاری فرمایا۔ یعنی حضرت ابراہیم کو  
اس دنیا میں بھی ان کی خدمات کا صلہ عطا ہوا اور آخرت میں بھی وہ صالحین کے زمرے میں سے ہوں گے۔

اس آیت میں درپردہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے بشارت ہے۔ اور پرہم اشارہ کر چکے  
ہیں کہ یہ سورہ کی زندگی کے اس دور میں نازل ہوئی ہے جب مسلمانوں پر کفار نے عرصہ حیات بالکل تنگ کر  
دیا تھا اور مظلوم مسلمانوں کے لیے ہجرت کے سوا کوئی اور راہ باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ان حالات میں حضرت  
ابراہیم علیہ السلام کہ ہجرت کے اس پہلو کو نمایاں کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی دی کہ اگر یہ مرحلہ پیش آتا  
ہے تو اس سے ہراساں نہ ہونا، اپنے باپ ابراہیم کی طرح اپنے رب عزیز و حکیم کے بھروسہ پر دامن بھار  
کے اٹھ کھڑے ہونا۔ اگر اپنے رب کی خاطر تم اپنی ناہنجار قوم کو چھوڑ دے گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے دنیا اور آخرت  
دونوں میں اچھے ساتھی پیدا کرے گا۔

وَلَوْ طَآ اِذْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّ كُنتُمْ تَاُوْنُ الْفَاحِشَةَ ذٰمًا سَبَقْتُكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ

مِنَ الْعٰلَمِيْنَ (۲۸)

حضرت لوطؑ، اور پرگزر چکا ہے، حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے، ان کی دعوت کا علاقہ اگرچہ الگ  
تھا لیکن زمانہ ایک ہی تھا۔ ان کی قوم میں یوں تو وہ ساری ہی برائیاں تھیں جو دوسری مشرک قوموں میں  
رہی ہیں لیکن مرد پرستی کی بے حیائی اس قوم میں فیشن کی حیثیت حاصل کر گئی تھی اس وجہ سے اس کی اصلاح  
پر ان کو خاص طور پر توجہ مرکوز کرنی پڑی۔ لفظ فاحشۃ اسے انھوں نے اسی بے حیائی کی طرف اشارہ  
فرمایا ہے۔ فاحشۃ کھلی ہوئی بدکاری دے حیائی کو کہتے ہیں جس کے بدکاری دے حیائی ہونے میں  
کسی اختلاف کی گنجائش نہ ہو۔ تَاُوْنُ الْفَاحِشَةَ کے الفاظ سے حضرت لوطؑ نے لوگوں کی اخلاقی حس  
بیدار کرنے کی کوشش کی اور اس کے ساتھ ان کو غیرت دلائی کہ یہ تو وہ بے حیائی ہے جو سب سے پہلے  
اس روئے زمین پر تمہی نے ایک فیشن کی حیثیت سے اختیار کی ہے، تم سے پہلے کسی قوم نے بھی یہ  
لعنت ایک قومی تہذیب کی حیثیت سے اختیار نہیں کی۔



ہم دوسرے مقام میں یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ قوم لوط سے پہلے دنیا میں کسی ایک فرد نے بھی اس برائی کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ لفظ أَحَدٌ جمع کے مفہوم میں بھی آتا ہے۔ اس کی مثالیں ہم پیش کر چکے ہیں اس وجہ سے اس کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ تم سے پہلے کسی قوم نے بھی اس بے حیائی کو من حیث القوم اپنا اور ہنا بچھونا نہیں بنایا۔ اس برائی کا یہی وہ پہلو ہے جس کے سبب سے پوری قوم لوط عذاب کی مستحق ٹھہری۔

أَيْتَكُمْ لَتَأْتُنَّ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ ۚ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيَكُمُ الْمُنْكَرَ ۚ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اسْتِنَابَ عَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ (۲۹)

سبیل سے مراد یہاں فطرت کی راہ ہے۔ حضرت لوطؑ نے ان کو نہایت درد مندانہ لہجہ میں فطرت سے اس انحراف پر ملامت فرمائی کہ بد بختو! تم مردوں سے شہوت رانی کرتے اور فطرت کی راہ مارتے ہو! ظاہر ہے کہ اگر کسی قوم میں یہ بیماری عام ہو جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلے گا کہ عورتوں کی طرف مردوں کی رغبت بالکل ہی ختم ہو جائے گی اور اگر کچھ رہے گی بھی تو وہ بھی صحیح نوعیت کی نہ ہوگی اور اس طرح پوری قوم ہلاکِ نسل کی اس راہ پر چل پڑے گی جو فطر فطرت کے منشا کے بالکل خلاف اور تباہی کی راہ ہے۔

وَتَأْتُونَ فِي نَادِيَكُمُ الْمُنْكَرَ سے اس فسادِ اخلاق کے علم ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ یہ کوئی ڈھکی چھپی برائی نہیں رہ گئی تھی بلکہ ان کی سوسائٹی میں اس نے تہذیب اور فیشن کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ مجلسوں میں علانیہ ناشائستہ حرکتیں ہوتیں اور فخر و لذت کے ساتھ ہر بزم و انجمن میں ان کے چرچے ہوتے۔ ہماری جس شاعری کو عالی مرحوم نے سند اس سے بدتر قرار دیا ہے وہ انہی خرافات کا دفتر ہے اور ہمارے قومی اخلاق و کردار پر اس کا جو اثر پڑا اس کے ذرا انگیز نتائج کی تفصیل تاریخ کے صفحات میں موجود ہے۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اسْتِنَابَ عَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ (۳۰) یہ دیا کہ اگر تم سچ پچ اللہ کے رسول ہو اور تمہاری تکذیب سے ہم پر اللہ کا کوئی عذاب آنے والا ہے تو ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ تم اس عذاب کو دکھا دو تب ہم تمہاری بات بامد کریں گے۔

قَالَ رَبِّ الْمُسُوْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُنْسِيْدِيْنَ (۳۰)

حضرت لوطؑ جب قوم نے اپنی ضد سے حضرت لوطؑ کو بالکل بالوس کر دیا تب انہوں نے اپنے رب سے فریاد کی کہ اے رب، میری تمام سچی اصلاح بے سود ہو چکی ہے تو اب اس مفسد قوم کے مقابل میں میری بارگاہ الہی مدد فرما۔

فَلَمَّا جَاءَتْ دُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ لَا تَأْتُوا مَوْلَآئِكَم مِّنْ أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ (۳۱)



دُبُشْرٰی سے مراد وہ بشارت ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو دی ۱۰ اس کا ذکر اد پر آیت ۲۷ رحمت و نعمت میں گزر چکا ہے۔ فرمایا کہ جو فرشتے حضرت ابراہیم کے لیے بیٹھے اور پوتے کی بشارت لے کر آئے وہی فرشتے قوم لوط کے لیے عذاب کا تازیانہ لے کر آئے۔ انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت کے ساتھ قوم لوط کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کی بھی خبر دی کہ اب ہم اس بستی والوں کو (اشارہ قوم لوط کی بستی کی طرف ہے) ہلاک کر دینے والے ہیں۔ اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہی ہاتھ میں رحمت و نعمت دونوں ہیں۔ جس طرح ایک ہی بارش کو وہ کسی کے لیے عذاب اور کسی کے لیے رحمت بنا دیتا ہے اسی طرح اس کے جو فرشتے حضرت ابراہیم کے لیے بشارت لے کر آئے وہی قوم لوط کے لیے عذاب کا پیش خیمہ بن کر نمودار ہوئے۔ اس سے مشرک قوموں کے اس دواہمہ کی بھی تردید ہو رہی ہے جس میں وہ اس کائنات کے اندر اضداد کے وجود کے سبب سے مبتلا ہوئیں کہ انھوں نے غیر دشر کے الگ الگ دیوتا مان کر ان کی الگ الگ عبادت شروع کر دی۔

اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ۔ یہ قوم لوط کی ہلاکت کی علت بیان ہوئی ہے کہ ان کے ہلاک کیے جانے کا فیصلہ خود ان کے اس ظلم کے نتیجہ میں ہوا جو انھوں نے اپنے اوپر کیا کہ فطرت کی راہ سے کھلم کھلا انحراف اختیار کیا اور اللہ کے رسول نے جب اس کے نتائج سے ان کو آگاہ کیا تو اس کی بات پر کان نہ دھرنے کے بجائے اس سے عذاب کا مطالبہ کیا۔ اس طرح کے لوگوں پر جو عذاب آتا ہے وہ خود ان کے ظلم کا پیدا کردہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر کوئی ظلم نہیں کرتا۔

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوطًا دَقُّوْا نَدْوً اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ثُمَّ لَنَنْجِيْكَ وَاَهْلَكَ الْاَمْرَانِ ۚ كَاَنْتُ مِنَ الْغٰثِرِيْنَ۔ (۳۲)

حضرت ابراہیم کو جو نہی فرشتوں کی اس مہم کا علم ہوا انھیں حضرت لوط اور ان کے ساتھیوں کی فکر پڑ گئی کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ انھوں نے سوال فرمایا کہ اس بستی میں تو لوط بھی ہیں؟ فرشتوں نے ان کو اطمینان دلایا کہ اس میں جتنے اہل ایمان ہیں ہم ان سب سے اچھی طرح واقف ہیں۔ آپ ان کے بارے میں بالکل مطمئن رہیں، ہم لوط اور ان کے تمام متعلقین کو اس عذاب سے بچالیں گے، صرف ان کی بری سچھی رہ جائے گی اور وہ عذاب کی زد میں آئے گی۔

وَلَمَّا اَنَّ جَاۤءَتْ رُسُلَنَا لُوطًا سِیْءَ بِهٖمْ وَضَاقَ بِهٖمْ زُرْعًا دَقُّوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۚ اِنَّا مُنْجُوْكَ وَاَهْلَكَ الْاَمْرَانِ ۚ كَاَنْتُ مِنَ الْغٰثِرِيْنَ۔ (۳۳)

یہاں زبان کا ایک نکتہ ذہن میں رکھنا چاہیے جس کی طرف علامہ ابن قیمؒ نے اشارہ فرمایا ہے کہ جب 'کُنَّا' اور اس کے بعد کے فعل کے درمیان 'اَنَّ' آجائے تو اس صورت میں شرط اور اس کے جواب کے درمیان سبب اور سبب کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔



حضرت لوطؑ کا آندہ لگا کا سبب کیوں ہوئے؟ انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ان کا خیر مقدم کیوں نہیں کیا؟ قرآن مجید کے دوسرے مقامات کے مطالعہ سے ان کی اس آزر و گی و پریشانی کے دو سبب معلوم ہوتے ہیں، جو الگ الگ دو مختلف مرحلوں میں ظاہر ہوئے ہیں۔

پہلے مرحلے میں تو وہ ان کو دیکھ کر اس وجہ سے پریشان ہوئے کہ یہ فرشتے خوب و نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے۔ ان کا اس شکل و صورت میں آنا قوم لوط کے لیے ایک آخری ابتلا تھا تا کہ ان کے اندر جو خست بھرا ہوا ہے وہ پوری طرح ظاہر ہو جائے اور جو عذاب ان کے لیے مقدر ہو چکا ہے اس کے وہ آخری درجے میں مستحق بن جائیں۔ حضرت لوطؑ پر یہ حقیقت چونکہ ابھی واضح نہیں ہوئی تھی اس وجہ سے وہ اپنے دروازے پر چند خوب و شریف زادوں کو دیکھ کر سخت پریشان ہوئے کہ آج کا دن تو بہت کٹھن ہے۔ بستی کے گنڈوں کو جب ان نوجوانوں کی خبر ہوگی تو وہ ٹوٹ پڑیں گے اور مجھ کو اور میرے مہانوں کو رسوا کریں گے۔ چنانچہ ان کا یہ اندیشہ بالکل صحیح ثابت ہوا۔ گنڈے ان نوجوانوں کی خبر پاتے ہی حضرت لوطؑ کے گھر پر ٹوٹ پڑے اور ان کو رسوا کرنا چاہا۔ حضرت لوطؑ نے لاکھ منت سماجت کی لیکن انھوں نے ان کی ایک نہیں سنی۔ بالآخر فرشتوں نے اپنا پردہ اٹھایا اور حضرت لوطؑ کو اطمینان دلایا کہ تم اطمینان رکھو، ہم چھو کرے نہیں ہیں جیسا کہ ان اندھوں نے گمان کیا ہے بلکہ ہم خدا کے فرشتے ہیں اور ان کے لیے فیصلہ کن عذاب لے کر آئے ہیں۔ فرشتوں کے اس انکشاف راز سے حضرت لوطؑ کو یہ تو اطمینان ہوا کہ گنڈوں کے شر سے وہ اور ان کے مہان محفوظ ہیں لیکن عذاب کی خبر بھی ان کے لیے سخت تردد کا باعث ہوئی کہ اب دیکھیے ان کے اور ان کے متعلقین کے لیے کیا حکم ہوتا ہے! فرشتوں نے اس پہلو سے بھی ان کو اطمینان دلایا کہ تم اپنے اور اپنے متعلقین کے باب میں کوئی اندیشہ نہ کرو، ہم تم کو اور تمھارے ساتھیوں کو اس آفت سے نجات دیں گے۔ البتہ تمھاری بیوی تمھارے ساتھ یہاں سے نہیں نکلے گی۔ وہ اپنی قوم کے ساتھ مبتلائے عذاب ہوگی۔

حضرت لوطؑ کی بیوی کے انجام کی طرف دو مرتبہ اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اس سے مقصود اس حقیقت کی بیوی کے کوڑکد کرنا ہے جو اوپر بیان ہوئی کہ دین کے معاملہ میں کوئی کسی دوسرے کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتا۔ عورت ہو یا مرد ہر ایک کو اپنا بوجھ خود اٹھانا پڑتا ہے۔ حضرت لوطؑ کی بیوی ایک جلیل القدر پیغمبر کی بیوی تھی لیکن چونکہ وہ خود ناہنجار تھی اس وجہ سے وہ بھی عذاب میں گرفتار ہوئی اور حضرت لوطؑ سے جو نسبت اس کو حاصل تھی وہ اس کے لیے کچھ نافع نہ بن سکی۔

إِنَّا مُنْذِرُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ دَجْوًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ (۲۴)



حضرت لوط کو نجات کی خوش خبری دینے کے بعد فرشتوں نے ان کو اس فیصلہ الہی سے بھی آگاہ کر دیا کہ اس بستی والوں پر ہم قہر آسمانی نازل کرنے والے ہیں۔ 'رجز' سے مراد اس طرح کا عذاب ہے جو سننے اور دیکھنے والوں کے دلوں میں کپکپی پیدا کر دے۔ اس کے ساتھ مِّنَ السَّمَاءِ کی قید اس کی شدت اور بے پناہی کے اظہار کے لیے ہے جس طرح ہم اپنی زبان میں قہر الہی یا عذاب آسمانی کے الفاظ بولتے ہیں اسی طرح عربی زبان میں یہ اسلوب ہے۔ اس عذاب کی نوعیت پر ہم اس کے محل میں گفتگو کر چکے ہیں۔ بِسْمَاكَ نُؤَايَفُسُّونَ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کا عذاب کسی قوم پر اس وقت بھیجتا ہے جب سرکشی و نافرمانی اس کی عادتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔

وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۳۵)

قوم لوط کی یہ بستی قریش کی تجارتی گزرگاہ پر واقع تھی اس وجہ سے وہ ان کے لیے اس سنتِ الہی کے ظہور کا ایک نہایت واضح نشان تھی جس سے قرآن ان کو آگاہ کر رہا تھا لیکن یہ خاموش آثارِ نافع ان کے لیے ہوتے ہیں جو اپنی عقل سے کام لیتے ہیں۔ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے وہ دیکھتے سب کچھ ہیں لیکن ان کو نظر کچھ بھی نہیں آتا۔ آخر اس زمانے میں کتنے ماہرینِ اثاریات ہیں جو قدیم کھنڈروں کے ایک ایک نقش کو پڑھ لینے میں بڑے ہوشیار ہیں لیکن ان سے جو اخلاقی سبق حاصل ہوتے ہیں ان کے سمجھنے میں ان کی عقل بالکل کند ہے۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبٌ ۖ فَقَالَ لِّقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ ۖ وَارْجُوا الْيَوْمَ ۖ لَا تَعْبُودُوا فِي الْأَرْضِ مُشْرِكِينَ ۚ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جِثِيمِينَ (۳۶-۳۷)

ادپر کی سرگزشتیں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہیں لیکن آگے صرف اجمالی حوالے پر اکتفا فرمایا ہے۔ مقصود ان کے حوالہ سے اسی حقیقت کو تاریخ کی روشنی میں نمیر من کرنا ہے جس کی طرف سورہ کی تمہید میں اشارہ فرمایا ہے کہ اَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ اَنْ يَّسْبِقُونَا ط مَا يَحْكُمُونَ (۱) (کیا جو لوگ برائیاں کر رہے ہیں انھوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہمارے قابو سے باہر نکل جائیں گے؟ اگر انھوں نے یہ گمان کر رکھا ہے تو بہت ہی بُرا فیصلہ کر رہے ہیں) آگے کے تاریخی واقعات اسی بات کے ثبوت میں پیش کیے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شرارت کرنے والوں کو جو ڈھیل دیتا ہے اس سے ان کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اب ان کی پکڑ نہیں ہوگی یا وہ خدا کے قابو سے باہر ہیں۔ اس سلسلہ میں اقوام میں سے قوم شعیب اور عاد و ثمود کا حوالہ دیا ہے اور جبار و سرکش افراد میں سے قارون، فرعون اور ہامان کا اور قریش کو متنبہ کیا ہے کہ جو زور و اقتدار آج تم کو اور تمھارے لیڈروں کو حاصل ہے اس سے زیادہ زور و اقتدار ماضی میں ان کو حاصل رہ چکا ہے لیکن جب انھوں نے سرکشی کی اور ہماری تنبیہات کے باوجود باز نہیں آئے تو ہم نے ان کو پکڑا اور اس طرح پکڑا کہ ان کا سارا زور و زبر ہمارے مقابل میں ذرا بھی ان کے کام نہ آ سکا۔



قوم شعیب

اور قریش

میں قدرِ شریک

قوم شعیب کے متعلق پیچھے واضح ہو چکا ہے کہ اس قوم نے تجارت کے میدان میں برہمنی ترقی کی تھی۔ یہی اصلی میدان قریش کا بھی تھا۔ اس لیے کہ یہ بھی تجارت پیشہ تھے لیکن ابھی یہ ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچے تھے۔ شاید اسی اشتراک کی وجہ سے انہی کے حالات اور انجام کی طرف سب سے پہلے توجہ دلائی۔ فرمایا کہ اہل مدین کے حالات سے سبق لو جن کی طرف ہم نے شعیبؑ کو رسول بنا کر بھیجا۔ انہوں نے ان کو خدا کی بندگی کی دعوت دی اور آخرت کا خوف دلا کر متنبہ کیا کہ دنیا میں بڑھو اور پھیلو تو مفسد بن کر نہ پھیلو بلکہ مصلح اور حق و عدل کے علم بردار بن کر پھیلو لیکن انہوں نے حضرت شعیبؑ کی ایک بات بھی نہ سنی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عین ان کے دورِ عروج میں ان کو کپڑا اور ایسا عذاب ان پر آیا کہ وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔ سورہ ہود کی آیت ۸۵ کے تحت ان کے فساد فی الارض اور آیت ۹۴ کے تحت ان کے عذاب کی تفصیل گزر چکی ہے۔

وَعَادًا ذُنُودًا وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُم مِّنْ مَّسْكِنِهِمْ فَعَذَّبْنَاهُمْ لَمَا كَانُوا كَافِرِينَ  
عَنِ الْبَيْتِ وَكَانُوا مُتَتَّبِعِينَ (۳۸)

عاد اور ثمود

یہاں فعلُ اخذنا برہنہ ہے یعنی ہم نے عاد و ثمود کو بھی اس سے پہلے عذاب میں کپڑا۔ ان قوموں کی تمدنی و تعمیری ترقیوں کا ذکر پچھلی سورتوں میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔ وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُم مَّسْكِنِهِمْ یہ قریش کو توجہ دلائی گئی ہے کہ قوم لوط کی طرح ان کی بستیوں کے آثار بھی تم سے مخفی نہیں ہیں، تم اپنے تجارتی سفروں میں ان کے کھنڈروں پر سے گزرتے ہو اور اندازہ کر سکتے ہو کہ ماضی میں وہ کس شان و شوکت کے مالک تھے، لیکن اب ان کے کھنڈروں کے سوا ان کی کہانی سنانے والا رُئے زمین پر کوئی باقی نہیں رہا۔ وَكَانُوا مُتَتَّبِعِينَ، یعنی یوں تو وہ بڑے کارِ داں، بڑے زیرک ہونیا، تعمیر و تمدن اور حکومت و سیاست میں بڑے ماہر و چالاک تھے، لیکن ان کی یہ چالاک دہو شکاری ان کو شیطان کے پھندوں سے نہ بچا سکی۔ اس نے ان کے مینوی انہماک کو اس طرح ان کی نگاہوں میں کھپا دیا کہ ان کی آنکھیں خدا اور آخرت کی طرف سے بالکل بند ہو گئیں جس کا نتیجہ بالآخر یہ نکلا کہ اصل شاہراہ سے وہ بالکل منحرف ہو گئے اور ہلاکت کے کھڈ میں جا گرے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ مجرد سائنس اور تمدن و تعمیر ہی کسی قوم کا عروج اس بات کی شہادت نہیں ہے کہ وہ زندگی کی یہ شاہراہ پر گامزن ہے، جیسا کہ عام طور پر بے بصیرت لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ یہ صرف اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کی ایک آنکھ کھلی ہوئی ہے جو اس دنیا کو دیکھتی ہے لیکن دوسری آنکھ جو اس دنیا کی پس پردہ حقیقتوں کو دیکھتی ہے اگر وہ کھلی ہوئی نہ ہو تو تمام علم و سائنس کے باوجود شیطان اس کو ہلاکت کے ایسے کھڈ میں گراتا ہے جس سے اس کو کبھی نکلنا نصیب نہیں ہوتا۔

وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ تَفْ ذَلَقُوا بِجَاءَهُمْ مَّوْئِيٌّ يَّابِئَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْآدْنِ



وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ (۳۹)

یہ نام بھی اسی فعل محذوف کے تحت ہیں جس کی طرف اوپر والی آیت میں اشارہ گزرا۔ اقوام کے ذکر تاریخ کے بعض کے بعد یہ تاریخ کے بعض نمایاں متکبرین — قارون، فرعون اور ہامان — کا ذکر فرمایا ہے۔ ان تینوں کا ذکر تفصیل سے پچھلی سورتوں میں گزر چکا ہے۔ سورۃ قصص میں ہم نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ حضرت موسیٰ کی قوم میں جو حیثیت قارون کی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم میں اسی سے ملتی جلتی حیثیت ابولہب کی تھی۔ اس وجہ سے یہ بعض ماضی کے اشخاص کا حوالہ نہیں ہے بلکہ قریش کے سامنے یہ ایک آئینہ رکھا گیا ہے جس میں ان کے لیڈر اپنی اپنی شکلیں بڑی آسانی سے پہچان سکتے تھے۔ فرمایا کہ ان کو بھی موسیٰ نے بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں لیکن ان کی آنکھوں پر غرور کی ایسی ایسی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں کہ کوئی نشانی بھی ان کو کھولنے میں کارگر نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ خدا کے عذاب نے ان کو آدب و جا۔ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جو آیت ۳ میں بیان ہوئی ہے۔ یعنی جب وہ ہمارے عذاب کی گرفت میں آگئے تو اپنے تمام طمطراق، اور اپنے تمام لاؤشکر اور اپنی ساری دولت و حشمت کے باوجود ہماری گرفت سے باہر نہ نکل سکے۔

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ ۖ فَمِنْهُمْ مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۖ وَمِنْهُمْ مَّنْ أَخَذْنَا  
الصَّبْعَةَ ۖ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ ۖ وَمِنْهُمْ مَّنْ أَشْرَفْنَا ۖ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ  
ذَلِكَ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (۴۰)

اب یہ آخر میں بطور خلاصہ مذکورہ بالا تمام اقوام و افراد کا انجام یکجا بیان فرمادیا کہ ان میں سے ہر ایک کو ہم نے اس کے جرم کی پاداش میں پکڑا۔ کسی پر ہم نے حاصب (کنکر پتھر برسادیئے والی طوفانی ہوا) بھیجی، کسی پر عدد برق کا عذاب بھیجا، کسی کو زمین سمیت دھنسا دیا اور کسی کو غرق کر دیا۔ یہ پچھلی سورتوں میں ان تمام عذابوں کی تفصیل گزر چکی ہے۔

— قوم لوط پر حاصب کا عذاب آیا۔

— عاد، ثمود، مدین پر صیحه کا عذاب نازل ہوا۔

— قارون زمین میں دھنسا دیا گیا۔

— فرعون اور ہامان غرق کر دیئے گئے۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ یعنی یہ جو کچھ ہوا خدا کی طرف سے ان پر کوئی ظلم نہیں ہوا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اچھی طرح آگاہ کر دیا گیا تھا لیکن انھوں نے اللہ کے رسولوں کی کوئی پروا نہ کی۔



## ۴۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۴۱-۶۹

آگے خاتمہ سورہ کی آیات ہیں جن میں بالترتیب مندرجہ ذیل باتیں واضح فرمائی گئی ہیں۔  
مشرکین نے شرک کی اساس پر جو گھروندا بنایا ہے اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اس کی حیثیت مکڑی کے جالے کی ہے۔ اگر اس کے بل پر انھوں نے حق کا مقابلہ کرنا چاہا ہے تو انھوں نے نہایت کمزور سہارا ڈھونڈا ہے۔ یہ سہارا نہ دنیا میں ان کے کام آنے والا ہے نہ گاہِ آخرت میں۔

اہل ایمان اطمینان رکھیں کہ اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یہ کسی کھنڈے کا کھیل نہیں ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کا عدل ایک دن ظاہر ہو کے رہے گا۔ اہل ایمان صبر کے ساتھ اس عدل کے ظہور کا انتظار کریں، دعوتِ حق کے کام میں لگے رہیں اور نماز کا اہتمام رکھیں، نماز تمام برائیوں سے محفوظ رکھنے والی اور اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی طاقت ہے۔

اہل کتاب کے متعلق مسلمانوں کو یہ ہدایت کہ اگر وہ مشرکین کے پیلوں پر ہو کر تم سے بحث و مناظرہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تو جہاں تک ان کے اشرار کا تعلق ہے ان کو تو منہ نہ لگاؤ البتہ ان کے اندر جو معقول لوگ ہیں ان کو جس دُخوبی کے ساتھ اس قدر مشرک کی اساس پر دعوت دو جو ان کے اور تمہارے درمیان موجود ہے۔ اسی ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بعض دلائل کی طرف اشارہ اور مخالفین کے بعض مطالبات کا جواب۔

ان مسلمانوں کو ہجرت کی ترغیب جو کفار کے ہاتھوں مصائب کے ہدف بنے ہوئے تھے اور ہجرت کرنے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ تعالیٰ کی جو مدد اور کفالت حاصل ہوتی ہے اس کی بشارت۔  
آخر میں مشرکین قریش کو نہایت سخت الفاظ میں تنہید و وعید کہ قرآن کے خلاف ان کی تمام محاذ آرائی خود ان کے اپنے مسلمات کے خلاف ہے۔ یہ نہایت ناشکرے اور ناہنجار لوگ ہیں۔ ان کو جو نعمتیں حاصل ہوئیں وہ ہیں تو تمام تر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ لیکن یہ ان کو منسوب دوسروں کی طرف کہتے اور ان کو خدا کا شریک بناتے ہیں۔ یہ لوگ عنقریب اپنی اس ناشکری کا انجام دیکھیں گے اور جو لوگ آج اللہ کے کلمہ کی سر بلندی کے لیے سر دھڑکی بازی لگائے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے لیے اپنی راہیں فراخ کرے گا۔  
اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ  
اتَّخَذَتْ بِئْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ مَوْ



كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٤٢﴾ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿٤٣﴾ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٤﴾ أُتِلَ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ﴿٤٥﴾ وَلَا تَجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ الْيَسَارَتِ هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأَنْزَلَ إِلَيْنَا وَلَهُنَّ وَالْهُكْمُ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿٤٦﴾ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ فَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ ﴿٤٧﴾ وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذْ أَلَرْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ﴿٤٨﴾ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ﴿٤٩﴾ وَقَالُوا لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿٥٠﴾ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَى لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ قُلْ كَفَى بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ



شَهِيدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ  
 وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ  
 بِالْعَذَابِ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ  
 بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٣﴾ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَا  
 جَهَنَّمُ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٥٤﴾ يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ  
 وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٥﴾ لِعِبَادِي  
 الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ كُلُّ  
 نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا  
 وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا  
 الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نِعَمَ أَجْرًا لِلْعَمِلِينَ ﴿٥٨﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَ  
 عَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٥٩﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا  
 اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٠﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ  
 مَنْ خَلَقَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ  
 اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿٦١﴾ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ  
 عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٢﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ  
 مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا  
 لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٣﴾  
 وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ ۚ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ



لَهُۥ الْحَيَٰوَانُ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۲۳﴾ ۖ فَإِذَا زَكَّيْنَا فِي السَّمَاءِ دَعَا  
 اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ؕ فَلَمَّا نَجَّيْنَاهُمْ إِلَى الْبَرِّ اذْهَبَ  
 يُشْرِكُونَ ﴿۲۴﴾ ۖ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ؕ وَلِيَسْتَمْتَعُوا بِسُوءِ  
 يَعْلَمُونَ ﴿۲۵﴾ ۖ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا مِّنَّا وَيَتَحَفَّطُ  
 النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ﴿۲۶﴾  
 وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا  
 جَاءَهُ ؕ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ﴿۲۷﴾ ۖ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا  
 فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۸﴾

ان لوگوں کی تمثیل جنہوں نے اللہ کے سوا دوسرے کا رسا زبنائے ہیں بالکل مکڑی کی تمثیل ترجمہ آیات

۴۹-۴۱۔ سب جس نے ایک گھر بتایا۔ اور بے شک تمام گھروں سے بودا گھر مکڑی کا گھر ہوتا ہے۔  
 کاش کہ وہ اس حقیقت کو جانتے! بے شک اللہ اچھی طرح جانتا ہے ان چیزوں کو جن  
 کو یہ اس کے سوا پکارتے ہیں اور وہ عزیز و حکیم ہے۔ اور یہ تمثیلیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے غور  
 کرنے کے لیے بیان کرتے ہیں لیکن ان کو صرف اہل علم ہی سمجھتے ہیں۔ ۴۳-۴۱

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو مقصد حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ بے شک اس کے اندر بہت  
 بڑی نشانی ہے ایمان والوں کے لیے۔ جو کتاب تم پر وحی کی جا رہی ہے اس کو پڑھو اور  
 نماز کا اہتمام کرو۔ بے شک نماز بے حیائی اور منکر سے روکتی ہے اور اللہ کی یاد بہت بڑی  
 چیز ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کہتے ہو۔ ۴۵-۴۴

اور اہل کتاب سے نہ بحث کرو مگر اس طریقہ پر جو بہتر ہے بجز ان کے جو ان میں سے



ظالم ہیں اور کہو کہ ہم ایمان لائے اس چیز پر جو ہم پر نازل ہوئی اور اس چیز پر بھی جو تمہاری طرف اتاری گئی اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کی فرماں برداری کرنے والے ہیں۔ ۴۶

اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف بھی کتاب اتاری تو جن کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے وہ اس پر ایمان لائیں گے اور ان میں سے بعض اس پر ایمان لا بھی رہے ہیں۔ اور ہماری آیات کا تو بس وہی انکار کرتے ہیں جو کٹر کافر ہیں۔ اور تم تو اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اس کو اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ ایسا ہوتا تو یہ جھٹلانے والے مین میکھ نکالتے۔ بلکہ یہ تو کھلی ہوئی آیات ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم عطا ہوا ہے۔ اور ہماری آیات کا بس وہی لوگ انکار کر رہے ہیں جو اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہیں۔ ۴۷-۴۹

اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی جانب سے نشانیاں کیوں نہیں اتاری گئیں! کہہ دو، نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو بس ایک کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔ کیا ان کے لیے یہ چیز کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری وہ ان کو پڑھ کر سناٹی جا رہی ہے۔ بے شک اس کے اندر رحمت اور یاد دہانی ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائیں۔ کہہ دو کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لیے کافی ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور اللہ کا جنھوں نے انکار کیا وہی لوگ اصلی نامراد ہیں۔ ۵۰-۵۲

اور یہ لوگ تم سے عذاب کے لیے جلدی مچاتے ہوئے ہیں اور اگر اس کے لیے ایک مدت مقرر نہ ہوتی تو ان پر عذاب آدھکتا۔ اور وہ ان کے اوپر اچانک آجائے گا اور ان کو



اس کی خبر بھی نہ ہوگی۔ اور وہ تم سے عذاب کے لیے جلدی پچائے ہوئے ہیں حالانکہ جہنم کا فرد کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس دن کو یاد کریں جس دن عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ان کو ڈھانک لے گا اور ارشاد ہوگا کہ اب چکھو اس چیز کا مزاج تو تم کہتے۔

رہے ہو۔ ۵۲-۵۵

اے میرے بندو، جو ایمان لائے ہو، بے شک میری زمین بڑی کشادہ ہے تو بس میری ہی بندگی کرو۔ ہر جان کو موت کا مزا چکھنا ہے پھر تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے ہم ان کو جنت کے بالا خانوں میں مستکن کریں گے، اس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ کیا ہی خوب صلہ ہے کار گزاروں کا۔ جنھوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر ہر حال میں انھوں نے بھروسہ رکھا اور کتنے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔ اللہ ہی ان کو بھی رزق دیتا ہے اور تم کو بھی۔ اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ۵۶-۶۰

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو اور کس نے مسخر کیا ہے سورج اور چاند کو؟ تو وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ تو وہ کہاں اوندھے ہو جاتے ہیں! اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان سے کس نے پانی اتارا، پس اس سے زمین کو زندہ کیا، اس کے مردہ ہو چکنے کے بعد، تو وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ کہو، شکر کا سزاوار اللہ ہے۔ بلکہ ان کے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔ ۶۱-۶۳

اور یہ دنیا کی زندگی تو بس لہو و لعب ہے۔ اور دارِ آخرت ہی ہے جو اصل زندگی کی جگہ



ہے اگر وہ اس کو جانتے! ۶۴

پس جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں اللہ کو پکارتے ہیں اسی کے لیے اطاعت کو خاص کرتے ہوئے۔ پس جب ان کو خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو پھر وہ اس کے شریک ٹھہرنے لگتے ہیں کہ ہم نے جو نعمت بخشی اس کی ناشکری کریں اور چند دن اور بہرہ مندرہ لیں۔ پس وہ عنقریب جانیں گے۔ ۶۵-۶۶

کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے لیے ایک مامون حرم بنایا اور حال یہ ہے کہ لوگ ان کے گرد و پیش سے اُچک لیے جاتے ہیں! تو کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں! اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا سختی کو جھٹلائے جب کہ وہ اس کے پاس آچکا ہے! کیا ایسے کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہوگا! ۶۷-۶۸

اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں جھیل رہے ہیں ہم ان پر اپنی راہیں ضرور کھولیں گے اور بے شک اللہ خوب کاروں کے ساتھ ہے! ۶۹

## ۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ مَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ عَلَى بُيُوتٍ  
وَإِنَّ أَوْلَى الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ مَكَوًّا تَوَاعِلُونَ (۴)

شرک اور اہل شرک کی مثال  
اوپر کے بیان کردہ تاریخی حقائق سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچنے والا کوئی نہیں بن سکتا۔ مشرکین نے خدا کے سوا جو سہارے ڈھونڈھے تھے وہ سب جھوٹے ثابت ہوئے۔ اور یہ جس طرح اس دنیا میں جھوٹے ثابت ہوئے اسی طرح آخرت میں بھی جھوٹے ثابت ہوں گے۔ خدا کا قانون مجازات اور اس کا بے لاگ عدل لازماً ظہور میں آئے گا اور جو لوگ اپنے فرضی دیوتاؤں کی سفارش پر تکیہ کیے بیٹھے ہیں ان پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ جس سہارے کو انھوں نے قلعہ کی دیوار سمجھا اس کی حقیقت







زندہ اور جو اپنی عقل سے کام لیتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ ہر واقعہ سے سبق حاصل کرتے ہیں جس سے درجہ بدرجہ ان کے علم میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ برعکس اس کے جن کے اندر سبق آموزی و عبرت پذیری کی صلاحیت مردہ ہو جاتی ہے وہ اول تو اس طرح کی چیزوں کی طرف دھیان ہی نہیں کرتے اس لیے کہ اس سے ان کی نگاہ میں خلل پڑتا ہے اور اگر کچھ توجہ کرتے بھی ہیں تو اس میں اپنے لیے کوئی درس تلاش نہیں کرتے بلکہ اس کو محض قصہ ماضی سمجھتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی اصطلاح میں اصلی عالم وہ لوگ نہیں ہیں جو اپنے اوپر کتابوں کا بوجھ لادے ہوئے ہیں بلکہ عالم وہ ہیں جو آفاق و انفس کی نشانیوں پر غور کرنے والے اور ان سے صحیح سبق حاصل کرنے والے ہیں۔

خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِأَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي ذِيكَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ (۲۴)

یعنی آسمانوں اور زمین کے نظام پر جو شخص بھی غور کرے گا اس پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ یہ دنیا نہ تو کسی خالق کے بغیر وجود میں آگئی ہے اور نہ یہ مختلف دیوتاؤں کی کوئی بازی گاہ یا رزم گاہ ہے بلکہ یہ ایک عظیم و حکیم اور عزیز و مقتدر خالق نے ایک مقصد حق کے ساتھ اس کو وجود بخشا ہے اور یہ اپنے وجود سے شہادت دے رہی ہے کہ ایک دن آئے گا جب یہ مقصد حق سب کے سامنے آجائے گا اس دن اس کے خالق کا کامل عدل ظاہر ہوگا اور باطل بالکل نابود ہو جائے گا۔ جو لوگ اس دنیا کو ایک بازی گاہ سمجھ کر زندگی بطلانت میں گزار رہے ہیں وہ اپنی اس بے فکری کے انجام سے دوچار ہوں گے اور جو لوگ آنکھیں کھول کر زندگی بسر کریں گے وہ خالق کی ابدی خوشنودی کے حق دار ٹکھریں گے۔ دَيْتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۖ اَلَيْتُكَ تَحْتَ بَمٍ جَوْ كَيْفَ لَكَ آئُ بِي اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۖ اَلَيْتُكَ تَحْتَ بَمٍ جَوْ كَيْفَ لَكَ آئُ بِي اس میں اہل ایمان کے لیے بہت بڑی نشانی ہے۔ اس نشانی کے مختلف پہلو مختلف مقامات میں واضح کیے جا چکے ہیں اس وجہ سے یہاں ہم صرف اجمال اشارت پر اکتفا کریں گے۔

اس میں سب سے بڑی نشانی تو، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، ایک روز جزا و سزا کے ظہور کی ہے۔ یہ دنیا اپنے وجود سے شہادت دے رہی ہے کہ اس کا خالق حکیم ہے اس وجہ سے لازم ہے کہ وہ ایک ایسا دن لائے جس میں اس کا کامل عدل و حق ظاہر ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ دنیا محض کسی کلنڈر سے کا ایک کھیل ہے اور یہ بات اس عظیم خالق کی شان کے بالکل منافی ہے جس کی قدرت، حکمت اور رحمت اس دنیا کے ہر گوشے سے نمایاں ہے۔

دوسری نشانی اس میں اس بات کی ہے کہ اس دنیا میں انجام کے اعتبار سے کامیاب زندگی وہی ہے



جو آخرت کو نصب العین بنا کر گزاری جائے اس لیے کہ ابدی کامیابی اور ابدی ناکامی کا فیصلہ وہیں ہونا ہے۔ یہ دنیا آخرت کے بغیر ناقص ہے۔ اس کی تکمیل آخرت میں ہوگی جب کہ اس کی پیدائش کا اصلی مقصد ظہور میں آئے گا۔ یہ چیز اس بات کی تقاضی ہے کہ ہر چیز کے خیر و شر کا فیصلہ اس کے اخروی نتائج کو سامنے رکھ کر کیا جائے۔ ہو سکتا ہے بلکہ ہمیشہ ہوا ہے کہ حق کی راہ میں اہل حق کو نہایت زبردہ گزار مصائب سے سابقہ پیش آیا ہے لیکن ان مصائب سے گھبرا کر حق سے انحراف جائز نہیں ہے اس لیے کہ یہ مصائب اپنے نتائج کے لحاظ سے نہایت خوش آئند ہیں۔

تیسری نشانی اس میں اس بات کی ہے کہ شرک و شفاعت کا نظریہ بالکل باطل ہے اس لیے کہ یہ نظریہ اس کائنات کے باطل ہونے کی بالکل نفی کر دیتا ہے۔ اگر اس کائنات میں ایسے شرکاء و شفعا کا وجود مان لیا جائے جو اپنے زور یا اثر سے کسی حق کو باطل یا باطل کو حق بنا سکتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ یہ کائنات باطل نہیں ہے بلکہ ایک اندھیر نگری ہے۔

اس ٹکڑے کی مزید وضاحت آگے سورہ روم کی آیت ۸ کے تحت آئے گی۔ یہاں ان اشارات پر اکتفا فرمائیے۔

اَنْتُمْ مَّا آدُجِحِيْ اِلَيْكُمْ مِنْ اُكْتِبِ وَاَقْرِ الصَّلٰوةَ حِرَاتِ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ التَّغَشَّاءِ  
وَالْمُنْكِرِ وَلَوْلَا تَنْهٰى تَنْهٰى عَنِ التَّغَشَّاءِ وَالْمُنْكِرِ اَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ (۲۵)

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ تم یہ قرآن لوگوں کو سناؤ اور اسی کے ذریعے پیغمبر مسلمانوں کو دعوت دو۔ اگر مخالفین ان نشانیوں اور دلائل کی طرف توجہ نہیں کرتے جن کی طرف قرآن ان کو توجہ دلا رہا ہے بلکہ معجزے یا عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں تو ان کے ان مطالبات کی کوئی پروا نہ کرو۔ قرآن ان کے لیے ایک عظیم رحمت ہے۔ اگر وہ اس کی قدر نہیں کریں گے تو اس کا انجام خود بھگتیں گے۔  
”فَاقْرِ الصَّلٰوةَ حِرَاتِ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ التَّغَشَّاءِ وَالْمُنْكِرِ“ یعنی اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لیے نماز کا اہتمام کرو۔ اس خاص مسئلے میں نماز کے اہتمام کی تباہی، قرینہ دلیل ہے کہ عام نماز کے ساتھ اس خاص نماز کے لیے جس کی ہدایت صبر و استقامت کے حصول کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو ذمائی گئی تھی اور جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ اس کتاب میں جگہ جگہ گزر چکا ہے۔

یہاں دو باتوں کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ ایک تلاوت وحی کی، دوسری اہتمام نماز کی۔ پہلی چیز کا تعلق دعوت اور عام تبلیغ و دعوت سے ہے اور دوسری چیز کا تعلق مسلمانوں کی جماعتی زندگی کی تربیت و اصلاح سے۔ جماعتی تربیت آیت کے اسلوب سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تلقین فرمائی جا رہی ہے کہ جہاں تک دوسروں کا تعلق ہے ان کے منت نشے مطالبات کی پروا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جو وحی تم پر جاری ہے وہ لوگوں کو پہنچا دو، وہ اس کی قدر کریں یا نہ کریں۔ تمہارے اوپر اصل ذمہ داری اس وحی کو



پہنچا دینے کی ہے۔ اس سے آگے تھا سب سے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ رہے وہ لوگ جو تمہاری دعوت قبول کر چکے ہیں تو ان کی تربیت کے لیے نماز کا اہتمام کرو۔ یہی چیز ان کو ان مفاسد سے پاک کرے گی جو پچھلی قوموں کی تباہی کا باعث ہوئے اور اسی سے ان کے اندر وہ قوت و ہمت پیدا ہوگی جو مشکلات و مصائب کے علی الرغم ان کو ایک صالح معاشرہ کی ذمہ داریاں اٹھانے کا اہل بنائے گی۔

نماز کے دو

اہم پہلو

یہاں اس نماز کے دو اثرات بیان ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ فحشاء اور منکر سے روکتی ہے۔ (إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ) اور دوسرا یہ کہ نماز اللہ کی یاد ہے اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے (ذَلِكُنَّ كَوَّلَهُ اللَّهُ أَكْبَرُ) نماز کے یہ دونوں پہلو کسی قدر وضاحت کے محتاج ہیں۔ 'فَحْشَاءُ' اور 'مُنْكَر' کے دو لفظوں نے اخلاقی مفاسد کے تمام پہلو اپنے اندر سمیٹ لیے ہیں۔ بہت سی برائیاں ایسی ہیں جو شہوانی جذبات کی بے اعتدالی یا ان کے انحراف سے وجود میں آتی ہیں اور پھر آہستہ آہستہ پورے معاشرے کو اس طرح بے حیا بنا دیتی ہیں کہ لوگوں کے اندر سے بے حیائی کا احساس ہی مٹ جاتا ہے۔ ماضی کی قوموں میں سے اس کی مثال کے طور پر قرآن نے قوم لوط کا ذکر کیا ہے جس نے لوط نے اپنی قوم کی بے حیائی کے لیے 'فاحشۃ' کا لفظ استعمال بھی فرمایا ہے۔ اس زمانے میں جدید فکر و فلسفہ اور نئی تہذیب کی برکت سے بے حیائی و فحاشی کی جونت نئی شکلیں وجود میں آئی ہیں اور برابر آرہی ہیں ان کے مقابل میں قوم لوط کی بے حیائی بالکل گرد ہو کے رہ گئی ہے اور جن لوگوں کی نظر حالات پر ہے وہ جانتے ہیں کہ اب ہمارا معاشرہ بھی پوری طرح ان کے پیٹ میں آچکا ہے اور آہستہ آہستہ لوگوں کا ضمیر اس طرح مردہ ہونا جا رہا ہے کہ ہماری قوم کا بہت بڑا طبقہ جو ہماری بدقسمتی سے تعلیم یافتہ بھی کہلاتا ہے، ان بے حیائیوں کو بے حیائی سمجھتا تو درکنار ان کو تہذیب و ترقی کا لازمہ سمجھنے لگا ہے اور جو لوگ ان پر تنقید کرتے ہیں ان کو احمق اور دقبالو سی قرار دیتا ہے۔

دوسری برائیاں وہ ہیں جو طمع و حرص کی بے اعتدالی اور حبت مال و جاہ کی زیادتی سے ظہور میں آتی ہیں۔ ان کے لیے یہاں جامع لفظ 'مُنْكَر' استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ معروف کا ضد ہے اس وجہ سے وہ تمام برائیاں اس میں شامل ہیں جو ایک صالح معاشرہ کی پاکیزہ روایات اور اس کے معروف مسلمات کے خلاف ہوں۔ پچھلی قوموں میں سے قوم عاد و ثمود کے تمدنی مفاسد اور قوم شعیب کے معاشی فساد کا ذکر قرآن نے اس کی مثال کے طور پر کیا ہے اور اس زمانے میں معاشرت و معیشت کا یہ فساد زندگی کے ہر شعبہ پر جس طرح چھا چکا ہے اس کے متعلق یہ کہنا شاید بے جا نہ ہو کہ ماضی کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال موجود نہیں ہے۔

یہاں معروف و منکر سے متعلق ان اشارات پر قناعت فرمائیے۔ آگے سورہ روم کی آیات ۳۱-۴۰ اور سورہ لقمان کی آیت ۱۷ کے تحت اس پر مفصل بحث ان شاء اللہ آئے گی۔



فرمایا کہ نماز ان تمام برائیوں سے روکتی ہے۔ روکتی ہے، یعنی نماز کی حیثیت ایک نہایت مؤثر و اعظوظ اجر کی ہے۔ جو لوگ نماز اس کے آداب و شرائط کے ساتھ ادا کرتے ہیں، خواہ خلوت کی نماز ہو یا جلوت کی، ان کی نماز اپنے ظاہر و باطن دونوں سے، ان کو ان حقائق کی یاد دہانی کرتی رہتی ہے جن کی یاد دہانی زندگی کو صحیح شاہراہ پر قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ خاص طور پر خلوت کی نمازیں انسان کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں۔ اگر کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا تو اس کی مثال اس ڈرائیور کی ہے جو اپنی زندگی کی گاڑی پوری رفتار سے چلاتا رہا ہے لیکن اس کی رہنمائی کے لیے داہنے بائیں جو نشانات اس کو صحیح راہ بتانے اور خطرات سے آگاہ کرنے کے لیے لگے ہوئے ہیں ان سے وہ بالکل بے پردا اور بے خبر ہے۔ ایسا ڈرائیور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اپنی گاڑی کس کھڈ میں گراٹے۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ یہ اثرات اس نماز کے بیان ہو رہے ہیں جو صحیح تذکرہ اور اخلاص کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ اگر کسی نماز کے اندر یہ اثرات مفقود ہوں تو لازماً وہ یا تو صحیح تذکرہ سے خالی ہے یا اخلاص سے۔ یعنی یا تو نماز پڑھنے والا اپنی نماز کے معنی مفہوم سے بالکل بے خبر ہے، اس کو کچھ معلوم نہیں کہ نماز میں اس نے کس چیز کا اقرار اور کس بات کا انکار کیا ہے یا یہ کہ اس نے محض دوسروں کو دکھانے کے لیے ریاکاری راکینگ کی ہے۔

”وَلَا يَذْكُرُ اللَّهُ أَكْبَرُ“۔ یہ نماز کے دوسرے پہلو کی طرف اشارہ ہے اور دو نفظوں کے اندر معافی کا ایک جہان پوشیدہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس نماز کے موقع پر جماعت کے اندر عزم و حوصلہ اور قوت و استقامت پیدا کرنے کے لیے نماز کے اہتمام کی جو تاکید کی جا رہی ہے اس کو کوئی معمولی بات یا محض لطف نفسی نہ تصور کرے۔ اس سونے ٹھن میں نہ مبتلا ہو کہ بھلا نماز جماعت کی تنظیم و تقویت میں کیا مؤثر ہو سکتی ہے! حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ اسی سے انسان کے دل کو حقیقی طہانیت و سکینت حاصل ہوتی ہے۔ ”أَلَا يَذْكُرُ اللَّهُ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوبُ“ (اچھی طرح سن لو کہ دلوں کو طہانیت اللہ کی یاد سے حاصل ہوتی ہے) اور دل ہی انسان کے اندر وہ چیز ہے جو تمام عزم و حوصلہ کا منبع ہے۔ اگر دل مضبوط ہے تو انسان سے زیادہ طاقت ور کوئی چیز نہیں اور اگر دل کمزور ہے تو انسان سے زیادہ ناتواں کوئی شے نہیں اور دل کو قوت دینے والی اصلی چیز خدا کی یاد ہے جس کی سب سے زیادہ بہتر جامع اور مؤثر شکل نماز ہے۔

یہ حقیقت ملحوظ رہے کہ یہاں زیر بحث دل کی دو طہانیت و سکینت ہے جو انسان کے اندر وہ شجاعت اور عزم و حوصلہ پیدا کرتی ہے کہ جو اس کو خدا کے سوا ہر خوف اور ہر طمع سے بے پروا کر دیتی ہے۔ یہی وہ اصلی قوت اور حقیقی شجاعت و بسالت ہے جو ایمان اور خدا کی یاد سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ شجاعت اس تہور سے بالکل مختلف چیز ہے جو بالوسی یا جذبہ انتقام، یا خوف یا ناموری کی خواہش یا ناقصیت اندیشی



سے ظہور میں آتا ہے۔ جو لوگ شجاعت اور تہور کے اس فرق سے واقف نہیں ہیں وہ ایک مومن کی شجاعت اور ایک کافر کے تہور کو ایک ہی نوعیت کی چیز سمجھتے ہیں حالانکہ دونوں کے نفسیاتی محرکات بھی الگ الگ ہوتے ہیں اور اس دنیا میں دونوں کے اثرات بھی دو بالکل مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک کا منبع ایمان اور اللہ کی یاد ہے اور دوسرے کا منبع ان نفسیاتی محرکات میں سے کوئی محرک ہوتا ہے جن کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا۔ اس وجہ سے ایک کی شجاعت سے دنیا میں اس طرح کی برکت و رحمت ظہور میں آتی ہے جس طرح کی رحمت و برکت حضرت عمرؓ اور حضرت خالدؓ کی شجاعت سے ظہور میں آئی اور دوسرے کے تہور سے اس قسم کا شر و فساد ظہور میں آتا ہے جس قسم کا شر و فساد ہٹکرا اور رسولینی اور اس قبیل کے دوسرے متہورین کے ہاتھوں ظہور میں آیا۔

مسلمانوں کو  
تنبی

وَاللّٰهُ يُعَذِّبُ مَا تَعْمَلُونَ : یہ مسلمانوں کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ اپنی تربیت اور دوسروں کی اصلاح کے لیے جو جدوجہد بھی تم کر رہے ہو یا کرو گے اللہ اس سے اچھی طرح واقف ہے تو جب وہ واقف ہے تو اس پر پورا بھروسہ رکھو کہ وہ تمہاری کوئی محنت خواہ وہ شب کی خلوتوں میں ہو یا دن کی جلوتوں میں، ضائع نہیں جانے دے گا بلکہ تم اپنی ہر کوشش کا بھرپور صلہ پاؤ گے۔

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ اوپر کے ٹکڑے میں خطاب بصیغہ واحد ہے اور اس ٹکڑے میں جمع کا صیغہ آگیا ہے۔ یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ اوپر کا خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بحیثیت امت کے وکیل کے ہے۔ اصلاً وہ خطاب بھی تمام امت سے ہے اس لیے کہ دعوت اور تربیت کی ذمہ داری جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تھی اسی طرح دوسرے مسلمانوں پر بھی تھی لیکن واحد کے خطاب سے یہ بات نکلتی ہے کہ پیغمبر کو تو یہ فرض بہر حال ادا کرنا ہے، خواہ دوسرے اس کو ادا کریں یا نہ کریں۔ وہ ادا کریں گے تو اپنی ایک ایک محنت کا اجر پائیں گے اور اگر نہیں کریں گے تو خدا اور اس کے رسول کا کچھ نہیں بگاڑیں گے بلکہ اپنی ہی محرومی کا سامان کریں گے۔

وَلَا تَجَادِلُوْا هَلْ اَنْزِلَ الْكِتٰبُ اِلَّا بِالْحَقِّ قَالِ الْاَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُولُوْا اٰمَنَّا بِالَّذِيْ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَالْهٰنَا وَاِلَهُكُمْ وَاٰحَدٌ نَّحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ (۲۹)

پڑھے لکھے جنوں

دعوت کے اس دور میں، جو اس سورہ میں زیر بحث ہے، اہل کتاب بھی مخالفت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اس وجہ سے جس طرح اوپر والی آیت میں ان لوگوں کے باب میں دعوت کا طریقہ واضح کر دیا گیا جو قرآن کی صداقت تسلیم کرنے کے لیے معجزات کے طالب تھے اسی طرح یہاں چند آیات میں اس طریقہ کی وضاحت فرمادی گئی جو اہل کتاب کے ساتھ بحث و استدلال میں مسلمانوں کو اختیار کرنا چاہیے۔ اہل کتاب کی اس خصوصیت کی وجہ آگے کی آیات سے خود واضح ہو جائے گی کہ ان کی دینی حیثیت بھی مشرکین عرب سے بالکل مختلف تھی اور ان کے بشہات و اعتراضات بھی ذرا مختلف نوعیت کے تھے۔ یہ پڑھے لکھے

سے مننے کے

یہ مسلمانوں

کو ہدایت







اختیار کرو تو تمہیں اس رسول اور اس کتاب سے چڑنے کے بجائے ان کا غیر مقدم کرنا چاہیے جن کے ظہور سے سب سے زیادہ تمہارا سراونچا ہوا ہے اس لیے کہ ان کی بشارت اپنے صحیفوں کے واسطے سے تمہی نے دنیا کو سنائی تھی۔ اب اگر ضد میں آکر تم نے انکار کیا تو تم خود اپنے کو اور اپنے صحیفوں کو جھٹلاؤ گے ورنہ نالیکہ ہم تمہارے صحیفوں کی تصدیق و تائید کر رہے ہیں۔

اسی طرح ان کو کامل توحید کی بھی دعوت دو اور ان سے کہو کہ ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ اس مسئلہ میں ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی اصولی نزاع نہیں ہے۔ تورات و انجیل اور دوسرے تمام صحائف توحید کی تعلیم سے معمور ہیں۔ بس ہم میں اور تم میں اگر کوئی فرق ہے تو یہ ہے کہ جو باتیں اس مسلم حقیقت کے خلاف ہیں ہم نے ان کو چھوڑ کر اپنے آپ کو اپنے ایک ہی رب کے حوالہ کر دیا ہے۔ اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم توحید کے بھی مدعی ہو اور ساتھ ہی تم نے اپنے اندر ایسی باتیں بھی جمع کر رکھی ہیں جو اس عقیدے سے صریحاً متناقض ہیں تو ہماری دعوت تمہارے لیے یہ ہے کہ جس طرح ہم نے اپنے آپ کو کلیتہً اپنے ایک ہی رب کے حوالہ کر دیا ہے اسی طرح تم بھی اپنا یہ تناقض دور کر کے مسلم بن جاؤ۔

وَكَذَلِكَ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ ۖ فَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَن يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ (۴۷)

قرآن کا دعویٰ ”وَكَذَلِكَ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ“ یعنی دعوت کے اسی اصول پر جس کی طرف اوپر کی آیت میں اشارہ ہے ہم نے تم پر یہ کتاب اتاری ہے۔ یہ کتاب اس بات کی تدعی نہیں ہے کہ سب سے پہلے یہ باتیں اسی کتاب میں نازل ہوئیں بلکہ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام نبیوں اور رسولوں نے اسی دین کی دعوت دی ہے جس کی دعوت یہ کتاب دے رہی ہے لیکن پچھلی امتوں نے یا تو اللہ کی اتاری ہوئی تعلیمات بھلا دیں یا ان میں اپنی ہواٹھے نفس کے مطابق تبدیلیاں کر دیں اس طرح اللہ کا دین بالکل منہج و محرف ہو گیا تھا۔ اب اللہ نے اپنے دین کو بالکل صحیح اور مکمل صورت میں اس کتاب اور اس رسول کے ذریعہ سے پھر دنیا میں اتار لیا ہے تاکہ خلق اللہ کی ہدایت سے محروم نہ رہے۔

صالحین اہل کتاب کے ایمان کی بشارت جہاں جہاں اہل کتاب کا ذکر معروف کے صیغے سے کیا ہے، جیسا کہ یہاں ہے، بالعموم اچھے معنوں میں کیا ہے اس وجہ سے ”آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ“ سے یہاں مراد عام اہل کتاب نہیں ہیں بلکہ ان کے اندر کے وہ لوگ ہیں جو اپنے علم کے حذک تورات و انجیل پر قائم تھے۔ ان لوگوں کے بابت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ اگر ان کے آگے تم اس کتاب کو اس طرح پیش کر دو گے جس طرح تمہیں ہدایت کی جا رہی ہے تو یہ صالحین اس کتاب پر ایمان لائیں گے۔

وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَن يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَن يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَن يُؤْمِنُ بِهِ ۚ







طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

’وَمَا يَجْعَلُ بَايِتَنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ‘ میں وہی حقیقت دوسرے الفاظ میں واضح فرمائی گئی ہے جو اوپر آیت ۴۴ میں بیان ہو چکی ہے۔ یعنی قرآن کی ان آیات کا انکار تو وہی کرتے ہیں جنہوں نے اللہ کے عطا کردہ علم کی ناقدری کر کے اپنے سینوں اور دلوں کو تاریک کر لیا ہے اور اس طرح خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنے ہیں۔ یہاں ’ظَالِمُونَ‘ سے وہی بد بخت لوگ مراد ہیں جن کا ذکر اوپر آیت ۶۴ میں ’إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا‘ کے الفاظ سے ہوا ہے اور جن کے باب میں مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ ان سے کوئی امداد نہ رکھی جائے۔ وہ بالکل ناقابل علاج ہیں۔

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ (۵۰)

ابن کتاب کے یہ اہل کتاب کا ایک اعتراض نقل کر کے اس کا جواب دیا ہے لیکن جواب کا انداز نہایت بے پرائی کا ہے یہاں تک کہ ان کو مخاطب کرنا بھی پسند نہیں فرمایا ہے بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے آپ کے واسطے سے ان کو بات پہنچا دی ہے۔ اہل کتاب کا عام اعتراض نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اول اول یہی رہا ہے کہ اگر یہ اللہ کے رسول ہیں تو ان کو اس طرح کے معجزے کیوں نہیں عطا ہوئے جس طرح کے معجزے ہماری نبیوں، خاص طور پر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو عطا ہوئے۔ یہ اعتراض وہ قریش کو اکسانے کے لیے اٹھاتے تھے۔ قریش کے لیڈران سے سوال کرتے کہ آپ لوگ نبوت و رسالت کے لازم و خصوصیات سے خوب واقف ہیں تو ان نئے مدعی نبوت کے بارے میں آپ لوگوں کی رائے کیا ہے؟ اس کے جواب میں وہ نہایت معصومانہ انداز میں یہ کہہ دیتے کہ ہم اور کچھ تو کہہ نہیں سکتے لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر یہ اللہ کے رسول ہیں تو آخر ان پر بھی اس طرح کے معجزے کیوں نہیں اتارے گئے جس طرح کے معجزے سابق نبیوں پر اتارے گئے! اہل کتاب کے اس اعتراض سے چونکہ قریش کو ایک بہت بڑی تائید حاصل ہو جاتی اس وجہ سے وہ اس کو خوب پھیلاتے اور عوام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمان کرتے قرآن نے یہاں اہل کتاب کے القا کردہ اس اعتراض کا جواب دیا ہے اور جواب میں اہل کتاب سے زیادہ قریش کو سامنے رکھا ہے اس لیے کہ اس قسم کے اعتراضات سے سب سے زیادہ نقصان انہی کو پہنچنا کہ وہ اپنے حاسدوں کے حسد کے شکار ہو کر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی رحمت سے محروم ہو جاتے۔

’قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ‘۔ یہ اس اعتراض کا پہلا جواب ہے کہ نشانیوں اور معجزات کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ میں اس معاملے میں کوئی دخل نہیں رکھتا۔ وہ اگر چاہے گا تو کوئی نشانی دکھا دے گا اور نہیں چاہے گا تو نہیں دکھائے گا۔ میں تو صرف ایک نذیر مبین ہوں، مجھے حکم ہے کہ تمہیں آنے والے خطرات سے اچھی طرح آگاہ کر دوں سو یہ فرض میں ادا کر رہا ہوں۔ باقی تمام



اور اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ میں نے رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے، خدائی کا دعویٰ نہیں کیا ہے کہ تمہاری طلب کے مطابق معجزے دکھا دوں۔

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ طَرَاتٍ فِي ذِكْرِكَ لَرَحْمَةٍ وَذِكْرٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۵۱)

یہ دوسرا جواب ہے اور نہایت جامع ہے۔ فرمایا کہ کیا ان کے لیے تمہاری نبوت و رسالت کی یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر ایک کتاب اتاری ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جا رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب ایک پوری کتاب ان کو سنائی جا رہی ہے جو اپنے دعوے پر خود حجت ہے اور اس کا سنانے والا بھی سامنے موجود ہے تو اس عظیم نشانی کے ہوتے کسی اور نشانی کی ضرورت کہاں باقی رہی۔

طَرَاتٍ فِي ذِكْرِكَ لَرَحْمَةٍ وَذِكْرٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔ یعنی یہ تو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہوا ہے کہ کسی حتی معجزے یا کسی نشانی غراب کے بجائے اس نے ان پر اپنی کتاب نازل فرمائی۔ اگر وہ کوئی حتی معجزہ دکھاتا تو وہ بہر حال ایک وقتی چیز ہوتا اور اگر کوئی نشانی غراب دکھاتا تو وہ ایک آفت ہوتی اور معلوم نہیں وہ کس شکل میں نمودار ہوتی۔ یہ تو اللہ کا بہت بڑا فضل ہوا ہے کہ اس نے ان پر کتاب اتاری جو ان کے واسطے ایک دائمی رحمت اور یاد دہانی ہے بشرطیکہ وہ اس کی تدریس اور اس پر ایمان لائیں۔ لفظ 'ذکر' پر ہم دوسری جگہ بحث کر چکے ہیں کہ قرآن درحقیقت انسان کو انہی حقائق کی یاد دہانی کرتا ہے جو خود اس کی عقل و فطرت کے اندر موجود ہیں لیکن وہ ان کو بھولا ہوا ہے۔ قرآن کی صداقت ثابت کرنے کے لیے کسی خارجی نشانی یا معجزے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ انسان قرآن کی رہنمائی میں اپنی فطرت کے خزانوں کا جائزہ لے۔ وہ خود پکاراٹھے گا کہ قرآن جو کچھ بتا رہا ہے بالکل ٹھیک ہے۔

قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيِّنًا وَبَيِّنَاتٍ شَهِيدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَٱلْاَرْضِ ۚ وَٱلَّذِينَ آمَنُوا بِٱلْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِٱللَّهِ أُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْخٰسِرُونَ (۵۲)

مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی طرف سے یہ شبہات و اعترافات جو اٹھائے جا رہے ہیں یہ تو محض ادب پر باتیں ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ان کے دل گواہی دے رہے ہیں کہ تم اللہ کے رسول ہو اور جو کچھ تم ان کو بتا رہے ہو حرف حرف ٹھیک ہے تو ایسے لوگوں سے زیادہ بحث و حجت کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ کر دو اور ان سے کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہی کے لیے کافی ہے کہ فی الحقیقت تم پر میری صداقت واضح نہیں ہوئی اس وجہ سے تم نے انکار کیا یا سب کچھ جان بوجھ کر محض اپنی شجیت کی پاسداری میں تم نے میری تکذیب کی۔ اللہ آسمانوں اور زمین کے ہر بھید سے اچھی واقف ہے، وہ قیامت کے دن سارا راز کھول دے گا۔ البتہ یاد رکھو کہ جو لوگ جان بوجھ کر باطل پر ایمان لائیں گے اور خدا کا انکار کریں گے وہی لوگ آخرت میں اصلی نامراد ہونے والے ہیں۔



وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَا إِجْلُ مَسْنَىٰ لَجَاءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَئِيَّا تَتْلُوهُمْ بُنْتَةٌ  
ذَهُم لَا يَشْعُرُونَ (۵۳)

اور جن نشانوں کے مطالبے کا ذکر ہے ان میں خاص طور پر عذاب کی نشانی کے لیے قریش بہت متعجل تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن کی تکذیب کی صورت میں ان کو عذاب سے ڈراتے تو اس سے ان کے پندار کو بڑی چوٹ لگتی اور وہ بھینچا کر آپ کو زچ کرنے کے لیے یہ مطالبہ کرتے کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو تو جس عذاب کی دھکی سارہے ہو وہ لاؤ، ہم اس کو دیکھنے کے لیے بے چین ہیں۔ فرمایا کہ عذاب کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مدت مقرر ہے اس مدت سے پہلے عذاب نہیں آتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی یہ مقررہ سنت نہ ہوتی تو ان پر عذاب آدھکتا۔ مطلب یہ ہے کہ اس معاملے میں اگر ان لوگوں کی اس جلد بازی کے باوجود دیر ہو رہی ہے تو اس دیر کا سبب نہ کسی کا پاس دلچاط ہے نہ کسی کی قوت و صولت اور نہ کسی تیاری کی ضرورت، بلکہ خود خدا کا اپنا ٹھہرایا ہوا قانون ہے۔ اس قانون کی وضاحت ہم اس کے محل میں کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قوموں کی تباہی کی مدت ان کے اخلاقی زوال کے پیمانے سے ناپ کر مقرر کی ہے۔ صرف وہی جانتا ہے کہ کب کسی قوم کا پیمانہ بربت ہو، کوئی دوسرا اس چیز کو نہیں جانتا۔ فرمایا کہ جب عذاب کا وقت آجائے گا تو وہ اپنا تک ان پر آدھکے گا، وہ اس کے مقابل میں کوئی پیش بندی نہ کر سکیں گے۔

يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ط قَاتِ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ه يَوْمَ يُعْذِبُ الْعَذَابُ مِنْ  
قُرْبِهِمْ ذَمِنْ تَحْتِ رُجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُرُّوا مَا أَنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۵۴-۵۵)

یہاں ان کے استعجال بالعداب کو پھر دہرایا ہے۔ بظاہر اس تکرار کی ضرورت نہیں تھی لیکن یہ  
اعادہ اظہار تعجب کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بڑے طغیان سے بار بار عذاب کا مطالبہ کر رہے  
ہیں گویا عذاب ان سے بہت دور ہے حالانکہ عذاب ان کے اوپر اور ان کے نیچے سے ان کو گھیرے ہوئے  
ہے۔ یہ خدا کی جہنم کے اعلیٰ میں ہیں۔ یہ جن اعمال کے اندر گھرے ہوئے ہیں یہی اعمال ان کے لیے جہنم  
کا ایندھن ہوں گے تو جس عذاب کے لیے وہ جلدی مچائے ہوئے ہیں اس کا پورا سامان تو انھوں نے  
خود فراہم کر رکھا ہے ان کے یہی اعمال ایک دن عذاب بن کر ان کے اوپر اور نیچے سے ان کو ڈھانک  
لیں گے اور اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ اب لو، اس عذاب کا مزہ چکھو جس کے لیے جلدی مچائے  
ہوئے تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ جس عذاب کا بارہ انھوں نے خود اوڑھ رکھا ہے اس کے لیے جلدی  
مچانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ کوئی باہر سے منگانے کی چیز تو نہیں ہے، اس کو تو انھوں نے اوڑھنا بچھونا  
بنار رکھا ہے۔ یہ محض خود بانٹگی ہے کہ وہ اس کو دور سمجھ کر اس کے لیے جلد بازی کر رہے ہیں۔

يَعْبَادِي الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِيَّ وَاسِعَةٌ فَإِيَّاي فَاعْبُدُونِ (۵۶)



یہ ان مظلوم مسلمانوں کو خطاب فرمایا جن کا مسئلہ ابتدائے سورہ سے اس میں زیر بحث ہے۔۔۔ مظلوم مسلمانوں  
انداز خطاب میں بڑی دلنوازی ہے۔ فرمایا کہ اے میرے بندو، جو مجھ پر ایمان لائے ہو، اگر تم پر مکہ کی سرزمین  
تنگ کر دی گئی ہے تو تم بالوس اور دل شکستہ ہو کر میری بندگی کے عہد سے دست بردار نہ ہونا بلکہ اپنے  
اس عہد پر جمے رہو۔ اگر یہ سرزمین تمہیں چھوڑنی پڑی تو اطمینان رکھو کہ میری زمین بہت کشادہ ہے، کوئی اور  
سرزمین تمہارا خیر مقدم کرے گی۔ خَيَاتَايَ قَائِبٌ دُونَ بہر حال تم جمے رہو کہ میرے سوا کسی اور کی بندگی  
کی ذلت گوارا نہ کرو گے۔ اگر میری خاطر تم اپنے گھروں کو چھوڑ دو گے تو تمہاری ذمہ داری میرے اوپر  
ہے اور میرے پاس کسی چیز کی بھی کمی نہیں ہے۔

اس آیت سے چند باتیں نہایت واضح طور پر سامنے آگئیں۔

ہجرت سے

متعلق بات

— ایک یہ کہ کسی سرزمین سے ہجرت صرف اس وقت ضروری ہوتی ہے جب اس میں آدمی کے دین و  
ایمان کے لیے فتنہ پیش آجائے۔

— اگر فتنہ پیش آجائے تو وہ ہر قیمت پر اللہ کی بندگی کے عہد پر قائم رہے، کسی صورت میں بھی غیر اللہ  
کی بندگی کی ذلت گوارا نہ کرے۔

— اگر اپنے ایمان کو بچانے کے لیے اپنا گھر و سب کچھ چھوڑنا پڑ جائے تو سب کچھ چھوڑ کر اٹھ کھڑا  
ہو۔ اللہ تعالیٰ رزاق و کفیل ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ (۵۷)

تفسیر ایک

ایم پی

یہ آیت اگرچہ تہدید و تسلی دونوں کی متحمل ہے لیکن یہاں پیش و عقب کی آیات تسلی کے مفہوم کی  
تائید میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ زندگی تو چند روزہ ہے۔ بالآخر ایک دن سب کو مرنا اور خدا ہی کی طرف  
لوٹنا ہے تو اس حیات چند روزہ کی خاطر آدمی اپنے رب سے کیوں ٹھسارہ ہوا اپنے رب کی خاطر اس دنیا  
ہی پر کیوں نہ لات مارے!

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
خَالِدِينَ فِيهَا ۖ نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ (۵۸)

یعنی خدا کے ہاں کسی کی کوئی سعی رائیگاں نہیں جانے گی۔ جو لوگ ایمان و عمل صالح کی زندگی بسر  
کریں گے اللہ تعالیٰ ان کو جنت کے بالا خانوں میں فرد کش کرے گا اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ مطلب  
یہ ہے کہ اس حیات چند روزہ کے ایمان و عمل صالح کے بدلے جب یہ اجر دائمی و ابدی حاصل ہونے والا  
ہے تو یہ بہت بڑی چیز ہے۔ ہر عاقل کو اسی کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے، اس دنیا کے بڑے سے بڑے  
عیش کی خاطر بھی اس کو قربان نہیں کرنا چاہیے۔

الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ (۵۹)



یہ عاملین کی صفت ہے اور اس سے کلام بالکل مطابقت حال ہو گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا یہ صلہ ہمارے ان کارکنان بندوں کے لیے ہے جو ہر طرح کے حالات میں ہماری بندگی پر ثابت قدم اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے رہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اپنے رب پر یہ بھروسہ ہی ہے جو ہر طرح کے حالات میں بندے کو خدا کی بندگی پر استوار رکھتا ہے۔ اگر یہ بھروسہ نہ ہو تو ہجرت اور جہاد تو درکنار کوئی معمول آزمائش بھی آدمی برداشت نہیں کر سکتا۔

وَكَايَتِي مِمَّنْ خَاسِبَةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۗ اللَّهُ يَرْزُقُهَا إِيَّايَا كُمُ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۶۰)

یعنی جس طرح خدا کی زمین بہت کشادہ ہے اسی طرح خدا کا خوانِ کرم بھی بہت کشادہ ہے۔ اگر اللہ کی راہ میں اموال و جائیداد سے دست بردار ہونا پڑ جائے تو بے دنگ با تھ جھاڑ کے اٹھ کھڑے ہونا۔ یہ نہ سوچنا کہ آگے کیا کھائیں گے اور کہاں سے پہنیں گے؛ دیکھتے ہو کہ اس زمین میں کتنے جائدار ہیں جو اپنے ساتھ اپنی روزی باندھے نہیں پھرتے تاہم ان کا رب ان کو ان کا رزق بہم پہنچاتا ہے۔ وہی رب ان کو بھی رزق دیتا ہے وہی تم کو بھی رزق دیتا ہے۔ وہ سمیع و علیم ہے۔ اس وجہ سے ہر ایک کی فراہ دستا اور ہر ایک کی ضرورت کو جانتا ہے۔ اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں ہے کہ تم اس کو پکارو گے اور وہ بے خبر رہے گا یا تم حاجت مند ہو گے اور وہ تمہاری پریشانی سے ناواقف ہو گا۔ یہی حکمت سیدنا مسیح نے اپنے انداز میں یوں واضح فرمائی ہے:

”تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پیئیں گے؛ اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پیئیں گے، کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں؛ ہوا کے پرندوں کو دیکھو نہ بوتے ہیں نہ کانٹے۔ نہ کو ٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؛ تم میں ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے؛ اور پوشاک کے لیے کیوں فکر کرتے ہو؛ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں۔ وہ نہ محنت کرتے نہ کاتتے ہیں تو بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمان بھی باوجود اپنی ساری شان و شوکت کے ان میں سے کسی مانند بلیس نہ تھا۔ پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج بے کل تنور میں جھونکی جائے گی ایسی پوشاک پہنا دے تو اسے کم اعتقاد دو، تم کو کیوں نہ پہنائے گا! اس لیے فکر مند ہو کر یہ نہ کہو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پیئیں گے یا کیا پیئیں گے؛ کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں غرق نہیں رہتی ہیں اور تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو۔ بلکہ تم پہلے اس کی بادشاہی اور اس کی راست بازی



کی تلاش کرو تو یہ سب چیزیں بھی تم کو مل جائیں گی۔ پس کل کے لیے فکر نہ کرو کیونکہ کل کا دن اپنے لیے آپ نکر کر

لے گا۔ آج کے لیے آج ہی کا دکھ کافی ہے۔“ متی باب: ۲۵: ۳۴

یہ قرآن کی بلاغت کا اعجاز ہے کہ سیدنا مسیحؑ نے جو حکمت اتنے فقروں میں واضح فرمائی ہے وہ اس نے

ایک ہی آیت میں سمیٹ دی ہے۔

وَلَيَنْتَظِرَنَّ سَاءَ لَتَهُمْ مِمَّنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لِيُتْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ

فَإِنِّي يُؤَفِّكُوْنَ (۶۱)

اوپر کی آیات میں خدا ہی پر بھروسہ کرنے اور اسی کی راہ میں جینے اور مرنے کی جو تعلیم دی گئی ہے، اس آیت میں اور آگے کی آیات میں اسی کے دلائل بیان ہو رہے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی اور مقدر نہیں ہے کہ پھر اس کی بندگی کی جائے اور اس پر بھروسہ کیا جائے۔ یہ حقیقت ایسی مسلم ہے کہ اس سے ان لوگوں کو بھی مجال نہکا نہیں ہے جو خدا کے بہت سے شریک و ہمیں بنائے بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کی پوجا کر رہے ہیں۔ اگر ان سے بھی پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کا خالق، سورج اور چاند کا مسخر کرنے والا کون ہے تو وہ بھی اس کا یہی جواب دیں گے کہ اللہ، اس واضح حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد پھر وہ معلوم نہیں کہاں بھٹک جاتے ہیں کہ دوسروں کو بھی مادی و مرجع مان کر ان کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ حقیقت اس کتاب میں ہم جگہ جگہ واضح کر چکے ہیں کہ مشرکین عرب اپنی دیویوں و پوتاؤں میں سے کسی کو آسمان و زمین یا سورج و چاند کا خالق نہیں مانتے تھے۔ ان تمام چیزوں کا خالق و مالک وہ اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے لیکن ساتھ ہی وہ اس دہم میں بھی مبتلا تھے کہ جن ہستیوں کی وہ پوجا کرتے ہیں وہ خدا کی بڑی مقرب ہیں۔ وہ ان کے لیے جو چاہیں خدا سے منوا سکتی اور کرا سکتی ہیں فَاِنِّي يُؤَفِّكُوْنَ کے الفاظ سے ان کے اسی تضاد فکر پر اظہار تعجب فرمایا ہے کہ جب ہر چیز کا خالق و مالک خدا ہے تو آخر دوسروں کو مادی و مرجع بنانے، ان کی پوجا کرنے اور ان سے استغاثہ و استرحام کا کیا تمک ہے! یہ تو خود اپنے منہ سے خود اپنے منہ کی تردید ہے!

اللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَ يَقْدِرُ لَهُ مَا تَشَاءُ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۶۲)

یعنی جب آسمانوں اور زمین کا خالق خدا ہے اور سورج اور چاند کو ہماری خدمت میں اسی نے سرگرم کیا ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ رزق کے خزانوں کا مالک کوئی اور بن بیٹھے۔ پھر تو وہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور اپنے علم و حکمت کے مطابق رزق کی تقسیم فرماتا ہے۔ نہ کوئی دوسرا اس سے زیادہ علم رکھنے والا ہے کہ اس کو بتائے کہ فلاں کا رزق پہنچا ہے، فلاں کا نہیں پہنچا اور نہ کوئی اس کے بندوں کے احوال و مصالح سے اس سے زیادہ باخبر ہے کہ اس کو پائے دے سکے کہ فلاں کا رزق زیادہ ہونا چاہیے۔ فلاں کا کم۔



وَلَمَّا سَأَلْتَهُمْ مَنْ تَمْلِكُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَآخَرًا بِهِ الْأَرْضُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۗ قُلِ الْعَسَدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (۶۳)

اسی طرح اگر ان سے سوال کرو کہ وہ کون ہے جو آسمان سے پانی اتارتا ہے اور اس سے زمین کو، اس کے خشک اور بے آب و گیاہ ہو جانے کے بعد از سر نو زندہ و شاداب کر دیتا ہے تو اس سوال کا جواب بھی وہ یہی دیں گے کہ اللہ! ان سے کہو، اگر اس بات کا تم کو اقرار ہے تو پھر تو شکر کا سزاوار بھی اللہ تعالیٰ ہی ہوا تو آخر تم اس کے سوا دوسروں کی عبادت کس حق کی بنا پر کرتے ہو!

مشرکین عرب ابروہوا پر بھی حقیقی تصرف اللہ تعالیٰ ہی کا مانتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ رزق و فضل کو دوسروں کی طرف منسوب اور ان کی عبادت کرتے۔ اس طرح وہ ایک شدید قسم کے تضاد فکر میں مبتلا تھے حالانکہ جب یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی کی بخشی ہوئی ہیں تو شکر کا حقدار بھی وہی ہوا اور یہی شکر تمام عبادت و طاعت کا محرکِ اول ہے۔ اس کی وضاحت ہم سورہ فاتحہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔

بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ یعنی یہ تضادِ فکر ہے تو نہایت بھونڈے قسم کا لیکن ان کی اکثریت اس پر غور نہیں کرتی۔

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ ۚ وَآلَ الدَّارِ الْآخِرَةِ لِهِيَ الْحَيَوَاتُ الْمَكُونَةُ ۚ كَانُوا يَعْلَمُونَ (۶۴)

یہ ان کی ساری گمراہی کے اصل سبب کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اس دنیائے فانی کی دلفریبیوں نے ان کو اس طرح گردیدہ کر لیا ہے کہ وہ اس کے مفادات سے بالاتر ہو کر کسی چیز کو سوچ ہی نہیں سکتے۔ حالانکہ یہ دنیا جس پر یہ رکھے ہوئے ہیں اور جس کے عشق نے ان کی عقل اور ان کے دل کی ہر چیز کو مار مار کر دیا ہے اس کی حقیقت چند روزہ لہو و لعب سے زیادہ کچھ بھی نہیں، اصلی زندگی دارِ آخرت کی زندگی ہے لیکن اس کی طرف سے ان کی آنکھیں بند ہیں۔ دنیا کی زندگی قدر و قیمت رکھنے والی چیز اس صورت میں بنتی ہے جب آخرت کو نصب العین بنا کر گزاری جائے۔ اس صورت میں بے شک انسان اس چند روزہ زندگی کے بدلے میں ابدی بادشاہی حاصل کرتا ہے۔ یہ نصب العین اگر نگاہوں سے اوجھل ہو جائے تو پھر یہ محض چند دن کا کھیل ٹمٹم ہے اور اس کے بدلے میں انسان ابدی خسران کا وارث بنتا ہے۔ فرمایا کہ اصل حقیقت یہ ہے بشرطیکہ یہ دنیا کے متوالے لوگ اس حقیقت کو جانیں اور سمجھیں۔

فَإِذَا دَرَكُوا فِي الْفُلْتِ دَعَا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ۚ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۖ فَلِيَلْعَنُوا اللَّهَ فَصَوفَ يَعْلَمُونَ (۶۵-۶۶)

یعنی دنیا کے ان سرمستوں کی مثال کشتی کے مسافروں کی ہے جب کشتی ساز گارہوا کے ساتھ رواں دواں ہوتی ہے تو یہ اس میں اس طرح مگن ہوتے ہیں گویا ابروہوا سب انہی کے تابع فرمان ہیں لیکن جو نہی کشتی کسی طوفانی



گرداب میں پھنسی ان کو خدا یا مانتا ہے اور اس وقت وہ اس سے مخلصانہ اطاعت کا عہد کرتے ہوئے دعا کرتے  
لیکن جب کشتی گرداب میں سے نکل جاتی ہے تو وہ اپنی اپنی سرستیوں اور گمراہیوں میں پھر کھو جاتے ہیں جس  
میں پہلے کھوئے ہوئے تھے اور خدا سے کیا ہوا عہد ان کو بالکل بھول جاتا ہے۔ فرمایا کہ اس طرح خدا کی بخشی ہوئی  
نجات ان کے لیے خدا ہی کی ناشکری کی راہ کھولتی ہے اور ہم بھی ان کو ڈھیل دے دیتے ہیں کہ وہ چند دن ہماری نعمتوں  
سے متمتع ہولیں، بالآخر تو ان کو اس کا خمیازہ بھگتنا ہی ہے۔

اس آیت میں بعض اجزاء محذوف ہیں، ہم نے لفظ قرآن کی روشنی میں وہ کھول دیے ہیں۔ یہ مضمون  
مختلف اسالیب سے زیر بحث آچکا ہے اس وجہ سے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ سورہ روم میں یہی  
مضمون اس طرح بیان ہوا ہے۔

وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ مُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ  
ثُمَّ يَنْتَهِبِينَ إِلَيْهِ تَرَاثُومَهُمْ إِذَا قَفَّيْتُمْ مِنْهُ  
ذَخِيرَةً إِذَا فَرَّيْتُمْ مِنْهُمْ بَرَئِيَّتُهُمْ يَنْشُرُكُونَ  
يَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ فَتَمَعُوا  
فَسَوْفَ تَكْفُرُونَ

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب  
کو پکارتے ہیں اس کی طرف متوجہ ہو کر پھر جب وہ ان کو  
اپنی رحمت کا مزہ چکھا دیتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ  
اپنے رب کے شریک ٹھہرانے لگتا ہے کہ اس نعمت کی  
ناشکری کریں جو ہم نے ان کو بخشی۔ تو چند دن ڈاڑھ اٹھا

لو، عنقریب تم کو پتہ چل جائے گا۔

(الروم: ۳۲-۳۴)

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا مِمَّا آمَنُوا يَتَخَفَتِ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ  
وَيَنْتَعِمُونَ بِاللَّهِ يَكْفُرُونَ (۶۷)

فرمایا کہ بالکل یہی حال قریش کے ان ناشکروں کا ہے۔ یہ اپنی تاریخ کی اسی حقیقت پر غور نہیں کرتے کہ  
ہم نے ان کے لیے ایک مامون حرم بنایا جس میں یہ چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں درآنحالیکہ ان کے گرد و پیش  
کا حال یہ ہے کہ لوگ دن دھاڑے اچکے لیے جاتے ہیں، نہ کسی کی جان کے لیے امان ہے نہ کسی کا مال  
محفوظ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کی قدر انھوں نے یہ کی ہے کہ اس کے بدلے ہوئے حرم کے  
کونے کونے میں انھوں نے بتوں کو لا بٹھایا ہے اور ان کی پوجا کر رہے ہیں۔ ان بدبختوں سے پوچھو کہ کیا وہ  
باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں؟

غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اوپر کشتی کی جو مثال دی ہے اس میں اور اس صورت واقعہ میں بڑی گہری  
مناسبت ہے۔ یہ مامون حرم قریش کے لیے ایک سفید نجات کے مانند تھا جس میں ہر خطرے سے بالکل  
نچنت وہ چین کی زندگی گزار رہے تھے۔ اس چین کی زندگی نے ان کو خدا سے بالکل غافل کر دیا۔ حالانکہ اگر  
خدا چاہتا تو ان کو بھی وہ اسی بے اطمینانی میں مبتلا کر سکتا تھا جس میں ان کے گرد و پیش کے لوگ مبتلا تھے  
لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ جب تک کشتی ساڑھا رہا ہے رواں دواں ہے اس وقت تک وہ چین کی بانسری



بجاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ بازی اس کی ہے لیکن جب کسی گرفت میں آجاتا ہے تو مادیلا شروع کر دیتا ہے۔  
 اس حرم کی تولیت کی بدولت قریش کو جو ناہیت اور سائے عرب پر جو قیادت و ریادت حاصل ہوئی  
 اس پر مفصل بحث کتاب میں جگہ جگہ ہو چکی ہے۔ سورہ قصص کی آیت ۵ کے تحت بھی اس پر بحث گزر چکی ہے۔  
 وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ يَالْعِزَّةُ يَا لَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى  
 لِّلْكَافِرِينَ (۷۸)

فرد فرد تمام فرد قرار داد جرم سنانے کے بعد سوال فرمایا کہ ان لوگوں سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر  
 جرم سنانے جھوٹ گھڑ کر لگائیں یا حق کو جھٹلا دیں جب کہ وہ ان کے پاس آچکا ہے۔ افتراء علی اللہ سے مراد دین  
 کے بعد ایک شرک ہے اور حق سے مراد یہاں قرآن اور رسول ہیں۔ لَمَّا جَاءَهُمْ سے یہ بات نکلتی ہے کہ رسول کی بعثت  
 سے پہلے تو ان کے لیے اللہ کے ہاں کچھ عذر ہو سکتا تھا لیکن اب جب کہ رسول بھی آچکا اور قرآن بھی نازل ہو چکا  
 تو ان کے لیے کیا عذر باقی رہا! اَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ کیا ایسے کٹے کا فرد کا ٹھکانا بھی  
 دوزخ میں نہ ہوگا! مطلب یہ ہے کہ ایسوں کے دوزخی ہونے میں بھلا کسے کلام ہو سکتا ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (۷۹)

اہل ایمان کو ان کے ٹھکانے تک پہنچا کر ان مظلوم مسلمانوں کی طرف پھر توجہ فرمائی جن کا مسئلہ اس سورہ میں  
 کو بشارت ابتدا سے زیر بحث ہے۔ فرمایا کہ ہمارے جو بندے ہماری راہ میں آج طرح طرح کی مشقتیں جھیل رہے ہیں  
 ہم ان پر اپنی راہیں ضرور کھولیں گے۔ قرینہ دلیل ہے کہ یہ وعدہ ان کے لیے دین، دنیا اور آخرت تینوں سے  
 متعلق ہے۔ یعنی ان کے لیے دین کی راہیں بھی کھلیں گی، ان کی دنیا کی مشکلات بھی حل ہوں گی اور آخرت  
 میں بھی اللہ تعالیٰ ان کی رہنمائی صراطِ حمید کی طرف فرمائے گا۔

وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ: یہ ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی معیت کی بشارت ہے اور یہ بہت  
 بڑی بشارت ہے اس لیے کہ جن کو اللہ کی معیت حاصل ہو تبس و قمر سب ان کی راہ میں گرد ہیں لیکن یہ بشارت  
 احسان کی قید کے ساتھ مفید ہے۔ یعنی یہ معیت ان لوگوں کو حاصل ہوگی جو نہایت خوبی کے ساتھ راہِ حق  
 کی مسیتوں کا مقابلہ کریں گے اور ہر مرحلے میں اپنے رب پر پورا پورا بھروسہ کرنے والے ثابت ہوں گے۔  
 اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان سطروں پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔

اللہ تعالیٰ لغز شروں کو معاف فرمائے اور صحیح باتوں کے لیے دلوں میں جگہ پیدا کر دے۔ وَاخِرُ دَعْوَانَا

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

ہمد و سپردس بجے دن

۲۴ مئی ۱۹۷۴ء

رحمان آباد



تذکرہ قرآن

۳۰

الزَّوْم







بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ۱۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ، سابق سورہ — عنکبوت — کا منشا ہے اور دونوں کا قرآنی نام بھی ایک ہی یعنی السّٰہ ہے۔ اس وجہ سے دونوں کے عمود میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ پچھلی سورہ میں ظاہری حالات کے علی الرغم مسلمانوں کو نصرت الہی اور غلبہ کی بشارت دی گئی ہے اور اس بشارت کی بنیاد اس حقیقت پر رکھی گئی ہے کہ اس کا رخانہ کائنات کو اللہ تعالیٰ نے بالحق پیدا کیا ہے۔ وہ وعدہ لا مشرک ہے۔ تمام امر وہی اسی کے اختیار میں ہے۔ وہ اس دنیا میں بھی اپنے رسول اور اپنے ساتھیوں کو غلبہ بخشنے کا اور اس دنیا کے بعد آخرت بھی ہے جس میں اس کے کامل حق و عدل کا ظہور ہوگا۔ اس وقت باطل کیسے نابود ہو جائے گا اور حق و اہل حق کو ابدی بادشاہی حاصل ہوگی۔

یہ مسائل مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان زیر بحث ہی تھے کہ اسی اثنا یعنی ۶۱۲ء میں پڑوس کے ملک یعنی شام اور فلسطین میں یہ انقلاب پیش آیا کہ مجوسیوں نے حملہ کر کے رومیوں کو دہاں سے بے دخل کر دیا۔ رومی چونکہ نصرانیت کے پیرو تھے اس وجہ سے دین و عقیدہ کے اعتبار سے وہ مسلمانوں سے قریب تھے اور اس قربت کے سبب سے قدرتی طور پر مسلمانوں کو ان سے ہمدردی تھی۔ اس کے برعکس مجوسی دین شرک کے پیرو تھے اس وجہ سے مشرکین کی تمام ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔ مجوسیوں کے ہاتھوں رومیوں کی اس شکست سے مشرکین مکہ کو بڑی شہ ملی۔ اس کی آڑ میں انھوں نے قرآن کی ان تمام باتوں کا مذاق اڑانا شروع کر دیا جو ان کی خواہشوں کے خلاف تھیں۔ مثلاً یہ کہ مسلمان جو کہتے ہیں کہ دینِ حق ہی حق ہے یا مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوگا یا قیامت آنے والی ہے جس میں حق کا بول بالا ہوگا، یہ سب باتیں ان کی محض لالچ ہیں۔ اگر ان کی یہ باتیں سچی ہوتیں تو مجوسیوں کو رومیوں پر کس طرح غلبہ حاصل ہوتا! یہ واقعہ تو اس بات کی صاف شہادت ہے کہ ہمارا ہی دین و عقیدہ اور ہمارا ہی نظریہ زندگی صحیح ہے اور ہم ہی غالب و حاکم رہیں گے۔

قرآن نے اس سورہ میں اسی واقعہ کو نبیاً دنیا کر ان تمام حقائق کو از سر نو نمبر بن کیا ہے جن کو مشرکین نے مشتبہ بننے کی کوشش کی۔

اس سورہ کا نظام سمجھنے کے لیے اگرچہ یہ تمہید بھی کافی ہے لیکن ہم سہولت کے لیے مطالب کا تجزیہ بھی کیے

دیتے ہیں۔

## ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۴) رومیوں اور مجوسیوں کے واقعہ طرف ایک اجمالی اشارہ اور اس حقیقت کا اظہار کہ اس دنیا میں قوموں



کے رد و بدل کے جو واقعات پیش آتے ہیں وہ اتفاقی واقعات کے طور پر نہیں پیش آتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ایک مبنی بر عدل سنت کے تحت ظہور میں آتے ہیں لیکن اس سنت تک ان لوگوں کی نگاہیں نہیں پہنچ سکتیں جو صرف اس دنیا کے ظواہر کو دیکھنے کے عادی ہیں۔

(۱۸۰۸) اس دنیا کے نظام امداد اس کی تاریخ پر جو شخص بھی غور کرے گا وہ اس حقیقت کا اعتراف کرے گا کہ اس کے خالق نے اس کو کھیل تماشا نہیں بنایا ہے اس وجہ سے یہ لازماً جزا و سزا پر متہی ہوگی۔  
 قوموں کی تاریخ سے بھی یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ ان کے کردار کے مطابق معاملہ کیا ہے اس وجہ سے قیامت ناگزیر ہے جو لوگ اس کا انکار کر رہے ہیں وہ ایک بدیہی حقیقت کا انکار کر رہے ہیں۔ جب قیامت آئے گی تو اس دن اہل ایمان کو نجات حاصل ہوگی اور اہل کفر نامراد ہوں گے جن لوگوں نے شرکاء و شفعاء بنا رکھے ہیں وہ نہایت ہی غلط سہارے پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ قیامت کے دن یہ شفعاء بالکل بے حقیقت ثابت ہوں گے۔ عبادت و اطاعت کا اصلی مقصد اللہ ہے۔ اسی کی حمد و تسبیح اس کائنات کی ہر چیز کو رہی ہے۔ اس وجہ سے انسانوں کا بھی فرض ہے کہ وہ صبح و شام اسی کی تسبیح کریں۔

(۱۹-۲۹) قیامت اور توحید کے آفاقی و انفسی دلائل۔

(۲۰-۲۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو اصل دینِ فطرت پر قائم رہنے اور اسی کی دعوت دینے کی تاکید۔ اس دین کی بنیاد نماز اور زکوٰۃ پر ہے۔ جن لوگوں نے اس دینِ فطرت کو بگاڑا ہے ان کو زہر و زہلیہ کہ اب ان کے محاسبہ کا وقت آگیا ہے، وہ پچھلی قوموں کی تاریخ سے سبق لیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ تم صبر کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہو اور فیصلہ کے دن کا انتظار کرو۔

(۲۶-۶۰) اللہ تعالیٰ کے وعدہ نصرت کے ظہور کے جو دلائل و آثار تاریخ و آفاق میں موجود ہیں ان کی طرف اشارہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ تم اپنی دعوت انہی لوگوں کے دلوں میں اتار سکتے ہو جو سننے سمجھنے والے ہیں۔ اس وجہ سے ان لوگوں کے رویہ سے بدل نہ ہو جو اندھے بہرے بن چکے ہیں۔ سوچنے سمجھنے والوں کے لیے یہ قرآن کافی ہے۔ باقی رہے مندی اور ہٹ دھرم تو ان کو کوئی معجزہ بھی قائل نہیں کر سکتا۔ تم صبر کے ساتھ اپنا کام کیے جاؤ۔ اللہ کا وعدہ نصرت پورا ہو کر رہے گا۔



مَكِّيَّةٌ ————— اَيَّانَهَا ٤٠

الْم ١ ۝ عَلَيَّتِ الرُّومُ ٢ ۝ فِي آدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ  
عَلَيْهِمْ سَيَغْلِبُونَ ٣ ۝ فِي بَضْعِ سِنِينَ ۚ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ  
مِنْ بَعْدُ ۚ وَيَوْمَئِذٍ يُفْرِخُ الْمُؤْمِنُونَ ٤ ۝ يَنْصُرُ اللَّهُ يَنْصُرُ مَنْ  
يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ٥ ۝ وَعَدَ اللَّهُ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ  
وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ٦ ۝ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ  
الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَفْلُونَ ٧ ۝ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي  
أَنفُسِهِمْ ۚ مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ  
وَإَجَلٍ مُّسَبًّى ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَائِي رَبِّهِمْ لَكِفِرُونَ ٨ ۝  
أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ  
مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا  
أَكْثَر مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۚ فَمَا كَانَ اللَّهُ  
لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ٩ ۝ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ  
أَسَاءُوا السُّوْأَىٰ أَن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ ١٠ ۝



اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ⑪ وَيَوْمَ تَقُومُ  
 السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ⑫ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِّنْ شُرَكَائِهِمْ  
 شُفَعَاءٌ وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ ⑬ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْصِرُ  
 مُتَفَرِّقُونَ ⑭ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي  
 رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ⑮ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَ  
 لِقَاءِ الْآخِرَةِ فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ⑯ فَسُبْحَنَ  
 اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ ⑰ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي  
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ ⑱

ترجمہ آیات

۱۸-۱

یہ آیت ہے۔ رومی پاس کے علاقے میں مغلوب ہوئے اور وہ اپنی مغلوبیت کے  
 بعد عنقریب — چند سالوں میں — غالب آجائیں گے۔ اللہ ہی کے حکم سے ہوا جو پہلے  
 ہوا اور اللہ ہی کے حکم سے ہوگا جو بعد میں ہوگا اور اس وقت اہل ایمان مسرور ہوں گے۔  
 اللہ کی مدد سے۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور عزیز و رحیم تو وہی ہے۔ یہ اللہ کا  
 حتمی وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ لیکن اکثر لوگ نہیں  
 جانتے۔ وہ اس دنیا کی زندگی کے صرف ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت سے وہ بالکل  
 ہی بے خبر ہیں۔ ۱-۷

کیا انھوں نے اپنے دلوں میں غور نہیں کیا! اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے  
 درمیان ہے نہیں پیدا کیا ہے مگر غایت و حکمت اور ایک مدت مقررہ کے ساتھ اور لوگوں  
 میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ ۸



کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے۔ وہ ان سے قوت میں زیادہ اور زمین کو زرخیز بنانے اور آباد کرنے میں ان سے بڑھ چڑھ کر تھے اور ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے۔ پس اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں تھا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنے۔ پھر ان لوگوں کا انجام، جنہوں نے بری روش اختیار کی، برا ہوا۔ بوجہ اس کے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور ان کا مذاق اڑاتے رہے۔ ۹-۱۰

اللہ ہی خلق کا آغاز کرتا ہے پھر وہ اس کا اعادہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور جس دن قیامت واقع ہوگی تو مجرم اس دن مایوس ہو جائیں گے اور ان کے شریکوں میں سے کوئی ان کے لیے سفارش کرنے والا نہیں بنے گا اور وہ اپنے شریکوں کا انکار کریں گے۔ ۱۱-۱۳

اور جس دن قیامت واقع ہوگی مومن و کافر دونوں الگ الگ ہو جائیں گے۔ پس جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہوں گے وہ تو ایک شاندار باغ میں مسرور ہوں گے۔ رہے وہ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کی تکذیب کی تو وہ عذاب میں پکڑے ہوئے ہوں گے۔ پس اللہ ہی کی تسبیح کرو جس وقت تم شام کرتے اور جس وقت صبح کرتے ہو اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی حمد ہو رہی ہے اور عشاء کے وقت بھی اور اس وقت بھی جب تم ظہر کرتے ہو۔ ۱۴-۱۸

## ۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کا  
اثبات آپ کے پیش کردہ  
امروں کی صداقت  
کے پہلو سے

۱۔ یہ ہمارے نزدیک، جیسا کہ ہم جگہ جگہ وضاحت کرتے آ رہے ہیں، مستقل جملہ ہے۔ یعنی یہ



سورۃ السّہ ہے۔ یہ اس سورہ کا اصل قرآنی نام ہے۔ یہی نام سابق سورہ کا بھی ہے۔ قرینہ ہے اس بات کا کہ عمود کے اعتبار سے دونوں سورتوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ پہلی سورہ میں اس کائنات کا جو فلسفہ بیان ہوا تھا اور اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر رسول اور اس کے ساتھیوں کے لیے دنیا اور آخرت میں جس نعمت الہی اور غلبہ کی بشارت دی گئی تھی، ایک خاص واقعہ کو جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، دلیل بنا کر کفار نے اس کا خوب مذاق اڑایا اور اس طرح ان کے زعم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تکذیب کے لیے ان کو ایک ایسی شہادت مل گئی جس پر وہ بہت مسرور ہوئے اور قدرتی طور پر ان کی یہ شادمانی مسلمانوں کے لیے باعث رنج ہوئی۔ قرآن نے اس سورہ میں اسی واقعہ کو تمہید بنا کر ان تمام پہلوؤں کی وضاحت فرمائی جن سے بے خبری کی بنا پر کفار مناظر میں مبتلا ہوئے اور جن کے اچھی طرح ذہن نشین نہ ہونے کے سبب سے مسلمانوں کی ایک جماعت کو بھی خلیجان لاحق ہوا۔ اس طرح یہ سورہ گویا سابق سورہ کے مطالب کو از سر نو مدلل و مبہن اور ان تمام شبہات کا ازالہ کر رہی ہے جو اس سلسلہ میں پیدا ہوئے یا پیدا ہو سکتے تھے۔ گویا دونوں سورتوں میں زیر بحث موضوع ایک ہی ہے۔ فرق صرف پہلو اور نہج استدلال کا ہے۔ ان دونوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت آپ کے پیش کردہ اصولوں کی صداقت کے پہلو سے واضح کی گئی ہے۔

غُلِبَتِ الرُّومُ ۚ فِي آدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَلَيْهِمْ سَيِّئَاتُ ۖ فِي بَضْعِ سِنِينَ ۚ وَبِئْسَ الْأَمْرُ مِمَّا قَبْلُ ۚ وَمِنْ بَعْدُ ۚ وَيَوْمَئِذٍ تَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ (۲-۴)

قرن کا ایک پیشین گوئی کی صداقت اس علاقے پر اس زمانے میں رومیوں کی حکومت تھی لیکن وہ اس وقت سخت اندرونی خلفشار میں مبتلا تھے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر ایرانیوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان علاقوں سے ان کو بے دخل کر دیا۔ یہ واقعہ ۶۲۷ء یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چھٹے یا ساتویں سال پیش آیا۔

وَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَلَيْهِمْ سَيِّئَاتُ ۖ غُلِبَتْ ۖ اپنے مفعول کی طرف منفات ہے۔ یہ قرآن نے پیشین گوئی فرمائی کہ اگرچہ رومی اس وقت مغلوب ہو گئے ہیں لیکن یہ مغلوبیت ان کی عارضی ہے، بہت جلد وہ پھر ایرانیوں پر غالب ہو جائیں گے۔

‘فِي بَضْعِ سِنِينَ’ یعنی اس انقلاب میں جس کی قرآن خبر دے رہا ہے، زیادہ دن نہیں لگیں گے صرف چند سالوں کے اندر اندر یہ واقعہ ہو جائے گا۔ اگرچہ سَيِّئَاتُ کے اندر بھی مستقبل قریب کا مفہوم موجود تھا لیکن اس میں ایک قسم کا ابہام تھا اس نام کو رفع کرنے کے لیے اس کے ساتھ فِي بَضْعِ سِنِينَ کی قید لگا دی جس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ انقلاب زیادہ سے زیادہ اگلی دہائی کے اندر واقع ہو جائے گا۔ لفظ بَضْع کا اطلاق دس سے زیادہ کی تعداد کے لیے نہیں ہوتا۔ اس تعبیر تصریح کی ضرورت اس وجہ سے تھی کہ اس واقعہ کو، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، مشرکین نے اپنے فکر و فلسفہ کی سخت



کی دلیل بنایا تھا جس سے قدرتی طور پر مسلمانوں کو صدمہ پہنچا۔ قرآن نے اس موگد پیشین گوئی کے ذریعے سے ایک طرف تو مسلمانوں کو اطمینان دلایا کہ تمہارے مخالفوں نے اس واقعہ کو اپنے حق میں جو دلیل بنایا ہے اور جس سے وہ بہت خوش ہیں، ان کی یہ خوشی چند روزہ ہے، بہت جلد یہ غم سے بدل جائے گی۔ دوسری طرف مشرکین کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے جانچنے کے لیے ایک کسوٹی رکھ دی کہ یہ پیشین گوئی آپ کی نبوت کی ایک دلیل ہوگی۔ تاریخوں سے ثابت ہے کہ اس واقعہ کے تقریباً نو سال بعد ہرقل نے رومیوں کو از سر نو منظم کر کے ایرانیوں کو سخت شکست دی اور ان سے مر اپنے علاقے واپس لے لیے بلکہ ان کے بھی بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور اس طرح قرآن کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو گئی۔

يَذَّكَّرُ الَّذِينَ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ یعنی جو کچھ ہوا وہ بھی اللہ ہی کے حکم سے ہوا ہے اور آگے جو کچھ ہوگا وہ بھی اللہ ہی کے حکم سے ہوگا۔ قوموں کی زندگی میں اتنے بڑے بڑے انقلابات محض اتفاقاتِ زمانہ اور گردشِ روزگار سے نہیں پیش آتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیش آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ہر حکم حق و عدل پر مبنی ہوتا ہے۔ رومیوں نے جب اپنے اندر وہ خرابیاں پیدا کر لیں جو کسی قوم کو خدا کے نازیباں تنبیہ کا مستحق بناتی ہیں تو وہ اس سے بچداس بنیاد پر نہیں بچ سکتے تھے کہ وہ بعض اچھے عقائد و رسوم کا اظہار کرتے ہیں۔ صرف رسوم و عقائد اجتماعی زندگی کے بنانے بگاڑنے میں اصلی دخل نہیں رکھتے بلکہ اصل شے وہ انفرادی و اجتماعی کردار ہے جو ان عقائد و رسوم سے پیدا ہوتا ہے یا پیدا ہونا چاہیے۔ اگر وہ کردار نہ پیدا ہو تو محض کھوکھلے رسوم کچھ بھی کارآمد نہیں ہوتے۔ چنانچہ رومیوں کا یہی کھوکھلا پن مجوسیوں کے آگے ان کی شکست کا سبب ہوا اور اب مستقبلِ قریب میں ان کے لیے جس غلبہ کی بشارت دی جا رہی ہے تو وہ بھی اللہ ہی کے حکم سے ہوگا اور اللہ کا ہر حکم عدل و حق پر مبنی ہوتا ہے اس وجہ سے لازماً یہ غلبہ اس وجہ سے ان کو حاصل ہوگا کہ وہ اپنے حالات کی اصلاح کر کے ایرانیوں کے مقابل میں اپنے کو اللہ کی مدد کا مستحق بنائیں گے۔

يَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ۔ اس دن مسلمان خوش ہوں گے۔ اس وجہ سے بھی کہ جو لوگ مذہب اور فکر و فلسفہ میں ان سے قریب تر ہیں ان کو فتح ہوگی اور اس وجہ سے بھی کہ قرآن کی ایک عظیم پیشین گوئی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے، پوری ہوگی۔

یہ امر یہاں قابلِ توجہ ہے کہ باوجودیکہ رومی صحیح نصرانیت کے پیرو نہیں تھے بلکہ ان کے عقائد و اعمال میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کو مجوسیوں کے مقابل میں ان سے ہمدردی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس ہمدردی کی تحسین فرمائی۔ اسلام نے دوسری غیر مسلم قوموں کے ساتھ اسی اصول پر اپنے قانون اور معاملات کی بنیاد رکھی ہے۔ یعنی جو قوم اپنے نظریات و عقائد اور فکر و



میں اسلام سے جتنی ہی قریب ہوگی بین الاقوامی میدان میں مسلمانوں کی ہمدردیاں دوسروں کے مقابل میں ان کے ساتھ اتنی ہی زیادہ ہوں گی۔

يَنْصُرِ اللَّهُ مَنِ يَنْصُرْهُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (۵)

توہم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا توہم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ غلبہ جو ان کو حاصل ہوگا اللہ تعالیٰ کی مدد سے حاصل ہوگا، اس لیے کہ اللہ ہی جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے۔ اس کے سوا کوئی اور کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت تمام ترقی و عدل پر مبنی ہے اس وجہ سے وہ انہیں کی مدد فرماتا ہے جو اس کے عدل و حکمت کی رو سے اس کی مدد کے سزاوار ہوتے ہیں۔ 'عزیز و رحیم' کی صفات کا حوالہ یہاں اس کی مشیت کی نوعیت کے اظہار کے لیے ہے کہ وہ غالب و مقتدر ہے اس وجہ سے اس کی مشیت میں کوئی مزاحم تو نہیں ہو سکتا لیکن ساتھ ہی وہ رحیم بھی ہے اس وجہ سے اس کا ہر ارادہ عدل و رحمت پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ اپنی مشیت کے زور میں یہ نہیں کرتا کہ قوموں کو قوموں سے ٹکرا کر ان کے فساد فی الارض کا تماشہ دیکھے۔

وَعَدَّ اللَّهُ لَا يَخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَكَانَ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (۶)

مسلمانوں کے غلبہ کا وعدہ یعنی اہل ایمان کی مدد کا یہ وعدہ بالکل قطعی اور اٹل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا لیکن جن لوگوں کی نظر صرف ظاہری اسباب و حالات تک محدود ہے وہ اس مخفی ہاتھ کو نہیں دیکھ رہے ہیں جو ان ظواہر کے اندر کار فرما ہے۔ اس وجہ سے وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ رہے ہیں۔ یہاں جس وعدے کے پورے ہونے کی طرف اشارہ ہے وہ صرف رومیوں کے غلبہ کا وعدہ نہیں ہے بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے غلبہ کا وہ وعدہ بھی ہے جس کی تکذیب کے لیے قریش نے مجوسیوں کی فوج کو دلیل بنایا تھا۔ اس واقعہ پر تبصرہ کرنے کے بعد یہ قرآن نے نہایت تاکید کے ساتھ اس وعدے کے پورے ہونے کا اظہار فرمایا جو اصلاً اس سورہ میں زیر بحث ہے۔ آگے اسی سورہ کی آیات ۴، ۵، ۶ میں اس کی پوری وضاحت ہو جائے گی۔

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَفْلُونَ (۷)

ظاہر پرستوں کا اصل منظرہ اوپر والی آیت میں ان ظاہر پرستوں کے جس اندھے پن کی طرف اشارہ فرمایا ہے یہ اس کی توضیح ہے کہ اول تو یہ لوگ اس دنیا کے صرف ظاہر حالات کو دیکھتے ہیں، ان کے باطن تک ان کی نگاہ نہیں پہنچتی کہ اصل متصرف اس کے اندر کون ہے اور اس کی صفات کیا ہیں اس وجہ سے یہ ان کے لیے ایک کھیل تماشا بن کر رہ گئی ہے، دوسرے یہ آخرت سے بالکل غافل ہیں اور جب یہ آخرت سے غافل ہیں تو آخرت کے بغیر اس کارخانہ کائنات کو مبنی بر عدل و حکمت تصور کرنا ناممکن ہے۔ وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ



مَنْ مَفْقُودٌ، میں بتدا کا اعادہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن اس حقیقت کو زور و تاکید کے ساتھ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ آخرت سے اصلی غافل بھی لوگ ہیں۔ اس تاکید کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین عرب اگرچہ آخرت کا صاف الفاظ میں انکار نہیں کرتے تھے لیکن انھوں نے شرک و شفاعت کا ایک ایسا نظام کھڑا کر رکھا تھا کہ آخرت ان کے لیے ایک بالکل بے حقیقت چیز بن کر رہ گئی تھی۔ قرآن یہاں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ کوئی یہ نہ گمان کرے کہ یہ لوگ آخرت کو کسی درجے میں بھی مانتے ہیں۔ اصلی حقیقت یہ ہے کہ آخرت سے یہ لوگ بالکل ہی بے خبر ہیں۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ مِمَّا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ قَاجِلٍ مُّسْتَسِيٍّ وَإِنْ كَثِيرَاتٍ مِنَ الْآيَاتِ يَلْقَاوْنَ بِرَبِّهِمْ كَكِفْرُونَ (۸)

اس آیت میں اور آگے کی چند آیات میں اسی حقیقت کی تائید میں، جو اوپر بیان ہوئی، آفاق کائنات کے دلائل کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اگر وہ خود اپنے باطن میں اتر کر غور کرتے تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان میں سے کسی چیز کو بھی بے غایت و مقصد محض کھیل تماشے کے طور پر، نہیں بنایا ہے بلکہ ہر چیز ایک غایت و مقصد اور ایک مقررہ مدت کے ساتھ بندھی ہوئی پیدا ہوئی ہے۔ توجیب اس کائنات کی ہر چیز اپنے اندر ایک غایت و حکمت رکھتی ہے اور اس کے لیے ایک مدت بھی مقرر ہے تو یہ کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ انسان جو اس کے اندر، واضح طور پر، ایک برتر مخلوق کی حیثیت رکھتا ہے، بالکل بے مقصد اور عبث پیدا کیا گیا ہو۔ اس چیز کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ایک روز جزا و سزا آئے جس میں وہ اپنے اعمال کی بابت مسئول ہو، اپنی نیکیوں کا صلہ پائے اگر اس نے نیکیاں کی ہوں اور اپنی بدیوں کی سزا بھگتے اگر اس نے بدیاں کماٹی ہوں۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ کارخانہ کائنات ایک کھلنڈے کا کھیل اور انسان ایک شتر بے ہمارا اور بے غایت و مقصد وجود بن کے رہ جاتا ہے اور یہ بات اس کائنات کی اس مقصدیت اور حکمت کے بالکل منافی ہے جس کی شہادت اس کے ہر گوشہ سے مل رہی ہے۔ یہی مضمون دوسری جگہ اس طرح بیان ہوا ہے: وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَنَكَ تَبَارَكَ اسْمُكَ (۱۰) اور وہ آسمانوں اور زمین کی خلقت میں غور کرتے ہیں اور پکاراٹھتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے یہ کارخانہ عبث نہیں پیدا کیا۔ تیسری ذات پلک ہے تو ہمیں عذابِ نار سے بچاؤ اَوْ لَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ کے الفاظ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ آسمان و زمین کی خلقت کی یہ حکمت ان لوگوں پر کھلتی ہے جو بالکل غیر جانبدار ہو کر اپنے باطن میں غوطہ لگاتے اور اصل حقیقت کو پانا چاہتے ہیں۔ رہے وہ جو محض دوسروں کے اندھے تقلد یا حقیقت کو جھٹلانے کے لیے معجزات اور نشانیوں کے طالب اور مناظرہ و مجادلہ کے لیے آستینیں چڑھائے رہتے ہیں وہ اس سے محروم رہا رہتے ہیں۔



وَاتَّكَثَّرَ مِنَ النَّاسِ مِمَّنْ يَمِيقًا فِي دِينِهِمْ لَكَفَرُوا بِهٖ تَوْبَةً حَقِيقَتًا بِأَكْلٍ وَافٍ لَكِنْ  
 اس کے باوجود بہت سے نادان یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صرف کھانے پینے اور عیش کرنے کے لیے پیدا ہوئے  
 ہیں اور اسی طرح ایک دن ختم ہو جائیں گے۔ ان کے لیے خدا کے آگے پیشی کا کوئی دن آنا نہیں ہے۔  
 اَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ  
 قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا  
 كَانُوا لِيُظِلَّوهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ يُظِلُّوْنَ هَٰ تَكَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ أَسَاءُوا لَسَوَّآءَى  
 آتُكَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَكَانُوا بِمَا يَسْتَهْزِءُونَ (۹-۱۰)

تاریخ کے دلائل  
 کفر نشانہ

یہ اسی حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے تاریخ کے دلائل کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اگر وہ اپنے ہی  
 ملک کے آثار اور اس کی تاریخ پر نظر ڈالتے تو ان پر یہ حقیقت واضح ہوتی کہ جو قومیں اپنی عسکری قوت  
 میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر اور تمدنی و تعمیری صلاحیتوں میں ان سے کہیں آگے تھیں، ان کا انجام کیا  
 ہو چکا ہے! اشارہ قوم عاد، ثمود، قوم مدین و غیرہ کی طرف ہے جن کی سرگزشتیں تفصیل کے ساتھ پچھلی سورتوں  
 میں بیان ہو چکی ہیں۔ فرمایا کہ ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے لیکن انھوں نے اپنی  
 آنکھیں اس طرح بند رکھیں کہ وہ کسی نشانی سے بھی نہ کھلیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کو عذاب میں پکڑا  
 اور ان کا عذاب میں پکڑا جانا ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ظلم نہیں ہوا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر  
 ظلم ڈھانے والے بنے اس لیے کہ انھوں نے اس انذار کی کوئی قدر نہیں کی جس کا اللہ تعالیٰ نے ان  
 کے لیے اہتمام فرمایا بلکہ انھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور نہایت جسارت کے ساتھ ان کا مذاق  
 اڑاتے رہے۔ مطلب یہ ہے کہ قریش قوموں کی اس تاریخ پر غور کریں کہ اس سے کیا بات ثابت  
 ہوتی ہے؟ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دنیا ایک اندھیر نگری ہے، جس میں ہر شخص اپنے زور میں جو یا ہے  
 کرتا پھرے۔ کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں ہے، یا یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ  
 قوموں کے ساتھ اپنے قانون عدل و حکمت کے مطابق معاملہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی دوسری بات  
 ثابت ہوتی ہے اور پھر اسی سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اس کے بعد ایک ایسا دن بھی آئے گا جس میں  
 اللہ تعالیٰ ایک ایک فرد کا محاسبہ کرے گا اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔

اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (۱۱)

اصل حقیقت

اوپر کی آیات میں اس کائنات کے 'خالق' ہونے سے قانون مجازات کی صحت و صداقت پر  
 استدلال فرمایا ہے۔ اب اس آیت اور بعد کی چند آیات میں نہایت آشکارا الفاظ میں وہ اصل حقیقت  
 سامنے رکھ دی ہے جس سے ہر ایک کو سابقہ پیش آنا ہے۔ فرمایا کہ اللہ ہی خلق کا آغاز فرماتا ہے اور وہی  
 اس کا اعادہ فرمائے گا۔ ان دو لفظوں میں دعویٰ اور دلیل دونوں جمع ہیں۔ دعویٰ یہ ہے کہ اللہ اس خلق کا



اعادہ فرمائے گا، دلیل اس کی یہ ہے کہ اسی نے اس کا آغاز کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس نے اس کا آغاز کیا اور اس کام میں اس کو کوئی مشکل پیش نہیں آئی اس کو اس کے اعادے میں بھی کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ بلکہ اعادہ ابدار کے مقابل میں زیادہ آسان ہے۔ یہ جواب ہے منکرین قیامت کے شبہ کا کہ وہ قیامت کو نہایت مستبعد چیز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ جب خلق کا ابدار مستبعد نہیں ہے تو اس کے اعادے میں کیا استبعاد؟

”قَدْ لَئِيْهِ تَرْجِعُوْنَ“۔ یہ منکرین کے ایک دوسرے مغالطے کو رفع فرمایا۔ منکرین، اول قیامت کے وقوع ہی کو نہایت مستبعد خیال کرتے تھے اور اگر ایک مفروضہ کے درجے میں مانتے بھی تھے تو ان کا گمان یہ تھا کہ ہمارا لوٹنا تو ہمارے مبعودوں کی طرف ہوگا اور ان کو خدا کے ہاں اتنا تقرب حاصل ہے کہ اول تو وہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے اوپر ہاتھ ڈالنے ہی نہیں دیں گے اور اگر اس نے ہاتھ ڈالا تو وہ اپنی سفارش سے ہم کو بچالیں گے۔ فرمایا کہ یہ خط اپنے ذہن سے نکالو۔ ہر ایک کی پیشی اللہ ہی کے حضور ہونی ہے۔ اس دن کوئی اور مرجع و مادی نہیں بنے گا۔

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ هَلْ نُنَبِّئُكَ إِنَّهُمْ تَحْتِ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاؤُا كَاثِرُونَ  
بَشُرَكَائِهِمْ كُفِرِينَ (۱۲-۱۳)

’ابلاس‘ کے معنی بالکل مایوس اور بھونچکا ہو کر رہ جانا ہے۔ فرمایا کہ آج یہ مخالفین جن کی شفاعت پر تکیہ کیے بیٹھے ہیں جب قیامت کے دن ان کے سامنے اصلی صورت حال آئے گی تو وہ مایوس اور بھونچکے ہو کر رہ جائیں گے۔ وہ دیکھیں گے کہ جن کو انھوں نے شریک خدا بنایا اور جن کی زندگی بھر لوچا کہ ان میں سے کوئی بھی ان کی شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔

”وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كُفِرِينَ“ اور خود ان کا حال یہ ہوگا کہ جن کی حمایت میں آج آستینیں چڑھائے ہوئے ہر ایک سے لڑنے کو تیار ہیں، ان کے منکرین جائیں گے۔ سورہ قصص کی تفسیر میں ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ قیامت کے مختلف مراحل میں شرکین اپنے شرکاء کے معاملے میں مختلف رویے اختیار کریں گے۔ کبھی تو وہ ان کو اپنی مدد کے لیے پکاریں گے اور کبھی وہ مرحلہ بھی آئے گا کہ صاف صاف ان کا انکار کریں گے۔ حیرانی و پریشانی کے عالم میں جہاں جو بات بنتی نظر آئے گی وہ کریں گے لیکن قیامت بات بنانے کی جگہ نہیں ہوگی بلکہ حقائق سے دوچار ہونے کی جگہ ہوگی۔

یہاں زبان کے اس اسلوب پر بھی نگاہ رہے کہ مستقبل کے احوال ماضی کے صیغوں — وَنُؤَيِّكُ لَّهُمْ اور وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ — میں بیان ہوئے ہیں۔ یہ اسلوب تقریباً فہم کے لیے اختیار کیا جاتا ہے گویا مخاطب جس چیز کو نہایت بعید سمجھتے ہیں مشکل اس کو ماضی کے اسلوب میں ایک واقعہ شدہ واقعہ کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ احوال قیامت کے بیان میں قرآن نے یہ اسلوب اکثر جگہ استعمال کیا ہے۔

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُنْفِقُونَ هَٰذَا مَا الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ



يُحِبُّونَ مَا كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ فَأَمَّا إِلَهُ الْعَذَابِ  
مُعْصِرُونَ (۱۴-۱۶)

کفار کا ایک

مناظر

یعنی اس دنیا کا کارخانہ ابتلا کے قانون کے تحت چل رہا ہے اس وجہ سے اس میں نیک و بد اور مومن و فاسق دونوں ملے ہوئے ہیں اور اکثر حالات میں اہل حق ظلم و مہر اور اہل باطل غالب و فتنہ ہیں اس وجہ سے اس دنیا کا بالحق ہونا ان لوگوں کو نظر نہیں آتا جن کے اندر تعبیرت نہیں ہے لیکن جب آخرت کا یوم الفرقان نمایاں ہوگا اور اس دن نیک و بد اور مومن و کافر دونوں ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ ہو جائیں گے۔ جو ایمان و عمل صالح والے لوگ ہوں گے وہ ایک شاندار باغ میں سرور و شادمانی ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی آیات و ملاقات کو مہملایا ہوگا وہ عذاب میں پکڑے ہوئے ہوں گے۔ یہاں دُؤْمَنٌ کی تفسیر نفیم شان کے لیے ہے۔ یعنی جنت کے باغوں میں سے شاندار باغ میں۔ 'حَبْرٌ' کے معنی خوش اور سرور کرنے کے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے لیے وہ تمام ابواب ہیا فرادے گا جو ان کی خوشی کے لیے ضروری ہوں گے۔ بحرین کے باب میں لفظ مُعْصِرُونَ ان کی ذلت و بے بسی کی تصویر کے لیے ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ عذاب میں اس طرح باندھ کر اور گھسیٹ کر لائے جائیں گے جس طرح سزا یافتہ قیدی لاتے جاتے ہیں۔

فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ ۚ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ (۱۴-۱۸)

توحید اور

توازن مجازات

کا تقاضا

اب یہ تقاضا بیان ہوا ہے اللہ تعالیٰ کی اس کینائی اور اس کے قانون مجازات کا جس کا بیان اوپر کی آیات میں ہوا ہے۔ فرمایا کہ جب اصل حقیقت یہ ہے جو بیان ہوئی تو ہر ایک کا فرض ہے کہ صرف اللہ ہی کی تسبیح کرے شام و صبح اور عشا کے وقت اور ظہر کے وقت۔

'وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ'۔ یہ اوقات تسبیح کے بیچ میں ایک جملہ معترضہ بطور تنبیہ و تذکیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ خدا ہی کی تسبیح کی جو دعوت دی جا رہی ہے یہ کوئی بیگانہ دعوت نہیں ہے بلکہ آسمانوں اور زمین کے ہر گوشے سے خدا ہی کی حمد کا ترانہ گونج رہا ہے۔ تو جو لوگ خدا کے سوا کسی اور کی بندگی کر رہے ہیں ان کا سر اس کائنات کے مجموعی سر سے بالکل بے جوڑ ہے البتہ جو لوگ خدا کی حمد و تسبیح کر رہے ہیں وہ اس کائنات کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔ اس میں دعوت کے ساتھ ساتھ ایک قسم کی بے نیازی کا اظہار بھی ہے کہ اگر کچھ بد قسمت خدا کی حمد و تسبیح سے گریز کریں گے تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ اس کائنات میں اس کی حمد و تسبیح کرنے والوں کی کمی ہے، آسمانوں اور زمین کا ہر گوشہ اس کی حمد کرنے والوں سے معمور ہے۔

اوقات عبادت کے  
تبعین میں محنت

یہاں جو اوقات مذکور ہوئے ہیں ان پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد و تسبیح کے لیے



وہ اوقات خاص طور پر پسند فرمائے ہیں جن کی اس کی کسی بڑی نشانی کا ظہور ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ رات دن میں داخل ہوتی ہے یا دن رات میں داخل ہوتا ہے۔ یا سورج سمتِ راس سے جھکتا ہے یا رات تاریک ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو انسان غور کرنے والا ہے یہ اوقات اس کے ذہن و دماغ پر خاص طور پر اثر انداز ہوتے اور اس کو جھنجھوڑتے ہیں کہ وہ اس ذات کو اس وقت یا ذکرے جس کے حکم سے یہ عظیم تغیر اس دنیا میں واقع ہوا ہے۔ اگر ان اوقات میں بھی کوئی شخص اللہ کی نشانیوں اور اس کی شانوں سے متاثر نہیں ہوتا تو وہ نہایت بلید جانور ہے۔

اوقاتِ نماز میں سے فجر اور ظہر کا ذکر تو اس آیت میں نہایت واضح طور پر موجود ہی ہے۔ 'تُسَوِّتُ' میں اگر عصر اور مغرب دونوں کو شامل کر لیجیے اور 'عِشِيًّا' سے 'عِشَاءُ' کو مراد لیجیے تو تمام اوقاتِ نماز آجاتے ہیں۔ لفظ 'عِشِيًّا' کا اطلاق زوال کے وقت پر بھی ہوتا ہے اور مغرب سے لے کر عشاء کے وقت پر بھی اس وجہ سے اس سے عشاء کا وقت مراد لینے میں لفظ سے کوئی تجاویز نہیں ہوگا۔

## ۲۔ آگے کا مضمون — آیات ۱۹-۲۹

آگے ایک مناسب ترتیب کے ساتھ بعث و قیامت اور توحید کے دلائل آ رہے ہیں۔ قیامت کا بیان اس پہلو سے ہوا ہے کہ اس دنیا کی اصلی غایت و حکمت قیامت ہی سے واضح ہوگی اور توحید کا مضمون اس پہلو سے اس کے ساتھ آیا ہے کہ توحید کے بغیر قیامت ایک بالکل بے معنی چیز ہو کے رہ جاتی ہے۔ جب نظریہ یہ ہو کہ آدمی کے اعمال خواہ کچھ ہی ہوں شرکاء و شفعاء اس کو بخشوا لیں گے تو قیامت کا آنا نہ آنا دونوں یکساں ہوا۔ قیامت کی ساری اہمیت اس عقیدے میں ہے کہ اس دن خدا کے کامل حق و عدل کا ظہور ہوگا اور کسی کا زور و اثر بھی اس کے بے لاگ عدل کے ظہور میں مزاحم نہ ہو سکے گا۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ  
بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١٩﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ  
خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ﴿٢٠﴾ وَمِنْ  
آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ  
بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾



وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ السِّنِينَ وَالْوَأْنِ  
 إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالَمِينَ ٢٢ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ  
 وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ  
 يَسْمَعُونَ ٢٣ وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا  
 وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُخْرِجُ بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا  
 إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ٢٤ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّ تَقُومَ  
 السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ  
 إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ ٢٥ وَلَهُ مَن فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ  
 لَهٗ قِنْدُون ٢٦ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ  
 أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ  
 هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ٢٧ ضَرَبَ لَكُم مَّثَلًا مِّنْ أَنْفُسِكُمْ هَلْ  
 لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ فِي مَآرِزِقِكُمْ  
 فَاَنْتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ كَذَلِكَ  
 نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ٢٨ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا  
 أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ فَمِنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَا  
 لَهُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ ٢٩

۳  
ع  
۶

وہ زندہ کو مردہ سے پیدا کرتا ہے اور مردہ کو زندہ سے پیدا کرتا ہے اور زمین کو

ترجمہ آیات

۲۹-۱۹

اس کے خشک ہو جانے کے بعد از سر نو شاداب کر دیتا ہے اور اسی طرح تم بھی



نکالے جاؤ گے۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تم دیکھتے دیکھتے بشر بن کر روئے زمین پر پھیل جاتے ہو اور یہ بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی و دلالت کی۔ بے شک اس کے اندر گونا گوں نشانیاں ہیں ان کے لیے جو غور کرنے والے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی خلقت اور تمہاری بولیوں اور تمہارے رنگوں کا تنوع بھی ہے۔ بے شک اس کے اندر گونا گوں نشانیاں ہیں اصحابِ علم کے لیے۔ اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن میں تمہارا سونا اور اس کے فضل کا طالب بننا ہے۔ بے شک اس کے اندر گونا گوں نشانیاں ہیں ان کے لیے جو سننے سمجھنے والے ہیں اور وہ اپنی نشانیوں میں سے تم کو دکھاتا ہے بجلی کو جو خوف بھی پیدا کرتی ہے اور امید بھی اور اتارتا ہے آسمان سے بارش پس زندہ کر دیتا ہے اس سے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد۔ بے شک اس کے اندر گونا گوں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ چیز بھی ہے کہ آسمان و زمین اس کے حکم سے قائم ہیں پھر جب وہ تم کو زمین سے نکلنے کے لیے ایک ہی بار پکارتے گا تو تم دفعۃً نکل پڑو گے۔ اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں اسی کے مملوک ہیں، سب اسی کے فرمانبردار ہیں اور وہی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہے پھر وہ اس کا عادیہ کرے گا اور یہ اس کے لیے زیادہ آسان ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے سب سے بڑی صفت ہے اور عزیز و حکیم وہی ہے۔ ۲۰-۲۱

وہ تمہارے لیے خود تمہارے اندر سے ایک تمثیل بیان کرتا ہے۔ کیا ہم نے تم کو جو



رزق و فضل بخشا ہے اس میں تمہارے مملوکوں میں سے بھی کچھ شریک ہیں کہ تم اور وہ اس میں برابر کے حقوق رکھنے والے بن گئے ہو اور جس طرح تم اپنوں کا لحاظ کرتے ہو اسی طرح ان کا بھی لحاظ کرتے ہو؛ اسی طرح ہم اپنی آیات کی تفصیل کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں بلکہ اپنی جانوں پر ان ظلم کرنے والوں نے بے دلیل اپنی بدعات کی پیروی کر رکھی ہے تو ان کو کون ہدایت دے سکتا ہے جن کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہے! اور ان کا کوئی بھی مدد کرنے والا نہیں بنے گا۔ ۲۸-۲۹

### ۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذَلِكَ نُخْرِجُكَ مِنَ الرُّحْمِ (۱۹)

قیامت کا  
شاہد روزِ  
کے واقعات میں

۱۔ اخراج کے معنی جس طرح کسی چیز سے کسی چیز کے نکالنے کے آتے ہیں اسی طرح کسی چیز کے ظاہر کرنے کے بھی آتے ہیں۔ یہ منکرین قیامت کے استبعاد کو دفع فرمایا ہے کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو بہت متبعد سمجھتے ہو حالانکہ اس دنیا کے ہر گوشہ میں زندہ کو مردہ سے ظہور میں آتے اور زندہ پر موت کو طاری ہوتے دیکھتے ہو۔ اس کی مثال کے طور پر فرمایا کہ تم زمین کو دیکھتے ہو کہ وہ بالکل خشک اور مردہ ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ بارش کے ایک ہی چھینٹے سے اس کے ہر گوشے میں زندگی نمودار کر دیتا ہے! اسی طرح تم بھی ایک دن مر کھپ جانے کے بعد نکال کھڑے کیے جاؤ گے۔ زندگی اور موت سب خدا کے اختیار میں ہے۔ نہ اس کے لیے زندہ کو مردہ کرنا مشکل ہے نہ مردہ کو زندہ کرنا قیامت کا یہ ہرسل برابر تمہاری نگاہوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ اگر یہاں مثال دراصل حیات بعد الموت کی پیش کرنی مقصود ہے لیکن اپنی کامل قدرت کو سامنے لانے کے لیے موت بعد الحیات کا بھی حوالہ دے دیا ہے۔ انعام کی آیات ۹۵-۹۶ کے تحت اس پر مفصل بحث گزر چکی ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ (۲۰)

قدرتِ الہی کا  
شاہد خود اپنے  
وجود میں

یعنی تم کو جن حقائق کے ماننے کی دعوت دی جا رہی ہے وہ تمام تر تمہارے خالق کی قدرت و حکمت پر مبنی ہیں تو اس کی قدرت و حکمت کے ثبوت کے لیے تم کسی خارجی دلیل کا مطالبہ کیوں کرتے ہو؛ اس کی سب سے بڑی دلیل تو خود تمہاری خلقت ہی کے اندر موجود ہے۔ اس نے تم کو جادوئی سے پیدا کیا اور پھر تم زندہ



اور عقل و شعور رکھنے والی ہستی بن کر تمام روئے زمین پر پھیل گئے۔ 'اِذَا' یہاں اس عظیم قدرت و شان کی طرف توجہ دلانے کے لیے ہے۔ یعنی غور کرو، کہاں خشک مٹی اور کہاں بیتا جاگتا انسان، دیکھتے دیکھتے خدا کی قدرت نے اسی مٹی سے ایک پورا جہان آباد کر دیا! مطلب یہ ہے کہ اگر یہ انسان اس بات پر جھگڑے کہ خدا اس کو دوبارہ کس طرح پیدا کر سکتا ہے تو یہ بلاوت و حماقت کی انتہا ہے۔ اسی بات کو قرآن میں دوسرے مقام میں یوں فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کر کیا مٹی سے لیکن اب وہ ہمارا حریف بن کر اٹھ کھڑا ہوا ہے اور علامتہ ہماری قدرت کو چیلنج کر رہا ہے!

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۲۱)

اب ایک قدم آگے بڑھ کر اس کے وجود سے خارج کی ایک عظیم نشانی کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ہم نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے تمہارا جوڑا پیدا کیا تاکہ تم اس سے تسکین و راحت حاصل کرو اور اس تسکین و راحت کے حصول کے لیے تمہارے درمیان محبت و ہمدردی و ولایت فرمائی۔ فرمایا کہ جو لوگ غور کرنے والے ہیں ان کے لیے اس کے اندر گونا گوں نشانیاں ہیں۔

اس کے اندر ایک واضح نشانی تو اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں ہر چیز جوڑا جوڑا پیدا کی ہے اور ہر چیز اپنے مقصد و وجود کی تکمیل اپنے جوڑے کے ساتھ مل کر کرتی ہے۔ اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ اس دنیا کا بھی ایک جوڑا ہے جس کو آخرت کہتے ہیں۔ اسی آخرت سے اس دنیا کی غایت کی تکمیل ہوتی ہے۔

دوسری نشانی اس کے اندر یہ ہے کہ ہمارا خالق نہایت مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔ اس نے ہمارے اندر جوڑے کی طلب دی تو ہماری ہی جنس سے ہمارا جوڑا بھی اس نے پیدا کیا اور پھر دونوں کے اندر محبت و ہمدردی کے بذات بھی و ولایت فرمائے تاکہ دونوں دو قالب ایک جان ہو کر زندگی بسر کریں۔ تیسری نشانی اس کے اندر یہ ہے کہ اس کائنات کے اعداد کے اندر نہایت گہرا توازن اور ایک بالآخر مقصد کے لیے نہایت عمیق سازگاری پائی جاتی ہے جو اس بات کی نہایت واضح دلیل ہے کہ اس کا خالق و مالک ایک ہی ہے جو اپنی حکمت کے تحت اس کائنات کے اعداد میں توفیق پیدا کرتا ہے۔

چوتھی نشانی اس کے اندر یہ ہے کہ ان لوگوں کا خیال بالکل احمقانہ ہے جو سمجھتے ہیں کہ اس کائنات کا ارتقاء آپ سے آپ ہوا ہے۔ اگر اس کا ارتقاء آپ سے آپ ہوا ہے تو اس کے اعداد میں یہ حیرت انگیز توازن کہاں سے پیدا ہوا؟ یہ تو اس بات کی صاف شہادت ہے کہ ایک قادر و حکیم ہستی ہے جو اس پرے نظام کو اپنی حکمت کے تحت چلا رہی ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَاللُّوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ



لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (۲۲)

کثرت کے اندر

وحدت

اُسی حقیقت کی طرف جو اوپر والی آیت میں مذکور ہوئی ہے ایک دوسرے زاویے سے توجہ دلائی کہ اگر لوگ غور کریں تو ان کو یہ چیز صاف نظر آئے گی کہ اس کائنات میں کثرت کے اندر وحدت مضمون ہے۔ ایک طرف آسمانوں کی ایک وسیع اور ناپیدائش کا کائنات ہے اور دوسری طرف یہ گڑھ زمین ہے۔ بظاہر دونوں میں کتنی دوری ہے لیکن اس دوری کے باوجود دونوں میں اتنا گہرا اتصال ہے کہ کوئی عاقل یہ تصور نہیں کر سکتا کہ دونوں الگ الگ خالقوں کی قدرت سے وجود میں آئے اور الگ الگ اداؤں کے تحت گردش کر رہے ہیں بلکہ ان کی باہمی سازگاری پکار پکار کر شہادت دے رہی ہے کہ ایک ہی تدبیر و حکیم دونوں پر متصرف ہے اور دونوں کو ایک مشترک مقصد کے لیے منخریکے ہوئے ہے۔ اسی طرح انسانوں کے عالم پر غور کیجئے تو نظر آئے گا کہ قوموں قوموں کی زبانیں الگ اور فرد فرد کا لہجہ مختلف ہے، اسی طرح ان کے رنگ بھی الگ الگ ہیں لیکن اس اختلاف و تنوع کے باوجود کوئی عاقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں رنگ اور فلاں زبان دلہجہ کے لوگ الگ خدا کی مخلوق ہیں اور فلاں رنگ و روغن کے لوگ کسی الگ خالق کی مخلوق ہیں بلکہ ہر دانشمند یہ جانتا ہے کہ ایک ہی خالق نے تمام انسانوں کو وجود بخشا ہے۔ یہ محض اس کی حیرت انگیز کاریگری کا کرشمہ ہے کہ اس نے ہر انسان کا لب و لہجہ اور اس کا ناک نقشہ ایسا بنایا ہے کہ لاکھوں کروڑوں آدمیوں کا بھی جائزہ لیجئے تو ناممکن ہے کہ کوئی دوسرا بھی آپ کو بالکل ایک ہی رنگ و روغن، ایک ہی قدر و قامت اور ایک ہی ناک نقشہ کے مل سکیں۔

حقیقی عالم

کون ہیں

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ: فرمایا کہ علم والوں کے لیے اس کے اندر بہت سی نشانیاں ہیں۔ اوپر والی آیت میں مَعْمُوْرٌ تَتَفَكَّرُوْنَ فرمایا تھا یہاں لِّلْعٰلَمِيْنَ فرمایا ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اصلی عالم درحقیقت وہی لوگ ہیں جو اس کائنات پر تفکر کرتے اور اس تفکر سے اس کی کثرت کے اندر وحدت اور اس کے تضاد کے اندر توافق و سازگاری کا مشاہدہ کرتے ہیں اور پھر اس کے خالق کی صفات قدرت و حکمت سے اس نتیجہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ یہ عظیم کائنات بے غایت و مقصد نہیں ہو سکتی اس وجہ سے لازم ہے کہ ایک روز جزا آئے جس میں نیکو کار اپنی نیکیوں کا صلہ پائیں اور بدکار اپنی بدیوں کی سزا بھگتیں۔

انسانوں کے

درمیان وصل

فصل کی بنیاد

اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہوئی کہ قوموں کے درمیان زبان اور رنگ کے اختلاف کو فائق نہیں ہونا چاہیے۔ انسانوں کے درمیان یہ چیزیں وصل و فصل کی بنیاد نہیں ہیں۔ جس طرح رنگوں اور زبانوں کے اختلاف کے باوجود تمام انسان خدا کی مخلوق ہیں اسی طرح اس قسم کے تمام ظاہری اختلافات کے علی الرغم تمام انسانوں کو ایک ہی خدائی نظام کے تحت زندگی بسر کرنی چاہیے۔ جو رنگ، نسل یا زبان یا اس نوع کی کسی اور چیز کو انسانوں کے درمیان وصل و فصل کی بنیاد بناتے ہیں۔



وہ اس کائنات کی وحدت پر ضرب لگاتے ہیں اور یہ چیز قرآن کی اصطلاح میں شرک اور فساد فی الارض ہے۔  
 وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ  
 لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ (۲۳)

ابْتِغَاؤُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ کا عطف 'مَنَامُكُمْ' پر ہے اس وجہ سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی نشانیوں میں سے یہ چیز بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات بنائی جس میں تم سوتے ہو اور دن بنایا جس میں تم اس کے رزق و فضل کے حصول کے لیے جدوجہد کرتے ہو۔ اس مفہوم کی نظیریں پچھلی سورتوں میں گزر چکی ہیں۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ: فرمایا کہ اس میں بھی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے دلائل ان کے لیے جو بات کو سنیں۔ رات اور دن کے توافقی کے اندر توحید کی جو دلیل ہے اور شب میں سونے کے بعد صبح کو اٹھنے میں قیامت کا جو اشارہ ہے اس کی وضاحت اس کتاب میں جگہ جگہ ہو چکی ہے لیکن یہ نشانیاں اور دلیلیں ان لوگوں کی سمجھ میں آسکتی ہیں جو پیغمبر اور قرآن کی بات کو توجہ سے سنیں۔ اس فقرے میں مخالفین کے رویہ پر تعریف ہے کہ جو لوگ بات سننے اور سمجھنے کے بجائے مخالفت کے لیے آستینیں چڑھائے ہوئے ہیں ان کے لیے یہ سارے دلائل بے سود ہیں۔

ادپر کی آیات میں تفکر اور علم کا ذکر ہوا ہے اور ہم ان کے باہمی تعلق کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ یہاں 'سمع' کا ذکر ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا درجہ ادپر کی دونوں چیزوں کے نیچے ہے لیکن حصول علم کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے۔ اگر ایک شخص کے اندر اتنی مقبولیت موجود ہو کہ وہ معقول لوگوں کی باتیں توجہ سے سننے تو اس راہ سے بھی اس کو ہدایت حاصل ہو سکتی ہے اگرچہ وہ کائنات کے نظام اور اس کے اسرار میں زیادہ تفکر کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔

وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْآبَاءَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُخْجِي  
 بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۲۴)

اور اس کی نشانیوں میں سے بجلی بھی ہے جو اپنے اندر امید و بیم اور طمع و خوف دونوں کے پہلو امید و بیم دونوں رکھتی ہے۔ یہ ابر رحمت کی بشارت اور اس کا مقدرۃ البشیر بن کر بھی نمودار ہوتی ہے اور کسی قوم کے لیے عذاب کا تازیانہ بن کر بھی۔ پہلی صورت تو عامۃ الورد ہے جس کا تجربہ ہم ہمیشہ کرتے ہیں۔ دوسری صورت کی مثالیں بھی قوموں کی تاریخ میں موجود ہیں۔ قرآن نے عاد و ثمود کی تباہی کے سلسلے میں 'صاعقہ' کا ذکر کیا ہے اور ہم اس کے محل میں اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ فرمایا کہ اس میں بھی ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیں۔ اس میں پہلی نشانی تو اس بات کی ہے کہ نعمت و نعمت دونوں خدا ہی کے ہاتھ میں ہے اس وجہ سے امید و بیم اور خوف و طمع دونوں حالتوں میں بندے کو اللہ ہی کی طرف



رجوع کرنا چاہیے۔ مشرکین کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ وہ کسی کو رحمت لانے والا اور کسی کو عذاب نازل کرنے والا بنائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ دوسری نشانی اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کے معاملات سے بالکل تعلق ہو کر کسی گوشے میں نہیں بیٹھا ہوا ہے بلکہ وہ براہ راست تمام امور کی تدبیر فرماتا ہے اور اپنے قاننِ حق و عدل کے مطابق قوموں کو جزا اور نزا دیتا ہے۔ تیسری نشانی اس کے اندر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی قوم پر عذاب نازل کرنا چاہے تو اس کے لیے اسے علیحدہ کوئی ایٹم بم نہیں بنانا پڑتا بلکہ وہ اپنی جس نعمت کو جب چاہے نعمت کی صورت میں تبدیل کر دیتا ہے۔

وَبَيِّنُوا لِلنَّاسِ مَا دَفَعْنَا بِهِ الْأَرْضَ عَنْهُمْ دُونَ أَنْ يُصَوِّرُوا ۚ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٢٥﴾  
آیت ۱۹ کے تحت ہم اشارہ کر چکے ہیں۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ۚ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ فَلْيَاذًا  
أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ ۚ ذَٰلِكَ مِّنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٦﴾

آسمان اور زمین یعنی کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ آسمان و زمین کا یہ ٹھوس نظام کس طرح متزلزل ہو سکتا ہے خدا کے حکم سے کہ قیامت آجائے گی۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اہل عرب پہاڑوں کی نسبت جو سوال اٹھاتے تھے اور جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے وہ اسی پہلو سے اٹھاتے تھے کہ بھلا ان کو کون ان کی جگہ سے ہلا سکتا ہے! اس وجہ سے قیامت کے ڈرامے ان کے خیال میں بالکل وہی ڈرامے تھے۔ ان کی اسی ذہنیت کو سامنے رکھ کر فرمایا ہے کہ آسمان و زمین جو قائم ہیں تو اللہ کے حکم سے قائم ہیں اور اسی وقت تک قائم رہیں گے جب تک اللہ تعالیٰ ان کو قائم رکھنا چاہے گا۔ پھر جب وہ اس نظام کو درہم برہم اور دوسرا نظام قائم کرنا چاہے گا تو اس کو اس میں ذرا بھی مشکل پیش نہیں آئے گی، وہ زمین کی طرف سے تمہیں بلانے کے لیے ایک ہی پکار پکارتے گا اور تم سب دفعتاً زمین سے نکل پڑو گے۔ یعنی اس کو پکارنے کی زحمت بھی بار بار نہیں اٹھانی پڑے گی۔ ایک ہی پکارنا بالکل کافی ہوگا۔ اسی مضمون کو دوسرے مقام میں یوں فرمایا ہے: وَذَٰلِكَ نَبْرِتَبَا وَحُفَّتْ ۚ (اور زمین اپنے رب کی فرمانبرداری کرے گی اور اس کے لیے یہی زیبا ہے۔)

ذَٰلِكَ مِّنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۚ ﴿٢٧﴾  
ہے کہ آسمان اور زمین میں جو بھی ہیں سب اسی کی مخلوق، اسی کے ملک اور اسی کے فرمانبردار ہیں تو کس کی بھال ہے کہ اس کے حکم سے سرتابی اور اس کی پکار سے سر مو انحراف کر گئے۔

وَهُوَ الَّذِي يَدْفَعُ الْغُلُوقَ ثُمَّ يُبْدِيهِ ۚ وَهُوَ الَّذِي يَدْفَعُ الْغُلُوقَ ثُمَّ يُبْدِيهِ ۚ وَهُوَ الَّذِي يَدْفَعُ الْغُلُوقَ ثُمَّ يُبْدِيهِ ۚ  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٨﴾

یہ اوپر والے ٹکڑے کا یہی دہرائی ہے اور اس میں اس توجید کے مضمون کی تہید بھی ہے جو آگے آ رہا ہے۔ قیامت کے دن اٹھائے جانے کی یہ دلیل اوپر آیت ۱۱ میں بھی گزر چکی ہے۔



یہاں بعینہا اسی کا اعادہ نہیں ہے بلکہ اس پر دھوا آھون عَیْبِہ کا اضافہ بھی ہے۔ فرمایا کہ وہی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہے پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا اور یہ اعادہ تم سوچو تو اس کے لیے زیادہ آسان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہو کہ اسی نے خلق کو وجود بخشا ہے تو اس کے دوبارہ پیدا کیے جانے کو کیوں مستبعد خیال کرتے ہو؟ پہلا کام زیادہ مشکل ہے یا یہ دوسرا؟

وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ: 'مثل' یہاں صفت کے مفہوم میں ہے اللہ تعالیٰ تمام اعلیٰ کی صفات کے لیے یہ لفظ اس وجہ سے قرآن میں استعمال ہوا ہے کہ اس کی صفتیں انہی الفاظ میں بیان ہوئی ہیں جو ہماری زبان کے ہیں اور جن کو ہم اپنے لیے بھی بولتے ہیں۔ ایسا اس لیے کیا گیا کہ یہ تمثیلی صورت اختیار کیے بغیر یہ صفتیں ہماری فہم سے قریب نہیں آسکتی تھیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ اس اعلیٰ مفہوم میں استعمال ہوئی ہیں جو اللہ جل شانہ کے شایان شان ہے۔

فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں تمام اعلیٰ صفتوں کا اصلی حقدار وہی ہے، کوئی دوسرا ان صفات میں اس کا شریک و شہیم نہیں ہے۔ اس کے بعد خاص طور پر اپنی دو صفتوں — عزیز و حکیم — کا حوالہ دیا کہ وہ ہر چیز پر غالب، سب سے بالاتر، اور اس کے ہر کام میں حکمت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے کوئی کام بھی مشکل نہیں، اس کے ارادے میں اس کی حکمت کے سوا اور کوئی چیز بھی دخل نہیں، اور اس ساری کائنات میں کوئی نہیں جو اس کی صفات میں برابری کر سکے۔ اس سے یہ بات لازمی نتیجہ کے طور پر آپ سے آپ نکل آئی کہ جب صفات میں کوئی اس کی برابری کا نہیں تو اس کے حقوق میں بھی کوئی اس کی برابری کا نہیں قرار دیا جاسکتا۔

حَرْبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ ۖ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْدَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ فِي مَآرِزِكُمْ ۚ فَإِن مِّنْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۲۸)

یہ خدا کی صفات اور اس کے حقوق میں دوسروں کی حصہ داری کے خلاف ایک ایسی دلیل کی طرف توجہ دلائی ہے جس پر خود مخاطب کا طرز عمل شاہد ہے۔ فرمایا کہ تمہارے شرک کے خلاف دلیل ڈھونڈنے کے لیے کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے تمہارے باہمی طرز عمل ہی کو اللہ تعالیٰ تمہارے آگے بطور مثال پیش کرتا ہے۔ تم بتاؤ کہ جو رزق و فضل ہم نے تم کو دے رکھا ہے اپنے غلاموں کے لیے بھی تم اس میں اس طرح کی حصہ داری تسلیم کرتے ہو کہ وہ اور تم اس میں برابر کے شریک ہو جائیں اور تم ان کا بھی اسی طرح لحاظ کرو جس طرح اپنا اور اپنے حق داروں کا لحاظ کرتے ہو! لفظ خوف، یہاں لحاظ کرنے کے مفہوم میں ہے۔ یہ لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس پر ہم کہیں بحث کر آئے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنے حقوق میں اپنے ملکوں کے لیے مادی دوسے کی حصہ داری تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہو، دیکھا لیکہ جو کچھ تمہارے پاس ہے ہمارا عطا کر دو ہے تو خدا کے حقوق میں تم اس



کی مخلوقات کو کس طرح شریک بنائے دے رہے ہو یا یہ تو نہایت بھونڈی بات ہوئی کہ جس چیز کو تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے اس کو خدا کے لیے پسند کرتے ہو حالانکہ تمام اعلیٰ صفات اور برتر حقوق کا اصلی حقدار آسمانوں اور زمین میں وہی ہے۔ شرک کی تردید میں یہ اسی طرح کی نفسیاتی دلیل ہے جس طرح کی دلیل دوسرے مقام میں یوں بیان ہوئی ہے کہ یہ مشرکین خود تو بڑیوں کو ناپسند کرنے اور اپنی طرف ان کی نسبت سے بھی نہ رہے ہیں لیکن اللہ کے لیے انھوں نے بہت سی بیٹیاں فرض کر رکھی ہیں۔ اس میں دلیل کا اصلی پہلو یہ ہے کہ شرک کے خلاف انفس و آفاق اور عقل و فطرت میں جو شواہد و دلائل موجود ہیں وہ تو میں ہی ان سے قطع نظریہ دلیل بھی اس کے خلاف موجود ہے کہ مشرکین جس چیز کو اپنے لیے پسند نہیں کرتے اس کو خدا کے ساتھ جوڑتے ہیں حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ جس بات کو اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں اس کو خدا کے لیے بدرجہ اولیٰ ناپسند کرتے۔

وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ اس دلیل نے وضاحت مقصد کی گریبا تکمیل کر دی اس وجہ سے فرمایا کہ ہم اس طرح اپنے دلائل کی تفصیل بیان کر رہے ہیں لیکن یہ دلائل کا رآمدان کے لیے ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں جنھوں نے اپنی عقلوں پر تاملے چڑھا رکھے ہوں ان کے لیے یہ دلیلیں کیا کارآمد ہو سکتی ہیں!

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرٍ (۲۹)

عقل کی جگہ  
خواہشوں کی  
پیروی کرنے  
دانوں کا انجام

”الَّذِينَ ظَلَمُوا“ سے مراد یہی مشرکین ہیں جنھوں نے شرک جیسے ظلم عظیم کا ارتکاب کیا ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ عقل سے رہنمائی حاصل کرنے والی مخلوق نہیں بلکہ اپنی خواہشوں اور بدعات کے پیچھے چلنے والے ہیں۔ ”بِغَيْرِ عِلْمٍ“ میں ”علم“ سے مراد دلیل و حجت ہے۔ یعنی اس پیروی میں انھوں نے علم اور دلیل کو رہنما نہیں بنایا ہے بلکہ آنکھ بند کر کے خواہشوں کے پیچھے چل پڑے ہیں۔

”فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ“ یعنی جو اللہ کے قانون کی زد میں آکر گمراہ ہو چکے ہوں بھلا ان کو کون راہ یاب کر سکتا ہے! اللہ نے رہنمائی کے لیے انسان کو عقل عطا فرمائی ہے لیکن بہت سے شامت زدہ عقل کے بجائے اپنی باگ اپنی خواہشوں کے ہاتھ میں پکڑا دیتے ہیں۔ ایسے کچ عقلوں کو خدا ان کی خواہشوں کے پیچھے آوارہ گردی کے لیے چھوڑ دیا کرتا ہے۔ ”وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرٍ“ پھر وہ اسی آوارہ گردی میں زندگی گزار دیتے ہیں۔ نہ اس دنیا میں ان کو اس ضلالت سے نکلانے میں کوئی مددگار بنتا اور نہ آخرت میں ان کو ان کے مہلک انجام سے بچانے میں کوئی ان کا مددگار بن سکے گا۔

## ۴۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۳۰۔ ۳۹

اوپر کی آیات میں مشرکین کے ان تمام اعتراضات کا، جو انھوں نے ردیوں کی شکست اور مجوسیوں



کی فتح کر دیں بنا کر اسلام کی دعوت کے خلاف اٹھائے، جواب دیا گیا۔ آگے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو پوری دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ دین فطرت — اسلام — پر قائم رہنے اور اس کے دونوں بنیادی ستون — نماز اور انفاق — قائم کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور آخر میں قریش کو متنبہ کیا گیا ہے کہ ان کے عقیدہ و عمل کے فساد نے ان کا ہر طرف سے احاطہ کر لیا ہے اس وجہ سے اب ان کے محاسبہ کا وقت قریب آگیا ہے۔ وہ جلد اپنے انجام سے دوچار ہوں گے اور جو لوگ دینِ قیم ملتِ ابراہیم پر پوری مضبوطی سے قائم رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے نوازے گا۔ اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

فَاقْمْ وُجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٣١﴾ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا ۚ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٣٢﴾ وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا آذَاهُمْ مِنْهُ رَحْمَةٌ إِذَا فَرِحُوا مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ فَتَمْتَعُوا بِهِ قَسُوفَ تَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾ أَمْ أَنْزَلْنَاهُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِذَا آذَيْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا ۚ وَإِنْ تُصِيبَهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ﴿٣٦﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٣٧﴾ فَأَتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ۚ ذَلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ



هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۳۸﴾ وَمَا آتَيْتُم مِّن رَّبِّا لَّيْرُبُوا فِيْ أَمْوَالِ النَّاسِ  
فَلَا يَرْبُؤُوا عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ  
اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ آیات

۳۹-۳۸

پس تم اپنا رخ یکسو ہو کر دینِ حنیفی کی طرف کرو۔ اس دینِ فطرت کی پیروی کرو جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کو تبدیل کرنا جائز نہیں ہے یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اسی کی طرف متوجہ ہو کر اور اسی سے ڈرو اور نماز کا اہتمام رکھو۔ اور تم لوگ مشرکین میں سے نہ بنو۔ ان مشرکین میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور گروہ گروہ بن گئے۔ ہر پارٹی بس اسی پر مگن ہے جو اس کے اپنے پاس ہے۔ ۳۲-۳۱

جب لوگوں کو کوئی تکلیف لاحق ہوتی ہے تو اپنے رب کو پکارتے ہیں اسی کی طرف متوجہ ہو کر۔ پھر جب اللہ ان کو اپنی رحمت سے شاد کام کر دیتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ اپنے رب کے شریک ٹھہرانے لگتا ہے کہ جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا اس کی ناشکری کریں تو چند روز حظ اٹھا لو، عنقریب تم کو پتہ چل جائے گا۔ کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل اتاری ہے جو ان چیزوں کی شہادت دے رہی ہو جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں! ۳۳-۳۵

اور جب ہم لوگوں کو رحمت سے شاد کام کرتے ہیں تو وہ اس پر اترانے لگتے ہیں اور اگر ان کے اعمال کے سبب سے ان کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو وہ فوراً مایوس ہو جاتے ہیں۔ کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ اللہ ہی کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے



چاہتا ہے افرنگ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان والے ہیں۔ ۳۶-۳۷

پس فرابتدار کو اور مسکین و مسافر کو اس کا حق دو۔ یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو سودی قرض تم اس لیے دیتے ہو کہ وہ دوسروں کے مال کے اندر پروان چڑھے تو وہ اللہ کے ہاں پروان نہیں چڑھتا اور جو تم زکوٰۃ دو گے اللہ کی رضا جوئی کے لیے تو یہی لوگ ہیں جو اللہ کے ہاں اپنے مال کو بڑھانے والے ہیں۔ ۳۸-۳۹

## ۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

فَاقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (۳۰)

دینِ فطرت  
کا پیروی کی  
ہدایت

یہاں خطاب واحد کے صیغہ سے ہے جس کا ظاہر قرینہ یہی ہے کہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بحیثیت امت کے وکیل کے خطاب ہے چنانچہ بعد کی آیت میں آپ دیکھیں گے کہ حال اور خطاب کے تمام صیغے جمع استعمال ہوئے ہیں۔ اب یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے واسطہ سے امت کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ اوپر جو دلائل بیان ہوئے ہیں ان سے یہ بات بالکل مبرہن ہو گئی کہ تمہاری دعوت اور تمہارے پیش کردہ دین کے برخلاف تمہارے مخالفوں کے سامنے اعتراضات بالکل لایعنی ہیں تو تم بالکل یکسو ہو کر اپنا رخ اللہ کے حقیقی دین کی طرف رکھو اور ان مخالفوں کی یا وہ گوئی کی مطلق پروا نہ کرو۔ 'المذین' سے مراد اللہ کا حقیقی دین۔ اسلام۔

ہے جس کی دعوت اس کے تمام نبیوں اور رسولوں نے دی اور جس کی تکمیل نبی اُمّی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوئی۔ یہی دین اللہ تعالیٰ کا اصلی دین ہے چنانچہ فرمایا ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا دِينَ اللَّهِ** (الاسلام) اصل دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے (حَنِيفًا کے معنی یکسو ہو کر یعنی شرک کے تمام علائق سے کٹ کر اس طرح اپنا رخ اس دینِ توحید کی طرف کرو جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا رخ اس دین کی طرف کیا۔ یہ لفظ قرآن میں خاص طور پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے استعمال



ہوا ہے اس وجہ سے اس لفظ کے استعمال میں اس خفیہ اور یکسوئی کے لیے ایک یاد دہانی ہے جس کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم فرمائی۔

”فَطَرَتِ اللّٰهُ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْہَا“ یہاں ایک فعل مخدوف ہے جو سابق فعل سے مستفاد ہوتا ہے یعنی ہر طرف سے کٹ کر اس دینِ فطرت کی پیروی کر جس پر فاطر فطرت نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اس مخدوف فعل کے فائدے کی طرف ہم دوسری جگہ اشارہ کر چکے ہیں کہ اس سے مقصود مخاطب کی ساری توجہ مفعول پر مرکوز کرنا ہوتا ہے۔ یہ اس الٰہی کی صحت و صداقت کی دلیل بیان ہوئی ہے جس کی طرف یکسو ہونے کی ادھر دوائے ٹکڑے میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ یہ دیسی کوئی خارج کی چیز نہیں ہے جو تم پر ادھر سے لادی جا رہی ہو بلکہ یہ عین تمہاری فطرت کا بروز اور تمہارے اپنے باطن کا خزانہ ہے جو تمہارے دامن میں ڈالا جا رہا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ جو فلسفی یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے ایک منصف سادہ اور تمام تر اپنے ماحول کی پیداوار اور الف و عادت کی مخلوق ہے، ان کا خیال بالکل غلط ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہترین ساخت اور بہترین فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اس کو خیر و شر اور حق و باطل کی معرفت عطا فرمائی ہے اور نیکی کو اختیار کرنے اور بدی سے بچنے کا جذبہ بھی اس کے اندر ودیعت فرمایا ہے۔ لیکن اس کی یہ فطرت حیوانات کی جبلت کی طرح نہیں ہے کہ وہ اس سے انحراف نہ اختیار کر سکے بلکہ وہ اپنے اندر اختیار بھی رکھتا ہے اس وجہ سے بسا اوقات وہ اس دنیا کی محبت اور اپنی خواہشوں کی پیروی میں اس طرح اندھا ہو جاتا ہے کہ حق و باطل کا شعور رکھتے ہوئے نہ صرف باطل کی پیروی کرتا ہے بلکہ باطل کی حمایت میں فلسفے بھی ایجاد کر ڈالتا ہے۔

انبیاء فطرت

کو اجاگر کرنے

کے لیے

انسان انبیائے کرام کی رہنمائی کا محتاج اس وجہ سے نہیں ہوا کہ وہ حق و باطل میں امتیاز یا ان کے شعور سے عاری تھا بلکہ اس وجہ سے ہوا کہ اس راہ میں اس کو اس کی بعض کمزوریوں کے سبب سے، جن کی وضاحت ہم اس کے محل میں کر چکے ہیں، بہت سے مغالطے پیش آ سکتے تھے نیز مبادئی فطرت کے تمام لوازم اور ان کے سارے مقتضیات کو سمجھنا بھی اس کے لیے ممکن نہیں تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی رہنمائی کے لیے نبی و رسول بھیجے۔ ان نبیوں اور رسولوں کی تعلیمات چونکہ انہی مبادی پر مبنی ہیں جو انسان کے اندر ودیعت ہیں اس وجہ سے جو سلیم الطبع تھے انہوں نے نبیوں کی ہر بات کو اپنے ہی دل کی آواز سمجھا، صرف ان لوگوں نے ان کی مخالفت کی جنہوں نے اپنی فطرت منحرف کر ڈالی تھی، اگرچہ اپنے دلوں کے اندر وہ بھی رسولوں کی صداقت و حقانیت کے معترف رہے۔ اس مسئلہ پر ہم سورہ ہود اور سورہ نور کی تفسیر میں مفصل بحث کر چکے ہیں۔ وضاحت مطلوب ہو تو ان پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ قرآن کو ذکر اور ذکر عیٰ جو کہا گیا ہے اس میں بھی یہی پہلو ہے کہ وہ درحقیقت انہی حقائق کی یاد دہانی کرتا ہے جو انسان کے اندر موجود ہیں لیکن اس نے خود فراموشی میں ان پر نسیان کا پردہ



ڈال رکھا ہے۔

’لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ‘ یہ لائے نفی، نفی امکان یا نفی وقوع کے مفہوم میں نہیں ہے بلکہ نفی جواز کے مفہوم میں ہے۔ ’خلق‘ سے مراد وہی فطرت ہے جو اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو چیز اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے اس کو بدلنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جو ہر چیز کا خالق فطرت سے ہے وہ اپنی مخلوقات کے مقاصد و مقتضیات کو جتنے بہتر طریقے پر جانتا یا جان سکتا ہے کوئی دوسرا نہیں جان سکتا کہ وہ کسی چیز میں ترمیم و تغیر کرنے کا حقدار بن سکے۔ اگر کوئی شخص اس کی جسارت کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خدا کی بنائی ہوئی چیز کی اصلاح کا مدعی ہے جو بالبداهت ایک حماقت ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ خدا نے آنکھیں پیشانی کے ساتھ لگائی ہیں، کوئی ان کو گدی یا پاؤں کے ساتھ لگانے کی کوشش کرے یا اللہ تعالیٰ نے عورت کو عورت اور مرد کو مرد بنایا لیکن عورت مرد بننے کے لیے زور لگائے یا مرد عورت بننے کی خواہش مند ہو جائے، اس قسم کی سعی نامراد کا نتیجہ بگاڑ اور فساد کے سوا کچھ اور نہیں نکل سکتا۔ بالکل یہی حال دین فطرت کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جو مبادی فطرت کے اندر ودیعت فرمائے ہیں انہی پر انسان کی دنیا میں صلاح اور اخوت میں فلاح منحصر ہے۔ اگر انسان اس سے ذرا سا انحراف اختیار کرے تو وہ خدا کی صراط مستقیم سے ہٹ جائے گا جس کا لازمی نتیجہ اس کے دین اور اس کی دنیا دونوں کی تباہی ہے اگرچہ وہ یہ انحراف علم اور سائنس کے کتنے ہی بلند بانگ دعادی کے ساتھ کرے۔

’ذَٰلِكَ الْمَدِیْنُ الْمُقَیْمُ‘ فرمایا کہ یہی دین سیدھا دین ہے یعنی اس کو انسان کی عقل اور اس کی فطرت کے ساتھ براہ راست تعلق ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا نہایت سیدھا اور قریبی راستہ ہے، اس میں کہیں کوئی کج پیچ نہیں ہے۔

’وَلَیْسَ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا یَعْلَمُونَ‘ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے اس وجہ سے انہوں نے اس میں بگاڑ پیدا کیا اور اب اس بگاڑ ہی پر قائم رہنے یا لوگوں کو اس پر قائم رکھنے کے لیے اپنا ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں۔

’مُذِیْبِیْنَ اِلَیْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْلُوا مِنَ الْمُمَشْرِکِیْنَ (۳۱)‘

’مُذِیْبِیْنَ اِلَیْهِ‘ حال پڑا ہوا ہے ’فَاقِیْمُوا وَجْهَک‘ کی ضمیر خطاب سے۔ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں حقیقت کی تاکید کہ لفظ یہ خطاب اگرچہ واحد ہے لیکن معنایہ جمع کے حکم میں ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو خطاب ہے وہ امت کے وکیل کی حیثیت سے ہے۔ اس حال کے جمع لانے سے خطاب کی یہ نوعیت بالکل منج ہو گئی۔ اوپر والی آیت میں حقیقت کی تاکید فرمائی ہے، اس آیت میں ’انابت‘ اور ’تقرئی‘ کی تاکید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے مجرد عقلی یکسوئی کافی نہیں ہے بلکہ دل کی انابت و خشیت بھی مطلوب ہے، اور حدودِ الہی کی پوری پوری پاسداری بھی۔



’وَاقْبِلُوا الصَّالَةَ‘ نماز اس دینِ قیم کے بنیادی احکام میں سے ہے اور یہی اس خفیت اور انابت و تقویٰ کی محافظ اور اس کا منظر ہے جس کی یہاں ہدایت فرما کی گئی ہے۔

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ یہ بتائیے ہے کہ مشرکین سے دور رہو اس لیے کہ انہوں نے یہ ساری چیزیں برباد کر دی ہیں جو دینِ قیم کے لوازم میں سے ہیں۔

مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (٣٢)

مشترکین

## بیزاری کا غلبہ

یہ انہی مشرکین کی تفصیل ہے جن کے طریقہ سے بچنے کی ادھر مالی آیت میں ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اس وضاحت سے کلام بالکل مطابق مال ہو گیا ہے۔ اس کے اول مصداق قریش ہیں جنہوں نے اس دین کو، جو ان کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے ذریعے سے ملا، شرک میں مبتلا ہو کر، بالکل ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان کو ایک خدا کی تعلیم دی تھی لیکن انہوں نے سینکڑوں خدا بنا ڈالے اور ہر گروہ اپنے اپنے معبود پر اس طرح فدا تھا کہ اس کے سوا کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ مسلمانوں کو یہ ہدایت اس لیے نہیں فرمائی گئی کہ ان میں سے کسی نے مشرکین کے ساتھ جانے کا اندیشہ تھا بلکہ یہ شرک اور مشرکین سے بیزاری کا اظہار ہے جو مشرکین کے بجائے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے۔ گویا مشرکین اپنی ہٹ دھرمی کے سبب سے لائق خطاب نہیں رہے اس وجہ سے بات اپنوں کو مخاطب کر کے کہہ دی گئی۔

وَإِذَا مَسَّ النَّاسُ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا آذَانُهُمْ مِنْهُ رَحِمَهُ إِخْفَرُوا  
مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ۚ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَهُمْ ۖ فَتَمْتَعُوا بِهِمْ ثُمَّ قُلُوبُهُمْ قُلُوبٌ قَلِيلُونَ (٣٣-٣٢)

یہ مشرکین کو براہ راست دھکی ہے کہ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کسی گرجا میں پہنچتے ہیں تب تو نہایت نیاز مندی سے اور تذلل کے ساتھ خدا کو پکارنے ہیں لیکن جب خدا ان کو اپنی رحمت سے نواز دیتا ہے تو پھر یہ خدا کو بھول کر اپنے انہی معبودوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں جن کو انھوں نے شرک بنا رکھا ہے۔ یہ مضمون پیچھے مختلف اسلوبوں سے گزر چکا ہے اور آگے سورہ نھان کی آیت ۲۲ میں ایک نئے اسلوب سے آئے گا۔

۶۶ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ؕ فَسَمِعُوا وَقَفَ فَنُفِثُوا فِي قُلُوبِهِمْ لِيَعْلَمُونَا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ۚ فِئْتَانٌ مِنْهُمْ اُولٰٓئِكَ مُبْتَغٰوْنَ الْاَذَىٰ ۚ وَلَآ إِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖ سُبْحٰنَہٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ۲۵

أَمَّا نُنَزِّلُ عَلَىٰ هُمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَكْلِمُ بِمَا كَانَ نَوَاسِئُهُ يَشْرِكُونَ (۳۵)

ہم سمجھے اس اسلوب کی وضاحت کر چکے ہیں کہ اس قسم کے سوالیہ جملوں میں کلام کا ایک ٹکڑا حذف ہو جاتا ہے جس کی خانہ پرسی منظم کالب و لہجہ کرتی ہے۔ اس حذف کو کھول دیجیے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان نادانوں نے یونہی خدا کے شریک بنا رکھے ہیں یا ہم نے کٹی دلیل اتاری ہے جو ان کے شریکوں کے شریکِ خدا ہونے کی شہادت دے۔



بھی ہو!! اس اسلوب کلام میں طنز و تمقیر اور غیظ و غضب سب جمع ہو جاتا ہے۔ آخری گروپ کی سورتوں میں اس کی نہایت بلیغ مثالیں آئیں گی۔

ان آیات میں توحید کی ایک نہایت اہم نفیاتی دلیل کی طرف توجہ دلائی گئی۔ وہ یہ کہ جب انسان پر حقیقی اقتدار اور بے بسی کی حالت طاری ہوتی ہے تو وہ تمام دوسرے اسباب و وسائل اور خود تراشیدہ معبودوں کو چھوڑ کر پوری انابت کے ساتھ اپنے رب حقیقی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کی اصل فطرت کے اندر ایک خدا کے سوا کسی اور کے لیے کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ لیکن جب اقتدار کی حالت ختم ہو جاتی ہے تو پھر وہ انہی گمراہیوں میں کھو جاتا ہے جن میں وہ اس سے پہلے کھویا ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شرک کا اصلی سبب انسان کی غفلت ہے۔ یہ غفلت جب قدرت کی کسی تبیہ سے دور ہو جاتی ہے تو اس کو اصل حقیقت نظر آ جاتی ہے لیکن جب حالات بدل جاتے ہیں تو اس کی سابق غفلت پھر عود کر آتی ہے۔

وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا وَإِن تُصِيبْهُمْ سَيِّئَةٌ لَّبَاسًا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ  
إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ (۳۰)

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ توجب لوگوں کو اپنی نعمت سے نوازتا ہے تو یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے رب کے شکر گزار ہوں اور اگر ان کو ان کے اعمال کے نتیجے میں کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے تو یہ چاہتا ہے کہ وہ اس آزمائش پر صبر کریں لیکن بہت تھوڑے لوگ ایسے نکلتے ہیں جو نعمت پر شکر اور مصیبت پر صبر کریں۔ زیادہ لوگ ایسے ہی نکلتے ہیں جو نعمت پاتے ہیں تو فخر کرتے ہیں اور ادا کرتے ہیں اور اگر کسی آزمائش میں پڑتے ہیں تو دل شکستہ اور بایوس ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ باتیں سب عام الفاظ میں ارشاد ہوئی ہیں اس لیے کہ عام حالت و حقیقت یہی ہے لیکن ان آیات کے نزول کے وقت ظاہر ہے کہ ان کا اشارہ قریش کی طرف تھا اور اس طرح درپردہ ان کو متنبہ فرمایا گیا کہ آج تو خدا کی بخشی ہوئی نعمت پر اسی کے آگے اکر پڑتے ہو لیکن کل کو اگر کسی پکڑ میں آگئے تو رُوداد در چلاؤ گے۔

اس آیت کے الفاظ بِسَاقَدَمَتْ أَيْدِيهِمْ سے یہ بات نکلتی ہے کہ لوگوں کو اگر کوئی بری افتاد اس دنیا میں پیش آتی ہے تو ان کے بُرے اعمال کے نتیجے میں پیش آتی ہے۔ جہاں تک بروں کا تعلق ہے سنت الہی یہی ہے جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے لیکن اس دنیا میں نیکوں یا نیک کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھی بڑی بڑی آزمائشیں پیش آئی ہیں اس قسم کی آزمائشیں اللہ تعالیٰ کی اس سنت ابتلاء کے تحت پیش آتی ہیں جو اس کے تمام بندوں کے لیے عام ہیں، خواہ وہ نیک ہوں یا بد۔ اُن کا تعلق فردی نہیں کہ آدمی کے اعمال ہی سے ہو بلکہ اکثر حالات میں مجرد اللہ تعالیٰ کی حکمت تربیت ان کی مقتضی ہوتی ہے۔

أَوَلَمْ يَسِدُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْطِئُ السِّدْقَ بِمَنْ يَشَاءُ وَيُتَسَدَّاتُ فِي ذَلِكَ لَا يَتَّقُونَ

يُؤْمِنُونَ (۳۱)

نعت اور آزمائش

دوزخ میں صبح

روہ

یعنی کیا ان لوگوں نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ رزق کی فراخی ہو یا تنگی دونوں اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔



وہی جس کے لیے پاتا ہے رزق کو تنگ کر دیتا ہے، جس کے لیے پاتا ہے کشادہ کر دیتا ہے۔ اس کا یہ پاتا تمام تر اس کی حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس وجہ سے نہ تو کسی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ مایوس ہو اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ اترانے اور اٹھانے والا بنے۔ اترانے کا حق اس کو ہے جس کا رزق اس کے اپنے اختیار میں ہو اور خدا سے مایوس وہ ہو جو اپنے لیے کوئی اور دروازہ تلاش کر سکے۔ جب ان دونوں میں سے کوئی بات بھی ممکن نہیں ہے تو صحیح رویہ صرف یہی ہے کہ بندہ نعمت پر شک کرے اور آزمائش پر صبر۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں ہی چیزوں سے بندے کا امتحان کرتا ہے اور یہ آخرت میں کھلے گا کہ کون اس کے امتحان میں کامیاب ہوا اور کون ناکام! فرمایا کہ اگر لوگ اس حقیقت پر غور کریں تو اس میں ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو ایمان لانے والے ہیں۔

اس میں سب سے بڑی نشانی تو اس بات کی ہے کہ اس کائنات کے تمام امور اللہ وحدہ لا شریک ہی کے اختیار میں ہیں۔ جس طرح موت اور زندگی پر کسی کو اختیار نہیں ہے اسی طرح رزق کی تنگی و کشادگی پر بھی کسی کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

دوسری نشانی اس بات کی ہے کہ اس دنیا میں رزق کی کشادگی نہ کسی کی کامیابی کی دلیل ہے نہ اس کی تنگی کسی کی ناکامی کی بلکہ یہ دونوں ہی چیزیں بندے کے امتحان کے لیے ہیں۔ کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ آخرت میں ہوگا۔

تیسری نشانی اس میں یہ ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں ہر وقت بندے کے شکر اور صبر کا امتحان ہوتا رہتا ہے اور انسان کے تمام اعلیٰ اوصاف کا سرچشمہ یہی دو صفیں ہیں۔ اس کی وضاحت اس کے محل میں ہم کر چکے ہیں۔

فَإِذَا نَقَّوْنِي حَقَّهُ وَالْمُسْكِينُ وَابْنُ السَّبِيلِ ذَلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۳۸)

اوپر آیت ۳۱ میں دینِ فطرت کے اولین رکن نماز کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس کے بعد بعض مناسب مقام تنبیہات آگئی تھیں جن میں آخری تنبیہ یہ تھی کہ جس کو رزق کی فراخی حاصل ہو تو اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کو اب وجد کی وراثت یا اپنے فضل و کمال کا ثمرہ سمجھ کر اس پر اترائے بلکہ اس کو اپنے رب کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

اس آیت میں اس شکر گزاری کا طریقہ بتا دیا کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مال میں سے قربت داروں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دے۔ حَقُّہ کے لفظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ رزق کی کشادگی عطا فرماتا ہے اس کے مال میں درحقیقت دوسروں کے حقوق بھی ہوتے ہیں جو اس کی امانت میں ہوتے ہیں، اس وجہ سے یہ اس کا فرض ہے کہ وہ ان حقوق کو ادا کرے۔ اگر اس نے اس میں کوتاہی کی تو وہ حقوق کا غصب کرنے والا ٹھہرے گا۔ فرمایا کہ جو لوگ خدا کی رضا کے طالب ہیں ان کے لیے یہی طریقہ بہتر ہے اور آخرت میں

شکر گزاری

کا طریقہ







یہاں اس بات کو بھی یاد رکھیے جس کی طرف ہم دوسرے مقام میں اشارہ کر چکے ہیں کہ ایک تاجر یا کاروباری کے سرمایہ میں جو اپنے سرمایہ کو کسی جائز تجارت یا کاروبار میں لگا کر اس کو بڑھاتا ہے اور ایک سود خور کے سرمایہ میں جو سود پر قرض دے کر اس میں اضافہ کرتا ہے یہ بنیادی فرق ہے کہ تاجر کا سرمایہ ہر قسم کے حالات و خطرات کا مقابلہ کر کے خود اپنی چراگاہ میں فرہی و توانائی حاصل کرتا ہے اور سود خور کا سرمایہ ایک کین گاہ میں چھپ کر، بغیر کوئی خطرہ مول لیے، حاکمیتوں سے غنیمت حاصل کرتا اور موٹا ہوتا ہے۔ ان دونوں کے اس بنیادی فرق کے سبب سے اسلام نے تجارت اور کاروبار کی بڑھوتری کو مبارک قرار دیا ہے اور سود کی بڑھوتری کو ناسد اور حرام۔

## ۶۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۴۰ - ۶۰

آگے خاتمہ سورہ کی آیات ہیں جن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کو دھکی دی گئی ہے کہ انہوں نے دین فطرت کی دونوں بنیادیں — توحید اور بہدردی خلق — ڈھادی ہیں اور اس طرح پورے نظام معاشرت و تمدن کو بگاڑ کر خدا کی زمین کو فساد سے بھر دیا ہے۔ اس چیز نے ان کو مستحق بنادیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کسی گرفت میں آئیں تاکہ وہ اپنے اس فساد فی الارض کا کچھ مزا چکیں۔ پھر مسلمانوں کو غلبہ و نصرت کی بشارت دی گئی ہے اور اس کائنات کے شواہد سے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کسی پر نازل کرنا چاہتا ہے تو اپنے تصرفِ غیبی سے ناسازگار حالات کو بھی سازگار بنا دیتا ہے۔

اسی کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو دین فطرت پر جے رہنے کی تاکید اور ان لوگوں سے بے پروا ہونے کی ہدایت فرمائی گئی جو بالکل اندھے بہرے بن چکے ہیں۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۴۰-۶۰: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ۖ هَلْ مِنْ شَرِّکَآئِکُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذِکْرِکُمْ مِّنْ شَیْءٍ ۚ سُبُّعْنَهُ وَتَعْلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝۴۰

ظہر الفساد فی البیروا البحر بما کسبت ابدی

الناس لیذابقہم بعض الذی عملوا لعلہم یرجعون ۝۴۱

قل ۝۴۲

سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبل



كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ④٢ فَاقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَاسِمِ مِنْ قَبْلِ  
 أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يُصْدَقُونَ ④٣ مَنْ كَفَرَ  
 فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا نَفْسِهِمْ يُمَهِّدُونَ ④٤ لِيَجْزِيَ  
 الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ④٥  
 وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَّاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيَذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ  
 وَلِتَجْزِيَ الْفُلُكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ④٦  
 وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ  
 فَأَنْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرُهُمْ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ④٧  
 اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَّاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ  
 كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسْفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ  
 فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ④٨  
 وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمُبْسِئِينَ ④٩  
 فَانْظُرْ إِلَى آثَرِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ  
 ذَلِكَ لَمِنْ أَمْرِي الْمَوْتَى وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑤٠ وَلَئِنْ أَرْسَلْنَا  
 رِيحًا فَرَأَوْهُ مُصْفَرًّا لَظَلُّوا مِنْ بَعْدِهِ يَكْفُرُونَ ⑤١ فَإِنَّكَ  
 لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ⑤٢  
 وَمَا أَنْتَ بِهَادٍ الْعُمَى عَنْ صَلَاتِهِمْ إِنَّ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا  
 فَهُمْ مُسْلِمُونَ ⑤٣ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ



بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةٌ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً يَخْلُقُ  
 مَا يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ﴿۵۱﴾ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ  
 الْمُجْرِمُونَ وَمَا لِنُتْرَا غَيْرَ سَاعَةٍ ۚ كَذَلِكَ تَوَايُفُكُونُ ﴿۵۲﴾  
 قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ  
 إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ ۖ فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۵۳﴾  
 فَيَوْمَئِذٍ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۵۴﴾  
 وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَلَئِنْ جِئْتُمْ  
 بِآيَةٍ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ﴿۵۵﴾ كَذَلِكَ  
 يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۶﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ  
 حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفَّنكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴿۵۷﴾

ع ۶

ترجمہ بیان

۴۰-۶۰

اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو روزی دی، پھر تم کو موت دیتا ہے،  
 پھر تم کو زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے شرکیوں میں سے بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں  
 سے کوئی کام کرتا ہو! وہ پاک ہے اور برتر ہے ان چیزوں سے جن کو وہ شریک ٹھہراتے  
 ہیں! خشکی اور تیزی ہر جگہ لوگوں کے اعمال کے نتیجے میں فساد چھا گیا ہے تاکہ اللہ ان کی  
 بعض کد تو تلوں کا مزہ چکھائے تاکہ یہ رجوع کریں۔ ۴۰-۴۱

ان سے کہو کہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو پہلے ہو  
 گزرے ہیں! ان میں سے اکثر مشرک ہی تھے۔ ۴۲

پس اپنا رخ دینِ قیمر کی طرف سیدھا رکھو قبل اس کے کہ اللہ کی طرف سے ایک



ایسا دن آجائے جس کے لیے پھوپھی نہیں ہے۔ اس دن وہ جدا جدا ہو جائیں گے۔ جس نے کفر کیا اس کا وبال اس پر ہوگا اور جنہوں نے نیک اعمال کیے وہ بے شک اپنے لیے زمین ہموار کر رہے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بدلہ دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے۔ اللہ کافروں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا۔ ۴۳-۴۵ اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہواؤں کو اپنے ابر رحمت کی خوش خبری دینے والی بنا کر اور تاکہ وہ تم کو اپنی رحمت سے نوازے اور تاکہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں اور تاکہ تم اس کے فضل کے طالب بنو اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔ ۴۶ اور ہم نے تم سے پہلے بھی رسول بھیجے ان کی قوموں کی طرف۔ پس وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جنہوں نے جرم کیا۔ اور اہل ایمان کی نصرت ہم پر لازم تھی۔ اللہ ہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو پس وہ بادلوں کو ابھارتی ہیں پھر اللہ ان کو پھیلا دیتا ہے آسمان میں جس طرح چاہتا ہے اور ان کو تہ بہ تہ کرتا ہے پھر تم دیکھتے ہو مبینہ کو ان کے پیچ سے نکلتے ہوئے پس جب وہ اس کو نازل کرتا ہے اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے تو وہ یکایک خوش ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ اس کے نازل کیے جانے سے قبل، اس خوشی سے پہلے، بالکل بایکسو تھے۔ پس رحمت الہی کے آثار کو دیکھو، وہ کس طرح زمین کو زندہ کر دیتا ہے اس کے مردہ ہو جانے کے بعد!

بے شک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۴۷-۵۰ اور اگر ہم دوسری ہوا بھیج دیں پس وہ کھیتوں کو زرد ہوئی دیکھیں تو اس کے بعد وہ کفر کرنے والے بن کر رہ جائیں گے۔ تو تم نہ مردوں کو اپنی پکار سنا سکتے اور نہ بہروں کو سنا سکتے جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چلے جا رہے ہوں۔ اور نہ اندھوں کو تم ان کی ضلالت سے موڑ کر



راہ پر لا سکتے۔ تم تو بس ان کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان لانے والے ہوں، پس وہی اطاعت کرنے والے ہیں۔ ۵۱-۵۳

اللہ ہی ہے جس نے تم کو ناتوانی سے پیدا کیا پھر ناتوانی کے بعد فوت بخشی پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا طاری کر دیا۔ وہ جو پاپا ہوتا ہے پیدا کر دیتا ہے اور وہی علیم قدیر ہے۔ ۵۴

اور جس دن قیامت واقع ہوگی، مجرم قسم کھا کر کہیں گے کہ وہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔ اسی طرح ان کی عقلیں اوندھی ہو جاتی رہی ہیں اور جن کو علم و ایمان عطا ہوا ہوگا وہ کہیں گے کہ اللہ کے رحبڑ کی رُو سے تو تم قیامت تک رہے ہو۔ سو یہ حشر کا دن ہے لیکن تم جانتے نہیں تھے۔ پس اس دن ان لوگوں کو ان کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہوگا اور نہ ان سے یہ چاہا جائے گا کہ وہ خدا کو راضی کریں۔ ۵۵-۵۷

اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی تمثیلیں بیان کر دی ہیں اور اگر تم ان کے پاس کوئی سی نشانی بھی لاؤ گے تو جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ یہی کہیں گے تم لوگ بالکل جھوٹے ہو۔ اسی طرح اللہ عہر کر دیا کرتا ہے ان لوگوں کے دلوں پر جو جانا نہیں چاہتے۔ تو تم صبر کرو، بے شک اللہ کا وعدہ شدنی ہے اور یہ یقین نہ رکھنے والے تم کو بے وزن نہ بنانے پائیں۔ ۵۸-۶۰

## ۶۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ ۚ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَّنْ يَفْعَلُ  
مِنْ ذَٰلِكُمْ مِّثْلَ شَيْءٍ ۚ وَتَعْلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ (۶۰)



موسیٰ کے وقتی فلیہ کو دیل بنا کر قریش نے مسلمانوں کے غلبہ اور توحید و قیامت ہر چیز کو مشکوک بنانے قریش کو دھکی کی جو ہم چلائی اس کی تردید پیچھے کی آیات میں تفصیل سے ہو چکی ہے۔ اب یہ قریش کو براہ راست دھکی دی جا رہی ہے کہ اس قسم کی طفل تسلیوں سے اپنے کو بہلانے کی کوشش نہ کرو بلکہ حقائق کا مواجہہ کرو۔ تم نے اپنے اعمال سے جو فساد اپنے چاروں طرف جمع کر لیا ہے اس کے نتائج کے ظہور کا وقت اب سر پر آگیا ہے اور تمہارے یہ فرضی دیوی دیوتا اس سے تمہیں بچا نہ سکیں گے۔ یہ آیت اسی دھکی کی تمہید ہے۔ فرمایا کہ تم کو پیدا تو خدا نے کیا، روزی وہ دیتا ہے، موت اس کے اختیار میں ہے، پھر تم کو زندہ وہ کرے گا۔ تم ان کا تو میں سے کسی ایک کام کے متعلق بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ وہ تمہارے ان دیوتاؤں کے ہاتھوں انجام پاتا ہے یا وہ اس میں اللہ کا ہاتھ بٹاتے ہیں تو آخر ان کے بل پر تم کب تک بیو گے اور اگر تم خدا کی پکڑ میں آ گئے تو یہ تمہارے کیا کام آئیں گے؟

‘سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ’ اور پر کی بات تو ان کو خطاب کر کے فرمائی ہے اور یہ بات ان سے منہ پھیر کر فرمائی ہے۔ ان دونوں اسلوبوں کی بلاغت پر ہم مختلف مقامات میں گفتگو کر چکے ہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (۴۱)

جس طرح روز و شب اور صبح و شام وغیرہ کے الفاظ احاطہ پر دلیل ہوتے ہیں اسی طرح بر و بحر کے الفاظ بھی اس طرح کے سیاق میں صرف احاطہ پر دلیل ہوتے ہیں۔ مدعا یہ ظاہر کرنا ہے کہ زندگی کے ہر شعبے پر خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، اعتقادی ہو یا عملی فساد طاری ہو چکا ہے۔ فکر و نظر کی صحت کا انحصار تمام تر اللہ تعالیٰ کے ایمان پر ہے اور عمل کی ساری استقامت اسلام پر مبنی ہے اور یہ دونوں چیزیں لازم و ملزوم ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا بھی انہدام دوسرے کے انہدام کو مستلزم ہے اور جب یہ دونوں منہدم ہو جائیں تو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر فساد لازماً مستولی ہو کے رہے گا۔ اگر ان دونوں کے انہدام کے باوجود کہیں زندگی کی چمک دمک نظر آتی ہے تو وہ بالکل عارضی چیز ہے اور جو لوگ اس کو کچھ اہمیت دیتے ہیں وہ قریب نظر میں مبتلا ہیں۔

‘لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ’ یہ نتیجہ بیان ہوا ہے اس صورت حال کا۔

— یعنی جب لوگ اپنے اعمال سے اس طرح زندگی کے ہر شعبہ کو فساد سے بھر دیتے ہیں تو وہ گویا زبانِ حال سے اللہ تعالیٰ کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ ان کی کڑوٹوں کا کچھ مزہ ان کو چکھائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا کچھ مزہ چکھاتا ہے اور مقصود اس سے ان کو متنبہ کرنا ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں اور غلط روی سے باز آکر زندگی کی صحیح شاہراہ کی طرف مڑیں۔

یہاں یہ حقیقت ملحوظ رہے کہ رسولوں کی قوموں پر دو قسم کے عذاب آئے ہیں۔ اول غیبی پھر فیصلہ کن۔



میاں قریش کو پہلے قسم کے عذاب سے ڈرایا ہے کہ تم نے اپنے اعمال سے اپنے آپ کو ایک تنبیہی عذاب کا مستحق بنالیا ہے لیکن یاد رکھو کہ اگر وہ عذاب آگیا اور تم نے اپنی روش نہ بدلی تو پھر وہ عذاب بھی آ جائے گا جو تمہاری کمر توڑ کے رکھ دے گا۔

قَدْ سَيُرَوُّ فِي الْأَرْضِ مَا نَظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَتْ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ (۴۱)

یعنی ان لوگوں سے کہو کہ اپنے آپ کو طفل تسیوں سے نہ بہلاؤ بلکہ خود اپنی آنکھوں سے اپنے ملک کی پچھلی قوموں کے آثار پر نگاہ ڈالو کہ ان کا انجام کیا ہو چکا ہے۔ ان کی اکثریت بھی تمہاری ہی طرح مشرک تھی۔ جس طرح تمہارے اندر سے موجد بہت تھوڑے نکلے ہیں اسی طرح ان کے اندر سے بھی خالص خدا پرست بہت تھوڑے نکلے۔ بالآخر اللہ نے ان تھوڑے سے خدا پرستوں کو علیحدہ کر لیا اور اکثریت کو اپنے عذاب سے تباہ کر دیا۔

فَأَنصُرْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْغَالِبِ ۚ إِنَّ يَأْتِي يَوْمًا مَوَازِلَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ يُصَدِّقُونَ (۴۲)

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی طرف اس قسم کا التفات ہے جس قسم کا التفات اوپر آیت ۳۱ میں گزر چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ مہٹ دھرم اور شامت زدہ لوگ نہیں سنتے تو ان کی پروا نہ کرو بلکہ تم خدا کے سیدھے اور فطری دین کی طرف یکسو ہو جاؤ اور اس دن کی مسئولیت سے بچنے کی نگر کر دو جس کا آنا قطعی ہے اور جب وہ دن خدا کی طرف سے ظہور میں آئے گا تو کسی کی طاقت نہیں ہوگی کہ اس کو لوٹا سکے۔ یَوْمَئِذٍ یُصَدِّقُونَ یعنی آج تو ان لوگوں کو اپنے شر کا و شفاء پر بھی اعتماد ہے اور اپنی جمعیت پر بھی ناز ہے لیکن اس دن سب متفرق ہو جائیں گے، کوئی کسی کے کام آنے والا نہیں بنے گا۔ آیت ۴۲ میں لفظ یُصَدِّقُونَ آیا ہے، یہاں یُصَدِّقُونَ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف التفات

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۚ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا نَفْسٍ لَهُمْ يَنْهَدُونَ (۴۳)

اس دن ہر ایک اپنے عمل کے مطابق جزا یا سزا پائے گا۔ جس نے کفر کیا ہو گا اس کے کفر کا وبال اسی پر آئے گا، کوئی دوسرا اس کا بوجھ اٹھانے والا نہیں بنے گا اسی طرح جو لوگ عمل صالح کر رہے ہیں وہ درحقیقت اپنے ہی مستقبل کو سنوار رہے ہیں اور اس کا صلہ انہی کو ملنے والا ہے۔

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُعِيبُ الْكَافِرِينَ (۴۴)

اس کا تعلق اوپر والی آیت مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ سے ہے یعنی اس دن کے آنے کا اصلی مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان و عمل صالح والوں کو اپنے فضل سے ملے دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کا اصل مقصد اہل ایمان کو جزا دینا ہے کفار کو سزا دینا اس کی اصل غایت نہیں بلکہ اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ مِنْ فَضْلِهِ

قیامت کا

اصل مقصد



کے نغذ سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اہل ایمان کو جو صلہ ملے گا وہ محض ان کے اعمال کے پیمانے سے تول کر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے مطابق ملے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل ایسی چیز ہے کہ اس کا اندازہ ہم اپنے پیمانوں اور قیاسوں سے نہیں کر سکتے۔

إِنَّمَا يُجِيبُ الْكَافِرِينَ اس ٹکڑے میں کفر و اہل کفر کے لیے جو نفرت و کراہت چھپی ہوئی ہے اہل کفر سے قلم اس کی تعبیر سے قاصر ہے۔ اہل ایمان کے درجے و مرتبے کا اندازہ کرنے کے لیے تو تنہا یہی بات کافی ہے کہ آخرت کا ظہور ہی تمام تر ان کی داد اور ان کے انعام کے لیے ہے۔ رہے اہل کفر تو یہاں اللہ تعالیٰ نے صرف یہ فرما کر ان کا ذکر ختم کر دیا کہ اللہ ان کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ ان کو پسند نہیں کرتا تو وہ جس جہنم میں بھی جا کر گریں خدا کو ان کی کوئی پروا نہیں ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَّاحَ مُبَشِّرَاتٍ بِيَدِهِ يُفَكِّمُكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْزِيَ الْفُلُكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (۴۶)

اس آیت اور اس کے بعد کی آیات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ جس طرح دیکھتے ہو کہ گھٹی ہوئی فضا کے اندر سے اللہ تعالیٰ سازگار ہوا چلا دیتا ہے جو تمہارے لیے اس کے بارانِ رحمت کی بشارت بن کر ظاہر ہوتی ہے تاکہ تم کو اپنے رزق و فضل سے نوازے اسی طرح موجودہ ناموفق حالات کے اندر سے بھی تمہارے لیے سازگار حالات پیدا کر دے گا۔ وَلِتَجْزِيَ الْفُلُكُ بِأَمْرِهِ یعنی یہی سازگار ہوائیں ہیں جن کے ذریعہ سے تمہاری کشتیاں بحکم خدا چلتی ہیں تاکہ تم ایک مقام سے دوسرے مقام کا سفر کر سکو۔ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ اور تاکہ تم تجارت وغیرہ کے ذریعہ سے اس کے رزق و فضل کے طالب بن سکو۔ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ یعنی ربوبیت کا یہ سارا نظام اس نے اس لیے قائم فرمایا ہے تاکہ تم اس کی نعمتوں سے بہرہ مند ہو اور اس کے شکر گزار رہو۔ اس میں مسلمانوں کے لیے نہایت لطیف انداز میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ خدا کی نصرت و برکت تمہارے لیے ظاہر تو ہوگی لیکن اس کو پا کر اپنے رب سے غافل نہ ہو جانا بلکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ خدا کے برابر شکر گزار رہنا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَاَتَقَمَّتْ مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (۴۷)

یہ اسی اوپر والی حقیقت کو تاریخی کی روشنی میں واضح فرمایا ہے کہ تم دنیا میں پہلے رسول نہیں ہو بلکہ تم سے پہلے بھی ہم رسول بھیج چکے ہیں تو ہماری جو سنت ان کے معاملے میں ظاہر ہو چکی ہے وہی تمہارے معاملے میں بھی ظاہر ہوگی۔ تم سے پہلے جو رسول آئے وہ بھی تمہاری طرح اپنی قوموں کے پاس کھلی کھلی نشانیاں اور دلیلیں لے کر آئے لیکن ان کی قوموں نے ان نشانوں اور محبتوں کی قدر کرنے کے بجائے مجرمانہ روش اختیار کی اور اپنے رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کی دشمن بن گئیں۔ بالآخر ان کی اس مجرمانہ روش کا نتیجہ یہ نکلا



کہ ہم نے ان سے ان جرائم کا انتقام لیا جن کی وہ اہل حق کے باب میں مجرم ہوئیں۔ اس لیے کہ اہل ایمان کی نصرت ہم پر حق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہی معاملہ تمہارے دشمنوں کے ساتھ بھی ہوگا تم مطمئن رہو۔

اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَّاحَ فَتَنِّيهِمْ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِنْفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبِشِرُونَ ۚ وَإِن كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْهِمْ مِنْ قُبُلِهِ كَمُبْلِسِينَ (۴۸-۴۹)

اوپر کی آیت میں نصرت کی جو بشارت اس قطعیت کے ساتھ دی گئی ہے وقت کے ظاہری حالات اس کے بالکل خلاف تھے اس وجہ سے مسلمانوں، بالخصوص عام مسلمانوں کو، اطمینان دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و رحمت کے ظہور کی ایک ایسی نشانی کی طرف توجہ دلائی جس کا تجربہ و مشاہدہ ہر شخص کو ہوتا رہتا ہے۔ فرمایا کہ یہ اللہ ہی کی قدرت اور شان ہے کہ وہ ہواؤں کو بھینچتا ہے جو بادلوں کو ابھارتی ہیں، پھر وہ ان بادلوں کو اپنی حکمت کے مطابق جس طرح چاہتا ہے فضا میں پھیلاتا اور ان کو تہہ بہ تہہ کرتا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ ان کے درمیان سے مینہ نکلتا ہے تو پھر جو خدا کی اس رحمت سے فیضیاب ہوتے ہیں وہ یکا یک خوشیاں منانے لگتے ہیں حالانکہ اس سے ذرا پہلے وہ اس سے بالکل مایوس ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہی شان رحمت تمہارے لیے بھی ظاہر ہوگی۔ آج تمہیں یہ چیز بہت بعید نظر آتی ہے لیکن جب ظاہر ہوگی تو تمہیں یہ بہت قریب کی چیز معلوم ہوگی اور تم اس وقت خوش ہو جاؤ گے۔

”مَنْ قَبْلَ أَنْ يُنْزَلَ“ کے بعد پھر ”مِنْ قُبُلِهِ“ میں بظاہر کچھ تکرار سی محسوس ہوتی ہے لیکن غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ تکرار نہیں ہے۔ بلکہ یہاں دو الگ الگ باتیں فرمائی گئی ہیں۔ یعنی بارش سے پہلے وہ بارش سے مایوس تھے اور بشارت کے ظہور سے پہلے خوشی سے۔

فَانْظُرْ إِلَىٰ أَشْرَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُعْجِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ ذَٰلِكَ لَمُعْجِ الْمَوْقِفِ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۵۰)

قیامت کا یہ ذکر مسلمانوں کی تسلی ہی کے ضمن میں ہے۔ اہل ایمان کی تمام امیدوں کا مرجع چونکہ آخرت ہی ہے اس وجہ سے اوپر کی آیات میں اس دنیا کے اندران کی کامیابی کے آثار کی طرف اشارہ کرنے کے بعد آخرت کی رحمت کے ظہور کی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ جس طرح زمین میں اس کی رحمت کے آثار دیکھتے ہو کہ وہ اس کے خشک ہونے کے بعد اس کو دوبارہ باغ و بہار کر دیتا ہے اسی طرح وہ دوبارہ مردوں کو بھی زندہ کر دے گا۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کفار آخرت کو جو جھٹلاتے اور اس کو محض تمسارا خواب و خیال قرار دیتے ہیں۔ تم ان کی بوالغصو لبوں کی پروا نہ کرو۔ خدا کی یہ عظیم رحمت ظاہر ہو کے رہے گی اور تمہارے یہ حریف اس دن اپنی بدبختی و محرومی پر اپنے سر پٹیں گے۔ یہ حقیقت قرآن سے واضح ہے کہ قیامت دراصل اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کا متقاضی ہے اور اس کا اصل مقصد اہل ایمان کو ان کی جانبازیوں کا



صلہ دینا ہے۔ سورۃ النعام کی آیت ۱۲ 'کَتَبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ لِيَجْمَعَ بَيْنَكُمْ فِي يَوْمٍ الْقِيَمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ' کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں، اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

وَسَيُنْزِلُ غُيَاثًا ذُرَاؤُهُ مُصَفًّى تَنْظِلُوهُنَّ يَبْدُونَ يَكْفُرُونَ (۵۱)

یہ اوپر کی آیات ۴۸-۴۹ پر استدراک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کا عام حال یہ ہے کہ ذرا دیر میں بالوس ذرا دیر میں گن ہو جاتے ہیں۔ بارش میں ذرا توقف ہو جائے تو سب کے حوصلے ٹوٹ جاتے ہیں، بارش ہو جائے تو ناچنے کو نہ لگتے ہیں اور اگر بارش کے بعد ہم کوئی ناسازگار ہوا بھیج دیں اور وہ اپنی اچھی ہوئی فصلوں کا رنگ زرد پڑتے دیکھیں تو وہی ناشکری و بالوسی ان پر پھر چھا جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس قسم کے متلون مزاج ہیں ان سے کسی خیر کی امید نہ رکھو، تمھاری باتیں صرف ان کے دلوں میں اتریں گی جو نعمت پر شکر اور مصیبت پر صبر کا مزاج رکھتے ہوں۔

لفظ 'ریاح' اور 'رجح' کے فرق پر ہم اس کے محل میں بحث کر چکے ہیں۔ مقدم الذکر کا غالب استعمال سازگار اور موسمی ہواؤں کے لیے اور مؤخر الذکر کا عام استعمال آفت لانے والی ہوا کے لیے ہوتا ہے۔ 'قَرَأْنَا' میں ضمیر کا مرجح 'ذُرْع' یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ ہو گا جس کا قرینہ اوپر والی آیت میں موجود ہے اس لیے کہ 'يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا' کا مفہوم زمین کا سبزہ اور نباتات سے معمور ہونا ہے۔

فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا اتَّوُوا مُدِيرِينَ وَمَا أَنْتَ بِهَادٍ الْعُمَى عَنْ صَلَاتِهِمْ إِنَّ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ (۵۲-۵۳)

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایسے متلون مزاج اور بے ثبات ہیں کہ آن میں کچھ اور آن میں کچھ ہیں۔ ذرا میں بالوس اور ذرا میں مغرور ہوتے ہیں۔ خدا کی بے شمار نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی ان کے دل خدا پر نہیں جھنٹے، وہ روحانی و عقلی اعتبار سے زندہ نہیں بلکہ مردہ ہیں، سننے والے نہیں بلکہ بہرے ہیں، دیکھنے والے نہیں بلکہ اندھے ہیں۔ ایسے مردوں، بہروں اور اندھوں کو سنانا، سمجھانا نہ تمھارے بس میں ہے اور نہ اس کی تمھارے اوپر کوئی ذمہ داری ہے۔ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا اتَّوُوا مُدِيرِينَ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بہروں سے بھی کچھ سننے سمجھنے کی توقع کی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ پکارنے والے کی طرف متوجہ ہوں لیکن ان بہروں سے کس خیر کی امید ہو سکتی ہے جو پیٹھ پھیر کر بھاگے جا رہے ہوں! وَمَا أَنْتَ بِهَادٍ الْعُمَى عَنْ صَلَاتِهِمْ میں 'عَنْ' اس بات پر دلیل ہے کہ لفظ ہدایت یہاں 'صَوَف' یا اس کے ہم معنی کسی لفظ پر متفقین ہے۔ یعنی تم اندھوں کو ان کی غلط روی سے موڑ کر راہِ راست پر نہیں لاسکتے۔ 'إِنَّ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا' یہاں آیات سے مراد آفاق و انفس کی وہ نشانیاں ہیں جن کی طرف پوری تفصیل کے ساتھ پیچھے توجہ دلائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمھاری باتیں اگر کارگر ہو سکتی ہیں تو ان لوگوں پر کارگر ہو سکتی ہیں جو خدا کی قدرت، رحمت اور اس کے عدل کی ان نشانیوں کو مانتے ہوں جو آفاق میں پھیلی



ہوئی ہیں، جو ان کو نہ مانتے ہوں ان کے آگے سارا دغظ بھینس کے آگے بین بجانے کے حکم میں داخل ہے۔  
 'فَهُمْ مُسْلِمُونَ' یعنی جو لوگ آفاق و انفس کی نشانیوں کو دیکھتے سمجھتے اور مانتے ہیں وہ بے شک تمہاری  
 بات نہیں سمجھیں گے اور تمہاری دعوت پر اپنے آپ کو اپنے رب کے حوالہ کر دیں گے۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْضٍ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْضٍ  
 قُوَّةً ضَعْفًا وَشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ (۵۴)

ایک تنبیہ

اب یہ آخر میں تنبیہ ہے کہ کسی کو اپنی قوت و صلاحیت اور اپنے اسباب و وسائل پر ناز نہیں ہونا  
 چاہیے۔ جو کچھ بھی انسان کو ملتا ہے سب خدا ہی کا دیا ہوا ملتا ہے اور پھر اسی کی طرف سب لوٹ جاتا ہے  
 تم اپنے وجود ہی پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ نہایت ہی کمزور و ناتواں حالت میں تم کو وجود بخشا ہے۔ پھر اس  
 ناتوانی کے بعد جوانی کی توانائیاں اور صلاحیتیں عطا فرماتا ہے۔ اس کے بعد پھر بڑھاپے کی صورت میں  
 اسی سابق ناتوانی کا دور عود کرتا ہے۔ کسی کے امکان میں نہیں ہے کہ اپنی پائی ہوئی جوانی اور طاقت  
 کو برابر قائم رکھ سکے۔ یہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے کہ وہ جو چاہے پیدا کرتا اور پیدا کر سکتا ہے۔ وہی  
 ہر چیز کا علم اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُنْفِثُ الْمُجْرِمُونَ ۖ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذَلِكَ كَانُوا يُفَكُّونَ (۵۵)

یہ دوسری تنبیہ ہے کہ اس دنیا کی زندگی کو بہت طویل نہیں خیال کرنا چاہیے۔ قیامت کے دن  
 جب مجرم لوگ اٹھیں گے تو قسم کھا کے آپس میں کہیں گے کہ ہمارا یہ سارا زمانہ جو گزرا ہے ایک گھڑی  
 سے زیادہ نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آج تو یہ نچنت ہیں کہ اگر قیامت ہے بھی تو اس کے ظہور میں زندگی  
 موت، برزخ اور حشر و نشر کے بہت سے طویل طویل مراحل مائل ہیں، ابھی سے اس کے لیے فکر مند ہونے  
 اور اپنا عیش مکر کرنے کی کیا ضرورت ہے! لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس دن یہ اٹھیں گے تو اس دن ان کا  
 احساس یہ ہوگا کہ یہ سارے مراحل پلک بھپکتے گزر گئے۔

كَذَلِكَ كَانُوا يُفَكُّونَ ۖ يَعْنِي اِنْ نَادَاوْا كَوَاصِلَ حَقَائِقِ كَا اِنْدَا زَهْ كَرْنَهٗ كِي تَوْفِيقِ كِبْهِي نَبِيْ كِهِي۔  
 قیامت کے دن انھیں اپنا سارا ماضی پلک بھپکتے ختم ہوتا نظر آئے گا لیکن جب تک دنیا میں ہے  
 ان کو زندگی، موت اور حشر و نشر کے مراحل اتنے طویل نظر آتے تھے کہ اس کے لیے انھوں نے فکر مند  
 ہونے کی ضرورت کبھی محسوس نہیں کی۔

وَقَالَ الَّذِينَ اٰذُنُوا لِيَعْلَمُوْا اِلٰ اٰيٰمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اٰلٰ يَوْمِ الْبَعْثِ ۚ  
 فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۵۶)

قیامت کے دن  
 اٰلِ عِلْمِ كِي طَانِيْتِ  
 'اٰذُنُوا لِيَعْلَمُوْا اِلٰ اٰيٰمَانَ' سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی عقل اس دنیا میں سیدھی رہی اور ان کو اللہ کی  
 آیات کا علم اور خدا اور آخرت کا ایمان نصیب ہوا۔ وہ ان لوگوں کی اس بدحواسی پر ٹوکیں گے کہ تمہارا یہ



اندازہ بالکل غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی رو سے تو تم قیامت تک رہے ہو اور آج یہ قیامت کا دن تھا اے سامنے ہے لیکن تم اس کو جانتے نہیں رہے ہو۔ 'کِتَابُ اللّٰہِ' سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ دفتر ہے جس میں ساری باتیں مندرج ہیں۔ 'وَلَکِنِّکُمْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ' سے مقصود یہ ہے کہ تم اس کو محض ایک خیالی چیز سمجھتے رہے، اس کو تم نے کوئی اہمیت نہیں دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اپنی زندگی کی قدر و قیمت پہچانتے اور اس کو آخرت کے نصب العین کے تحت گزارتے ہیں ان پر روزِ حشر میں کوئی بدحواسی نہیں طاری ہوگی بلکہ وہ یہ محسوس کریں گے کہ زندگی کا جو سفر انھوں نے شروع کیا تھا اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے پروگرام کے مطابق اس سفر کی آخری منزل پر وہ پہنچ گئے۔

ثُمَّ مِمَّنْ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مُعْذِرُ تَهُمٍ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ (۵۷)

لفظ 'اُسْتَعْتَبُ' پر دوسرے مقام میں بحث ہو چکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس دن کسی کو اس کی کوئی معذرت نفع نہیں دے گی اور نہ کسی کو یہ موقع دیا جائے گا کہ وہ اپنے رب کو راضی کرنے کی کوشش کرے۔ ان چیزوں کے لیے جو موقع مطلوب ہے وہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں دے دیا ہے جس نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا اس کو یہ موقع پھر کبھی حاصل نہ ہو سکے گا جس کو تیاری کرنی ہو آج تیاری کرے۔ پھر کسی کو یہ کہنے کا موقع ملنے والا نہیں ہے کہ اس کو تیاری کے لیے وقت نہیں ملا۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ \* وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِآيَةٍ لَّيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُونَ (۵۸)

'ضرب مثل' اصل میں تو کسی موعظت و حکمت کی بات کو تمثیل کی صورت میں پیش کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہ اپنے وسیع مفہوم میں مجرد موعظت و حکمت کی بات بیان کرنے کے لیے بھی آتا ہے۔ اس محاورے پر ہم دوسرے مقام میں بحث کر چکے ہیں۔

اب یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جو باتیں بتانے اور سمجھانے کی ہیں وہ سب ہم نے اس قرآن میں بیان کر دی ہیں تو تم اس چیز کو ان کے آگے پیش کر دو۔ اور اس بات کو یاد رکھو کہ اگر وہ اس کتاب سے نہ سمجھے تو خواہ تم ان کو کتنا ہی بڑا معجزہ دکھا دو یہ کفر کرنے والے یہی کہیں گے کہ یہ بھی جھوٹ اور محض تمھاری شعیبہ بازی اور ساحری ہے۔

كَذٰلِكَ يُطِيعُ اللّٰهُ عَلَىٰ قُلُوْبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُوْنَ (۵۹)

یعنی جو لوگ اپنے آپ کو سمیع و بصیر اور دل کی صلاحیتوں سے محروم کر لیتے ہیں اور کوئی معقول بات سننا سمجھنا نہیں چاہتے اللہ تعالیٰ اسی طرح ان کے دلوں پر مہر کر دیا کرتا ہے۔

فَاُصِیْرُ اَنْتَ وَغَدَا اللّٰهُ هٰذَا وَلَا يَسْتَحْفِظُكَ الَّذِیْنَ لَا يُؤْتُوْنَ (۶۰)

'استحفاظ' کے معنی کسی کو ہلکا پھلکا اور معمولی سمجھ کر باتوں میں اڑا دینا اور اس کو بے وزن بنا دینا ہے۔



اب یہ آخر میں نہایت قطعی الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا کہ تم اپنے موقف پر جمے رہو۔ اللہ نے دنیا اور آخرت میں تمہاری نصرت اور فلاح کا جو وعدہ کیا ہے وہ پورا ہو کے رہے گا تو یہ لوگ جو اللہ کے وعدوں پر یقین نہیں رکھتے میں تمہارا مذاق اڑا کر تمہیں بے وزن بنانے کا موقع نہ پائیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنی دعوت اور اپنے موقف پر جمے رہے تو یہ خود رسوا اور بے وزن ہوں گے۔ تمہارے قدم اکھاڑنے کی جو کوششیں یہ کر رہے ہیں یہ سب ناکام ہو جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان سطروں پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ **قَالَعَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔**

رحمان آباد { ہفتہ  
۲۲ جون ۱۹۷۴ء



تذکرہ قرآن

۳۱

لقمن







بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ۱۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

دونوں سابق سورتوں — العنکبوت اور الزمرہ — کی طرح اس سورہ کا قرآنی نام بھی 'السم' ہی ہے۔ یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ ان کے عمود و مضمون میں فی الجملہ اشتراک ہے۔ اس سورہ کی تمہید سورہ بقرہ کی تمہید سے ملتی جلتی ہوئی ہے اور بقرہ کا قرآنی نام بھی یہی ہے۔ بقرہ کی تمہید میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس قسم کے لوگ اس کتاب پر ایمان لائیں گے اور کس قسم کے لوگ اس سے اعراض کریں گے۔ اسی طرح اس سورہ کی تمہید میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ کس قسم کے لوگ اس برکت و رحمت سے فائدہ اٹھائیں گے اور کون لوگ اس سے محروم رہیں گے۔

سابق سورہ میں یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ یہ قرآن اس دینِ فطرت کی دعوت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور اس دعوے پر آفاق و انفس کے دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ اس سورہ میں آفاق و انفس کے دلائل کے ساتھ ساتھ عرب کے مشہور حکیم — لقمان — کے نصائح کا حوالہ دیا گیا ہے جس کا مقصود اہل عرب پر یہ واضح کرنا ہے کہ ان کے اندر جو صحیح فکر و دانش رکھنے والے لوگ گزرے ہیں انھوں نے بھی انہی باتوں کی تعلیم دی ہے جن باتوں کی تعلیم یہ پیغمبرؐ دے رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقل سلیم (COMMON SENSE) انہی باتوں کے حق میں ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں، نہ کہ ان باتوں کے حق میں جن کی دکالت قرآن کے مخالفین کر رہے ہیں۔ یہ اس بات کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی اصل فطرت یہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ سوچنے سمجھنے والے لوگ ان حقائق تک کس طرح پہنچتے؟

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ مغربی فلاسفہ جب اخلاقیات پر بحث کرتے ہیں تو اس کی بنیاد وہ عقلِ عام کے معروف اخلاقی مسئلے (COMMON SENSE ETHICS) ہی پر رکھتے ہیں۔ لیکن وہ یہ نہیں بتا سکے کہ یہ اخلاقی مسئلے کہاں سے پیدا ہو گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک حکیم فاطر اور فطرۃ اللہ کو تسلیم کرنے سے گریز کرنا چاہتے ہیں۔ اس حقیقت سے گریز کی سزا ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ دی کہ ان کا سارا فلسفہ اخلاق بالکل بے بنیاد اور بے معنی ہو کے رہ گیا ہے۔ ان کی تمام فلسفیانہ کاوشیں نہ تو نیکی اور بدی کے امتیاز کے لیے کوئی کسوٹی معین کر سکیں اور نہ وہ یہ بتا سکے کہ کیوں انسان کو نیکی کرنی چاہیے اور کیوں بدی سے بچنا چاہیے۔ سود مندی، لذت، خوشی اور فرض برائے فرض وغیرہ کی قسم کے جتنے نظریات بھی انھوں نے ایجاد کیے سب پاؤں ہوا ثابت ہوئے اور خود انہی نے ان کے بچنے



ادھیڑ کے رکھ دیے۔ قرآن نے نہ صرف اخلاقیات کی بلکہ پورے دین کی بنیاد فطرت پر رکھی ہے اور یہ فطرت چونکہ ایک حکیم فاطر کی بنائی ہوئی ہے اس وجہ سے کسی کے لیے اس سے انحراف جائز نہیں ہے۔ جو شخص اپنی فطرت سے انحراف اختیار کرے گا وہ اپنے آپ کو تباہ اور اپنے فاطر کو ناراض کرے گا۔ انسان کی رہنمائی کے لیے اس کی فطرت اپنے اندر عقالت و معارف کا خزانہ رکھتی ہے لیکن انسان اپنے ماحول سے متاثر ہو کر جگڑ بھی سکتا ہے اور اپنے اختیار سے غلط فائدہ اٹھا کر اپنی فطرت کی خلاف ورزی بھی کر سکتا ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور اپنی کتابوں کے ذریعے سے فطرت کے تمام مغمرات واضح کر دیے تاکہ کسی کے لیے کسی التباس و اشتباہ کی گنجائش باقی نہ رہ جاتے۔ بلکہ ہر شخص فطرت کی سیدھی راہ پر چل کر دنیا کی فوز و فلاح اور آخرت میں اپنے رب کی خوشنودی حاصل کر سکے۔

اس سورہ میں لقمان کی حکمت کے حوالے سے مقصود، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، قرآن کی تائید میں ایک ایسے حکیم کی شہادت پیش کرنا ہے جس نے زندگی کے حقائق پر غور کیا تھا اور جو قرآن کے مخالفین کے نزدیک بھی نہایت ہی بلند پایہ اور واجب الاحترام حکیم سمجھا جاتا رہا ہے۔ ساتھ ہی اس میں قرآن کی دعوت کی تائید میں آفاق و انفس کے دلائل ایک نئے اسلوب سے پیش کیے گئے ہیں۔

## ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱ — ۱۱) یہ کتاب ایک پُر حکمت کتاب ہے جو لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت بن کر نازل ہوئی ہے لیکن اس کا فیض انہی لوگوں کو پہنچے گا جو اپنی فطرت کی صلاحیتیں زندہ رکھنے اور ان سے کام لینے والے ہیں۔ وہ لوگ جو اس حکیمانہ کلام پر مخالفین کی مزخرف باتوں کو ترجیح دیتے اور اس سے متکبرانہ اعراض کر رہے ہیں تو وہ اپنے اس استکبار کی پاداش میں ذلت کے غدا ب سے دوچار ہوں گے، عزت و سرفرازی صرف اس پر ایمان لانے والوں ہی کو حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ شدنی ہے اس لیے کہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب خدا ہی کی مخلوق ہے، کسی اور کی اس میں کوئی حصہ داری نہیں ہے۔ جو لوگ مدعی ہیں کہ اس میں کسی اور کی بھی حصہ داری ہے وہ دکھائیں کہ ان کے مبعودوں نے کیا پیدا کیا ہے۔

(۱۲ — ۱۹) لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصیحت کی ہے اس کا حوالہ جس سے مقصود یہ دکھانا ہے کہ اہل عرب جس کی حکمت پر فخر کرتے اور جس کی روایات ان کے لٹریچر میں موجود ہیں، اس نے بھی اپنے بیٹے کو انہی باتوں کی نصیحت کی تھی جن کی دعوت یہ حکیمانہ کتاب دے رہی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ عقل سلیم اسی دعوت کے حق میں ہے۔ جو لوگ اس کی مخالفت کر رہے ہیں وہ درحقیقت عقل سلیم اور فطرت سلیم سے جنگ کر رہے ہیں۔ اس میں ان لوگوں کے لیے خاص طور پر تنبیہ ہے جو اس دور میں، جیسا کہ سورہ عنکبوت میں گزر چکا ہے، اپنے بیٹوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے ان پر ظلم کر رہے تھے۔ گو یا قرآن نے یہ دکھایا ہے کہ لقمان اپنے بیٹے کو جن باتوں پر کاربند ہونے کے لیے اس دل سوزی سے نصیحت کرتے تھے آج انہی باتوں سے روکنے کے لیے باپوں کی طرف سے



بیٹوں پر رحم ڈھائے جا رہے ہیں۔

(۲۰-۲۴) تمہید کے مضمون کی تائید کہ جتنی ظاہری دباہنی نعمتیں انسان کو ملی ہوئی ہیں وہ ہیں تو سب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اور اس حقیقت سے کسی کے لیے انکار کی گنجائش نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود بہت سے نادان لوگ اللہ کی توحید کے باب میں جھگڑ رہے ہیں حالانکہ نہ ان کے پاس کوئی دلیل ہے، نہ کسی حکیم یا کسی پیغمبر کی رہنمائی اور نہ کسی کتاب الہی کی روشنی اور جب ان کو اللہ کی کتاب کی پیروی کی دعوت دی جاتی ہے تو بڑے پندار کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقے کی پیروی کرتے رہیں گے اگرچہ ان کے باپ دادا شیطان کی پیروی کرتے رہے ہوں۔ خدا کے ساتھ تعلق کی مضبوطی صرف ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو خدا کی اتاری ہوئی کتاب کی پیروی کریں اس لیے کہ بالآخر تمام امور کا فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ آخر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ ایسے سر پھیرے لوگوں کا غم کھانے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ایک دن ان لوگوں کا انجام ان کے سامنے رکھ دے گا۔

(۲۵-۳۰) مخالفین کی تردید میں خود ان کے اعتراضات کا حوالہ کہ یہ لوگ خود اپنے مسلمات کے لوازم کو تسلیم کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ ان کو اعتراف ہے کہ تمام آسمان وزمین کا خالق اللہ ہی ہے تو جب وہی خالق ہے تو شکر اور عبادت کا حقدار اس کے سوا کوئی اور کس طرح ہو سکتا ہے؟ ہر چیز اسی کے قبضہ و تصرف میں ہے۔ وہ ہر ایک سے بے نیاز ہے۔ وہ کسی کے ہاتھ بٹانے کا محتاج نہیں اور وہ خود ستودہ صفات ہے اس وجہ سے اس کی نظر عنایت کو متوجہ کرنے کے لیے کسی کی سفارش کی حاجت نہیں۔ اس کی قدرت و حکمت کی اتنی نشانیاں اس کائنات میں موجود ہیں کہ اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر، مزید سات سمندروں کے اضافے کے ساتھ، روشنائی بن جائیں جب بھی اس کی تمام نشانیوں کو قلم بند کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے لیے تمام خلق کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرنا ویسا ہی ہے جیسا ایک جان کو پیدا کر دینا۔ رات اور دن سب اسی کے حکم سے گردش کرتے ہیں اور وہ ہر چیز سے پوری طرح باخبر ہے۔ اگر اس کائنات کے نظام میں کسی اور کا بھی دخل ہوتا تو یہ درہم برہم ہو کے رہ جاتا۔

(۳۱-۳۴) کشتی کی تشیل سے مخالفین کو تنبیہ کہ ذرا میں اتارنے والے اور ذرا میں بایوس ہو جانے والے نہ ہو بلکہ نعمت میں شکر کرنے والے اور معیبت میں صبر کرنے والے بنو۔ آج جو کچھ تمہیں حاصل ہے اس کا حق یہ ہے کہ اپنے رب کے شکر گزار بنو اور اس دن کو یاد رکھو جس دن نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام آ سکے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے۔ اس دن کا آنا ایک امر قطعی ہے۔ محض اس بنیاد پر اس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ آج تمہیں اس کے ظہور کا وقت نہیں معلوم ہے۔ زندگی کی کتنی حقیقتیں ہیں جن کے ظہور کا وقت کسی کو معلوم نہیں لیکن کوئی عامل ان کا انکار نہیں کرتا۔ حقیقی علیم و خبیر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔







مَكِّيَّةٌ \_\_\_\_\_ اِيَّانَهَا ٣٢

١ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ٢ هُدًى وَرَحْمَةً  
 لِلْمُحْسِنِينَ ٣ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ  
 وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ٤ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن  
 رَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٥ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُشْتَرِ  
 لَهَا الْوَحْدَانِ يَتَّبِعِ لِبُذُلٍ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ٦  
 وَذَٰلِكَ أَتَتْهُ أَيْتُنَا هَزُوءًا ٧ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ٨  
 وَلِى مُسْتَكْبِرًا كَانُ ثُمَّ يَنصَرِفُ أَعْيُنُهُمْ فِي آذَانِهِ وَقُرْءَانٍ فَبَشِيرَةٍ  
 بَعْدَ آيٍ أَلِيمٍ ٩ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ  
 جَنَّاتُ النَّعِيمِ ١٠ خَالِدِينَ فِيهَا وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ١١ وَهُوَ الْعَزِيزُ  
 الْحَكِيمُ ١٢ خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ١٣ وَالْفِى فِي  
 الْأَرْضِ رَوَاسٍ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ ١٤ وَأَنزَلْنَا  
 مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَبْثَغْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ١٥ هَٰذَا خَلْقُ اللَّهِ  
 فَأَرُونِى مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ ١٦ بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ١٧



یہ اکتہم ہے۔ یہ پُر حکمت کتاب کی آیات ہیں۔ ہدایت و رحمت بن کر نازل ہوئی ہیں خوب کاروں کے لیے۔ ان کے لیے جو نماز کا اہتمام کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یہی لوگ یقین رکھتے ہیں۔ یہی اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہوں گے۔ ۱-۵

اور لوگوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو فضولیات کو ترجیح دیتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے گمراہ نہ رہیں بغیر کسی علم کے۔ اور ان آیات کا مذاق اڑائیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ اور جب ان کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو اس طرح متکبرانہ اعراض کرتے ہیں گویا ان کو سنا ہی نہیں، گویا ان کے کانوں میں بہا رہا ہے تو ان کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو! الیتہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے نعمت کے باغ ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا وعدہ پورا ہو کے رہے گا۔ اور وہ غالب و حکیم ہے۔ ۶-۹

اس نے بنایا آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں کے جو تمہیں نظر آئیں اور زمین میں پہاڑ گاڑ دیے کہ وہ تمہارے سمیت لڑھک نہ جائے اور اس میں ہر قسم کے جاندار پھیلے۔ اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا پس اس میں نوع بنوع فیض بخش چسپاں پیدا کیں۔ ۱۰-

یہ ساری چیزیں تو اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ تو اب مجھے دکھاؤ کہ انھوں نے کیا چیزیں پیدا کی ہیں جو اس کے سوا ہیں! بلکہ یہ ظالم لوگ ایک صریح گمراہی میں مبتلا ہیں!! ۱۱-



## الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

آلَم (۱)

حروف مقطعات پر ایک جامع بحث سورہ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ۝ هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ (۲-۳)

تِلْكَ کا اشارہ آلم کی طرف ہے۔ اس سورہ کا قرآنی نام یہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سورہ ایک پُر حکمت کتاب کی آیات پر مشتمل ہے لیکن حکمت کے جواہر ریزوں کا قدردان ہر شخص نہیں ہوتا۔ ان کی قدر کرنے والے وہی لوگ ہوں گے جو محسن ہوں گے۔ 'مُحْسِن' سے مراد وہ خوب کار لوگ ہیں جنہوں نے اپنے سوچنے سمجھنے کی قوتوں سے صحیح کام لیا، اپنی فطرت کی صلاحیتوں کو زندہ رکھا اور اپنی بصیرت کے حد تک جو قدم بھی اٹھایا صحیح سمت میں اٹھایا۔ فرمایا کہ ایسے لوگوں کے لیے یہ آیات ہدایت اور رحمت ہیں۔ وہ دنیا میں ان سے ہدایت حاصل کریں گے اور آخرت میں ان کے لیے یہ باعثِ فضل و رحمت ہوں گی۔ لفظ 'مُحْسِن' پر ہم سمجھے بھی اس کتاب میں بحث کر چکے ہیں اور آگے آیت ۲۲ میں بھی یہ آرہا ہے۔ وہاں ان شاء اللہ اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی۔ اس تمہید ہی سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جو لوگ اس کتاب کی ناقدری کر رہے ہیں ان کی یہ ناقدری اس کتاب کے بے قیمت ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ ان ناقدروں کی فطرت کے منہج ہونے کی دلیل ہے۔ اس وجہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے رویے سے بد دل نہیں ہونا چاہیے۔

الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ (۴)

یہ 'مُحْسِنِينَ' کی صفات بیان ہوئی ہیں اور ان کے پرے میں وہ لوگ لگا ہوں گے سامنے کر دیے 'محسنین' کی گئے ہیں جو اس وقت اس لفظ کے صحیح مصداق تھے۔ فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کا اہتمام کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھنے والے ہیں۔

'وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ' میں ان اہل ایمان کی غایت درجہ تحسین ہے۔ یعنی درحقیقت یہی لوگ ہیں جو آخرت پر یقین رکھنے والے ہیں۔ اسی یقین کا یہ ثمرہ ہے کہ ان کو نماز اور زکوٰۃ کے اہتمام کی توفیق حاصل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ نماز اور زکوٰۃ سے غافل ہیں وہ درحقیقت آخرت کے یقین سے محروم ہیں اور اگر وہ اس کے مدعی ہیں تو وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں۔

أُوْلَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۵)

فرمایا کہ یہی لوگ اس دنیا میں اپنے رب کی صراطِ مستقیم پر ہیں اور یہی لوگ آخرت میں فلاح پانے والے نہیں گے۔ باقی سارے لوگ گمراہی پر ہیں اور وہ آخرت میں جہنم میں جھونک دیے جائیں گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا تَتَّخِذَهَا



هُنَادًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ (۶)

لَقَوْلِ الْحَدِيثِ: 'اِشْتَرَاؤُ' کے معنی، جیسا کہ اس کے محل میں ہم وضاحت کر چکے ہیں، ترجیح دینے کے بھی آتے ہیں۔ لَقَوْلِ الْحَدِيثِ: اسی طرح کی ترکیب ہے جس طرح دوسرے مقام میں ذخوف القولہ کی ترکیب استعمال ہوئی ہے۔

یہاں یہ لفظ کتاب حکیم کی آیات کے مقابل میں استعمال ہوا ہے۔ اس وجہ سے اس سے مراد وہ گمراہ کن باتیں ہیں جو وقت کے مفسدین لوگوں کو آیات الہی سے برگشتہ کرنے کے لیے پھیلاتے تھے۔ قرآن لوگوں کو زندگی کے اصل حقائق کے سامنے کھڑا کرنا چاہتا تھا لیکن مخالفین کی کوشش یہ تھی کہ لوگ انہی منخرقات میں پھنسے رہیں جن میں پھنسے ہوئے ہیں۔ یہاں اسی صورت حال کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اسلوب بیان اظہار تعجب کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تو لوگوں کی ہدایت کے لیے ایک پر حکمت کتاب اتاری ہے لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ ان میں بہتیرے اس کے مقابل میں انہی فضول باتوں کو ترجیح دیتے ہیں جو ان کی خواہشوں اور بدعتوں کے لیے سند تصدیق فراہم کرتی ہیں۔

رَبِّضِلْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ يَغْيِرْ عَلَيْهِمْ وَيَتَّخِذَ هَٰهُنَا 'عِلْمٌ' سے مراد دلیل و برہان ہے۔ آگے آیت ۳ میں بھی یہ لفظ آ رہا ہے۔ وہاں اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ مفسدین کی یہ تمام سعی نامراد اس لیے ہے کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں حالانکہ اللہ کی راہ چھوڑ کر جس راہ پر دو چل رہے ہیں اور جس پر لوگوں کو بھی چلانا چاہتے ہیں اس کے حق میں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے لیکن اس کے باوجود جسارت کا یہ علم ہے کہ اللہ کی آیات کا مذاق اڑاتے اور اپنی بے سرو پا باتوں کی تائید میں آسمان و زمین کے قلابے ملا تے ہیں۔

'أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ' اور پہلے ایمان کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہی لوگ ہدایت پر ہیں اور وہی لوگ فلاح پانے والے بنیں گے؛ اس کے مقابل میں یہ ان لوگوں کا انجام بیان فرمایا جو قرآن کی آیات حکمت کے مقابل میں اپنی خرافات بدعت و ضالیت کو پھیلانے میں سرگرم تھے۔ فرمایا کہ ان کے لیے ایک نہایت سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔ ذلیل کرنے والا عذاب؟ اس وجہ سے ہوگا کہ حق کے مقابل میں اپنی بات کی پچ اسٹکار ہے اور استکبار کی سزا اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلت و رسوائی ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ عذاب اور عذاب میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ یوں تو ہر عذاب عذاب ہے، اللہ تعالیٰ اس سے امان میں رکھے، لیکن سب سے زیادہ سخت وہ عذاب ہے جو رسوا کر دینے والا ہو۔

وَإِذَا نَسَخَ إِلَيْهِ آيَاتٌ مِّن مَّا كَانَتْ فِي أَدْنَاهُ قَرَأَهُ فَبَشِّرْهُ  
بِعَذَابٍ أَكْبَرَ (۷)

استکبار یہ ان لوگوں کے اس استکبار کی تصویر ہے جس کے سبب سے یہ ذلت کے عذاب کے مستحق ہوں گے۔ فرمایا کہ ان کا حال یہ ہے کہ جب ان کو ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو یہ نہایت غرور کے ساتھ اس طرح پیٹھ پھیر



کر چل دیتے ہیں گویا انھوں نے ان کو سر سے سر نہا ہی نہیں، گویا ان کے دونوں کان بہرے ہیں۔ یعنی یہ ہماری آیات کو ایک قلم ناقابل اتفات سمجھتے ہیں۔ فرمایا کہ اگر ان کا پندار اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ ہماری باتیں ان کے لیے لائق توجہ ہی نہیں رہ گئی ہیں تو پھر ہماری طرف سے ان کو ایک دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر معاملہ محرومیت کا ہو تو اس کی اصلاح تذکیر و تنبیہ سے ہو سکتی ہے لیکن جب تذکیر و تنبیہ کے جواب میں رعونت و استکبار کا مظاہرہ ہونے لگے تو یہ مرض لاعلاج ہے۔ اس طرح کے لوگ دوزخ ہی کا ایندھن بننے والے ہیں۔

اِنَّ الْمَذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنَّتُ النَّعِيْمِ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۖ وَوَعَدَ اللّٰهُ حَقًّا ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۹۰-۸۹)

یہ ان کے مقابل میں ان لوگوں کا صلیب بیان ہوا ہے جو اللہ کی آیات پر ایمان لانے والے اور ان قرآن کا مذاق کے مطابق اپنی زندگیوں کو بنانے اور سنوارنے والے ہیں۔ فرمایا کہ ان کے لیے نعمت کے باغ ہوں گے اڑانے والوں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وَوَعَدَ اللّٰهُ حَقًّا یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا حتمی وعدہ ہے جو پورا ہو کے رہے گا۔ کو جواب اس جملے میں تاکید و تاکید کا جو مضمون مضمر ہے اس کی وضاحت اس کے محل میں ہو چکی ہے۔ اس تاکید کی ضرورت اس وجہ سے تھی کہ اوپر آیت ۶ میں ذکر ہو چکا ہے کہ مستکبرین اللہ کی آیات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے استہزاء کا خاص ہدف وہ آیتیں تھیں جن میں اس دور کے بے بس اور غریب مسلمانوں کو ایک ابدی بادشاہی کی خوش خبری سنائی جاتی تھی۔ معاملے کا یہ پہلو مقصود ہوا کہ یہ بات یہاں پورے زور اور تاکید سے کہی جائے کہ مذاق اڑانے والے اگر اس کا مذاق اڑاتے ہیں تو اڑائیں لیکن اہل ایمان اطمینان رکھیں کہ اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو کے رہے گا۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ یہ اسی وعدے کے حتمی ہونے پر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات سے دلیل وعدہ قیامت پیش کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر مستکبروں اور ظالموں کو سزا اور ایمان و عمل صالح والوں کی قیامت کو جزا نہ دے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ نہ وہ عزیز ہے نہ حکیم ہے بلکہ العباد باللہ وہ ایک بالکل عاجز و پرمغنا الہی بے بس ہستی ہے جس نے بالکل بے غایت دیے حکمت یہ دنیا بنا ڈالی۔ حالانکہ یہ بات بالبداهت سے استدلال غلط ہے۔ خدا نہ صرف عزیز و حکیم ہے بلکہ حقیقی عزیز و حکیم وہی ہے۔ اس طرز استدلال کی وضاحت اس کتاب میں جگہ جگہ ہو چکی ہے۔ یہاں اشارے پر اکتفا فرمائیے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَّرَوْنَہَا ۚ وَاَنْفِیْ فِی الْاَرْضِ دَفَارِیْۤیۡ اَنْ تَبۡیَدَ بِکُمْ وَبَثَّ

فِیْہَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنْ اَسۡمَآءٍ مَّآءً فَاَبۡتَثَّ فِیْہَا مِنْ كُلِّ رَءِیۡحٍ ۚ وَرَءِیۡمُ (۱۰۰)

یہ اس کائنات کے ان دلائل و شواہد کی طرف توجہ دلائی ہے جن پر ایک نظر ڈال کر ایک متوسط درجہ کی عقل کا آدمی بھی، یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ اس کائنات کا خالق عزیز یعنی ہر چیز پر غالب و مقتدر



بھی ہے اور اس کے ہر کام میں اس کی قدرت کے ساتھ اس کی بے پایاں حکمت بھی نمایاں ہے۔ فرمایا کہ یہ اسی کی قدرت و حکمت ہے کہ اس نے آسمانوں کی یہ عظیم چھت ایسے ستونوں کے بغیر ہی کھڑی کر دی جو تمہیں نظر آئیں اور ساتھ ہی زمین میں پہاڑ لنگر انداز کر دیے کہ یہ کہیں تمہارے ساتھ لڑھک نہ جائے۔ پھر اس چھت کے نیچے اور اس زمین کے اوپر بے شمار قسم کے جاندار پھیلا دیے اور ان کی پرورش کے لیے آسمان سے پانی برسایا اور اس پانی سے ہر قسم کی فیض بخش چیزیں اگائیں۔

‘يَعْبُدُكُمْ تَرْوُدْنَهَا’ میں ‘تَرْوُدْنَهَا’ کی صفت ہے۔ یعنی یہ عظیم چھت اس کے عظیم خالق نے کھڑی تو کی ہے ستونوں پر لیکن یہ اس کی قدرت، حکمت اور کارگیری کا اعجاز ہے کہ یہ ستون کسی کو نظر نہیں آتے۔ اس نے اس کائنات کے اجزائے مختلفہ کو جذب و کشش کے ایسے قوانین کے ساتھ باندھ رکھا ہے جو صرف اسی کو نظر آتے ہیں۔

‘ذُجَّجَ كَبْرِئِيمُ’ میں لفظ ‘كَبْرِئِيمُ’ کا صحیح لغوی مفہوم فیض بخش ہے۔ یہ خدا کی قدرت کے ساتھ ساتھ اس کی رحمت و ربوبیت کی طرف اشارہ ہے کہ اس نے یہ عظیم عمل اور یہ قہر بے ستون تعمیر کر کے اس کے مکیں کی پرورش کے لیے اپنی گونا گوں نعمتوں کے انبار بھی لگا دیے۔

هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۚ بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (۱۱)

مطلب یہ ہے کہ یہ ساری چیزیں تو اللہ کی بنائی ہوئی ہیں اور تم کو بھی یہ اعتراف ہے کہ یہ اللہ کی بنائی ہوئی ہیں تو اب بتاؤ کہ تم اس کے سوا دوسری چیزوں کو جو پوجتے ہو تو انہوں نے کیا پیدا کیا ہے اور ان کا کیا کرنامہ ہے کہ تم نے خدا کی خدائی اور اس کے حقوق میں ان کو بھی شریک بنا دیا ہے! خدا کے شریک ٹھہرنے والوں سے ایک سوال

‘بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ’ یہ ان سے منہ پھیر کر ان کے حال پر اظہارِ افسوس فرمایا ہے کہ ان ظالموں کے پاس اس حرکت کے جواز کی کوئی دلیل تو ہے نہیں جسے وہ پیش کر سکیں بلکہ ایک کھلی ہوئی گمراہی ہے جس میں وہ پڑے ہوئے ہیں۔

## ۲۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۱۲-۱۹

آگے لقمان کی حکمت اور ان کی ان حکیمانہ نصیحتوں کا حوالہ ہے جو انہوں نے اپنے سعادتمند فرزند کو فرمائی ہیں اور ان کے حوالہ سے مقصود، جیسا کہ ہم نے پیچھے اشارہ کیا، اہل عرب کے سامنے خود ان کے حکماء اور ان کی حکمت کو پیش کر کے یہ دکھانا ہے کہ تمہارے اندر جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی حکمت و معرفت میں سے کچھ حقہ ملا انہوں نے بھی اپنے متعلقین کو انہی باتوں کی تعلیم دی جن کی تعلیم تم کو یہ پر حکمت کتاب دے رہی ہے لیکن یہ تمہاری بدبختی و محرومی ہے کہ تم اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید پر تو بہت نازاں ہو تمہوں نے بے سوچے سمجھے شیطان کی پیروی کی لیکن اپنے ان اسلاف کی حکمت سے تم نے کوئی فائدہ



نہیں اٹھایا جنہوں نے زندگی کے حقائق پر سنجیدگی سے غور کیا اور اپنے قول و عمل سے اپنے بعد والوں کے لیے نہایت پاکیزہ روایات چھوڑیں۔ اس بے خردی کا نتیجہ تمہارے سامنے یہ آیا کہ جن باتوں کی لقمان اپنے فرزند کو نہایت درد مندی کے ساتھ تعلیم دیتے تھے انہی باتوں سے آج ہم اپنی اولاد کو روکنے کے لیے نہایت ظالمانہ سزائیں دیتے ہو۔

یہ لقمان کون تھے؟ بعض لوگوں نے ان کو عبثی النسل قرار دیا ہے لیکن یہ بات ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ محمد بن اسحاق نے ان کا نسب سیدنا ابراہیم سے ملایا ہے۔ لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ شعرائے جاہلیت میں سے طرفہ بن عبد اور سلمیٰ بن ربیعہ نے اپنے شعروں میں ان کا اور ان کے قبیلہ کا ذکر کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یمن میں ان کو اور ان کی قوم کو بڑی شان و شوکت حاصل تھی اور یہ قوم عاد کے بقایا میں سے تھے۔

بعض لوگوں نے ان کو نبی قرار دیا ہے لیکن مذہب جمہور یہ ہے کہ یہ نبی نہیں بلکہ ایک حکیم تھے۔ عرب کے لٹریچر سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے اور قرآن نے بھی ان کا ذکر ایک حکیم ہی کی حیثیت سے کیا ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ بعض شعرا نے اپنے شعروں میں ان کی اس نصیحت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جس کا حوالہ قرآن نے دیا ہے لیکن دم تحریر میرے پاس حوالہ کی کتابیں نہیں ہیں اس وجہ سے میں اس باب میں کوئی بات و ثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔

بعض مورخین نے ان کو بادشاہ مانا ہے۔ بادشاہ نہ سہی لیکن ان کو سرداری کا منصب ضرور حاصل تھا۔ شعرائے جاہلیت نے جس انداز سے ان کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یمن میں اپنے قبیلہ پر ایک پدر سرانہ قسم کی سرداری حاصل تھی۔ انھوں نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں فرمائی ہیں، ان سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ نصیحتیں اس کو سرداری کی ذمہ داریاں سونپتے وقت کی ہیں۔ آگے اس کی وضاحت آئے گی۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنْ اشْكُرْ لِلَّهِ ۚ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ⑫  
لُقْمَانَ لَا بُدَّ لَهُ وَهُوَ يَعْظُمُ يُبْنَى لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ⑬ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصْلُہٗ فِي عَمَیْنٍ ۚ إِنَّ اشْكُرْ لِي

وقف النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم

آیات  
۱۲-۱۹



وَلَوْلَا دَيْكَ إِلَى الْمَصِيرِ ۝۱۴ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي  
 مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا  
 مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ  
 بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝۱۵ يُبَيِّنُ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ  
 فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ  
 إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ۝۱۶ يُبَيِّنُ أَقِيمِ الصَّلَاةَ وَامْرُءٌ بِالْمَعْرُوفِ  
 وَأَنَّهُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ  
 الْأُمُورِ ۝۱۷ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا  
 إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝۱۸ وَأَقْصِدْ فِي مَشْيِكَ  
 وَاعْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۝۱۹ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝۲۰

ع ۱۱

ترجیبات

۱۲-۱۳

اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ اللہ کے شکر گزار رہو اور جو شکر گزار رہے گا  
 تو اپنے ہی لیے رہے گا۔ اور جو ناشکری کرے گا تو اللہ بے نیاز و ستودہ صفات ہے۔ ۱۲۔  
 اور یاد کرو جب کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے اس کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ  
 اے میرے بیٹے! اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیو۔ بے شک شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے۔ ۱۳۔  
 اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے معاملے میں ہدایت کی۔ اس کی ماں نے دُکھ پر  
 دُکھ بھیل کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو سال میں اس کا دودھ چھڑانا ہوا۔ کہ میرے شکر گزار  
 رہو اور اپنے والدین کے۔ میری ہی طرف بالآخر لوٹنا ہے۔ اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو  
 کسی چیز کو میرا شریک ٹھہرا جس کے باب میں میرے پاس کوئی دلیل نہیں تو ان کی بات نہ



مانیو اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک سلوک رکھیو۔ اور پیروی ان کے طریقہ کی کبھی جو میری طرف متوجہ ہیں۔ پھر میری ہی طرف تمہارا ٹوٹنا ہے اور میں جو کچھ تم کرتے رہے ہو اس سے تم کو آگاہ کروں گا۔ ۱۲-۱۵

اے میرے بیٹے! کوئی عمل اگر رات کے دانے کے برابر بھی ہو گا تو خواہ وہ کسی گھاٹی میں ہو یا آسمانوں یا زمین میں ہو اللہ اس کو حاضر کر دے گا۔ بے شک اللہ نہایت ہی باریک بین اور باخبر ہے۔ ۱۶

اے میرے بیٹے! نماز کا اہتمام رکھو، نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور جو مصیبت تمہیں پہنچے اس پر صبر کرو۔ بے شک یہ باتیں عزیمت کے کاموں میں سے ہیں۔ ۱۷  
اور لوگوں سے بے رنجی نہ کرو اور زمین میں اکڑ کر نہ چل، اللہ کسی اکڑنے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو پست رکھو۔ بے شک سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھے کی آواز ہے۔ ۱۸-۱۹

### ۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ إِذْ اشْكُرْ لِلَّهِ ۖ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ (۱۲)

حکمت کا اولین ثمر اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ہے۔ اللہ اپنے جس بندے کو اس دولت سے بہرہ مند کرتا ہے اس کا اولین اثر جو اس پر مترتب ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ اپنے رب کا شکر گزار بندہ بن جاتا ہے اور یہی شکر تمام حقوق اللہ اور تمام حقوق العباد کی معرفت کی بنیاد ہے۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر میں ہم اس پر مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔ حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور ذوالقرنین کے واقعات کے سلسلہ میں بھی اس حقیقت کی طرف مفید اشارات گزر چکے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے صاحبِ حکمت اور حکیم ہونے کی اولین شناخت یہ ہے کہ اس کے اندر اپنے رب کی شکر گزاری ہو۔ اگر یہ چیز نہ ہو تو وہ بالکل کھوکھلا ہے اگرچہ وہ علم و فلسفہ کا کتنا ہی بڑا ماہر اور امام کیوں نہ سمجھا جاتا ہو۔



ایک شبہ کا

انزالہ

وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝ یہ برسرِ موقع ایک دفع  
 دخل مقدر ہے مطلب یہ ہے کہ کوئی یہ نہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے اپنی شکر گزاری کا جو  
 مطالبہ کیا ہے یا اس کو جو اس نے پسند فرمایا ہے تو اس میں اس کا کوئی نفع ہے بلکہ اس کو اس نے  
 بندوں ہی کے نفع کے لیے پسند فرمایا ہے۔ جو شخص خدا کا شکر گزار رہتا ہے وہ دنیا اور آخرت دونوں  
 میں اپنے لیے اللہ کی نعمتوں کو بڑھاتا ہے۔ رہا اللہ کا معاملہ تو وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ نہ کسی کی  
 شکر گزاری سے اس کو کوئی نفع پہنچتا اور نہ کسی کی ناشکری سے کوئی نقصان۔ ساتھ ہی وہ حمید بھی ہے یعنی  
 تمام اعلیٰ صفات سے متصف اور یہ تمام صفات اس کی ذاتی ہیں۔ نہ ان میں کوئی اضافہ کر سکتا، نہ کمی۔ اس  
 کی اس صفت ہی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ خواہ کوئی اس کے احسانات کی قدر کرے یا ناقدری لیکن اس دنیا  
 میں اپنے رزق و فضل سے وہ کسی کو بھی محروم نہیں کرتا۔ آگے آیت ۲۶ میں بھی انہی صفات کا حوالہ آ رہا  
 ہے وہاں مزید وضاحت ہو جائے گی۔

وَاذْكُرْ آلَ لُقْمَانَ ۖ إِنَّهُ دَهْوٌ يَعِظُ ۖ يَبْنِي لَكَ شَرِيكَ بِاللَّهِ طَرَاتِ الشِّرْكَ لَظْلُمٌ عَظِيمٌ ۝ (۱۳)  
 جس طرح حکمت کا اولین ثمر اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ہے اسی طرح شکر کی اصل روح شرک سے  
 اجتناب ہے۔ بندے کو تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی سے ملتی ہیں اس وجہ سے جس طرح اس پر اللہ تعالیٰ کا  
 شکر واجب ہے اسی طرح یہ بھی واجب ہے کہ وہ اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں کو دوسروں کی طرف نہ منسوب  
 کرے۔ دوسروں سے اگر بندے کو کوئی نفع پہنچتا ہے تو وہ اللہ ہی کے حکم سے پہنچتا ہے اس وجہ سے  
 شکر کا اصل سزا دار اللہ ہی ہے۔ دوسروں کا حق اللہ تعالیٰ کے حق کے تحت ہے۔ اللہ کا حق سب سے  
 بڑا ہے اگر کوئی شخص خدا کے حق میں دوسروں کو شریک کرتا ہے تو وہ سب سے بڑے حق کو تلف کرنے والا  
 بنتا ہے جو ایک ظلم عظیم ہے۔

موقع اور بات

دونوں کی بہت

کی طرف اشارہ

یہاں یہ امر بھی توجہ کے لائق ہے کہ لقمان نے یہ باتیں اس وقت کہی ہیں جب وہ بیٹے کو نصیحت  
 کر رہے تھے۔ اس سے موقع اور بات دونوں کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی سرسری بات نہیں  
 ہے جو راہ چلتے کہہ دی گئی ہو بلکہ لقمان نے خاص اپنے بیٹے کو، ایک اہم موقع پر، خاص اہتمام کے ساتھ،  
 بطور ایک موعظت کے بتائیں اور ان پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کی تاکید کی۔ اس سے مقصود قرآن کے  
 مخاطبوں کو توجہ دلانا ہے کہ ایک دانش منداں باپ اپنے بیٹے کو کیا تعلیم دیتا تھا اور آج اس کے احق ہماریا  
 اپنی اولاد کے ساتھ کیا معاملہ کر رہے ہیں!

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِضْلُهُ فِي نِعْمَةٍ  
 إِنَّ الشُّكْرَ لِي وَوَالِدَيْكَ طَرَاتِ جَاهِدَكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِأَعْلَمُ  
 فَلَا تُطِعْهُمَا وَمَا جِئْتَهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۖ فَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ۖ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ



فَاٰتِيْكُم بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۱۵-۱۴)

یہ دو آیتیں لقمان کی موعظت کے بیچ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور تفسیم ہیں۔ لقمان نے بیٹے کو خدا کی شکرگزاری کا حق ادا کرنے کی تاکید فرمائی لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حق کے پہلو بہ پہلو اپنے حق کا ذکر انھوں نے ادب کے خلاف تصور فرمایا اس وجہ سے اس کو نظر انداز کر کے قیامت کے ذکر کی طرف بڑھ گئے۔ یہ بات انھوں نے ادب کی اور ان کی تواضع کے شایان شان بات یہی تھی لیکن خدا کے حق کے بعد فطرت کی تربیت میں سب سے بڑا حق والدین کا ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لقمان کے اس چھوڑے ہوئے غلا کو اپنی طرف سے بھر دیا۔ فرمایا کہ ہم نے انسان کو اس کے والدین کے باب میں ہدایت کی۔ اس ہدایت کا ذکر عنکبوت آیت ۸ میں بھی گزر چکا ہے اور سورہ بنی اسرائیل میں بھی۔ وہاں ہم نے واضح کیا ہے کہ خدا کے حق کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم تمام انبیائے کرام اور تمام آسمانی صحیفوں نے بالاتفاق دی ہے۔ یہاں اس ہدایت کی تفصیل آگے والے ٹکڑے سے ہو گئی ہے کہ اَبْ اَشْكُرِيْ رَبِّيْ اَلَيْدِيْكَ (کہ میرا شکر گزار رہ اور اپنے ماں باپ کا) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی شکرگزاری کے ساتھ انسان کو اس کے والدین کی شکرگزاری کی ہدایت فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے اوپر خدا کے بعد سب سے بڑا حق اس کے والدین کا ہے اس لیے کہ وہی اس کے وجود میں آنے اور پرورش پانے کا ذریعہ بنتے ہیں، والدین سے بڑا کسی کا حق بھی نہیں ہے لیکن یہ حق شکرگزاری اور خدمت کا ہے نہ کہ عبادت کا۔ شکر کا مفہوم اس کے محل میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ اس کی اصل حقیقت ایفا ہے حق ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہو تو مرد زبان سے شکر ایک بالکل بے حقیقت چیز ہے۔

وَ اَنْ جَاهَدَكَ عَلَى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ بِكَ بِهِ عِلْمٌ لَا تَطْعُمَا دَصَابِئُهُمَا  
فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا۔ یعنی اگر والدین اس بات کے لیے اولاد پر دباؤ ڈالیں کہ وہ کسی چیز کو رے لیں  
خدا کا شریک بنائے تو یہ حق ان کو حاصل نہیں ہے، اولاد کا فرض ہے کہ اس معاملے میں ان کی اطاعت  
سے صاف انکار کر دے۔ شرک کے بے دلیل ہونے پر اس کتاب میں ہم جگہ جگہ بحث کر چکے ہیں۔ یہ  
اس کی مستقل صفت ہے اس لیے کہ اب تک شرک کی تائید میں اس کے حامی کوئی دلیل پیش نہیں کر سکے،  
جب کہ خدا کا حال یہ ہے کہ ہر شرک اس کو لازماً تسلیم کرتا ہے۔ وَ صَابِئُهُمَا فِي الدُّنْيَا یعنی اگر والدین  
شرک اختیار کرنے کے لیے زور لگائیں تو اس معاملے میں تو ان کی اطاعت نہ کی جائے لیکن جہاں تک دنیا  
کا معاملہ ہے اس کے اندر ان کے ساتھ حسن سلوک دستور کے مطابق باقی رکھا جائے۔ ان کی ضروریات  
حتی الامکان پوری کرنے کی کوشش کی جائے۔ ان کی ہدایت کے لیے برابر دعا بھی کی جائے۔ حضرت  
ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت تک اپنے باپ کے لیے دُعا جاری رکھی جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے  
آپ کو اس سے روک نہیں دیا گیا۔ کافر والدین سے بیٹے کے لیے کلی انقطاع صرف اس شکل میں صحیح ہے جب



مسلم معاشرہ جماعتی حیثیت سے ان سے لوہان کی قوم سے برادرت کا اعلان کر دے۔ اس کی وضاحت سورہ برادرت میں ہو چکی ہے۔

ماں کا حق باپ کے حق سے زیادہ ہے کسی قربانی کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ فرمایا ہے 'حَمَلْتُهُ أُمًّا وَهَنَّا عَلَى وَهْنٍ وَفَصَلَّاهُ فِي عَامَيْنِ' (اس کی ماں نے اس کو اٹھایا دکھ کے بعد دکھ جھیل کر اور پھر اس کا دودھ چھڑانا ہوا دو سالوں کے اندر)۔ یہاں حمل، ولادت اور رضاعت تینوں مراحل کی طرف اشارہ ہے اگرچہ ولادت کا ذکر غایت وضاحت کے سبب سے محذوف ہے، اور ان تینوں ہی کا تعلق ماں سے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماں کا حق باپ کے مقابل میں زیادہ ہے۔ اسی پر وہ حدیث مبنی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کا حق باپ کے مقابل میں تین درجہ زیادہ قرار دیا ہے۔

'إِلَى الْمَصِيبِ' میں تنبیہ ہے کہ یہ بات ہر شخص کو یاد رکھنی چاہیے کہ بالآخر سب کو میری ہی طرف پلٹنا ہے۔ اگر کسی نے میری شکرگزاری اور والدین کے حق میں کوتاہی کی تو وہ میری باز پرس سے نہیں چھوٹ سکتا۔

'وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَىٰ مَوْجِعِكُمْ فَإِنِّي سَأَكْتُبُ لَكُمْ تَعْمَلُونَ' شرک کے معاملے میں والدین کی اطاعت نہ کرنے کی ہدایت کے ساتھ یہ اولاد کو تاکید فرمادیا ہے کہ اسے بہر حال انہی لوگوں کے طریقے کی پیروی کرنی ہے جو خدا کی طرف متوجہ ہیں، ان لوگوں کی راہ نہیں اختیار کرنی چاہیے جو خدا سے منحرف ہیں اگرچہ وہ اس کے والدین ہی کیوں نہ ہوں۔ سورہ عنکبوت میں والدین کا قول نقل ہو چکا ہے کہ وہ اپنی اولاد اور اپنے زیر دستوں سے کہتے ہیں کہ 'اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَنَحْبِلْكُمْ خَطِيئَتَكُمْ' (تم ہمارے طریقے کی پیروی کرتے رہو، ہم تمہاری غلطیوں کا بوجھ اٹھانے کے ذمہ دار ہیں) یہاں اسی قول پر تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ جو بھی خدا کے خلاف کسی راستہ کی پیروی کی دعوت دے اس کی پیروی جائز نہیں ہے۔ پیروی صرف ان لوگوں کی کرنی ہے جو خدا کی راہ پر ہیں۔

'ثُمَّ إِلَىٰ مَوْجِعِكُمْ فَإِنِّي سَأَكْتُبُ لَكُمْ تَعْمَلُونَ' یہ خطاب والدین اور اولاد دونوں سے کیا ہے اور اس میں تنبیہ بھی ہے اور اطمینان دہانی بھی۔ مطلب یہ ہے کہ ایک دن سب کی واپسی میری ہی طرف ہونی ہے اور اس دن جو کچھ جس نے کیا ہو گا میں اس کے سامنے رکھ دوں گا۔ اگر کسی نے بچہ والدین نے میرے بنائے ہوئے حق سے غلط فائدہ اٹھا کر اولاد کو مجھ سے منحرف کرنے کی کوشش کی تو وہ اس کی سزا بھگتیں گے اور اگر اولاد نے والدین کے حق کے ساتھ ساتھ میرے حق کو بھی کما حقہ پہچانا اور اس حق پر قائم رہنے میں استقامت دکھائی تو وہ اپنی اس عزیمت کا بھرپور صلہ پائے گی۔



يَسْبِيْنُ اِنَّهَا اِنْ تَلَّكَ مُثْقَلًا حَبِيْةً مِّنْ خُرْدٍ لَّا تَكُوْنُ فِىْ صَخْرَةٍ اَوْ فِى السَّمَاءِ اَوْ فِى الْاَرْضِ  
يَاۤتِ بِهَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ (۱۷)

تفسیر کی آیات کے بعد لقمان کی مرعفت، پھر شروع ہو گئی۔ اوپر لقمان نے بیٹے کو شرک سے اجتناب لقمان کی مرعفت اور توحید کی تعلیم دی ہے اور یہ بات اپنے محل میں واضح ہو چکی ہے کہ اسی عقیدے پر تمام عقائد کی بنیاد ہے۔ قیامت کے توحید کے بعد دوسرا بنیادی عقیدہ آخرت کا عقیدہ ہے۔ اس آیت میں آخرت سے متعلق ان کی مرعفت کا باب میں حوالہ ہے۔ فرمایا کہ لے بیٹے! اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی نیک یا بد عمل کسی کا ہوگا تو خواہ وہ کسی پہاڑی یا گھاٹی کے اندر ہو یا لامتناہی یا ناپیدا کنارفضاؤں اور آسمانوں میں ہو یا زمین کی تہوں میں ہو، جہاں کیسے بھی ہوگا، خدا قیامت کے دن اس کو عاقبہ کر دے گا، اس لیے کہ اللہ نہایت باریک بین اور نہایت باخبر ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ کے احاطہ علم سے نا آشنا ہی ہے جس کے سبب سے قوموں کو توحید کے مسئلے میں منالطہ پیش آیا اور وہ شرک میں مبتلا ہوئیں اور یہی چیز آخرت کے باب میں بھی بہت سی گمراہیوں کا سبب ہوئی۔ اس وجہ سے لقمان نے اس حکمت کی یاد دہانی کی جو توحید اور قیامت دونوں کے باب میں ان کے فرزند کے ذہن کو بالکل صاف کر دے۔

’اِنَّهَا‘ میں ضمیر قصہ یا ضمیر شان ہے۔ اس صورت میں متکلم، ضمیر اپنے معبود ذہنی کو پیش نظر رکھ کر استعمال کرتا ہے۔ یہاں معبود ذہنی ’حجۃ خردل‘ کے برابر عمل ہے اس وجہ سے ’حجۃ‘ کی رعایت سے ضمیر مؤنث استعمال ہوئی۔

’صَخْرَةٍ‘ سے پتھر مراد لینا ضروری نہیں ہے اس سے پہاڑی اور گھاٹی بھی مراد لے سکتے ہیں۔ یہ بات عربیت کے بالکل مطابق ہوگی۔ میں نے ترجمہ میں اسی مفہوم کو پیش نظر رکھا ہے۔ ابن جریر نے بھی ایک گروہ کا یہی قول نقل کیا ہے۔

يَسْبِيْنُ اَتَقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَ اَمْرًا بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اَصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ  
اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (۱۸)

اللہ تعالیٰ کے شکر کی تعلیم دینے کے بعد اس شکر کا زندگی میں جو اثر نمایاں ہونا چاہیے اس کی ہدایت فرمائی۔ اس سلسلہ میں سب سے اول، نماز کو لیا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر کا سب سے اول اور سب سے بڑا منظر نماز ہی ہے۔ یہی تمام انبیاء اور تمام مذاہب کی متفق علیہ تعلیم ہے۔ فرمایا کہ اے میرے بیٹے! نماز قائم کرو۔ دوسرے مقام میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ نماز قائم کرو کا مفہوم یہ ہے کہ نماز کا اہتمام کرو۔ یعنی خود بھی نماز کی پابندی کرو اور دوسروں کے لیے بھی اس کا انتظام کرو اور ان کو اس کے لیے ابھارو۔

’اَمْرًا بِالْمَعْرُوْفِ‘ یہ خدا کی شکر گزاری ہی کا دوسرا پہلو ہے جو بندے کو خلق سے مربوط کرتا ہے۔ نماز بندے کو اس کے رب سے جوڑتی ہے اور امر بالمعروف کے ذریعے سے وہ اللہ کے بندوں سے جوڑتا ہے۔

شکر کا اثر زندگی پر  
نماز کا اہتمام

امر بالمعروف







سے بھی، لقمان نے ان دونوں ہی چیزوں میں غرور کی روش اختیار کرنے سے اپنے بیٹے کو روکا۔  
 اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ: یہ تنبیہ ہے اور بڑی ہی سخت تنبیہ ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ  
 کسی اکڑنے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ جن کو مال و جاہ حاصل ہو اور وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے انعام  
 کے بجائے اپنی قابلیت و استحقاق کا کرشمہ سمجھ بیٹھیں ان کے اندر شکر کے بجائے لازماً فخر و غرور کا جذبہ پیدا  
 ہو جاتا ہے۔ لقمان نے اسی خطرے سے اپنے بیٹے کو آگاہ فرمایا ہے کہ نعمت کو اللہ کا انعام اور اس کا امتحان  
 سمجھنا، اس کے سبب سے مغرور ہو کر اپنے کو خدا کے غضب کا مستحق نہ بنالینا۔

فَاَقْصِبْ فِيْ مَشِيَّتِكَ دَاْعًا غَضُفًا مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ (۱۹)

ادپر کی باتیں نہی کے اسلوب میں ہیں۔ اب یہ اسی تواضع و فروتنی کی تعلیم مثبت انداز میں دی ہے کہ اپنی  
 چال میں اکڑ کے بجائے فروتنی و تواضع اور اپنی آواز میں کرختگی اور خستہ نیت کی جگہ نرمی اور لینت پیدا کر دو۔  
 'مِنْ' اس بات پر دلیل ہے کہ جب خالق نے انسان کو ایک ہی قسم کی آواز پر نہیں پیدا کیا ہے بلکہ اس  
 کے اندر یہ صلاحیت رکھی ہے کہ اس کو وہ پست بھی کر سکتا ہے اور بلند بھی تو موقع و محل کے مطابق وہ اس  
 صلاحیت کو استعمال کرے، گدھے کی طرح ہمیشہ اپنا حلق اور لوگوں کے کان پھاڑنے ہی کی کوشش نہ کرے  
 اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ کا ٹکڑا یہاں کرخت اور سخت لب و لہجہ سے نفرت دلانے کے لیے  
 ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو اثرات المخلوقات بنایا اور اس کو حسن بیان اور حسن کلام کی نعمت سے  
 نوازا ہے تو وہ اس مقام کو چھوڑ کر گدھوں کی صف میں شامل ہونے کی کوشش کیوں کرے! یہ بلبلی کی  
 بدقسمتی ہے کہ وہ زراغ و زرخن کی ہمنوائی کرے!!

لقمان کی نصیحتیں اگرچہ ہر شخص کے لیے اپنے اندر یکساں خیر و برکت رکھتی ہیں لیکن ان لوگوں کے  
 لیے یہ خاص اہمیت رکھنے والی ہیں جن کو قیادت و سربراہی اور امارت و حکومت کا مقام حاصل ہو۔ اس  
 وجہ سے ہمارے نزدیک، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، لقمان صرف ایک حکیم نہیں بلکہ ایک حکمران حکیم تھے۔  
 ان کو اپنی قوم کی سربراہی حاصل تھی اور یہ نصیحتیں اپنے بیٹے کو انھوں نے سرداری و قیادت کی ذمہ داریاں  
 سمجھانے کے لیے کی ہیں۔ یہ اگرچہ نبی نہیں تھے لیکن ان کو حضرت داؤدؑ سے فی الجملہ مشابہت ہے۔

## ۴۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۲۰-۳۴

لقمان کی نصیحت میں سرفہرست اللہ واحد کی شکر گزاری کی تلقین ہے۔ اب آگے یہ بتایا جا رہا ہے  
 کہ کیوں اللہ ہی شکر کا مناد رہے۔ آفاق و انفس میں اس کے دلائل کیا ہیں؟ ساتھ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 کو صبر و استقامت کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ اپنے مخالفین کے معاملے کو اب ہمارے اوپر چھوڑ دو، ہم ہی  
 ان کا فیصلہ کریں گے۔ یہ لوگ نشانیموں کا جو مطالبہ کر رہے ہیں اس کی پروا نہ کرو۔ اللہ کی اتنی نشانیاں موجود







الْغَنَى الْحَبِيدُ ۝ ۲۷ ۝ وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَ  
 الْبَحْرُ يَمْدًا مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ  
 إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ۲۸ ۝ مَا خَلَقَكُمْ وَلَا بَعَثَكُمْ إِلَّا كُنُفٍ وَاحِدَةً  
 إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝ ۲۹ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ  
 وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَى  
 أَجَلٍ مُّسَمًّى وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ ۳۰ ۝ ذَلِكِ بَيَانٌ لِلَّهِ  
 هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ  
 الْكَبِيرُ ۝ ۳۱ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللَّهِ  
 لِيُرِيَكُمْ مِنْ آيَاتِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝ ۳۲ ۝  
 إِذَا غَشِيَهِمْ مَوْجٌ كَالظُّلُمِ دَعَا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ  
 فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا  
 إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ۝ ۳۳ ۝ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَاخْشَوْا يَوْمًا  
 لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَارٍ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا  
 إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمُ  
 بِاللَّهِ الْغُرُورُ ۝ ۳۴ ۝ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ  
 وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ عَدًّا  
 وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝ ۳۵ ۝

تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی چیزوں کو تمہاری خدمت



میں لگا رکھا ہے اور تمھارے اوپر ہر قسم کی ظاہری و باطنی نعمتیں پوری کی ہیں! پھر بھی لوگوں میں ایسے لوگ ہیں جو اللہ کے باب میں بغیر کسی دلیل، بغیر کسی ہدایت اور بغیر کسی روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں! اور جب ان کو دعوت دی جاتی ہے کہ اس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے اتاری ہے تو جواب دیتے ہیں کہ ہم یہ نہیں کریں گے بلکہ اسی طریقہ کی پیروی کرتے رہیں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔ کیا اس صورت میں بھی جب کہ شیطان ان کو عذابِ دوزخ کی طرف بلارہا ہو! ۲۰-۲۱

اور جو اپنا رخ فرمانبردارانہ اللہ کی طرف کرے گا اور وہ خوب کار بھی ہے تو اس نے بے شک مضبوط رستی تھامی۔ اور انجام کار تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اور جس نے کفر کیا اس کا کفر تمھارے لیے باعثِ غم نہ ہو۔ ہماری ہی طرف ان سب کی واپسی ہے تو جو کچھ انھوں نے کیا ہو گا ہم اس سے ان کو آگاہ کریں گے۔ اللہ دلوں کے بھیدوں سے بھی واقف ہے۔ ہم ان کو کچھ دن برومند کریں گے پھر ان کو ایک سخت عذاب کی طرف دھکیلیں گے۔ ۲۲-۲۴

اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو جواب دیں گے اللہ نے! کہو، شکر کا سزاوار بھی اللہ ہے۔ بلکہ ان کے اکثر اس بات کو نہیں جانتے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے۔ بے شک اللہ ہی بے نیاز و ستودہ صفات ہے۔ ۲۵-۲۶ اور اگر زمین میں جو درخت ہیں وہ قلم بن جائیں اور سمندر، سات مزید سمندروں کے ساتھ، روشنائی بن جائیں جب بھی اللہ کی نشانیاں قلم بند نہیں ہو سکتیں۔ بے شک اللہ غالب و حکیم ہے۔ ۲۷



اور تم کو پیدا کر دینا اور تم کو زندہ کر دینا بس ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا پیدا کر دینا اور زندہ کر دینا، بے شک اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ ہی ہے جو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور دن کو رات میں اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے۔ ہر ایک گردش کرتا ہے ایک مقررہ وقت تک اور یہ کہ اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی معبود حقیقی ہے اور جن چیزوں کو یہ اس کے سوا پکارتے ہیں وہ باطل ہیں۔ اور بے شک برتر اور عظیم اللہ ہی ہے ۲۸-۳۰۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی دریا میں چلتی ہے تاکہ وہ تم کو اپنی نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ بے شک اس کے اندر نشانیاں ہیں ہر صبر و شکر کرنے والے کے لیے اور جب موجیں سا ثبانوں کی طرح ان کو ڈھانک لیتی ہیں وہ اللہ کو پکارتے ہیں خالص اسی کی اطاعت کا عہد کرتے ہوئے، پس جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف کر دیتا ہے تو ان میں کچھ راہ پر رہتے ہیں اور باقی بے راہ ہو جاتے ہیں اور ہماری آیات کا انکار بس وہی لوگ کرتے ہیں جو بالکل بد عہد اور ناشکرے ہوتے ہیں۔ ۳۱-۳۲

اے لوگو، اپنے رب کی پکڑ سے بچو اور اس دن سے ڈرو جس دن نہ کوئی باپ اپنی اولاد کے کام آئے گا اور نہ کوئی اولاد اپنے باپ کے کچھ کام آنے والی بن سکے گی۔ بیشک اللہ کا وعدہ شدنی ہے تو دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالنے پاوے اور نہ اللہ کے باب میں فریب کا تمہیں دھوکے میں رکھے! قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش اتارتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہوتا ہے اور کسی کو بھی پتہ نہیں کہ کل وہ کیا کماٹی کرے گا اور نہ کسی کو یہ علم ہے کہ وہ کس ہرزین میں مرے گا۔ بے شک اللہ



## ۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

کے دلائل

عطا کر دوں

بے وسیل مجاہد

’وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ‘ یعنی جہاں تک خدا اور اس کی شکرگزاری کے حق کا تعلق ہے وہ تو ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جس سے کسی کے لیے حمالِ انکار نہیں ہے، لیکن یہ عجیب ماجرا ہے کہ لوگوں میں ایسے شامت زدہ لوگ بھی ہیں جو اللہ کی توحید کے بارے میں جھگڑتے ہیں لانکہ ان کے پاس نہ کوئی دلیل ہے، نہ کوئی رہنمائی ہے اور نہ کسی روشن کتاب کی سند ہے۔ ’يُجَادِلُ فِي اللَّهِ‘



میں مضاف محذوف ہے یعنی 'فِي تَوْحِيدِ اللَّهِ'، مشرکین عرب خدا کے منکر نہیں تھے، ان کا سارا جھگڑا توحید کے باب میں تھا۔ 'يَعْلَمُ' میں علم سے مراد کوئی دلیل ہے خواہ وہ عقلی ہو یا نقلی۔ اور آیت ۶ میں بھی یہ لفظ گزر چکا ہے۔ یہ لفظ جیسا کہ اس کے محل میں ہم واضح کر چکے ہیں 'ظن' کے مقابل میں بھی آتا ہے، اس وجہ سے اس سے ہر وہ چیز مراد ہو سکتی ہے جو یقین و اعتماد پیدا کرنے والی ہو۔ لفظ 'هُدًى' یہاں 'کتاب منیر' کے ساتھ آیا ہے جو اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ خاص سے پہلے علم کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت خلق کو انبیاء علیہم السلام کی زبانی تعلیم کے ذریعہ سے بھی پہنچی ہے اور روشن صحیفوں کے ذریعہ سے بھی مثلاً تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید کے ذریعے سے۔ میرا خیال ہے کہ 'هُدًى' سے یہاں پہلی قسم کی دلیل مراد ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ دلیل کی یہ نفی اصل حقیقت کے اعتبار سے ہے۔ مشرکین اپنے موقف کی تائید میں جو کچھ کہتے تھے اس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ اس کی نوعیت مجرد تقلید کی ہے اور مجرد تقلید کوئی دلیل نہیں ہے۔

فَاِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا اَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلَى نَتَّبِعُ مَا دَبَدْنَا عَلَيِّهِ اَبَاءَنَا  
اَدُلُّوْكَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلَى عَذَابٍ سَعِيْرٍ (۲۱)

یہ ان کے مجادلہ بلا علم کی تفصیل ہے کہ جب ان کو اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کی پیروی کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ہم نے باپ دادا سے جو طریقہ پایا ہے ہم اسی پر چلتے رہیں گے اس سے ہٹ کر کوئی نئی راہ اختیار کرنے کے لیے ہم تیار نہیں ہیں۔ فرمایا کہ ان سے پوچھو کہ کیا اس شکل میں بھی یہ اسی روش پر جامد رہیں گے جب کہ شیطان ان کو تقلیدِ آباء کے اس تعصب میں مبتلا کر کے ان کو جہنم کی طرف بلا رہا ہو! مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کی صحت و صداقت کی مجرد یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ وہ آباء و اجداد سے چل آ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جس طرح بے سوچے سمجھے تم باپ دادا کے طریقہ کو دین بنائے بیٹھے ہو اسی طرح تمہارے باپ دادا نے بھی بے سوچے سمجھے اگلوں سے جو پایا ہو اس کو دین بنا لیا ہو اس وجہ سے دانش مندی اور حق پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی جس کتاب کی تم کو دعوت دی جا رہی ہے اس کو سنو، اس پر غور کرو اور اس کے دلائل کی روشنی میں اپنے عقائد و اعمال کا جائزہ لو۔ ایسا نہ ہو کہ اس اندھے بہرے تعصب میں مبتلا ہو کہ شیطان کی پیروی میں جہنم میں جا کر رہو۔ یہ حقیقت ملحوظ رہے کہ قومی دین، قومی تہذیب اور قومی روایات کے نعروں میں بڑی کشش ہوتی ہے۔ جو لوگ یہ نعرے بلند کرتے ہیں وہ قومی تہذیب و روایات کے محافظ سمجھے جاتے ہیں اور عوام ان کے نعروں سے اس طرح مسحور ہو جاتے ہیں کہ اس کے خلاف وہ کوئی بات بھی سننے کے روادار نہیں ہوتے، خواہ وہ کتنی ہی بڑی حقیقت ہو۔ میرے نزدیک 'يَدْعُوهُمْ' میں ضمیر مفعول کا مرجع اَبَاءٌ نہیں بلکہ خود اس قول کے تائین ہیں۔



وَمَنْ يُسَلِّمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ مُرَآئِيَ اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (۲۲)

اسلام کی اصل روح احسان ہے۔ آئیے جو اسلام کی اصل حقیقت ہے۔ دوسری صورت میں جیسا کہ یہاں ہے یہ نیاز مندانہ متوجہ ہونے کے مفہیم میں آیا ہے۔ یہ متوجہ ہونا حقیقی بھی ہو سکتا ہے اور غیر حقیقی بھی اس وجہ سے اس کے ساتھ 'محسن' کی قید لگی ہوئی ہے۔ 'احسان' کے معنی، جیسا کہ اس کے محل میں ہم واضح کر چکے ہیں، کسی کام کو کمال درجہ خوبی و اخلاص کے ساتھ کرنے کے آتے ہیں۔ اس قید کے لگ جانے سے لفظ 'اسلام' کا مفہوم یہاں متعین ہو گیا کہ آدمی خدا کی طرف متوجہ ہو اور کمال درجہ خوبی و یکسوئی اور پوری ذمہ داری و جان نثاری کے ساتھ متوجہ ہو۔ مشرکین و منافقین کی طرح نہیں کہ نام تو خدا کا لیتے ہیں لیکن اس کی خدائی اور اس کے حقوق میں دوسروں کو بھی شریک کیے بیٹھے ہیں اور ان کے نزدیک اصلی اہمیت خدا اور اس کے احکام کی نہیں بلکہ اس کے شریکوں اور ان سے متعلق رسوم و ادبام کی ہے۔

یہ آیت تقلیدِ آباد کے علم برداروں اور شرک کی حمایت میں لڑنے والوں کے جواب میں ارشاد ہوئی ہے کہ نہ باپ دادا کے طریقہ کی اندھی تقلید کوئی کام آنے والی چیز ہے اور نہ دیویوں دیوتاؤں کا سہارا کچھ کام آنے والا بنے گا۔ البتہ جو لوگ پورے اخلاص اور حسن عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں انہوں نے اپنے رب کے ساتھ وابستہ کرنے والی ایک مضبوط رسی تھام لی ہے جو ان کے لیے خدا کے ساتھ تعلق و توستل کا ایک محکم ذریعہ ہوگی اور یہ کبھی ٹوٹنے والی نہیں ہے۔

'دَرِ اِلَی اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ' یہ تنبیہ ہے اور بڑی ہی سخت تنبیہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ اس رسی کے سوا دوسری رسیاں جو لوگوں نے تھام رکھی ہیں، وہ بھی ان کے لیے کچھ کام آنے والی بن سکیں گی۔ ان جھوٹے سہاروں میں سے کوئی بھی کام آنے والا نہیں ہے اس لیے کہ تمام امور بالآخر اللہ ہی کے آگے پیش ہوں گے، کوئی دوسرا مولیٰ و مرجع بننے والا نہیں ہے کہ اس کا سہارا کچھ کام آ سکے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنُهُ كُفْرُهُ ۖ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (۲۳)

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور ساتھ ہی اوپر والی آیت میں منافقین کے لیے جو دھمکی ہے وہ مزید ٹوک دی گئی ہے۔ فرمایا کہ آج جو لوگ تمہاری دعوت کی مخالفت کر رہے ہیں ان کی مخالفت تمہارے لیے ذرا بھی باعثِ غم نہ ہو۔ بالآخر ان سب کی پیشی ہمارے ہی سامنے ہونی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی







شریک قرار دیا جائے۔

كَوْنَتْ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامًا وَالْبَحْرُ يَمْدَادُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ آبْحَرٍ مَا نَدَتْ  
كَلِمَتُ اللَّهِ ذَاتُ اللَّهِ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (۲۷)

سورہ کہف میں یہی مضمون بدیں الفاظ گزرا ہے:

نشانیں کی  
تعبیر کلمات سے

قُلْ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ يَغْفِرُ مَا دَا  
يَكَلِمَتِ رَبِّي لَنَفِثَ الْبَعْرُ  
قَبْلَ أَنْ تَنْفَعَهُ كَلِمَتُ رَبِّي  
وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا (۱۰۹)

ان سے کہہ دو کہ اگر میرے رب کی نشانوں کو قلم بند کرنے کے  
لیے سمندر بھی روشنائی بن جائے تو میرے رب کی نشانوں کے  
قلم بند ہونے سے پہلے سمندر خشک ہو جائے گا اگرچہ اس کی  
برابری اور روشنائی فراہم کر لیں۔

’کَلِمَتُ‘ سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ نشانیاں ہیں جو اس کی ذات و صفات اور اس کی قدرت و حکمت پر  
گواہی دیتی ہیں۔ چونکہ ہر نشانی اللہ کے کلمہ کُن کا مظہر ہے اور ہر نشانی اپنی زبان حال سے ناطق بھی ہے  
اس وجہ سے یہاں نشانوں کو کلمات سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ تعبیر نہایت ہی معنی خیز تعبیر ہے۔ مطلب یہ ہے  
کہ خدا کوئی ایسی مبہم و مجہول چیز نہیں ہے کہ اس کے باب میں لوگوں کو ایسا التباس پیش آئے کہ لوگ  
جس اینٹ پتھر کو چاہیں خدا سمجھ کر اس کو ڈنڈوت شروع کر دیں۔ اس کائنات میں خدا کی اتنی نشانیاں ہیں  
کہ اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر، مزید سات سمندروں کے اصفیٰ کے ساتھ، روشنائی  
بن جائیں جب بھی ان کا قلم بند کیا جانا ممکن نہیں ہے۔ اور یہ تمام نشانیاں اس بات پر شاہد ہیں کہ اس  
کا خالق عزیز و حکیم ہے۔ ان دونوں معجزوں کی وضاحت جگہ جگہ ہو چکی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بنیادی صفات  
میں سے ہیں اور قرآن میں ان سے جگہ جگہ توحید، قیامت اور رسالت تینوں پر استدلال کیا گیا ہے اور یہی  
مسائل قرآن کے اصولی مسائل ہیں۔ گویا اس کائنات کی ہر چیز اس کے خالق کے عزیز و حکیم ہونے کی گواہی دے  
رہی ہے اور انہی کے مقنیات ہیں جن کو تسلیم کرنے کی قرآن دعوت دے رہا ہے۔

ہر چیز شاہد ہے  
کہ خدا عزیز و  
حکیم ہے

اس آیت میں ’اَقْلَامُ‘ کا مقابل لفظ ’مَدَادُ‘ حذف ہے۔ اس حذف کو کھول دیجیے تو پوری عبارت  
یوں ہوگی۔ ’مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامًا وَالْبَحْرُ يَمْدَادُ‘ حذف کے اس اسلوب کی مثالیں ہم جگہ جگہ پیش  
کرتے آ رہے ہیں۔

سورہ کہف کی مذکورہ بالا آیت کے تحت ہم یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ یہ کوئی بالائے کلام اسلوب نہیں ہے  
بلکہ یہ بیان حقیقت ہے۔ وہاں ہم نے لکھا ہے کہ اگر سمندر روشنائی بن جائے تو یہ روشنائی خود سمندر ہی کے  
عجائب کو قلم بند کرنے کے لیے کافی نہیں ہوگی چہ بائیکہ اس پوری کائنات کے عجائب۔ یہ زمین جو ہمارے  
قدموں کے نیچے ہے خدا کی لافتنی ہی کائنات کا ایک نہایت ہی حقیر حصہ ہے لیکن سائنس کی تمام ترقیوں  
کے باوجود اب تک انسان اس کے عجائب دریافت کر سکا ہے اس کی حیثیت سمندر کے ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔



مَا خَلَقَكُمْ وَلَا يَتُكَلِّمُ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةً ۖ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ (۲۸)

یہ اوپر کے تمام مقدمات کا نتیجہ اور خلاصہ سامنے رکھ دیا گیا ہے کہ جب اس کائنات کی ہر چیز شاہد ہے کہ اس کا خالق عزیز بھی ہے اور حکیم بھی تو اس امر میں کسی شک کی گنجائش کہاں باقی رہی کہ ایک دن اللہ تعالیٰ حکیم ہونے کا سب کو از سر نو پیدا کر کے قبروں سے اٹھائے گا۔ وہ عزیز ہے اس وجہ سے اس کے لیے یہ کام ذرا بھی مشکل نہیں ہے اور حکیم ہے اس وجہ سے یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ ایسا نہ کر سکے تو وہ عزیز نہیں رہتا اور اگر کر سکنے کے باوجود نہ کرے تو یہ اس کی حکمت کے منافی ہے اس لیے کہ قیامت کے بغیر یہ دنیا ایک بازیچہ اطفال بن کے رہ جاتی ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت اس کتاب میں جگہ جگہ ہو چکی ہے۔

‘الْاَكْنَفُسِ وَاحِدَةً’ میں مضاف مخدوف ہے یعنی كَخَلَقْتُ نَفْسٍ وَاحِدَةً يَا كَبَعْتُ نَفْسٍ وَاحِدَةً یعنی کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ اتنی ساری مخلوق کو از سر نو پیدا کرنا اور ان کو اکٹھا کرنا کس کے امکان میں ہے۔ فرمایا کہ اللہ کے لیے ایک نفس کو پیدا کر دینا اور تمام جہان کو پیدا کر دینا اور اس کو اکٹھا کرنا یکساں ہے۔ اس کے ایک ہی کلمہ کُن، یا ایک ہی نفخ صور سے ساری دنیا از سر نو زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوگی۔ وہ ہر چیز پر قادر اور عزیز ہے۔

إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ یہ قیامت کے اصل مقصد، حساب کتاب، کی یاد دہانی ہے کہ کسی کو یہ غلط فہمی بھی نہ ہو کہ اتنی وسیع خلقت کے احوال و معاملات کا علم کسے ہے کہ وہ ان کا حساب کرنے بیٹھے گا۔ فرمایا کہ اللہ سب کچھ سن اور دیکھ رہا ہے، کوئی چیز اس کے علم و مشاہدہ سے باہر نہیں ہے اس وجہ سے اس کو لوگوں کا حساب کرنے اور ان کو جزا یا سزا دینے میں کوئی رحمت نہیں پیش آئے گی۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَإِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (۲۹)

اوپر آیت ۲۰ میں ‘أَلَمْ تَرَ’ جمع کے صیغہ سے اپنی آیات کی طرف توجہ دلائی تھی یہاں ‘أَلَمْ تَرَ’ آفاق کی بعض واحد کے صیغہ سے توجہ دلائی ہے۔ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ ‘أَلَمْ تَرَ’ کا خطاب جمع کے لیے بھی آتا ہے۔ اس صورت میں گویا مخاطب گروہ کے ایک ایک شخص کو فرداً فرداً توجہ دلائی جاتی ہے اور اس میں جھجکے کے مقابل میں زیادہ زور ہوتا ہے۔

فرمایا کہ یہ خدا ہی کی قدرت و حکمت ہے کہ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنا، تصویر پر سے یکے بعد دیگرے، پوری سرگرمی کے ساتھ، ایک دوسرے کے تعاقب اور پوری پابندی اوقات کے ساتھ، ان کی آمد و شد کی۔

‘وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى’ اور یہ اسی کی قدرت و حکمت ہے کہ اس نے سورج اور چاند کو اپنی خلق کی خدمت گزاری کے لیے مسخر کر رکھا ہے اور یہ دونوں پوری پابندی اوقات کے ساتھ



اپنے ہمارے گردش کرتے ہیں۔ مجال نہیں ہے کہ مدار سے بہرہ و انحراف ہو یا نظام اوقات کی پابندی میں منسلک یا سینکڑوں کا بھی فرق واقع ہونے پائے۔

ان نشانیوں کی طرف توجہ دلانے سے مقصود انہی حقائق کو میرے کرنا ہے جو اوپر زیر بحث آئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس خدا کی قدرت کی یہ نشانیاں دیکھتے ہو اس کی نسبت تم یہ گمان کرتے ہو کہ وہ تم کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا، جو رات اور دن اور سورج اور چاند کو اس طرح گردش دے رہا ہے کیا اس کی مخلوقات میں سے کوئی چیز اس کا شریک ہونے کا درجہ رکھتی ہے! اور کیا جس نے اپنی ربوبیت کی یہ شانیں دکھائی ہیں اس کی نسبت اس سوئے ظن کی کوئی گنجائش ہے کہ اس نے یہ سارا کارخانہ بالکل عبث بنایا ہے، اس کے پیچھے کوئی روز جزا نہیں ہے۔

وَقَاتِلَ اللَّهُ يَوْمَ تَعْمَلُونَ خَيْرًا ۖ فَيُنْزِلُ السَّمَاءَ مِثْرًا ۚ فَنُفِثَ فِي السَّمَاءِ الْمُهَيْمِينَ ۚ فَتُفْسِدُ السُّمُومُ الْبَرِّيَّةَ ۚ وَأَنزَلَ مِنَ الْمُجِاثِرِ الْمِطْرَ ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ

شعبہ کی گنجائش باقی نہیں رہے گی کہ جو اس سارے نظام کو چلا رہا ہے وہ تم سے اور تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ بے خبر ہو تو وہ تمہاری پرورش کس طرح کرے گا؟ اور اگر باخبر ہے تو آخر وہ تم سے پریش کیوں نہیں کرے گا کہ تم نے اس کی پروردگاری کا حق ادا کیا یا نہیں!

ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۚ هُوَ الْحَقُّ ۚ ذَٰلِكُمْ مَآ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ ۚ اَلْبَاطِلُ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۚ هُوَ الْعَلِيُّ ۚ اَلْكَبِيرُ ۚ (۳)

نظام کائنات یعنی اس نظام کائنات کے اندر یہ باقاعدگی، یہ پابندی اور یہ انادیت و ربوبیت جو پائی جاتی ہے یہ کی باقاعدگی خدا اس وجہ سے پائی جاتی ہے کہ معبود حقیقی مرت اللہ تعالیٰ ہے اور اس تمام کائنات کی باگ تنہا اسی کے ہاتھ کی توجہ کی میں ہے۔ اگر اس کے سوا کچھ دوسرے الہ بھی اس کے خلق و تدبیر میں دخل ہوتے تو یہ سارا نظام جیسا کہ فرمایا ہے تُوْكَانَ فِيْهِمَا اِلٰهٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ درہم برہم ہو جاتا۔ اس وجہ سے وہ سارے معبود بالکل بے حقیقت اور باطل ہیں جن کی یہ لوگ پرستش کر رہے ہیں۔ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۚ هُوَ الْعَلِيُّ ۚ اَلْكَبِيرُ ۚ یعنی یہ نظام کائنات جس طرح خدا کی یتائی پر شاہد ہے اسی طرح اس بات پر بھی شاہد ہے کہ خدا کی ذات بڑی ہی برتر اور بڑی ہی عظیم ہے۔ اس کی قدرت و حکمت کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ وہ رات کے بعد دن کو نمودار کر دیتا ہے اور دن پر رات کو ڈھانک دیتا ہے اور سورج اور چاند سب کی نیل اس کے ہاتھ میں ہے۔ جو ذات اتنی عظیم و بلند ہے وہ اس سے ارفع ہے کہ کسی چیز کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفَلَكَ تَجْرِىٰ فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُزَيِّنَ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۚ ذَٰلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُوْنَ ۚ

تَكْلِ صَبَآرٍ تَتَكُوْر (۳۱)

منزوروں اب پرکشتی کی مثال سے غیالوں کو اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتی ہے کہ ذرا میں مغرور اور بالکوس ہو جانے والے نہ ہو بلکہ امتحان و آزمائش میں مہر کرنے والے اور نعمت میں شکر کرنے والے بنو۔ یہی راستہ سلامتی کو تنبیہ



کا ہے اور اسی پر چل کر فلاح حاصل کرنے والے بن سکو گے مگر تمہارا حال یہ ہے کہ اس وقت خدا کی عنایت سے جو تمہارے حالات سازگار ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر تمہارے پاؤں ہی نہیں پڑ سہے ہیں حالانکہ یہ سارا نشہ بالکل عارضی ہے۔ اگر ابھی خدا کی کسی پکڑ میں آگئے تو سارا نشہ ہر آن ہو جائے گا اور توبہ توبہ پکارا اٹھو گے۔ لیکن یہ توبہ بھی بالکل وقتی ہوگی، جو نہی حالات سازگار ہوں گے وہی سرسستی پھر عود کر آئے گی۔ ایک کشتی کے مسافروں کو جس طرح کے حالات پیش آتے ہیں ان سے سبق لو۔ اگر کوئی آزمائش میں صابر اور نعمت میں شاکر رہنا چاہے تو اس کے لیے ان کے حالات میں بڑا درس ہے۔

فَإِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ؕ فَلَمَّا نَجَّيْنَاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَعَلَّمُوا مَقْصِدَهُ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ (۳۲)

یہ اوپر کے اجمال کی تفصیل ہے کہ کشتی کے مسافروں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب تک کشتی رواں دواں رہتی ہے اس وقت تک ان کو یہ خیال بھی نہیں آتا کہ یہ خدا کی چلائی ہوئی سازگار ہوا کا کرشمہ ہے کہ وہ سمندر کے سینہ پر سوار اس سکون و راحت کے ساتھ سفر کر رہے ہیں۔ بلکہ وہ اس کو اپنی ذہانت و قابیلیت کا کرشمہ سمجھتے ہیں اور خدا اور اس کی قدرت و توانا کو بھولے رہتے ہیں۔ لیکن جب دفعۃً کسی گوشے سے طوفانی ہوائیں نمودار ہوتی ہیں اور سائبانوں کی مانند اٹھنے والی موجیں ان کو دھانک لیتی ہیں تب ان کو خدایا یاد آتا ہے اور وہ سو سو طرح اس سے فریاد کرتے اور آئندہ کے لیے اطمینان و وفاداری کا عہد کرتے ہیں لیکن جب کشتی ساحل پر پہنچ جاتی ہے تو ان میں سے تھوڑے اپنے عہد پر قائم رہنے اور اعتدال کی راہ اختیار کرنے والے نکلتے ہیں، باقی غدار و ناشکرے نکلتے ہیں اور وہ سب خدا کی نشانیوں کو فراموش کر کے اپنی پچھلی سرستیوں میں کھو جاتے ہیں۔

یہ قریش کے متردین کو تنبیہ اور ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نسی ہے کہ اس وقت ان کے حالات سازگار ہیں اس وجہ سے خدا سے یہ بے نیاز ہیں اور جب ان کو خدا کی پکڑ سے ڈرایا جاتا ہے تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں لیکن جب کسی پکڑ میں آجائیں گے تو توبہ توبہ پکاریں گے۔ پھر جب ڈھیل مل جائے گی تو ان کو اپنا یہ عہد یاد بھی نہیں رہے گا۔ ایسے عہد شکن اور ناشکرے لوگ کسی نشانی سے بی فائدہ نہیں اٹھاتے۔

فَمِنْهُمْ مَّقْصِدٌ كَعَدَدِ أَكْثَرِهِمْ كُفْرُونَ ؕ يَا اس کے ہم معنی الفاظ محذوف ہیں۔ اس محذوف کو بعد کے ٹکڑے دما یجحد یا یتنا الا کل ختار کفور نے کھول دیا ہے۔ مَقْصِدٌ کے معنی راہِ حق و عدل پر چلنے والے ہیں۔

وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ خَتَّارٌ سے مبالغہ ہے۔ اس کے معنی بدترین قسم کے بے وفائی و عہد شکنی کرنے والا۔ یہ الفاظ یہاں اوپر کے الفاظ صَبَّارٍ شَكُورٍ سے استمال کفور



ہوئے ہیں، 'صَبَّار' سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہر طرح کے حالات میں اپنے رب کے عہد پر استوار رہتے ہیں اور 'خَتَّار' سے وہ لوگ مراد ہیں جو نعمت میں تو خدا سے بے پروا رہتے ہیں البتہ جب کسی معیبت میں پھنستے ہیں تو خدا سے عہد و پیمان باندھتے ہیں لیکن یہ عہد و پیمان ان کو صرف اسی وقت تک یاد رہتا ہے جب تک خدا کی پکڑ میں رہتے ہیں، اس سے چھوٹتے ہی وہ اپنے سارے عہد و پیمان کو طاق نسیاں پر رکھ دیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدترین قسم کی غداری ہے۔ اس طرح کے لوگوں کے لیے نہ اللہ کی نعمت کی نشانیاں کارگر ہوتیں نہ کوئی تنبیہ ان پر اثر انداز ہوتی۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَأَخْشَوْا يَوْمًا لَا يَجُودِي وَالِدٌ عَنْ قَلْبِهِ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَارٍ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا إِنَّ دَعَاءَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمُ بِاللَّهِ الْغَرُورُ (۳۳)

یہ آخری تنبیہ ہے کہ لوگو اپنے رب کی پکڑ اور اس کے تہ و غضب سے بچو اور اس دن سے ڈرتے رہو جس دن نہ کوئی باپ اپنی اولاد کے کچھ کام آنے کا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آنے والا بن سکے گا بلکہ ہر ایک کو اپنا بوجھ خود اٹھانا پڑے گا۔ باپ اور بیٹے کا رشتہ سب سے زیادہ قریبی رشتہ ہے جب یہ ایک دوسرے کے کام آنے والے نہ بن سکیں گے تو تا بہ دیگر اہل چہ رسد!

یہاں اسلوب بیان کی یہ قدرت ملحوظ رہے کہ بیٹے کے کام نہ آنے کی نفی میں شدت پائی جاتی ہے۔ زبان کے ایک اسلوب کی فرمایا ہے 'وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَارٍ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا' زبان کا ذوق رکھنے والے جانتے ہیں کہ بنیاد کے اعلیٰ بلاغت اور فعل کی جگہ اسم کے استعمال نے اس جملہ میں بڑا زور پیدا کر دیا ہے۔ اس کی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اول تو ہر باپ کو فطری طور پر اپنے بیٹے سے یہ توقع ہوتی ہے کہ وہ پیری میں اس کا سہارا بنے گا، دوسری یہ کہ بیٹا اپنی عمر اور صلاحیت کے اعتبار سے باپ کے متبادل میں زیادہ اس بات کا اہل ہوتا ہے کہ اپنے ناتواں باپ کی مدد کر سکے۔ تیسری یہ کہ بیٹے کے اندر جوانی کے سبب سے فتوت و حمیت کا جذبہ بھی زیادہ قوی ہوتا ہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اس دن نفسی نفسی کا یہ عالم ہو گا کہ بیٹا بھی اپنے باپ کے کام آنے والا نہ بن سکے گا۔

یہاں اس دور کے حالات پر نظر رہے جس دور میں یہ آیات اتری ہیں۔ سورہ عنکبوت کی تفسیر میں فریب، نظر بھی ہم اشارہ کر چکے ہیں اور اس سورہ کی آیت ۵۱ کے تحت بھی یہ بات گزر چکی ہے کہ اس دور میں بالوں کی طرف سے بیٹوں پر ان کو اسلام سے روکنے کے لیے دباؤ ڈالا جا رہا تھا اور اس کے حق میں بزرگانہ دلیل یہ پیش کی جاتی تھی کہ تم ہمارے طریقہ کی پیروی کرتے رہو۔ قیامت کے دن تمھارے نیک و بد کے ذمہ دار ہم ہیں۔ یہ آیت اس بات کی تردید کر رہی ہے۔

إِنَّ دَعَاءَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا، یعنی اللہ کا یہ وعدہ شدنی ہے۔ قیامت آ کے



ہے گی تو یہ دنیا کی زندگی تمہیں کسی دھوکے میں نہ ڈالے۔ یعنی اس دنیا کا نظام چونکہ مجازات کے اصول پر نہیں چل رہا ہے بلکہ اس میں حق کے ساتھ باطل کو بھی مہلت ملی ہوئی ہے اور اہل باطل اس میں زیادہ سر بلند ہیں اس وجہ سے نادانوں کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ قیامت کا ڈرا دما محض ڈرا دما ہے۔ فرمایا کہ یہ چیز کسی کو غلط فہمی میں نہ ڈالے۔ یہ دنیا دار الامتحان ہے۔ اس امتحان کے نتائج کے ظہور کا دن بعد میں آنے والا ہے۔

فَلَا يَغْتِرَنَّكَ بِاللَّهِ الْغُرُورُ یعنی یہ فریب نظر اس پر دھوکا خدا کے پاس سے کسی کو غلط فہمی میں نہ ڈالے کہ خدا نے یہ دنیا بے مقصد بنا ڈالی ہے اور وہ اس کے خیر و شر سے بالکل بے تعلق ہو کر الگ بیٹھا ہوا ہے۔ اگر کسی نے ایسا سمجھا ہے تو وہ خدا کو بہت غلط سمجھا ہے۔ بالآخر ایک دن آئے گا جس دن خدا کا کامل عدل ظاہر ہو گا اس دن اس قسم کی غلط فہمیوں میں پڑے ہوئے لوگ اپنی اس حماقت پر اپنے سر پیش گے۔ یہی مضمون مَّا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ والی آیت میں بھی بیان ہوا ہے۔ لفظ 'غرور' اس دنیا کے فریب نظر کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اور اس فریب نظر میں مبتلا کرنے والے شیطان کے لیے بھی اور یہاں دونوں ہی معنی بنتے ہیں۔ البتہ اتنی بات یاد رکھیے کہ فَلَا تَغْتَرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا میں اس فریب نظر پر تنبیہ ہے جو آدمی کو اس دنیا کے باب میں لاحق ہوتا ہے اور فَلَا يَغْتِرَنَّكَ بِاللَّهِ الْغُرُورُ میں اس مغالطے سے آگاہ کیا گیا ہے جو نادانوں کو اللہ تعالیٰ کے باب میں لاحق ہوتا ہے اور فلسفہ دین کے اعتبار سے یہی دو مغالطے ہیں جو تمام کرامیوں کی جڑ ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّا ذَاتُ نَفْسٍ عَدَا ط وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ط إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (۳)

یہ ایک دفع دخل مقید یعنی ایک شبہ یا اعتراض کا برسر موقع جواب ہے۔ مخالفین کو جب قیامت ایک شبہ سے ڈرایا جاتا تو وہ تھبٹ یہ سوال کرتے کہ مَتَنِي هَذَا اَلْوَعْدُ آخر یہ دھکی کب پوری ہوگی! اگر اس کو آنا ہے تو آکیوں نہیں جاتی! اس کے جواب میں فرمایا کہ اس کے آنے کا وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اگر اس کا وقت معلوم نہیں ہے تو اس سے اس حقیقت کی نفی نہیں ہو جاتی۔ زندگی کی کتنی حقیقتیں ہیں جن کے وقت اور ان کی نوعیت کا کسی کو علم نہیں ہوتا لیکن کوئی عاقل ان کا انکار نہیں کرتا۔ بارش ہوتی ہے اور اس کے ہونے سے کوئی انکار نہیں کرتا لیکن اس کے ٹھیک ٹھیک وقت، اس کی مقدار اور اس کے مقامات کو کون بتا سکتا ہے! اس زمانے میں انسان نے، سائنس میں بڑی ترقی کر لی ہے اور حکومتیں لاکھوں کروڑوں روپے محکمہ موسمیات پر خرچ کرتی ہیں لیکن ان محکموں کی پیشین گوئیوں کی حقیقت ظن و تخمین سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی طرح ایک عورت عامہ ہوتی ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ یہ عورت جسے گی، لیکن کب جسے گی اور کب جسے گی اس کو خدا کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ علیٰ ہذا القیاس کسی کو یہ پتہ نہیں کہ کل وہ کیسا کمائی کرے گا، کیا فرائض انجام دے گا اور کن حالات و مشاغل میں اس کی زندگی گزرے گی۔ بڑے بڑے



ضابطہ پسندوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ بڑی احتیاط سے اپنے پروگرام بناتے ہیں اور بڑی وضع داری سے ان کو نبھاتے ہیں لیکن عین وقت پر کوئی ایسی افتاد پیش آجاتی ہے کہ ان کا سارا پروگرام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ افراد تو درکنار حکومتوں تک کا حال یہ ہے کہ وہ بڑے اعتماد کے ساتھ منصوبہ بندی کرتی ہیں کہ اس سال ہم اپنے ملک میں اتنی گندم یا اتنا چاول پیدا کریں گے لیکن ذرا سا موسم کا تغیر و تبدل اور بارش کا اتار چڑھاؤ ساری منصوبہ بندی پر پانی پھیر دیتا ہے۔ اور زیادہ دور کیوں جا ئیے، آدمی کے لیے خود اپنی زندگی اور موت کا مسئلہ کتنی اہمیت رکھنے والا ہے لیکن کون جانتا ہے کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا اور کہاں دفن ہوگا! آدمی گھر سے منسی خوشی کسی قریب کے لیے نکلتا ہے اور وہاں سے اس کی لاش آتی ہے۔ پیدا کہاں ہوتا ہے، رہتا بستا کہیں ہے اور دفن کہیں ہوتا ہے۔ تو جب اتنی قریب کی ایسی واضح حقیقتوں کا علم بھی انسان کو نہیں ہے، حالانکہ یہ زندگی کے وہ حقائق ہیں جن کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا تو قیامت کا اگر وقت نہیں معلوم ہے تو وہ کیوں مشتبہ ہو جائے!!

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ؛ اصلی علیم وخبیر اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی، لیکن وہ آئے گی ضرور۔ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے وقوع کی شہادت دے رہا ہے۔  
ان سطروں پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ واللہ الحمد والمنة۔

الوار۔ ۸ بجے دن  
۲۸ جولائی ۱۹۶۴ء  
رحمان آباد



مَدِيرُ فِرَاقِ

٣٢

السَّجْدَةُ







بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ۱۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ ————— لقمان ————— کا شنیٰ ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ قرآنی نام بھی دونوں کا ایک ہی یعنی آلہ ہے۔ تمہید بھی دونوں کی ایک ہی نوع کی ہے۔ اس کا آغاز اس مضمون سے ہوتا ہے کہ یہ کتاب خداوند عالم کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔ اس کو انار کر اللہ تعالیٰ نے ان اقی عربوں پر عظیم احسان فرمایا ہے جن کے اندر اب تک کوئی مندر نہیں آیا تھا۔ وہ انتہائی ناشکرے ہوں گے اگر انھوں نے اس کی قدر کرنے کے بجائے اس کے کتاب الہی ہونے کے دعوے کو افتراء قرار دیا۔ اس کے کتاب الہی ہونے میں ذرا شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے بعد کلام کا رخ قرآن کے ان دعادی کے اثبات کی طرف مڑ گیا ہے جو خاص طور پر مخالفین کی وحشت کا باعث تھے اور جن کے سبب سے وہ اس کی مخالفت کر رہے تھے۔ آخر میں تورات کا حوالہ ہے کہ اسی طرح کی کتاب اللہ نے حضرت موسیٰ پر بھی اتاری تھی جس کی فرعون اور اس کی قوم نے مخالفت کی اور اس کا نہایت برا انجام ان کے سامنے آیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ جس طرح تورات کے مالین کو صبر کے امتحانوں سے گزرنے کے بعد کامیابی حاصل ہوئی اسی طرح تم کو اور تمھارے ساتھیوں کو بھی صبر کے امتحان سے گزرنا پڑے گا۔ اگر تم ان مراحل سے کامیابی سے گزر گئے تو فتح تمہی کو حاصل ہوگی، تمھارے یہ مخالفین بالآخر پامال ہو کر رہیں گے۔

## ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۳) یہ قرآن اللہ کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔ اس کے کتاب الہی ہونے میں ذرا شبہ کی گنجائش نہیں ہے جو لوگ سمجھتے ہیں کہ خدا کی طرف اس کی نسبت ایک افتراء ہے وہ آگاہ رہیں کہ یہ افتراء نہیں بلکہ یہ بالکل حق ہے اور اس کا مقصد ان لوگوں کو انداز کرنا ہے جن کے اندر کوئی مندر اب تک نہیں آیا تھا۔ اگر انھوں نے اس کی قدر نہ کی تو ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو ان قوموں کا ہو چکا ہے جنھوں نے خدا کے مندروں کی تکذیب کی۔

(۴-۹) یہ دنیا کوئی بازیچہ اطفال نہیں بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے نہایت اہتمام سے پیدا کیا ہے اور پیدا کر کے اس نے اس کو چھوڑ نہیں دیا ہے بلکہ براہ راست وہ اس کا انتظام فرما رہا ہے۔ تمام احکام اسی کی طرف سے صادر ہوتے اور پھر اسی کے حضور میں پیش ہوتے ہیں۔ اس کا کوئی دوسرا شریک و شفیع نہیں ہے۔ وہ خود تمام غائب و حاضر کا جاننے والا ہے۔ اس نے انسان کو بہترین صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے لیکن بہت تھوڑے لوگ ہیں جو ان صلاحیتوں



سے نادمہ اٹھاتے اور خدا کے شکر گزار بنتے ہیں۔

(۱۰۱-۱۰۲) منکرین قیامت کے شبہات کا جواب اور ان کے اصل محرک انکار کی طرف اشارہ۔ قیامت کے دن ان کا جو حال ہوگا اس کی تصویر اور اس امر کا بیان کہ اس دن کسی کا اقرار و اعتراف کسی کے لیے کچھ نافع نہ ہوگا۔ حقان کو آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد ان کا ماننا معتبر ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسب کو ایمان ہی پر پیدا کرتا، پھر یہ عقل و تیز کی صلاحیتیں دینے اور ان کے امتحان کی کیا ضرورت تھی!

(۱۵-۲۲) قرآن پر ایمان لانے والوں کی بعض خصوصیات کی طرف اشارہ کہ جو لوگ اشکبار سے پاک ہیں اور جن کی نگاہوں میں حق کی عزت ہے وہ اس پر ایمان لائیں گے۔ یہ لوگ اس کی آیات سن کر اپنے سر جھکا دیتے ہیں، راتوں میں اٹھ اٹھ کر اپنے رب کو یاد کرتے اور اس کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کی جو ٹھنڈک چھپا رکھی ہے آج ان کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندوں اور نافرمانوں کے ساتھ ایک ہی معاملہ نہیں کرے گا۔ ان نافرمانوں کو آخرت میں جو سزا ہونی ہے وہ تو ہوگی ہی، اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ ان کو سزا دے گا تاکہ وہ متنبہ ہونا چاہیں تو متنبہ ہو جائیں۔

(۲۳-۲۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ تم سے پہلے اللہ نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی تو جن لوگوں نے اس کو جھٹلایا خدا نے ان سے انتقام لیا۔ اسی طرح اس کتاب کے جھٹلانے والوں سے بھی وہ لازماً انتقام لے گا اور جس طرح بنی اسرائیل کے اندر سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو امامت کا منصب بخشا جو حق پر ثابت قدم رہے اسی طرح وہ تمہارے ساتھیوں کو بھی خلق کی رہنمائی کے منصب پر سرفراز فرمائے گا اگر وہ حق پر مضبوطی سے جمے رہے۔ حضرت انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کی تاریخ کی طرف اجمالی اشارہ کہ تاریخ کی شہادت اسی حقیقت کو ثابت کر رہی ہے بشرطیکہ لوگوں کے پاس سننے والے کان اور دیکھنے والی آنکھیں ہوں۔

(۲۵-۳۰) کفار کو وعید کہ وہ اہل حق کے غلبہ کی اس بشارت کو بہت بعید از امکان چیز سمجھتے ہیں اور مذاق سے پوچھتے ہیں کہ یہ فتح کب ظاہر ہوگی! ان کو جواب کہ جب یہ چیز ظاہر ہوگی تو اس وقت اس کو ماننا ان لوگوں کے لیے ذرا بھی نافع نہ ہوگا جو آج اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے کج فہموں سے اعراض کی ہدایت کہ اگر یہ لوگ فیصلہ کے دن ہی کے منتظر ہیں تو تم بھی ان کا پیچھا چھوڑو اور اسی کا انتظار کرو۔



## سُورَةُ السَّجْدَةِ (٣٢)

مَكِّيَّةٌ ٦٠ آيَاتُهَا ٣٠

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَلَمْ ① تَنْزِلُ الْكِتَابَ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ②  
 اَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا  
 مَّا اَتَهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ③ اَللَّهُ الَّذِي  
 خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى  
 عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ اَفَلَا  
 تَتَذَكَّرُونَ ④ يَدْبِرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يُعْرِجُ  
 اِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ⑤ ذٰلِكَ  
 عَلِيمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ⑥ الَّذِي اَحْسَنَ كُلَّ  
 شَيْءٍ خَلْقَهُ وَبَدَا خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ⑦ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ  
 مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ⑧ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوحِهِ  
 وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُونَ ⑨  
 وَقَالُوا اِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ اِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِّدٍ بَلْ هُمْ  
 بِلِقَائِ رَبِّهِمْ كٰفِرُونَ ⑩ بَلْ يَتَوَقَّعُ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي



وَكُلِّ يَكُمُ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ۝۱۱ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ  
نَاكِسُو أُرُؤُسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا  
نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ۝۱۲ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ  
هُدًى وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْبِغْثَةِ وَ  
النَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝۱۳ فَذُوقُوا رِسَالًا نَّسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا  
إِنَّا نَسِيتُكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝۱۴

ترجمہ آیات

۱۴-۱

یہ آیت ہے۔ اس کتاب کی تنزیل، اس میں ذرا شبہ نہیں، خداوندِ عالم کی طرف  
سے ہے۔ کیا دہکتے ہیں کہ اس نے خود اپنے جی سے گھر کر اس کو خدا کی طرف منسوب کر دیا  
ہے! بلکہ یہی تیرے رب کی جانب سے حق ہے تاکہ تم ان لوگوں کو ہوشیار کر دو جن کے پاس تم  
سے پہلے کوئی ہوشیار کرنے والا نہیں آیا تاکہ وہ راہِ یاب ہوں۔ ۱۴-۱

اللہ ہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دنوں  
میں پھر وہ عرش پر متمکن ہوا۔ اس کے سوا نہ تھا اسے بے کوئی کار ساز ہے اور نہ اس کے مقابل  
میں کوئی سفارشی۔ کیا تم لوگ چیتے نہیں! ۱۴

وہی آسمان سے زمین تک سارے امور کا انتظام فرماتا ہے۔ پھر یہ تمام امور اسی کی طرف  
لوٹتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار سے ہزار سال کے برابر ہے۔ وہ غائب  
حاضر کا جاننے والا، عزیز و رحیم ہے۔ ۵-۶

جس نے جو چیز بھی بنائی ہے خوب ہی بنائی ہے! اس نے انسان کی خلقت کا آغاز  
ٹپ سے کیا۔ پھر اس کی نسل حقیر پانی کے خلاصہ سے چلائی۔ پھر اس کے نوک پلک سنوارے



اور اس میں اپنی روح پھونکی اور تمھارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ تم بہت ہی کم شکر گزار ہوتے ہو!! ۹-۷

اور کہتے ہیں کہ کیا جب ہم زمین میں رمل مل جائیں گے تو ہم پھر نئی خلقت میں آئیں گے! بلکہ یہ لوگ اپنے رب کے آگے پیشی کے منکر ہیں۔ کہہ دو کہ تمھاری جان وہ فرشتہ ہی قبض کرتا ہے جو تم پر مامور ہے پھر تم اپنے رب ہی کی طرف لوٹاؤ گے۔ اور اگر تم دیکھ پاتے اس وقت کو جب کہ یہ مجرمین اپنے رب کے حضور اپنے سر جھکاٹے ہوئے اعتراف کریں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا تو ہمیں لوٹا کہ ہم نیک کام کریں، ہم یقین کرنے والے بن گئے۔ اگر ہم چاہتے تو ہر ایک کو اس کی ہدایت خود ہی دے دیتے لیکن میری طرف سے یہ بات متحقق ہو چکی ہے کہ میں جنوں اور انسانوں سب سے جہنم کو بھر کے چھوڑوں گا، تو اب چکھو مزا اس بات کا کہ تم نے اس دن کی پیشی کو بھلائے رکھا۔ ہم نے بھی تم کو نظر انداز کیا اور تم اپنے یکے کی پاداش میں اب ہمیشگی کا عذاب چکھو۔ ۱۰-۱۲

## ۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

الَّذِي تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ (۱-۲)

’الَّذِي تَنْزِيلُ الْكِتَابِ‘ سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ سابق سورہ کی طرح اس سورہ کی تہید بھی بقرہ کی تہید سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔

’تَنْزِيلُ‘ کے معنی ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ صرف اتارنے کے نہیں بلکہ اہتمام خاص کے ساتھ درجہ بدرجہ اتارنے کے ہیں۔ ’الْكِتَابُ‘ سے مراد قرآن مجید ہے۔ یعنی اس کتاب کی تنزیل اللہ ربِّ الْعَالَمِينَ کی طرف سے ہے۔ اس کے اللہ ربِّ الْعَالَمِينَ کی طرف سے ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ’لَا رَيْبَ فِيهِ‘ کا یہی مفہوم ہم نے سورۃ بقرہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ اس آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ قریش اور یہود دونوں کو سب سے زیادہ اختلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس



دعوے سے تھا کہ یہ کتاب آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی جاتی ہے۔ اس دعوے کو وہ، جیسا کہ آگے کی آیت سے واضح ہوگا اِختِرَاء قرار دیتے یعنی آنحضرت مسلم پر یہ الزام لگانے کے نعوذ باللہ اس کتاب کو یہ تصنیف تو خود کرتے ہیں لیکن ہمارے اوپر دھونس جمانے کے لیے اس کو جھوٹ موٹ منسوب اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مِمَّا أَتَتْهُمْ مِنْ نَذِيرٍ  
مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ (۳)

یہ سوال حیرت و تعجب کی نوعیت کا ہے کہ کیا یہ لوگ حق کی مخالفت میں ایسے اندھے بہرے ہو گئے ہیں کہ اس کتاب کے کتاب الہی ہونے کے دعوے کو افتراء قرار دیتے ہیں! مطلب یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کے اندر انصاف اور سچائی کی کوئی رشتی ہوتی تو یہ بات وہ زبان سے نہ نکالتے لیکن یہ لوگ مخالفت کے جوش میں بالکل اندھے بہرے بن چکے ہیں۔

بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ: اس الزام کا جواب قرآن مجید نے مختلف پہلوؤں سے دیا ہے جن کی وضاحت پچھلی سورتوں میں گزر چکی ہے۔ یہاں کوئی تفصیلی جواب دینے کے بجائے نہایت سخت دھمکی کے انداز میں دعوے کو مزید مؤکد کر دیا ہے۔ اور یہ تاکید یہاں دو پہلوؤں سے نمایاں ہوئی ہے۔ ایک یہ کہ یہی حق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جس دین آباؤی کے علمبردار ہیں وہ بالکل باطل ہے، صحیح دین یہی ہے جس کی دعوت یہ کتاب دے رہی ہے۔ دوسرا یہ کہ اس کتاب کے متعلق اس وہم میں نہ رہیں کہ اس کو خدا کی طرف جھوٹ موٹ نسبت دی جا رہی ہے۔ یہ فی الحقیقت خدا ہی کی طرف سے ہے، اگر یہ لوگ اسی طرح اس کو جھٹلاتے رہے تو اس کا انجام خود بھگتیں گے۔

جواب میں

دھمکی

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مِمَّا أَتَتْهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ۔ یہ اس کتاب کے اس اہتمام کے ساتھ اتارنے کا مقصد بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے اتاری ہے کہ تم اس کے ذریعہ سے ان لوگوں کو اس زندگی کے انجام اور آخرت کے احوال سے آگاہ کر دو جن کے اندر تم سے پہلے کوئی منذر نہیں آیا۔ یہاں قوم سے مراد اہل عرب ہیں جن کے اندر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ یہ اس کتاب کے احسان کا پہلو نمایاں فرمایا گیا ہے کہ اُمّی عربوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب نازل کر کے بہت بڑا فضل فرمایا ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اس عظیم نعمت کی قدر کریں۔

اُمّی عربوں

پر اللہ تعالیٰ

کا عظیم احسان

ساتھ ہی اس کے اندر انذار کا پہلو بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کے اندر اپنا منذر بھیج دیتا ہے تو اس قوم کی قسمت میزان میں آ جاتی ہے۔ اگر اس کے بعد بھی وہ اپنے رویہ کی اصلاح نہیں کرتی تو ایک خاص حد تک مہلت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو لازماً تباہ کر دیتا ہے۔ اس سنت الہی کی وضاحت جگہ جگہ اس کتاب میں ہو چکی ہے۔



اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ دَلِيلٍ قُلْ لَا شَافِعَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ يَكُونُ (۴)

ادپرک آیت میں اس کتاب کی تنزیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا خاص مقصد انذار بنایا گیا ہے۔ اب یہ اسی کی تفصیل آرہی ہے۔ انذار کا خاص موضوع دو چیزیں ہیں۔ ایک توحید دوسری قیامت قرآن مجید اول تو اس بات سے ڈراتا ہے کہ لوگ غلط سہاروں اور فرضی معبودوں کی شفاعت کی امید پر زندگی نہ گزاریں۔ اس کائنات کا خالق و مدبر تنها اللہ وحدہ لا شریک لہ ہے سب کو بالآخر اسی کی طرف لوٹنا اور اس کے آگے جواب دہ ہونا ہے۔ اس وجہ سے اسی کی شکر گزاری اور اسی کی عبادت و اطاعت سب پر واجب ہے۔

دوسرے وہ قیامت سے ڈراتا ہے کہ قیامت شدنی ہے۔ بالآخر سب کی پیشی خدا ہی کے آگے ہوگی۔ اس وقت مجرم اپنے جرم کا اعتراف اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ اگر ایک مرتبہ پھر انہیں دنیا میں جانے کی مہلت نصیب ہو تو وہ ایمان و عمل صالح کی زندگی گزاریں گے لیکن وہاں اس قسم کی درخواستوں اور التجاؤں کا موقع باقی نہیں رہے گا۔

آیت زیر بحث اور بعد کی چند آیتوں میں توحید کا بیان ہوا ہے اس کے بعد قیامت اور احوال قیامت کا ذکر آئے گا۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ۔ چھ دنوں سے مراد جیسا کہ اس کے محل میں ہم واضح کر چکے ہیں، خدائی آیام ہیں اور آگے دنیا آ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کا ایک دن ہمارے ہزار سالوں کے برابر ہوتا ہے۔ اس وجہ سے چھ دنوں سے مراد چھادو وار ہوں گے۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کی خلقت کسی اتفاقی واقعہ کی طرح ظہور میں نہیں آئی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نہایت تدریج و انتظام کے ساتھ وجود بخشا ہے۔ یہ تدریج و انتظام اس کی غایت و حکمت پر دلیل ہے اور اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ کوئی کھیل تماشا نہیں ہے بلکہ ایک بامقصد باغایت کارخانہ ہے۔

ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ۔ یعنی اس اہتمام و انتظام سے اس دنیا کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ اس سے بے تعلق نہیں ہو بیٹھا ہے بلکہ وہ اپنے عرش حکومت پر متمکن ہو کر براہ راست اور بالفعل اس کا انتظام بھی فرما رہا ہے۔ یہ مشرکین کے اس خیال کی تردید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کر کے اس کا انتظام اپنی دوسری مقرب ہستیوں کے سپرد کر دیا ہے اور خود اس سے بالکل الگ ہو بیٹھا ہے۔ اس تصور کی بنیاد جس دہم پر تھی اس کی وضاحت ہم اس کے محل میں کر چکے ہیں۔

مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ دَلِيلٍ قُلْ لَا شَافِعَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ۔ یہ اس کے لازمی نتیجہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ جب

انذار کا

عام موضوع

یہ کائنات کسی

اتفاقی حادثہ

کے طور پر ظہور

میں نہیں آئی

اس کا انتظام

اللہ تعالیٰ براہ

راست خود

کر رہا ہے

براہ راست انتظام کا لازمی نتیجہ



براہ راست تمام امور کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہے تو سب کی پیشی بھی اسی کے آگے ہونی ہے اور وہی سارے معاملات کا فیصلہ فرمائے گا۔ اس وقت اس کے سوا نہ کوئی کسی کا کارساز و مددگار بن سکے گا اور نہ اس کے مقابل میں کوئی کسی کی سفارش کر سکے گا۔ لفظ 'دُون' میں سوا اور مقابل دونوں کا مفہوم پایا جاتا ہے اس وجہ سے یہاں 'دُون' کے ساتھ 'شَفِيع' کی بھی نفی فرمادی۔

’اَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ‘ یہ تمام نتائج چونکہ مخاطب کے مسلمات پر مبنی ہیں اس وجہ سے ان کو سامنے رکھ دینے کے بعد متنبہ کیا کہ آخر ایسی واضح باتیں تم لوگ کیوں نہیں جیتتے!!

يَوْمَ تَبْرَأُ الْأُمُورُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَكْسُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مَقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ذَٰلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (۵-۶)

یعنی آسمان سے لے کر زمین تک تمام امور کی تدبیر وہی فرماتا ہے۔ یہ مشرکین کے اس گروہ کی تردید ہے جو اس وہم میں مبتلا تھا کہ زمین چونکہ اللہ تعالیٰ کی کائنات کا ایک دور دراز علاقہ ہے اس وجہ سے اس نے اپنی حکومت صرف آسمان تک محدود رکھی ہے، زمین کا انتظام اس نے اپنے دوسرے کارندوں کے حوالہ کر دیا ہے۔ اسی گروہ کو مخاطب کر کے قرآن میں بعض جگہ یہ سوال آیا ہے کہ کیا زمین میں الگ خدا اور آسمان میں الگ خدا ہیں! کیسی بے عقلی کی باتیں کرتے ہو!

مشرکین کے ایک

خاص گروہ

کی تردید

’ثُمَّ يَكْسُجُ إِلَيْهِ‘ یعنی تمام امور صا در بھی اسی کی طرف سے ہوتے ہیں اور پھر رجوع بھی اسی کی طرف ہوتے ہیں۔ ’يَكْسُجُ إِلَيْهِ‘ یہاں (REFER) ہونے کے مفہوم میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ احکام صادر کر کے پھر بے تعلق نہیں ہو بیٹھتا بلکہ ہر چیز اس کے سامنے پیش ہوتی رہتی ہے اور وہ پوری طرح باخبر رہتا ہے کہ کارکنانِ قضا و قدر نے کیا فرائض انجام دیے اور کس طرح انجام دیے۔

’فِي يَوْمٍ كَانَ مَقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ‘ عام طور پر لوگوں نے اس سے مراد قیامت کا دن لیا ہے اور اس دن لوگوں کے اعمال کی جو پیشی خدا کے سامنے ہونی ہے ان کے نزدیک یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔ قیامت کا دن چونکہ بہت سخت ہوگا اس کی اس سختی کو بطریق استعارہ یوں تعبیر فرمایا کہ وہ ہزار سال کے برابر بن جائے گا۔ ہمارے نزدیک یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ بعینہ ہی مضمون سورہ حج میں اس طرح آیا ہے:

خدا کی آیات

کی نوعیت

وَأَنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ

اور تمہارے رب کے ہاں کا ایک دن تمہارے شمار سے

سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ (۴)

ہزار سالوں کے برابر کا ہوتا ہے۔

وہاں یہ آیت عذاب کے لیے لوگوں کی جلد بازی کے جواب میں وارد ہوئی ہے کہ جب ان کو عذاب سے ڈرایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس عذاب کی دھمکی ہم ایک مدت سے سن رہے ہیں لیکن وہ آیا نہیں، اگر اس کو آنا ہے تو آئیوں نہیں جاتا! ان کے جواب میں فرمایا ہے کہ خدا کے کاموں کو اپنے محدود پیمانوں



سے نہ ناپوڑ تھا۔ رے دن چوبیس گھنٹوں کے ہوتے ہیں اس وجہ سے تمہیں چند سالوں کی مدت بھی بہت طویل محسوس ہوتی ہے لیکن خدا کے ہاں کا ایک دن تمہارے شمار سے ایک ہزار سال کے برابر کا ہوتا ہے اور اسی کے حساب سے اس کے سارے پروگرام اور منصوبے بنتے ہیں۔ تم اپنے دنوں کو پیش نظر رکھ کر گھبرانے لگتے ہو کہ فلاں بات پر اتنی مدت گزر گئی لیکن اب تک وہ واقع نہیں ہوئی اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکال لیتے ہو کہ یہ دھکی تمہیں جھوٹ موٹ سنائی گئی حالانکہ خدائی دنوں کے اعتبار سے ابھی اس پر ایک گھنٹہ بھی نہیں گزری ہوئی ہے۔

بعینہ اسی بیاق میں آیت زیر بحث بھی وارد ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام امر و تدبیر خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ اسی کی طرف سے احکام صادر بھی ہوتے ہیں اور پھر اسی کی طرف لوٹتے بھی ہیں لیکن یہ صادر ہونا اور لوٹنا سب خدائی دنوں کے حساب سے ہوتا ہے۔ اس وجہ سے نہ ہر شخص ان کے نتائج سے آگاہ ہو سکتا اور نہ ہر شخص ان کی حکمتوں کو سمجھ سکتا ہے۔ بندوں کے لیے صحیح روش یہ ہے کہ وہ خدا کے معاملات میں جلد بازی نہ کریں بلکہ صبر کے ساتھ انتظار کریں۔

ذٰلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ۔ غیب اور حاضر کا جاننے والا اور عزیز رحیم وہی ہے۔ دوسرے کسی کا بھی یہ درجہ نہیں ہے کہ وہ کائنات کے تمام امور سے واقف ہو سکے۔ وہ تمام غائب و حاضر سے واقف بھی ہے اور عزیز و رحیم بھی ہے۔ اس وجہ سے بندوں کو چاہیے کہ وہ کامل حسن ظن کے ساتھ اس پر بھروسہ کریں۔

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ یہی مضمون سورہ معارج میں یوں وارد ہوا ہے:

نَعْرُجُ الْمَلَائِكَةَ وَادْخُلُوهَا إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ﴿۲۴﴾

ایک شبہ کا ازالہ

زشتے اور جبریل اس کی طرف صعود کرتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مدت پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔

بظاہر اس آیت اور اوپر کی آیت میں تضاد معلوم ہوتا ہے لیکن یہ تضاد نہیں ہے۔ دنوں کا یہ تضاد مداروں کے اختلاف پر مبنی ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے مختلف سیاروں کے دن الگ الگ ہیں۔ پھر یہ بات بھی توجہ کے قابل ہے کہ آیت زیر بحث میں امور کے پیش کیے جانے کا ذکر ہے اور سورہ معارج میں ملائکہ اور جبریل کی پیشی کا ذکر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ امور کی پیشی ہزار سال کے دن میں ہوتی ہو اور ملائکہ اور جبریل کی براہ راست پیشی کا دن پچاس ہزار سال کے برابر ہو۔ یہ امور غیب ہیں۔ ان کے باب میں کوئی بات جزم کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی تاہم اتنی بات بالکل واضح ہے کہ دونوں آیتوں میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ سورہ حج کی تفسیر میں اس مسئلہ پر ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں اس پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔ سورہ معارج کی تفسیر میں ان شاء اللہ مسم اس کے بعض دوسرے گوشوں پر بھی نظر ڈالیں گے۔



الَّذِي أَحْنَأَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ وَيَدُّ الْإِنْسَانَ مِنْ طِينٍ ۚ لَمْ يَجْعَلْ نَسْلَهُ  
مِنْ نَسْلَةٍ مِنْ مَّاءٍ مَهِينٍ ۚ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ  
وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ (۹-۷)

انذارِ قیامت کے لیے تمہید استوار فرمائی کہ یہ اللہ ہی ہے جس نے جو چیز بھی بنائی خوب بنائی۔ یعنی اس نے جو چیز بھی بنائی ہے اس کی قدرت، حکمت، ربوبیت اور اس کے بے نہایت علم کی شاہد ہے۔ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی لے کر انسان اگر اس پر غور کرے تو اس کی عقل صانع کی صنعت و کاریگری پر دنگ رہ جاتی ہے اور وہ بے خود ہو کر پکار اٹھتا ہے کہ تَبَارَكَ اللَّهُ أَحْنَأُ الْخَائِقِيْنَ (بڑی ہی بابرکت ذات ہے اللہ، بہترین پیدا کرنے والا!!) یہیں سے انسان پر اس حقیقت کا دروازہ کھلتا ہے کہ جو ذات اتنی قدرت رکھنے والی، اتنی حکیم، اتنی باریک بین اور ایسی رحمان و رحیم ہے اس کی نسبت یہ کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اتنا بڑا عالم بالکل بے مقصد کھڑا کر دے۔ پس ضرور ہے کہ اس کے بعد ایک ایسا دن آئے جس میں وہ حق و باطل میں امتیاز کرے۔ ان لوگوں کو جزا دے جنہوں نے اس کی نعمتوں کا حق پہچانا اور ان لوگوں کو سزا دے جنہوں نے اس دنیا میں اندھوں بہروں کی زندگی گزاری، نہ انہوں نے خود اس کی حکمتوں پر غور کیا اور نہ دوسرے غور کرنے والوں کی باتوں کو لائق اعتناء سمجھا۔

وَيَدُّ الْإِنْسَانَ مِنْ طِينٍ ۚ اوپر والے ٹکڑے میں یہ بات جو فرمائی ہے کہ اس نے جو چیز بھی بنائی خوب بنائی، اس کے ثبوت میں خارج کی مثالیں پیش کرنے کے بجائے خود انسان ہی کی خلقت کو بطور مثال پیش کیا ہے کہ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے کہیں دُور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خود اپنی ہی خلقت کے مراحل و مدارج پر غور کرو اور دیکھو کہ خدا کی قدرت و حکمت اور اس کی ربوبیت کی کیا ایک شانیں تمہارے اندر ظاہر ہوئی ہیں! فرمایا کہ یہ انسان جو آج اپنی قابلیتوں پر اتنا نازاں ہے، اس کا آغاز خدائے حکیم و قدیر نے کسی بڑے قیمتی جوہر سے نہیں کیا بلکہ مٹی سے کیا، اسی سے اس کا قالب بنا اور اسی مٹی کے اندر سے اس کے اندر زندگی کی حرکت نمودار ہوئی لیکن دیکھو خالق کی قدرت و حکمت کہ اس نے مٹی کے لوندے کو کیا سے کیا بنا دیا!!

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ نَسْلَةٍ مِنْ مَّاءٍ مَهِينٍ ۚ یہ انسان کی خلقت کے دوسرے مرحلہ کی طرف اشارہ ہے کہ دوسرے مرحلے میں اس کی حیثیت یہ ہوئی کہ مٹی کے بجائے اس کی نسل کے چلنے کا ذریعہ حقیر و ناپاک پانی کا خلاصہ بنا۔

ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ تَسْوِيَةً کے معنی جیسا کہ اس کے محل میں ہم واضح کر چکے ہیں، کسی چیز کو سنوارنے اور اس کی ٹوک پلک درست کرنا



کے ہیں۔ آرٹ کی اصطلاح میں جس چیز کو تکمیل یا اتمائی عمل (FINISHING TOUCH) کہتے ہیں ٹھیک وہی مفہوم تَسْوِیۃ کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تیسرے مرحلے میں اگر اس نے مٹی سے بنے ہوئے اس انسان کے نوک پلک سنوارے اور اس کے اندر اپنی روح پھونکی تب اس کے اندر سمع و بصر اور دل کی وہ صلاحیتیں نمودار ہوئیں جو دوسری حیوانی مخلوقات کے مقابل میں اس کے لیے وجہ امتیاز بنیں۔

’نَفْخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِہ‘ میں روح سے مراد وہ روح ہے جس کو ہم روح ملکوتی سے تعبیر کرتے ہیں۔ انسان کے اندر حیوانی روح کے ساتھ ایک نورِ بزدانی (DIVINE SPARK) بھی ہے اور اسی نور کے فیض سے انسان کے سمع و بصر اور فواد میں وہ روشنی پیدا ہوئی ہے جس سے اس کو اثرات المخلوقات کا درجہ حاصل ہوا ہے۔ اگر اس روشنی سے وہ محروم ہو جائے تو پھر اس کا باطن بھی اسی طرح تیرہ و تار ہے جس طرح حیوانات کا ہے۔ کان، آنکھ اور دل حیوانات کے پاس بھی ہیں لیکن وہ نورِ بزدانی سے محروم ہیں اس وجہ سے ان کے کانوں، آنکھوں اور دلوں میں وہ صلاحیت نہیں ہے جو انسان کے سمع و بصر اور دل میں ہے۔ اگر انسان اپنے کو اس نور سے محروم کر لے تو پھر وہ بھی ایک حیوان ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اس نور کو باقی رکھنا اور اس کو بڑھانا یا گھٹانا انسان کے اپنے اختیار پر منحصر ہے۔ جو لوگ اس کی قدر کرتے اور اس کے حقوق ادا کرتے ہیں وہ اس میں اضافہ کرتے ہیں اور ان کے اندر یہ قوی سے قوی تر ہوتا جاتا ہے اور جو لوگ اس کی قدر نہیں کرتے ان کے اندر یہ ضعیف ہوتے ہوئے بالکل ہی بجھ جاتا ہے۔

’مِنْ رُّوْحِہ‘ میں انصاف سے مقصود فی الجملہ اس روح کے اختصاص کا اظہار ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے خاص فیوض و برکات میں سے ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حصہ ہے۔ اس غلط فہمی پر تنبیہ اس لیے ہم نے ضروری سمجھی ہے کہ وحدت الوجود کی گمراہیوں میں بڑا دخل اسی غلط فہمی کا ہے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تسویہ اور نفخ روح سے پہلے انسان پر ایک دور ایسا بھی گزرا ہے جب انسان حیوانات کی طرح ناتراشیدہ اور بعیرت ادراک سے محروم تھا۔ اس دور کے بعد تسویہ نے اس کے ظاہر کو سنوارا اور نفخ روح نے اس کے باطن کو منور کیا۔

’قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ‘ یعنی اپنی خلقت کے ان تمام مراحل پر غور کرو کہ کس طرح خدا نے تمہارا آغاز کیا اور پھر کس درجے تک تم کو پہنچایا! حق تھا کہ تمہارا بال بال اپنے رب کی اس عنایت و ربوبیت کا شکر گزار ہوتا اور جو نعمتیں و صلاحیتیں اس نے تم کو بخشیں ان کو تم اس کی رضا کے کاموں میں استعمال کرتے لیکن تمہارا حال یہ ہے کہ تم بہت ہی کم اس کے شکر گزار ہوتے ہو۔

ذَقَّا لَوْ اٰذَا مَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ مِمَّا لَفَيْنَا لَنُحْيِيْ خَلْقًا جَدِيْدًا ۗ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كَغُرُوْنَ (۱۰)

تسویہ اور نفخ  
روح سے پہلے  
انسان حیوانیت  
کے دور میں تھا

علامہ بحث



سب کچھ دیکھنے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو سمع و بصر اور ادراک و تعقل کی جو صلاحیتیں بخشی تھیں وہ اس لیے بخشی تھیں کہ بعد انسان کے وہ کام لیں اور خدا کی قدرت و حکمت اور رحمت و ربوبیت کے آثار کے شاہدہ سے اس نتیجے کی بے بصیرت تک پہنچیں کہ یہ دنیا عبث نہیں پیدا ہوئی ہے اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کے بعد ایک ایسا دن آئے جس دن ہر شخص اپنے اعمال کی جواب دہی کے لیے اپنے رب کے حضور حاضر کیا جائے اور وہ جزایا سزا پائے لیکن اس انسان کی کج فہمی کا یہ حال ہے کہ جب اس کو قیامت سے ڈرایا جاتا ہے تو خدا کی قدرت کی اتنی شائیں دیکھنے کے باوجود، وہ طنز و استہزاء کے ساتھ یہ سوال کرتا ہے کہ کیا جب ہم گل سرگزین میں رل مل جائیں گے تو اس کے بعد از سر نو زندہ کیے جائیں گے!

قیامت کے انکار کے لیے اپنے وجود کے اندر اور باہر دیکھتے ہوئے یہ اتنے غبی طرح ہو سکتے ہیں کہ اپنے دوبارہ پیدا کیے جانے کو ایک بہانہ اس کی قدرت سے بعید سمجھیں! اصل چیز یہ ہے کہ یہ لوگ خدا کے آگے پیشی اور اعمال کی جواب دہی کے منکر ہیں، اس چیز کو تسلیم کرنا ان کے دلوں پر بہت شاق ہے اس وجہ سے اس سے گریز کے لیے یہ تمام عقلی استمالے اور شبہات گھڑے اور اٹھائے جا رہے ہیں۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ بسا اوقات انسان انکار تو کسی اور چیز کا کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے انکار کے لیے بہانہ کسی اور چیز کو بناتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ براہ راست اس حقیقت کے انکار کی کچھ زیادہ گنجائش وہ نہیں پاتا۔ مشرکین عرب کا حال بھی یہی تھا۔ وہ خدا کے قائل تھے اس وجہ سے خدا کے آگے پیشی کا صریح انکار ان کے لیے مشکل تھا لیکن اس کو ماننے سے جو بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں وہ ان کے لیے بھی تیار نہیں تھے اس وجہ سے اس سے گریز کے لیے اول تو وہ قیامت پر اس قسم کے شبہات وارد کرتے تھے جس کی ایک مثال اد پر گزری اور بدرجہ آخر اس کو ماننے بھی تھے تو اس کے نتائج سے بچاؤ کے لیے انھوں نے شرکاء و شفعاء ایجاد کر لیے تھے۔

دو زون شہادت

کا اکٹھا جواب

قُلْ يَتُوبُ إِلَيْكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرَ بِكُمْ ثُمَّ أِنِّي رَیُّكُمْ تُرْجَعُونَ (۱۱)

یہ اوپر کی دونوں باتوں کا جواب ہے کہ جو مرنے والے اس کو خدا کا وہ فرشتہ ہی وفات دیتا ہے جو خدا کی طرف سے ہر شخص پر مامور ہے۔ اس وجہ سے کوئی شخص مرنے کے بعد بھی خدا اور اس کے مامور ملائکہ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتا۔ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ ہر شخص کو اٹھا کھڑا کرے گا اور وہ اس کے مامور ملائکہ کی نگرانی میں ان کے سامنے حاضر کیا جائے گا۔

ثُمَّ أِنِّي رَیُّكُمْ تُرْجَعُونَ یعنی کوئی اس طمع خام میں بھی مبتلا نہ رہے کہ اس کی واپسی اس کے مرنے والے شرکاء و شفعاء کی طرف ہوتی ہے۔ اس دن ان شرکاء و شفعاء کا کوئی وجود نہیں ہوگا، سب کی پیشی اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سامنے ہی ہوگی اور وہی سب کا فیصلہ فرمائے گا۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْغَرْنَا وَسِغْنَا فَاجْعَلْنَا



نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ (۱۲)

’دکو تَزَيٰ‘ میں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہو سکتا ہے اور عام مخاطبوں سے بھی۔ پہلی خطاب کی شکل میں یہ آیت تسلی کے سیاق میں ہوگی اور دوسری صورت میں تنہید کے سیاق میں۔ اگر پہلی صورت اختیار کیجیے تو مطلب یہ ہوگا کہ آج تو یہ لوگ تھکے آگے بہت اکر چکے ہیں اور بڑے تجتر در عونت کے ساتھ تمہیں کے جواب قیامت اور خدا کے آگے پیشی کا انکار کر رہے ہیں لیکن اگر تم اس وقت کو دیکھ پاتے جب یہ تمام مجرمین کے حذف سر نہیڑائے اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں گے تو ————— یہاں تمہیں کا جواب مہذوف ہے اور اس حذف میں بڑی بلاغت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم اس وقت ان کی بے بسی کا وہ منظر دیکھتے جس کا آج تصور بھی نہیں کر سکتے!

رَبَّنَا ابْصُرْنَا وَ سَمِعْنَا فَأَرْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ۔ یعنی اس وقت ان میں سے ہر ایک

کی زبان پر یہ اعتراف ہوگا کہ لے ہمارے رب! ہم نے اچھی طرح دیکھا اور سن لیا۔ اب ہمیں ایک بار دنیا میں پھر لوٹا تاکہ ہم کچھ نیکی کما سکیں۔ ہمیں ہر بات کا پورا یقین ہو گیا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هَذَا وَ لَكِنِّي حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ

الْبَشَرِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (۱۳)

یہ ان کے اعتراف اور ان کی درخواست کا جواب ہے جو برسرِ موقع ان کو دیا جائے گا کہ سب کچھ شاید کے آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد تمہارا یہ اقرار و ایمان بالکل بے سود ہے۔ اگر اللہ کو اس طرح کا مجبورانہ ایمان پسند ہوتا تو وہ ہر شخص کو ایمان و ہدایت پر ہی پیدا کرتا۔ یہ اس کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں تھا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہدایت کے معاملے میں اس نے لوگوں کو اختیار دیا کہ وہ امتحان کرے کہ کون اپنی عقل و بصیرت سے کام لے کر ایمان کی راہ اختیار کرتا ہے اور کون اپنی خواہشوں کی پیروی میں شیطان کی راہ پسند کرتا ہے۔

’وَلَكِنِّي حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْبَشَرِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ‘ یہ اس فیصلہ

کی طرف اشارہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اس کے چیلنج کے جواب میں آگاہ فرما دیا تھا۔ قرآن میں اس کا ذکر جگہ جگہ آیا ہے۔ سورہ ص میں اس کا حوالہ لیا ہے:

کا حوالہ

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَا أُخَوِّتُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

اَلْاَعْبَادُكَ مِنْهُمْ الْمُخْلَصِينَ ۝

قَالَ فَالْحَقُّ ۝ اَقُولُ ۝

لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ

وَمِمَّنْ يَتَّبَعُكَ مِنْهُمْ

ابلیس نے کہا تیرے عزت و جلال کی قسم! میں

ان سب کو گمراہ کر کے چھوڑ دوں گا۔ بس ان میں سے تیرے

خاص بندے ہی بچ رہیں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ پھر یہ

بات بھی حق ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں کہ میں بھی

تجھ سے اور تیری ذریت سے اور ان انسانوں میں



اَجْبِيْتَنَّهُ (ص ۸۲-۸۵) سے جو تیری پیروی کریں گے، سب کو جہنم میں بھر کے دیوں گا۔

یہاں اس قول کا حوالہ دینے سے مقصود مجرموں کو اس بابت سے آگاہ کرنا ہو گا کہ اب غرور و مغررت کا وقت گزر گیا۔ اللہ نے شیطان کے جواب میں پہلے ہی اپنا فیصلہ سنا دیا تھا کہ وہ بنی آدم میں سے جن کو گمراہ کر سکتا ہے گمراہ کرے۔ انسان کو خدا نے یہ آزادی دی ہے کہ وہ چاہے تو رحمان کی راہ اختیار کرے اور چاہے تو شیطان کی راہ اختیار کرے۔ دنیا کی زندگی میں یہ امتحان تھا۔ اب امتحان کا مرحلہ گزر چکا اور نتائج بھگتنے کی باری ہے چنانچہ آج وہ انجام تمھارے سامنے آگیا اور میری بات تم پر پوری ہوئی۔

فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۖ اِنَّا نَسِيْنُكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ  
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۱۴)

’نسی‘ کے معنی ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں، نظر انداز کرنے اور ٹھانسنے کے بھی آتے ہیں۔ یہاں یہ نظر انداز کرنے ہی کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اب کسی سوال و درخواست کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ جس طرح تم نے اس دن کو نظر انداز کیے رکھا آج ہم نے تم کو نظر انداز کیا۔ اب تمھاری کوئی درخواست التجا ہمارے نزدیک درخواستِ اعتنا نہیں رہی۔ اب اپنے اعمال کی پاداش میں ہمیشگی کا عذاب چکھو۔ یعنی یہ تمھارے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ظلم نہیں ہے بلکہ علم بھر جس فصل کی تم نے کاشت کی ہے یہ اسی کا حاصل تمھارے سامنے آیا ہے۔

## ۲۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۱۵-۲۲

ادھر کی آیات سے واضح ہو کہ جو لوگ قرآن پر ایمان لانے سے گریز کر رہے تھے ان کے گریز کے اسباب کیا تھے۔ اب آگے کی آیات میں یہ بتایا ہے کہ کس قسم کے لوگ ہیں جو اس کتاب پر ایمان لا رہے ہیں یا لائیں گے اور ان کے لیے خدا کے ہاں کیا اجر و ثواب اور کیا مرتبہ و مقام ہے اور جو لوگ اس کی مخالفت کر رہے ہیں وہ دنیا اور آخرت دونوں میں کس انجام سے دوچار ہونے والے ہیں۔ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

اِنَّمَا يَوْمُنْ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُوْا سُجَّدًا وَّ

سَبِّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ (۱۵) تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ

عَنِ الْمَضٰجِیْعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

یُنْفِقُوْنَ (۱۶) فَلَا تَعْلُوْا نَفْسٌ مَّا اَخْفٰی لَهُمْ مِنْ قُرْءٰنٍ اَعِیْنُ

آیات ۱۵-۲۲



جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۷﴾ أَلَمْ يَكُنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ  
 فَاسْتَقَاءَ لَا يَسْتَوُونَ ﴿۱۸﴾ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
 فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ  
 فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا  
 فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهِ  
 تُكَذِّبُونَ ﴿۲۰﴾ وَلَنْ يَتَّقِيَهُمْ مِنَ الْعَذَابِ إِلَّا الَّذِينَ دُونَ الْعَذَابِ  
 الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ  
 بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ ﴿۲۲﴾

ہماری آیات پر تو بس وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جن کا حال یہ ہے کہ جب ان

ترجمہ آیات ۱۵-۲۲

کے ذریعہ سے ان کو یاد دہانی کی جاتی ہے تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی  
 حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ ان کے پہلو بستروں سے کنارہ کش رہتے  
 ہیں۔ وہ اپنے رب کو بکارتے ہیں خوف اور طمع سے اور جو کچھ ہم نے ان کو بخشا ہے اس  
 میں سے خرچ کرتے ہیں تو کسی کو پتہ نہیں کہ ان لوگوں کے واسطے ان کے اعمال کے صلہ میں  
 آنکھوں کی کیا ٹھنڈک پوشیدہ ہے!! ۱۵-۱۶

تو کیا وہ جو مومن ہے اس شخص کے مانند ہو جائے گا جو نافرمان ہے! دونوں یکساں  
 نہیں ہو سکتے!! جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے راحت کے  
 باغ ہیں جو ان کو ان کے اعمال کے صلہ میں، اولین سامان ضیافت کے طور پر، حاصل  
 ہوں گے۔ رہے وہ جنھوں نے نافرمانی کی تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ جب جب وہ اس



میں سے نکلنے کی کوشش کریں گے اسی میں دھکیلے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ اب اس دوزخ کے عذاب کا مزہ چکھو جس کی تم تکذیب کرتے رہے تھے۔ ۱۸-۲۰

اور ہم ان کو بڑے عذاب کے سوا قریب کا عذاب بھی چکھائیں گے تاکہ یہ رجوع کریں اور ان سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جن کو ان کے رب کی آیات کے ذریعہ سے یاد دہانی کی جائے پھر وہ ان سے اعراض کریں! ہم ایسے مجرموں سے ضرور انتقام لیں گے۔ ۲۱-۲۲

### ۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اَنۡسَا يُؤْمِنُ بَاٰیٰتِنَا الّٰذِیۡنَ اِذَا ذُکِّرُوۡا بِہَا خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوۡا بِحَمْدِ رَبِّہِمۡ  
وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوۡنَ (۱۵)

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی کے سیاق میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی دنیوی برتری کے زعم میں اپنے کو حق سے بھی بڑا سمجھنے لگے ہیں ان سے کسی خیر کی امید نہ رکھو، ہمارا ان آیات پر صرف وہ لوگ ایمان لائیں گے جن کے دلوں کے اندر خشیت و انابت ہے۔ ان کو جب ان کے ذریعہ سے خدا اور آخرت کی یاد دہانی کی جاتی ہے تو وہ جھگڑنے کے بجائے بے شکا مسجدوں میں گر پڑتے اور اپنے رب کی تسبیح کرتے ہیں اس کی حمد کے ساتھ۔ یعنی ان آیات سے اثر پذیر وہ لوگ ہوں گے جن کے دلوں کے اندر قنوت نہیں پیدا ہوئی ہے۔ اس طرح کے لوگوں کے دلوں پر اگر غفلت کا کچھ غبار ہوتا ہے تو وہ تذکیر و تنبیہ سے فوراً صاف ہو جاتا ہے اور پھر وہ حق کو ایسے جوش و جذبہ کے ساتھ اختیار کرتے ہیں کہ سالوں کی منزل، دنوں میں طے کرتے ہیں۔

”سَبَّحُوۡا بِحَمْدِ رَبِّہِمۡ“۔ ”تسبیح اور حمد“ دونوں کے ایک ساتھ ذکر کرنے کے فائدے پر ہم دوسری جگہ روشنی ڈال چکے ہیں۔ ”تسبیح“ کے اندر تنزیہ کا پہلو غالب ہے اور ”حمد“ کے اندر اثبات کا۔ خدا کی صحیح معرفت ان دونوں ہی پہلوؤں کو ملحوظ رکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی پہلو بھی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے تو انسان خدا کے باب میں ایسی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ خدا کا وجود اور عدم دونوں اس کے لیے یکساں ہو کے رہ جاتا ہے۔

”وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوۡنَ“ یہ اصل گر کی بات ارشاد ہوئی ہے کہ ان لوگوں کے اندر یہ صلاحیت اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ ان میں اشکبار نہیں ہے۔ اشکبار کی حقیقت پر ہم دوسری جگہ روشنی ڈال چکے ہیں۔

قرآن پر  
ایمان لانے  
والوں کی صفات

گر کی بات



اس کا صحیح مفہوم حق کے مقابل میں اکرنا ہے۔ یہ بیماری آتم الامراض ہے۔ جو لوگ اس مہلک مرض میں مبتلا ہوتے ہیں وہ اپنی خواہشوں اور اپنی رائے کے مقابل میں کسی واضح سے واضح حق کو بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول حق کی صلاحیت سے بالکل ہی محروم کر دیتا ہے۔ قبول حق کی توفیق صرف وہی لوگ پاتے ہیں جو حق کو خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، ہر چیز سے بالا سمجھتے ہیں اور جب وہ ان کے سامنے آتا ہے تو خواہ کسی گوشے سے آئے، یہاں تک کہ اگر ان کا دشمن بھی اس کو پیش کرے، تو وہ فوراً اس کے آگے گردن جھکا دیتے ہیں۔

تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا ذَلِمْتَنَّهُمْ يَبْغُونَ (۱۶)

یعنی ان لوگوں پر خدا کے حضور پیشی اور آخرت کی باز پرس کا خوف چونکہ ہر وقت طاری رہتا ہے اس وجہ سے وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اور بستروں کی لذت و راحت سے اپنے کو محروم رکھ کر اپنے رب کو لپکا رتے اور اس کی نمازیں پڑھتے ہیں۔ یہ ڈرتے بھی اسی سے ہیں اور امید بھی اسی سے رکھتے ہیں۔ اور جو کچھ خدا نے ان کو بخشا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں وہ خرچ کرتے ہیں۔

اس آیت میں دو چیزوں کا ذکر آیا ہے۔ ایک نماز، دوسری انفاق۔ ایمان کے بعد یہی دو چیزیں اس کے اولین مظاہر کی حیثیت رکھتی ہیں اور پھر انہی دو پر پورے دین کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اس مسئلہ پر ہم اس کتاب میں جگہ جگہ بحث کر چکے ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱۷)

یہ ان لوگوں کی شب بیداری اور انفاق کا صلہ بیان ہوا ہے کہ ان کے لیے اللہ نے آنکھوں کی جو ٹھنڈک چھپا رکھی ہے اس دنیا میں اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ ایک نادیدہ عالم کی زندگی کی خاطر ان لوگوں کی ان جانفشانیوں پر آج جو لوگ ہنس رہے ہیں وہ بھی اس کو دیکھ کر دنگ رہ جائیں گے اور اہل ایمان بھی نہال ہو جائیں گے کہ ان کی قربانیوں کا صلہ ان کے اندازوں اور قیاسوں سے کہیں بڑھ کر ملا۔

جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ یعنی یہ جو کچھ ان کو ملے گا ان کے اپنے ہی اعمال کا صلہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کی چند روزہ مسماعی کا صلہ ایک ابدی بادشاہی کی صورت میں دے گا اور فرمائے گا کہ یہ تمہارے اپنے ہی اعمال کا صلہ ہے۔ ہر چند یہ جو کچھ ملے گا یہ ہوگا اللہ تعالیٰ کا فضل لیکن اس کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا ثمرہ قرار دے گا اس لیے کہ آدمی کو اپنے کارناموں کے ثمرات و نتائج سے جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ کسی دوسری چیز سے نہیں حاصل ہوتی۔

أَخْسَنُ كَانَ مَوْءِیًّا كَمْیْنَ كَانَ فَاَسَقَّطَ لَا یَسْتَوُونَ (۱۸)

یہ اوپر والی بات کی دلیل ارشاد ہوئی ہے کہ یہ جو کچھ کہا گیا ہے اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش اور کی بات کی دلیل



نہیں ہے۔ ایسا ہی ہوگا اور ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ اس دنیا کے خالق کے نزدیک مومن اور فاسق دونوں یکساں ہیں اور وہ اپنے وفادار بندوں اور اپنے باغیوں اور غداروں میں کوئی فرق نہیں کرے گا۔ ایسا سمجھنا اس کا رخانہ کائنات کے مبنی بر حکمت ہونے کی نفی اور اس کے خالق کے عادل، رحیم اور حکیم ہونے کا انکار ہے اس وجہ سے یہ بات صریحاً باطل ہے۔ دونوں خدا کے نزدیک یکساں نہیں ہو سکتے پس ضروری ہے کہ ایک ایسا دن آئے جس میں خدا کے وفادار بندے اپنی وفاداریوں کا صلہ پائیں اور اس کے نافرمان اپنی نافرمانیوں کی سزا بھگتیں۔

وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْدَىٰ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱۹)

جنت المادی

یہ اس جزا اور سزا کی تفصیل بیان فرماتی کہ جو لوگ ایمان و عمل صالح کی زندگی بسر کریں گے ان کے لیے راحت کے باغ ہوں گے جو ان کو ان کے اعمال کے صلہ میں اولین سامانِ میزبانی کی حیثیت سے ملیں گے۔ 'نُزُل' اس سامانِ ضیافت کو کہتے ہیں جو مہمان کے سامنے اس کے مرکب سے اترتے ہی پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ 'جنت المادی' سے مراد وہ جنتیں ہیں جن میں یہ اہل ایمان اول اول آئے جائیں گے۔ وہاں ان کی ابتدائی ضیافت ہوگی اور پھر وہ اصل جنت میں بھیجے جائیں گے۔ گویا ان باغوں کی حیثیت اہل جنت کے لیے (REST HOUSE) کی ہوگی اور اس کے جمع لانے سے یہ بات نکلنی ہے کہ یہ باغ تمام اہل جنت کے لیے الگ الگ ہوں گے۔ سورہ نجم کی آیت ۱۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ 'جنتُ المادی'، 'سُورَةُ الْمُنْتَهَىٰ' کے پاس ہے اور 'سُورَةُ الْمُنْتَهَىٰ' عالمِ ناسوت اور عالمِ لاہوت کے درمیان آخری نقطہ اتصال ہے اس وجہ سے اگر اس کے پاس 'جنتُ المادی' ہوں تو یہ ان کے لیے موزوں ترین مقام ہے۔ یہ امور غیب کی باتیں ہیں، ان کے باب میں کوئی بات قطعیّت کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے لفظ 'نُزُل' کے معنی کی وضاحت کے لیے لکھا ہے۔ ان شاء اللہ سورہ نجم کی تفسیر میں جنت المادی پر مزید بحث آئے گی۔

وَأَمَّا الَّذِينَ نَسَقُوا فَمَا لَهُمْ نَارُ كَلْمًا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِينَ كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ (۲۰)

نفاق کا

انجام

اہل ایمان کی جزا بیان کرنے کے بعد یہ نفاق و تجار کی سزا کا بیان ہے۔ فرمایا کہ ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگی۔ یہ اس میں سیدھے دھکیل دیے جائیں گے۔ دوزخ میں ان کے لیے اولین سامانِ ضیافت، قرآن کے دوسرے مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ کھوتا ہوا پانی اور زقوم ہوگا۔ یہ وہاں سے نکلنے کے لیے زور لگائیں گے لیکن جب جب نکلنے کی کوشش کریں گے اسی میں دھکیل دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ اب یہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ وہی دوزخ اور اس کا عذاب ہے جس کا تم مذاق اڑاتے رہے تھے۔ اب اس کا مزہ چکھو!



وَلَنذِيقَهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (۲۱)

عَذَابِ ادنیٰ سے مراد اس دنیا کا عذاب ہے جو تذکیر و تنبیہ کے لیے آتا ہے۔ اوپر کی آیت قریش کے لیے میں عذاب اکبر کا ذکر تھا جس سے کفار کو آخرت میں سابقہ پیش آئے گا۔ فرمایا اس عذاب اکبر تنبیہ عذاب سے پہلے اس دنیا میں بھی ہم ان لوگوں کو اپنے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ ان لوگوں سے مراد ظاہر ہے کہ قریش ہیں۔ یہاں جو باتیں فرمائی گئی ہیں اگرچہ عام الفاظ میں فرمائی گئی ہیں لیکن ان کے اول مخاطب قریش ہی ہیں۔ ان کو دھکی دی ہے کہ وہ متنبہ رہیں کہ اس دنیا میں بھی ان کو سزا ملے گی اور مقصود اس سے یہ ہوگا کہ وہ اپنی غلط روش سے باز آئیں اور صحیح زندگی کی طرف پلٹیں۔ اس عَذَابِ ادنیٰ کا سلسلہ قریش کے لیے غزوہ بدر سے شروع ہوا جس میں ان کو پہلا چرکا لگا اور ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ پھر یکے بعد دیگرے اسی طرح کے حالات سے ان کو سابقہ پیش آتا رہا۔ یہاں تک کہ فتح مکہ کے موقع پر ان کی قوت ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ ان کے اندر جو اچھے لوگ تھے وہ آہستہ آہستہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور جو اشرار و مفسدین تھے وہ بالتدریج ختم ہو گئے۔ چونکہ ان کی اکثریت اس وقت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائی اس وجہ سے ان پر کوئی اس قسم کا فیصلہ کن عذاب نہیں آیا جس قسم کے عذاب پچھلی قوموں پر آئے بلکہ یہ صرف تنبیہ کر کے چھوڑ دیے گئے، جیسا کہ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ (۲۲)

اوپر کی آیت میں عذاب کی جو دھکی دی ہے یہ اس کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ آخر ہم ان کو عذاب کیوں نہ دیں گے! ان سے بڑھ کر ظالم و مجرم کون ہو سکتا ہے جن کو ہماری آیات کے ذریعے سے تذکیر و تنبیہ کی جائے اور وہ ان سے روگردانی کریں! تذکیر و تنبیہ کا سب سے بڑا ذریعہ خدا کی کتاب اور اس کا رسول ہی ہو سکتا ہے۔ جو لوگ اس آخری ذریعہ تذکیر و تنبیہ سے بھی نہ جاگے اب سنت الہی کے تحت ان کے جگانے کے لیے کوئی دوسری چیز باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اب لاریب وہ مجرم ہیں اور ہم ایسے مجرموں سے لازماً انتقام لے کے رہیں گے۔ کسی قوم میں رسول کی بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ اس قوم کے ساتھ جو معاملہ کرتا ہے اس کی وضاحت ہم اس کتاب میں جگہ جگہ کرتے آئے ہیں۔ اس آیت کو اس کی روشنی میں سمجھیے۔

## ۴۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۲۳-۳۰

آگے خاتمہ سورہ کی آیات ہیں۔ اوپر کے پیرے میں قریش کو یہ دھکی جو دی ہے کہ ہدایت کے اتارنے کے بعد اگر وہ اس پر ایمان نہ لائے تو لازماً وہ اس دنیا میں بھی خدا کے عذاب سے دوچار ہوں گے



اور آخرت میں بھی ان کو عذاب سے سابقہ پیش آئے گا۔ آگے کی آیات میں اسی حقیقت کو تاریخ کی روشنی میں مبرہن کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو بشارت دی ہے کہ اگر وہ ثابت قدم رہے تو بالآخر کامیابی انہی کو حاصل ہوگی۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات  
۲۳-۳۰

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ أَيْكُتَبُ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهِ وَ  
جَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ إِمَّةً يُّهْدَوْنَ  
بِأَمْرِهَا صَابِرُونَ ۖ وَكَانُوا بِلِقَائِنَا يُوقِنُونَ ۚ (۲۳) إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يُفَصِّلُ  
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۚ (۲۴) أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ  
كَمَا هَلَكَ نَا مِّنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسْكِينِهِمْ  
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ ۖ أَفَلَا يَسْمَعُونَ ۚ (۲۵) أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ  
الْمَاءَ إِلَى الْآرِضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ الْأَنْعَامُ  
وَالنَّاسُ ۚ أَفَلَا يَبْصُرُونَ ۚ (۲۶) وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْفَتْحُ  
إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۚ (۲۷) قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ  
كَفَرُوا وَإِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۚ (۲۸) فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانظُرْ  
إِنَّهُمْ مُنْتَظَرُونَ ۚ (۲۹)

۳  
ع  
۱۶

اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب عطا کی تھی تو تم اس یوم موعود کے ظہور کے باب میں کسی شک میں نہ رہو۔ اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا اور ہم نے ان میں پیشوا اٹھائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے جب کہ انھوں نے ثابت قدمی دکھائی۔ اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔ بے شک تیرا رب ہی قیامت کے دن ان کے درمیان ان چیزوں کے باب میں فیصلہ کرے گا جن میں یہ اختلاف

ترجمہ آیات

۲۳-۳۰



کرتے رہے ہیں۔ ۲۳-۲۵

کیا ان کے لیے یہ چیز ہدایت دینے والی نہ بنی کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چھوڑا جن کی بستیوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں۔ بے شک ان کے اندر بہت سی نشانیاں ہیں۔ تو کیا یہ لوگ سنتے سمجھتے نہیں! ۲۶

کیا انھوں نے دھیان نہیں کیا کہ ہم پانی کے بادلوں کو چٹیل زمین کی طرف ہانک کرے جاتے ہیں پس اس سے کھیتی اگاتے ہیں جس سے ان کے چوپائے بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی تو کیا انھیں سمجھائی نہیں دے رہا ہے! ۲۷

اور وہ پوچھتے ہیں کہ یہ فیصلہ کا دن کب ظہور میں آئے گا اگر تم سچے ہو! کہہ دو کہ فیصلہ کے دن ان لوگوں کا ایمان نفع نہیں دے گا جنھوں نے کفر کیا ہو گا اور نہ ان کو اس کے بعد ہمت ہی دی جائے گی۔ تو ان سے اعراض کرو اور منتظر رہو، یہ بھی منتظر ہی ہیں۔ ۲۸-۳۰

## ۵. الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ تَقَاتِيهِ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً يَّهْدُونَ يَا مَعْرَاتُ الْمَاصِبُونَ أَتَشْكُرُونَ (۲۲-۲۳)

’الْكِتَابَ‘ سے مراد تورات ہے۔ جن لوگوں نے اس کو جس کتاب کے مفہوم میں لیا ہے ان کی رائے ’الکتاب‘ قرآن کی تفسیر کے خلاف ہے۔ ’وَجَعَلْنَاهُ‘ میں ضمیر کا مرجع بہر حال یہی کتاب ہے اور اس کی تعریف یہ بیان ہوئی ہے کہ اس کو ہم نے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا۔ اس تعریف نے خود متعین کر دیا کہ یہ تورات ہے لفظ جس کتاب کے مفہوم میں نہیں بلکہ تورات کے لیے استعمال ہوا ہے۔

’مِّنْ تَقَاتِيهِ‘ میں ضمیر کا مرجع سیاق و سباق دلیل ہے کہ ’الْكِتَابَ‘ نہیں بلکہ وہ یومِ انتقام یا یومِ عذاب ہے جس کی دھمکی اوپر کی آیات ۲۱-۲۳ میں دی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور اس کی تکذیب کرنے والوں کو ہم نے اس دنیا میں بھی عذاب دیا اور آخرت میں بھی یومِ عذاب، ان کو عذاب دیں گے اسی طرح ہم نے تمھارے ذریعے سے جو کتاب اتاری ہے اس کی تکذیب کرنے والوں



کو بھی ہم دنیا اور آخرت دونوں میں سزا دیں گے۔

”ذَلَّاتُكُنْ فِي مَوْبِئَةٍ مِّنْ تَقَابُحٍ“ یعنی اس یوم انتقام اور یوم عذاب کے ظہور کے باب میں تم کسی شک میں نہ رہو۔ یہ فیصلہ کی گھڑی آگے رہے گی۔ اس جملہ کا خطاب اگرچہ ظاہر الفاظ کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن اس میں جو وعید ہے اس کا رخ مخالفین و مکرذبین کی طرف ہے، گویا بات ان سے منہ پھیر کر کہی گئی ہے۔

رسول کی بشت کا ایک زمی جو لوگ اس کی تکذیب کریں وہ دنیا و آخرت دونوں میں اس کی سزا پائیں۔ اسی حقیقت کو اسی اختصار و تقاضا جامعیت کے ساتھ دوسرے مقام میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ  
وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ فَزَيَّرَاهُ  
فَقُلْنَا أَذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا  
بِآيَاتِنَا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا هـ  
(الفرقان : ۳۵ - ۳۶)

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو اس کا وزیر بنایا اور ان کو حکم دیا کہ تم دونوں ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری نشانیوں کی تکذیب کی ہے۔ پس ہم نے ان کو پامال کر کے رکھ دیا۔

یہی مضمون سورہ مومنوں میں یوں آیا ہے:

فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ هـ  
وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ  
لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ هـ  
(المؤمنون : ۴۸ - ۴۹)

پس ان دونوں کی (موسیٰ اور ہارون کی) انھوں نے تکذیب کر دی اور ہلاک ہونے والوں میں سے بنے اور ہم نے موسیٰ کو کتاب سے نوازا کہ وہ ہدایت پانے والے بنیں۔

یہی بات ایک کلیہ کے طور پر تمام رسولوں سے متعلق بھی ارشاد ہوئی ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا  
إِلَى قَوْمِهِمْ فَبَعَا عَنْهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ  
فَأُتِفَتْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرُوا وَكَانَ حَقًّا  
عَلَيْنَا نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ (الزمر : ۳۷)

اور ہم نے تم سے پہلے بھی رسول بھیجے ان کی قوموں کی طرف تو وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ بالآخر ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو جرم کے منکب ہوئے اور اہل ایمان کی مدد ہم پر واجب ہے۔

ان نظائر کی روشنی میں آیت زیر بحث پر غور کیجیے تو اس کا ہر جز و پوری طرح واضح ہو جائے گا۔ ہمارے مفسرین نے اس کو چونکہ اس کے سیاق و سباق اور اس کے شواہد کی روشنی میں نہیں دیکھا اس وجہ سے اس کی تاویل میں ان کو بڑی الجھن پیش آئی ہے۔

”وَجَعَلْنَاهُ مَدَىٰ يُسْرَىٰ“ یعنی تو رات کے مکرذبین کو اس انجام سے دوچار ہوئے جو کتاب الہی



کے مکذبین کے لیے ازل سے مقدر ہے البتہ بنی اسرائیل کے لیے، جنہوں نے اس کو قبول کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو مجید ہدایت بنایا۔ بدقسمتوں نے اس سے ٹھوکر کھائی اور جنہوں نے اس کی قدر کی انہوں نے اسی سے ہدایت حاصل کی۔ اور سورہ مومنوں کی جس آیت کا حوالہ گزرا ہے اس پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ إِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانَ كِتَابُ كَافِرِينَ  
بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کو قوموں کی پیشوائی اور قیادت کے منصب پر سرفراز فرمایا اور ان کے اندر ایسے رہنما اٹھائے جو لوگوں کی رہنمائی اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیادت و امامت کتاب الہی کے لازمی ثمرات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ جس قوم کو اپنی کتاب سے سرفراز فرماتا ہے وہ جیت تک اس کتاب پر قائم رہتی ہے اس کو قوموں کی امامت حاصل رہتی ہے اور اس کے دشمن اس کے آگے ذیل و پامال ہوتے ہیں۔

يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانَ كِتَابُ كَافِرِينَ  
ان کو اپنی کتاب عطا کی تھی اس وجہ سے وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہی لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔ یہ نہیں تھا قیادت کے کہ بغل میں تو اللہ کی کتاب ہو اور آگے پیروی کے لیے سنت ابلیس ہو۔

لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانَ كِتَابُ كَافِرِينَ  
اس بنیاد کا ذکر ہے جس پر ساری شریعت قائم ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کی تو فتنہ انہوں نے اس وقت تک پاٹی جب تک وہ شریعت پر خوف و غم سے بے نیاز ہو کر، جھے رہے۔

وَكَا نُؤَا بِأَيْتِنَا يُوْقِنُونَ ۚ  
یہ ان کے صبر کی اساس و بنیاد کی طرف اشارہ ہے کہ ان کو اللہ کی آیات پر پختہ یقین تھا اور وہ جزا و سزا پر مضبوط عقیدہ رکھتے تھے۔ اس وجہ سے وہ صبر کے اس امتحان میں پورے اترے۔

ان آیات پر تدبر کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان میں مسلمانوں کے لیے بشارت اور مستقبل کی عظیم ذمہ داریوں کی یاد دہانی بھی ہے اور وقت کے یہودیہ پر تعریف بھی کہ وہ کیا بنائے گئے تھے اور اب کیا بن کے رہ گئے ہیں!

إِنَّ نَبْتَكَ مَوْفِقُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ آتِيَةِ نِسَاكَ نَوَاحِيهِ يَخْتَلِفُونَ (۲۵)

یعنی اس دنیا کے بعد ان کا معاملہ خدا کی اخروی عدالت میں بھی پیش ہوگا اور وہ ان تمام چیزوں کے باب میں آخری فیصلہ فرمائے گا جن میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔ فیصلہ فرمائے گا، اسے مقصود اس کا نتیجہ ہے کہ اس دن یہ اپنے اس اختلاف و نزاع کی سزا بگائیں گے۔

أَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسَاكِينِهِمْ وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأَقْلَامٍ يَسْمَعُونَ (۲۶)



پیشگی قومی

کی طرف

اجمالی اشارہ

حضرت موسیٰ کے مخالفین کے انجام کی طرف خاص طور پر اشارہ کرنے کے بعد یہ پچھلی قوموں کی طرف بھی اجمالاً اشارہ کر دیا کہ کیا ان کی رہنمائی کے لیے یہ چیز کافی نہیں ہوئی کہ ان سے پہلے ہم کتنی قوموں کو رسولوں کی تکذیب کے جرم میں ہلاک کر چکے ہیں جن کی بستیوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں۔ یہ اشارہ عادی و ثمود اور قوم لوط وغیرہ کی طرف ہے جن کی سرگزشتیں پچھلی سورتوں میں بیان ہو چکی ہیں۔ قریش اپنے تجارتی سفروں میں ان قوموں کی برباد بستیوں پر سے برابر گزرتے تھے اَوَّلَمَّا يَهْدِيْهِمْ كَلَامُ سَعْيٍ يَّابِتٍ ان نکلتی ہے کہ آخر یہ اپنے ہی ملک کی تاریخ سے سبق کیوں نہیں لیتے! کیوں یہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ ان پر گزرا وہی کچھ ان پر بھی گزر جائے!

رَأَتْ فِي ذَالِكَ لَا يَتَّعِظُ ۚ يَعْنِي أَنَّ سُرُغَزَشْتُوں کے اندر نشانیاں ہیں۔ اگر یہ لوگ کچھ عقل رکھتے ہیں تو انھیں ان نشانیوں سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

— پہلی نشانی اس کے اندر اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعے سے یاد دہانی کرتا ہے اگر وہ اس سے اعراض کرتے ہیں تو وہ مجرم قرار پاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے ضرور انتقام لیتا ہے۔

— دوسری نشانی اس کے اندر یہ ہے کہ اس قسم کے مجرموں کو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی عذاب دیتا ہے اور اس کے بعد آخرت میں بھی ان کو عذاب دے گا۔

— تیسری نشانی یہ ہے کہ مجرموں کو سزا دینے کے بعد اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو قیادت و امامت کے منصب پر سرفراز فرماتا ہے جو پورے استقلال کے ساتھ حق کا ساتھ دیتے ہیں۔

’اَفَلَا يَسْمَعُونَ‘۔ یعنی کیا یہ لوگ ان قوموں کی سرگزشتیں سنتے نہیں! مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی تذکیر و تعلیم ہی کی خاطر قرآن نے ان قوموں کی سرگزشتیں نہایت تفصیل کے ساتھ، ان کے نتائج و عبرت کی وضاحت کرتے ہوئے سنائی ہیں۔ اگر اب بھی یہ اپنے کان بند کیے ہوئے ہیں تو ان کی بد قسمتی پر افسوس ہے! سننا، یہاں سمجھنے اور عبرت حاصل کرنے کے مفہوم میں ہے اس لیے کہ اصل سناد و حقیقت وہی ہے۔ گویا فعل یہاں اپنے حقیقی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نُنْزِلُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زُرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ  
الْعَامُّهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ أَفَلَا يُبْصِرُونَ (٢٤)

’الماء سے یہاں مراد چونکہ پانی والے بادل ہیں اس وجہ سے اس کے لیے لفظ نَسُوْق کا استعمال موزوں ہوا۔ ’ارض جزأ چٹیل اور بنجر زمین کو کہتے ہیں۔



ادپر کی آیات میں ان تاریخی آثار و واقعات کی طرف توجہ دلائی ہے جو اس دنیا میں خدا کے قانونِ آخرت کے مجازات کے شاہد ہیں۔ اب یہ آخرت کی طرف توجہ دلائی کہ اس کے وقوع کو بھی بعید از امکان نہ سمجھو۔ دلائل کی طرف وہ بھی واقع ہو کے رہے گی اور اس دن اللہ تعالیٰ اپنا آخری فیصلہ صادر فرمائے گا۔ فرمایا کہ کیا یہ لوگ خدا کی اس قدرت و ربوبیت کو نہیں دیکھتے کہ ہم پانی سے بوجھل بادلوں کو ہانک کر چٹیل زمینوں کی طرف لے جاتے ہیں اور پھر اس پانی سے مختلف قسم کی فصلیں اگاتے ہیں جو ان کے مویشیوں کے کام بھی آتی ہیں اور خود ان کے کام بھی!

’اَفَلَا يُبْصِرُونَ‘ ادپر کی آیت میں ان کو عدم سماعت پر ملامت کی ہے۔ یہ ان کی عدم بصارت پر ملامت ہے کہ جس طرح ان کے کان بہرے ہو چکے ہیں اسی طرح ان کی آنکھوں کی بصارت بھی سلب ہو چکی ہے۔ یہ اس زمین کو مردہ اور زندہ ہوتے آئے دن دیکھتے ہیں لیکن پھر بھی یہ اس شک میں مبتلا ہیں کہ خدا ان کو اس سے دوبارہ اٹھا سکے پر قادر نہیں ہے۔

اس آیت پر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور ربوبیت کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے۔ اور یہ دونوں صفتیں قیامت کے وقوع اور اس کی ضرورت کی نہایت واضح دلیلوں میں سے ہیں۔ ان کی وضاحت پچھلی سورتوں کی تفسیر میں ہو چکی ہے۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (۲۸)

یعنی ان لوگوں کی بے بصیرتی اور بلاوت کا حال یہ ہے کہ تاریخ اور آفاق کے ان سلسلے شواہد و آثار کی طرف جب ان کو توجہ دلائی جاتی ہے تو طنز و استہزاء کے انداز میں یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر سچ مچ اسی طرح کے فیصلہ کا کوئی دن آتا ہے اور تم لوگ اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو وہ آخر کیوں نہیں جاتا! مطلب یہ ہوا کہ وہ کسی چیز کو دلائل و شواہد کی روشنی میں ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں بلکہ اس وقت مانیں گے جب آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

’قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ‘ (۲۹)

یہ ان کے مطلب کے جواب ہے کہ اگر وہ فیصلہ کے دن کو دیکھ کر ایمان لانا چاہتے ہیں تو ان کو بتا دو کہ اس کے ظہور کے بعد ایمان لانا کسی کے لیے کچھ نافع نہیں ہو گا اور اس کے بعد کسی کو اس بات کی بہت بھی نہیں دی جائے گی کہ وہ توبہ و اصلاح کر کے تلافیِ مافات کر سکے۔ ’یوم الفتح‘ سے مراد فیصلہ کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے اپنی قوموں کو دو عذابوں سے آگاہ کیا ہے۔ ایک قیامت کے عذاب سے دوسرے اس عذاب سے جو رسول کی تکذیب کی صورت میں قوم پر فیصلہ کن عذاب کی شکل میں آتا ہے۔ ادپر جو سنت الہی بیان ہوئی ہے وہ ان دونوں ہی صورتوں سے متعلق ہے جس طرح قیامت کے ظہور کے بعد کسی کا ایمان نافع نہیں ہو گا اسی طرح فیصلہ کن عذاب کے ظہور کے بعد بھی کسی کا ایمان نافع نہیں ہو گا۔



اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول صرف وہ ایمان ہے جو عقل و بعیرت کی رہنمائی میں، اختیار و ارادہ کی آزادی کے ساتھ، لایا گیا ہو۔ مجبورانہ ایمان کی اس کے ہاں کوئی وقعت نہیں ہے۔ اگر مجبورانہ ایمان اس کو پسند ہوتا تو، جیسا کہ دوسرے مقام میں فرمایا ہے، وہ سب کو ایمان ہی پر پیدا کرتا، اس کے لیے ایسا کرنا ذرا بھی مشکل نہیں تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرُوا لَهُمْ مَسْطَرُوتَ (۳۰)

یہ آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہے کہ اگر یہ لوگ فیصلہ کا دن دیکھنے ہی کے لیے بے چلے ہوئے ہیں تو اب ان سے کوئی مزید بحث و گفتگو بالکل بے سود ہے۔ اب ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اور تم بھی اسی فیصلہ کے دن کا انتظار کرو جس کے یہ منتظر ہیں۔ اللہ نے جتنی مہلت ان کے لیے مقدّر کی ہے اس کے پورے ہو جانے کے بعد یہ گھڑی آجائے گی۔

ان سطروں پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فِیْلَہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔

ہفتہ۔ ۹ بجے دن

۱۷ اگست ۱۹۷۴ء

رحمان آباد



تدبر قرآن

۳۳

الاحزاب







بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## ۱۔ سورہ کا عمود، گروپ کے ساتھ اس کا تعلق اور زمانہ نزول

جس طرح سورہ نور اپنے گروپ کے آخر میں پورے گروپ کے تکملہ و تتمہ کی حیثیت رکھتی ہے اسی طرح سورہ احزاب اپنے پورے گروپ کا جو فرقان سے شروع ہوا ہے، تکملہ و تتمہ ہے۔ یہ گروپ جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں، قرآن و رسالت کے اثبات میں ہے۔ اس تعلق سے اس سورہ میں چند باتیں خاص طور پر نمایاں ہوئی ہیں۔

— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بحیثیت رسول جو ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی تھی اس کی وضاحت اور بے خوف لومۃ لائم اس کو ادا کرنے کی تاکید۔

— انبیاء و رسل کے طبقہ کے اندر آپ کو جو امتیاز خاص اور جو مرتبہ و مقام حاصل ہے اس کا بیان۔

— امت کے ساتھ آپ کے تعلق کی نوعیت اور امت پر آپ کے حقوق اور ان کے متعقیات کی وضاحت۔

— حضور کی ازدواج مطہرات کا درجہ امت کے اندر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے تعلق کی مخصوص نوعیت۔

— اس عظیم امانت کا حوالہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان پر ڈالی گئی ہے اور جس کی وضاحت کے لیے اللہ نے اپنی کتاب نازل فرمائی ہے۔ اس عظیم ذمہ داری کے حقوق و فرائض کی یاد دہانی۔

یہ سورہ اس دور میں نازل ہوئی ہے جب منافقین و منافقات نے قرآن کی بعض اصلاحات کو بہانہ بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پراپیگنڈے کی ایک نہایت مکررہ مہم چلا رکھی تھی۔ یہاں تک کہ ازدواج مطہرات کے ذہن کو بھی انھوں نے مسموم کرنے کی کوشش کی۔ اس میں ان فتنوں کی طرف بھی اشارات ہیں جو منافقین نے غزوہ احزاب کے دوران، جو شہر میں واقع ہوا، مسلمانوں کو بد دل کرنے کے لیے اٹھائے۔ اسی سلسلہ میں حضرت زینبؓ اور حضرت زینبؓ کے واقعہ کی اصل نوعیت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اس لیے کہ اس واقعہ کو بھی واقعہ انکس کی طرح جس کا ذکر سورہ نور میں گزر چکا ہے، منافقین نے فتنہ انگیزی کا ذریعہ بنالیا تھا۔

## ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کی تاکید کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر جو کچھ نازل کیا جاتا ہے بے خوف لومۃ لائم اس کی تبلیغ کریں اور کفار و منافقین کے مخالفانہ غوغا کی مطلق پروا نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار و کارساز ہے، اس پر بھروسہ رکھیں۔



(۶-۴) ظہار اور منہ بولے بیٹے کے معاملے میں رسوم باہلیت کی اصلاح کہ ان رسوم کو عقل و فطرت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مخالفین اس اصلاح کے خلاف کتنا ہی ہنگامہ اٹھائیں، ان کے شور و غوغا کی کوئی پروا نہ کی جائے۔ یہ لوگوں کی من گھڑت بدعات ہیں۔ اللہ تعالیٰ معاشرتی زندگی کو ان تضادات سے پاک کر کے اس کو فطرت کی صحیح راہ پر لانا چاہتا ہے۔ مسلمانوں کو اس بات کی ہدایت کہ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں سے منسوب کرو۔ اگر ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو ان کو اپنے موالی کے درجہ میں رکھو، اپنے صبی بیٹوں کا درجہ دینے کی کوشش نہ کرو۔ اب تک رسوم باہلیت کے زیر اثر جو کچھ ہوا ہے اس سے اللہ تعالیٰ نے درگزر فرمایا لیکن اب اس وضاحت کے بعد اس کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔ اسلامی معاشرے میں سب سے اونچا درجہ اور سب سے بڑا حق نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے۔ اور ازواج نبی (رضی اللہ عنہم) کا درجہ امہات المؤمنین کا ہے۔ باقی اولوالارحام کا باہمی قرب و بعد اس قانون کے مطابق ہے جو اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کر دیا ہے۔

(۸-۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر نبی سے اس بات کا مضبوط عہد کر لیا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ کے دین کی دعوت دیں۔ اس معاملہ میں نہ کسی کا پاس و لحاظ کریں نہ کسی کی مخالفت کی پروا تاکہ یہ چیز کھرے اور کھوٹے مخلص اور منافق کے درمیان امتیاز کی کسوٹی بنے اور ہر شخص اپنے عمل کے مطابق جزا یا سزا پائے۔

(۲۶-۹) غزوہ احزاب کے واقعات پر اجمالی تبصرہ جس سے مقصود انہوں کے اندر اس اعتماد علی اللہ اور توکل کو راسخ کرنا ہے جس کی تعلیم پہلی آیت میں دی گئی ہے۔ باوجودیکہ کفار اپنی تمام پارٹیوں کی مجتمع قوت کے ساتھ، مدینہ پر پل پڑے تھے اور منافقین نے بھی اپنی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے مسلمانوں کے قدم اکھاڑ دینے کے لیے پورا زور لگایا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی غیبی فوجوں سے مسلمانوں کی مدد کی اور دشمنوں کو ذلیل و خوار ہو کر پسپا ہونا پڑا۔ اسی طرح اگر مسلمان مخالفوں کی مخالفت کے علی الرغم اللہ کے دین پر قائم اور اس کے رسول کے وفادار و جاں نثار رہے تو اللہ تعالیٰ ہر محاذ پر ان کی مدد فرمائے گا۔

(۳۵-۲۸) مسلمانوں کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر مجتمع کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو خطاب کر کے ان پر ان کی منصبی ذمہ داریاں واضح فرمائی گئی ہیں کہ رسول کے ساتھ نسبت رکھنے کے سبب سے ان کے درجے بھی بہت اونچے ہیں اگر وہ اپنی ذمہ داریاں ادا کریں گی اور ان کے لیے سزا بھی بڑی ہی سخت ہے اگر ان سے کوئی حکم عدولی صادر ہوئی۔ ان کا اصلی فریضہ پیغمبر کی اطاعت و وفاداری اور اس کتاب و حکمت کی روشنی کو پھیلانا ہے جس کی تعلیم ان کو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مل رہی ہے۔ اس وجہ سے ان کے نمایاں شان بات یہ ہے کہ وہ وفار کے ساتھ اپنے گھروں میں بیٹھیں اور ان منافقین و منافقات کے اثر سے اپنے کو بچائیں جو ان کی کریم النفسی سے فائدہ اٹھا کر ان کے دلوں میں محبت دنیا کی تخم ریزی کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اہل بیت نبوت کو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک اور صرف کتاب و حکمت کی تعلیم و دعوت کے لیے خام رکھے۔



(۳۶-۴۰) حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے واقعہ کی طرف ایک اجمالی اشارہ جس میں سب سے پہلے یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ جب کسی معاملہ میں اللہ و رسول کوئی فیصلہ صادر فرمادیں تو کسی مومن یا مومنہ کے لیے اس میں کسی چون و چرا کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ اللہ و رسول کا حق سب سے بڑا ہے۔ اس کے بعد حضرت زیدؓ کے واقعہ کا حوالہ ہے کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت زینبؓ کے ساتھ ان کا نکاح کر کے ان کی عزت افزائی چاہی لیکن وہ نباہ نہ کر سکے اور آپ کی طرف سے باہر ارادے جانے کے باوجود انھوں نے طلاق دے چھوڑی۔ یہ نکاح حضورؐ ہی نے کرایا تھا جس کے بعد منافقین اور منافقات برابر حضرت زینبؓ کو یہ طعنہ دیتے رہے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ سخت ظلم کیا ہے کہ ایک معزز گھرانے کی خاتون کا عقد ایک آزاد کردہ غلام سے کر دیا ہے۔ ان طعنوں کے باوجود حضرت زینبؓ نہایت صبر و شکر کے ساتھ حضرت زیدؓ کے ساتھ نباہ کرتی رہیں۔ لیکن حضرت زیدؓ نے محض اپنے ذاتی احساس کی بنا پر جس کی تفصیلی تفسیر میں آئے گی، ان کو طلاق دے دی۔ اس سے فطری طور پر حضرت زینبؓ کو مزید صدمہ پہنچا۔ ان کے اس زخم کے اندمال کی واحد شکل آپ کو یہ نظر آئی کہ آپ خود ان کو اپنے جوارہ عقد میں لے لیں لیکن اس سے ایک اور فتنہ کے اٹھ کھڑے ہونے کا اندیشہ تھا۔ حضرت زیدؓ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متبعی کی حیثیت سے متعارف تھے اور متبعی عرب جاہلیت میں حقیقی بیٹوں کی منزلت میں سمجھا جاتا تھا۔ حضرت زینبؓ کے ساتھ آپ کے نکاح کو مخالفین فتنہ انگیزی کا ذریعہ بناتے کہ اس شخص نے اول تو ایک شریف زادی کا نکاح اپنے ایک آزاد کردہ غلام سے کیا جس کو اپنا متبعی بنا رکھا تھا اور اب اپنے متبعی کی بیوی سے خود نکاح چھایا۔ علاوہ ازیں ازدواج کے باب میں چار تک کی تحدید کا حکم نازل ہو چکا تھا اس وجہ سے بھی آپ اس معاملے میں متردد رہے لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہی ہوا کہ آپ ان تمام اندیشوں سے بے پروا ہو کر یہ نکاح کر لیں تاکہ آپ کے عمل سے جاہلیت کی اس رسم بد کی اصلاح ہو۔

(۴۱-۴۸) مسلمانوں کو یہ ہدایت کہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رکھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت ان پر نازل ہوئی تاکہ انھیں کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکل کر ایمان و اسلام کی روشنی میں آنا نصیب ہو۔ اگر اس روشنی کی انھوں نے قدر کی تو ان کو دنیا اور آخرت دونوں کی سعادت حاصل ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے آپ کے فریضہ منصبی کی یاد دہانی کہ آپ خلق کے لیے اللہ کے دین کی شہادت دینے والے ہیں، جو اس کو قبول کریں ان کو جنت کی بشارت دیں، جو اس کو رد کریں ان کو دوزخ سے آگاہ کر دیں۔ آپ اللہ کے داعی اور خلق کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکالنے کے لیے چراغ ہدایت ہیں۔ اس فرض کی ادائیگی میں آپ برابر سرگرم رہیں۔ کفار و منافقین کی مخالفتوں اور ان کی ایذا رسانیوں کو خاطر میں نہ لائیں۔

(۴۹-۵۲) اس امر کا اعلان کہ آپ کی تمام ازدواج آپ کے لیے جائز ہیں۔ آپ پر چار کی قید اور وہ



پابندیاں نہیں ہیں جو عام امت کے لیے قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔ البتہ بعض دوسری پابندیاں ہیں جو عام امت پر نہیں ہیں۔ اس خصوصیت کے بعض مصالح کی طرف اشارہ۔ ازدواج نبی مسلم کو اس فیصلہ الہی کی تعمیل کی ہدایت۔ منافقین کو تنبیہ کہ وہ ازدواج نبی (رضی اللہ عنہم) کے معاملے میں ریشہ دوانیاں کر کے پیغمبر صلعم کے لیے اذیت کا سبب نہ بنیں۔

(۵۲-۶۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں بدون اجازت داخل ہونے کی ممانعت۔ گھروں سے باہر نکلنے کی صورت میں آپ کی ازدواج اور عام مسلمان خواتین کے لیے پردے کی ہدایت تاکہ منافقین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی اور مسلمان خواتین کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا کوئی موقع نہ ملے۔ اس سلسلہ میں منافقین کو یہ آخری دھمکی کہ اگر وہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو بہت جلد ان کے قلع قمع کے لیے آخری ہدایات نازل ہو جائیں گی اور پھر ان کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔

(۶۳-۷۳) خاتمہ سورہ جس میں پہلے قیامت کی یاد دہانی ہے کہ اس کو بہت دور نہ سمجھو۔ وہ سر پر آئی کھڑی ہے۔ اس دن کوئی کسی کے کام آنے والا نہ بنے گا۔ گمراہ لیڈر اور گمراہ پیرو سب ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے۔

منافقین کو تنبیہ کہ ان یہود کی روش کی تقلید نہ کرو جنہوں نے موسیٰ کو قدم قدم پر ایذا دی۔ بالآخر اللہ نے موسیٰ کو عزت و وقار سے اٹھایا اور ان لوگوں پر لعنت کر دی جنہوں نے ان کو ایذا دی۔ صحیح روش یہ ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور رسول کی ہر بات پر سمعنا و اطعنا کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو سدھارے گا تمہارے گناہوں کو بخشے گا۔ یہی راہ فوز عظیم کی راہ ہے۔

آخر میں اس عظیم عہد و امانت کی یاد دہانی جس کا اہل تمام مخلوقات میں سے صرف انسان بنایا گیا ہے۔ اسی عہد و امانت پر انسان کے تمام شرف کا انحصار ہے۔ اگر وہ اس کے حقوق ادا کر سکے تو اس سے زیادہ اونچا کوئی نہیں اور اگر وہ اس میں ناکام ہو جائے تو پھر اس سے بڑا بد قسمت بھی کوئی نہیں۔



## سُورَةُ الْاَحْزَابِ (٣٣)

مَدَنِيَّةٌ ————— اَيَاتُهَا ٣٤

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِيعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ ۚ  
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ① وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ  
إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ② وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَ  
كَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ③ مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي  
جُوفِهِ ۚ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمْ الَّتِي تَظْهَرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ ۚ  
وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ  
وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ④ أَدْعَوْهُمْ لِأُبَائِهِمْ  
هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا أُبَاءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي  
الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ ۚ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ  
وَلَكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ⑤  
النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ۚ  
وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ



وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَىٰ أُولِيَ الْبَيْتِ مَعْرُوفًا كَانَ ذَلِكَ  
فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ⑥ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ  
وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا  
مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ⑦ لَيَسْئَلَنَّ الْمُتَّقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ  
وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ⑧

ایک  
ترجمہ آیات

۸-۱

اے نبی، اللہ سے ڈرو اور کافروں اور منافقوں کی باتوں پر کان نہ دھرو بے شک  
اللہ علیم حکیم ہے۔ اور پیروی کرو اس چیز کی جو تم پر تمہارے رب کی جانب سے وحی کی  
جا رہی ہے بے شک اللہ ان تمام چیزوں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ اور اللہ پر بھروسہ  
رکھو اور بھروسے کے لیے اللہ کافی ہے۔ ۱-۳

اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دودل نہیں رکھے اور نہ تمہاری ان بیویوں کو جن سے  
تم ظہار کر بیٹھتے ہو تمہاری مائیں بنایا اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے بیٹے بنا دیا۔  
یہ سب تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ سچی کہتا ہے اور وہ صحیح راہ کی طرف رہنمائی کرتا  
ہے۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت کے ساتھ پکارو۔ یہی اللہ کے نزدیک ترین  
عدل ہے اور اگر تم کو ان کے باپوں کا پتہ نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے شریک  
قبیلہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس باب میں تم سے جو غلطی ہوئی اس پر تم سے کوئی مواخذہ  
نہیں البتہ تمہارے دلوں نے جس بات کا عزم کر لیا اس پر مواخذہ ہے۔ اور اللہ غفور رحیم  
ہے۔ ۲-۵

اور نبی کا حق مومنوں پر خود ان کے اپنے مقابل میں اولیٰ ہے اور ازواج نبی کی حیثیت



مومنین کی ماؤں کی ہے اور رحمی رشتے رکھنے والے آپس میں دوسرے مومنین و مہاجرین کے مقابل، آولیٰ ہیں، اللہ کے قانون میں۔ یہ اور بات ہے کہ تم اپنے اولیاء و اقرباء کے ساتھ کوئی حسن سلوک کرنا چاہو۔ یہ چیز کتاب میں نوشتہ ہے۔ ۶۔

اور یاد کرو، جب ہم نے نبیوں سے ان کے عہد لیے اور تم سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی اور ہم نے ان سے نہایت محکم عہد لیا تاکہ اللہ راست بازوں سے ان کی راست بازی کی بابت سوال کرے (اور کافروں اور منافقوں سے ان کے کفر و نفاق کی نسبت) اور کافروں کے لیے اللہ نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ۷۔ ۸۔

## ۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِيعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں 'يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ' سے جو خطاب فرمایا ہے یہ محض تعظیم و تکریم کے لیے نہیں ہے، جیسا کہ عام طور پر لوگوں نے سمجھا ہے، بلکہ یہ لفظ آپ کے فریضہ منہسی کی یاد دہانی کے لیے یہاں استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ کے نبی و رسول ہیں اس وجہ سے آپ کو صرف اپنے رب کی پرواہ ہونی چاہیے۔ آپ صرف اللہ سے ڈریں، کافروں اور منافقوں کی منافقتوں سے بالکل بے پروا ہو کر لوگوں کو اللہ کی بات پہنچائیں۔ اسی طرح کا خطاب سورہ مائدہ میں گزر چکا ہے: 'يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ' (المائدہ: ۶۷) (اے رسول، تم اچھی طرح لوگوں کو وہ چیز پہنچا دو جو تم پر تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے)۔

'وَلَا تُطِيعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تنبیہ تاکہ اس لیے نہیں فرمائی گئی کہ خدا نخواستہ اس بات کا کوئی اندیشہ تھا کہ آپ کفار و منافقین کی باتوں سے متاثر یا مروج ہو جائیں گے بلکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے منافقین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ اثر رکھنا ہی زور لگائیں اور کتنے ہی فتنے اٹھائیں لیکن تم ان کی باتوں پر ذرا کان نہ دھرنا۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ آگے بعض ایسی باتوں کا ذکر آ رہا ہے جن کو کفار و منافقین نے آپ کے خلاف فتنہ انگیزی کا ذریعہ بنالیا تھا۔

کفار و منافقین

یہاں کفار و منافقین کا ایک ساتھ ذکر اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ یہ دونوں اصلاً ایک ہی کا باہمی رشتہ



چٹے کے بیٹے ہیں۔ اسلام دشمنی میں دونوں متحد ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ایک کھلم کھلا مخالفت کرتا ہے دوسرا اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوئے، مسلمانوں کے اندر گھس کر، اسلام کی بیخ کنی کی کوشش کرتا ہے۔ اس وجہ سے انجام کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔

تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ

کی دلیل

ہَا أَتَى اللَّهُ الْكَافِرِينَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۚ يَهْدِي اللَّهُ رِجَالَهُمْ كُلًّا ذِي حُلُمٍ وَمَا يَكُونُ لَهُمْ جُرْأَتٌ بِأَعْيُنِنَا ۚ ذِي نُفُوسٍ غَافِقَةٍ يُنَادُّونَهَا مُتَّقَيْنَ فُتً ۚ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ اللَّهُ كُلَّ عِبَادِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۚ

سب سے بے خوف و بے پروا ہو کر صرف اس بات کی تبلیغ و تعمیل کرنی چاہیے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ فرمایا کہ اللہ علیم و حکیم ہے۔ اس وجہ سے اس نے جس بات کا حکم دیا ہے وہی بات صحیح علم و حکمت پر مبنی ہے۔ اس کے خلاف لوگ جو بکواسیں کر رہے ہیں ان کی خرافات لائقِ اعتنا نہیں ہیں۔ آگے آیت ۲۹ اور آیت ۲۸ سے اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی۔

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ أَيْسَرَ مِن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۚ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا (۲-۳)

اوپر جو بات منفی اسلوب سے فرمائی گئی ہے وہی بات مثبت پہلو سے ارشاد ہوئی ہے کہ اشرار کی تمام شرانگیزیوں سے بالکل بے پروا ہو کر تم اس وحی کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی جانب سے آتی ہے اور یہ المیہ بیان رکھو کہ تمہارے ہر اقدام و عمل سے اللہ اچھی طرح باخبر رہتا ہے۔ اس آیت میں پہلا خطاب واحد سے ہے اور دوسرا تَعْمَلُونَ جمع سے ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو خطاب ہے یہ امت کے وکیل کی حیثیت سے ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ دین کے معاملے میں یہی روش مسلمانوں کو بھی اختیار کرنی چاہیے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۚ یعنی جب اللہ تعالیٰ کی ہر بات علم و حکمت پر مبنی ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر بھی ہے تو اسی پر بھروسہ رکھو اور اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ اعتماد اور بھروسہ کے لیے اللہ کافی ہے۔ اس کے ہوتے تمہیں کسی دوسرے سہارے کی احتیاج نہیں ہے۔ لفظ وکیل کی وضاحت ہم دوسرے مقام میں کر چکے ہیں کہ اس سے مراد وہ ذات ہے جس پر پورا اعتماد کر کے اپنے معاملات اس کے حوالہ کر دیے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا مطالبہ بندوں سے یہی ہے کہ وہ خدا کے دیے ہوئے احکام کی ہر حال میں تعمیل کریں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں کہ اس راہ میں جو مشکلیں پیش آئیں گی ان سے عہدہ برآ ہونے کی وہ توفیق بخشنے گا۔

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ ۚ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ اللَّائِي تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ (۴)

اوپر کی تمہید کے بعد یہ بعض ایسے امور کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن میں قرآن کی اصلاحات کو کفار و منافقین



نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فتنہ انگیزی کا ذریعہ بنالیا تھا۔

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِۦ ۚ يَكْمُرُ الْاِيعِدُكِيْ بَاتُوْنَ كِيْ ذِكْرُ كِيْ لِيْے بطور تمہید ہے۔ فکر و ارادہ چونکہ یہ باتیں فکر و ارادہ کے تضاد کا مظہر ہیں اس وجہ سے ان کے ذکر سے پہلے نفس تضاد ارادہ پر روشنی کا تضاد علامت ڈالی کہ اللہ تعالیٰ کو اگر منظور ہو تا کہ انسان ہمیشہ متضاد و متناقض ارادوں کی کشمکش ہی میں گرفتار رہے تو اس کو فطرت ہے دل بھی ایک سے زیادہ دیتا لیکن اس نے کسی شخص کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس نے انسان کے لیے پسند نہیں فرمایا کہ وہ دو بالکل متناقض ارادے اپنے اندر جمع کر رکھے۔ لیکن یہ انسان کی عجیب کج فہمی ہے کہ خدا کی بنائی ہوئی ماحنت کے بالکل خلاف وہ اپنے اندر متناقض ارادے جمع کرتا ہے۔ وہ خدا پر ایمان کا دعویٰ بھی رکھتا ہے اور ساتھ ہی دوسرے شریکیوں کی بندگی بھی کرتا ہے۔ رسول سے اطاعت و وفاداری کا عہد بھی باندھتا ہے اور اس کے خلاف اس کے دشمنوں سے ساز باز اور اس کی تعلیمات کے خلاف سرگوشیاں اور سازشیں بھی کرتا ہے۔ حالانکہ اگر دل ایک ہے تو اس کے ارادوں میں تضاد و تناقض نہیں ہونا چاہیے بلکہ تمام ارادے بالکل ہم آہنگ و ہم رنگ ہونے چاہئیں۔ اگر معاملہ اس کے خلاف ہو تو یہ دل کی خرابی و بیماری کی دلیل ہے اور ہر عاقل کا فرض ہے کہ وہ اس خرابی کی اصلاح کر کے اپنے ارادوں میں ہم آہنگی پیدا کرے۔

وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمْ اِلٰی تَطْهَرُوْنَ مِنْہُمْ اُمَّہْتُمْ کُوْۤا۔ اب یہ اس تضاد فکر و ارادہ کی مثال کے طور پر ظہار کے معاملہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کر بیٹھتا ہے تو اس کی بیوی اس کی ماں نہیں بن جاتی لیکن لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں اس طرح کی عورتوں کو ماؤں کی طرح محرمات میں شامل کر رکھا تھا۔ اب قرآن نے اس جاہلیت کی جو اصلاح کی تو منافقین و کفار جھاڑ کے کانٹوں کی طرح پیغمبر کے پیچھے پڑ گئے ہیں کہ جو عورتیں ماؤں کی طرح حرام ہیں اس شخص نے اپنے پیروؤں کے لیے ان کو بھی جائز کر دیا۔

ظہار عرب جاہلیت کی ایک اصطلاح ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہہ بیٹھتا کہ اَنْتِ عَلٰی کَظْہَرِ اُمِّیْ (اب تو میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہے) تو اس کی بیوی اس کے اوپر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی۔ اسی لفظ ظہار سے جس کے معنی پیٹھ کے ہیں ظہار کی اصطلاح پیدا ہو گئی لیکن اس کا اطلاق انہی الفاظ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ کوئی شخص اپنی بیوی کے کسی اور حصہ جسم کو بھی بارادہ تحریم اپنی محرمات میں سے کسی سے شاہ قرار دے دے تو اس کا حکم بھی ظہار ہی کا ہوگا۔ عرب جاہلیت میں یہ صورت ایک طلاق مغلط کی تھی جس کے بعد کسی شخص کے لیے اپنی بیوی سے مراجعت کی کوئی شکل باقی نہیں رہ جاتی تھی۔ قرآن نے جیسا کہ سورہ مجادلہ کی آیات ۲-۴ میں تفصیل آئے گی، اس طرح کی بات کو منکر اور جھوٹ قرار دیا اور یہ اجازت دے دی کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طرح کی بات کہہ بیٹھے اور وہ پھر اس کے ساتھ زن و شو کے تعلقات قائم کرنا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے اس لیے کہ اس طرح کی بیہودہ بات کہہ دینے سے کسی کی بیوی



اس کی ماں نہیں بن جاتی لیکن اس نے چونکہ ایک منکر اور باطل بات کہی ہے اس وجہ سے ضروری ہے کہ ملاقات سے پہلے وہ ایک غلام آزاد کرے، اگر غلام میسر نہ ہو تو لگاتار دو ماہ روزے رکھے اور اگر اس کی قدرت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اس اصلاح سے قرآن نے ان لوگوں کی گھریلو زندگی کو درہم برہم ہونے سے بچانے کی راہ بھی کھولی جو غصہ اور بھجلاہٹ میں آکر، نتائج پر نگاہ کیے بغیر فضول باتیں زبان سے نکال دیا کرتے ہیں اور ساتھ ہی آئندہ کے لیے ان کو اور دوسروں کو محتاط رہنے کا سبق بھی دے دیا لیکن کفار و منافقین نے، جو ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے لیے کسی شوشے کی تلاش میں رہتے تھے، اس چیز کو بھی فتنہ انگیزی کا ذریعہ بنا کر لوگوں میں یہ پھیلا نا شروع کر دیا کہ اس شخص کو دیکھو، اس نے ماں اور بیوی کے درمیان کوئی فرق ہی باقی نہیں رکھا! اسی چیز کی طرف یہاں آیت میں اشارہ ہے کہ یہ لوگ دودلی اور تضاد فکر دارانہ کی بیماری میں مبتلا ہیں ورنہ انھیں سوچنا چاہیے کہ مجرد ایک بدتمیزی و جہالت کی بات کہہ دینے سے کسی کی بیوی اس کی ماں کس طرح بن جائے گی! اس غلطی پر وہ نادیب و اصلاح کا مستحق تو ضرور ہے تاکہ اس کو بھی اور معاشرہ کے دوسرے لوگوں کو بھی سبق حاصل ہو لیکن اس منہ کا مستحق تو وہ نہیں ہے کہ اس کی عائلی زندگی کا شیرازہ بالکل درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ یہاں ہم صرف اشارہ پر کفایت کرتے ہیں اس لیے کہ قرآن نے بھی اشارہ ہی کیا ہے۔ ان شاء اللہ سورہ مجادلہ کی تفسیر میں ہم اس پر مفصل بحث کریں گے اور بتائیں گے کہ اس طریقہ طلاق میں شریعت کے قرار دادہ طریقہ کے مقابل میں کیا کیا مفاسد موجود ہیں جن کی قرآن نے اصلاح کی ہے۔

تضاد فکر کی

دوسری مثال

’وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَ كُفْرًا أَوْ بَنَاءَ كُفْرًا‘ اسی طرح کے تضاد فکر میں لوگ منہ بولے بیٹوں کے معاملے میں بھی مبتلا تھے۔ زمانہ جاہلیت میں منہ بولے بیٹوں کو بالکل صلیبی بیٹوں کا درجہ دے دیا گیا تھا۔ کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنے متبنی کی منکومہ سے اس کی وفات یا طلاق کے بعد نکاح کر سکے۔ یہ چیز اس فطری نظام عائلی کے بالکل خلاف تھی جس کو اسلام نے اولوالادحام بعضہم ادلی بعضہم کے اصول پر قائم فرمایا ہے۔ اس وجہ سے جب اس کی اصلاح کا وقت آگیا تو اللہ تعالیٰ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ حضرت زید کی مطلقہ بیوی حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیں تاکہ اس غلط رسم کا خاتمہ ہو جائے۔ حضرت زید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنی کی حیثیت حاصل تھی اس وجہ سے اس رسم باہلی کی اصلاح کا سب سے زیادہ مؤثر طریقہ یہی ہو سکتا تھا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے اقدام فرمائیں لیکن کفار و منافقین نے اس کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فتنہ انگیزی کا ذریعہ بنا دیا کہ اس شخص نے اپنے منہ بولے بیٹے کی منکومہ سے نکاح کر لیا۔ اسی فتنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ بھی ان لوگوں کی دودلی کا کرشمہ ہے کہ یہ صلیبی بیٹے اور منہ بولے بیٹے میں فرق نہیں کر رہے ہیں، دونوں کو ایک ہی درجے میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اس واقعہ پر مفصل بحث فصل ۶ میں آگے آرہی ہے اس وجہ سے ہم یہاں



اشارے پر کفایت کرتے ہیں۔

ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ۔ یعنی اس قسم کی قرآن فطرت تمام باتیں تمہاری اپنی زبانوں کی گھڑی ہوتی ہیں۔ ان کو عقل و فطرت اور اللہ کی شریعت سے کوئی تعلق نہیں کہ راہ کی طرف ہے اس وجہ سے یہ باطل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور اپنی کتاب کے ذریعے سے تمہیں حق بتا رہا ہے اور رہنمائی کر رہا تمہاری رہنمائی فطرت کی صراطِ مستقیم کی طرف کر رہا ہے تو اس صراطِ مستقیم کو اختیار کرو اور جاہلیت کے رسوم و بدعات سے باہر نکلو۔

ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخوانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَا لَكُنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (۵)

ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ یعنی منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت کے ساتھ اسلام کے نظام پکارو تاکہ ان کے نسب کا امتیاز باقی رہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ کے قانون میں حق و عدل سے اقرب و میں کوئی خلاف اذنی ہے۔ اگر اس کی خلاف ورزی کر کے منہ بولے بیٹوں کو بالکل بیٹوں کے درجے میں کر دیا گیا تو وہ سارا نظام وراثت و قرابت و معاشرت بالکل تپٹ ہو جائے گا جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ نے رجمی رشتوں اور نہیں ہو سکتی انسانی فطرت کے جذبات و داعیات پر رکھی ہے۔ اسلام کے تمام احکام و قوانین خواہ وہ کسی شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے ہوں، اللہ تعالیٰ نے عدل و قسط پر قائم کیے ہیں اس وجہ سے اس میں کوئی بات اس عدل و قسط کے خلاف داخل نہیں ہو سکتی۔

فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخوانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ یعنی اگر ان کے باپوں کا پتہ نہ ہو تو ان کی حیثیت دینی بھائیوں اور موالی کی ہوگی۔ دینی اخوت کے رشتہ سے تو عربوں کو ادل اول اسلام نے آشنا کیا، جاہلیت میں عرب اس سے بالکل نا آشنا تھے لیکن خاندانوں اور قبیلوں کے ساتھ دالیتہ ہونے کا ایک طریقہ حلف اور ولا کا ان کے ہاں موجود تھا۔ خاندان یا قبیلہ سے باہر کا کوئی شخص اگر کسی خاندان یا قبیلہ میں شامل ہونا چاہتا اور اس خاندان والے اس کو شامل کر لیتے تو وہ اس خاندان کا مولیٰ سمجھا جاتا اور حبلہ حقوق اور ذمہ داریوں میں شریک خاندان و قبیلہ بن جاتا۔ اگر وہ قتل ہو جاتا تو حیس خاندان یا قبیلہ کا وہ مولیٰ ہوتا اس کو یہ حق حاصل ہوتا کہ وہ اس کے قصاص کا مطالبہ کرے۔ اسی طرح اگر وہ کوئی اقدام کر بیٹھتا جس کی بنا پر کوئی ذمہ داری عائد ہونے والی ہوتی تو اس ذمہ داری میں بھی پورے خاندان و قبیلہ کو حصہ لینا پڑتا۔ مَوَالِی الْقَوْمِ مِنْهُمْ (قوم کا مولیٰ انہی کے اندر کا ایک فرد شمار ہوگا) عربوں میں ایک مسلم سماجی اصول تھا اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے بھی اس کو برقرار رکھا۔ کسی خاندان کے آزاد کردہ غلام کا ولا بھی آزاد کرنے والے خاندان کو حاصل ہوتا۔ مثلاً اگر وہ آزاد کردہ غلام رہتا اور اس کا کوئی وارث نہ ہوتا تو ولا کے تعلق کی بنا پر اس کی وراثت اس کے آزاد کرنے والوں کو پہنچتی۔



آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کسی کے قبلی کی حیثیت کے باپ کا علم نہ ہو تو اس کی حیثیت دینی بھائی اور مولیٰ کی قرار پائے گی لیکن کسی صورت میں اس کو صلیبی بیٹے کی حیثیت حاصل نہ ہوگی۔

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا

غلطی اور

جہم میں فرق

ترجمہ: یعنی اس معاملے میں جو غلطی برنباشے جہالت اب تک ہوئی ہے اس پر تو کوئی مواخذہ نہیں ہے، اللہ غفور رحیم ہے، لیکن اب اس تنبیہ و تعلیم کے بعد بھی اگر اسی غلط بات پر اصرار قائم رہا تو اس کی نوعیت غلطی کی نہیں بلکہ جہم کی ہوگی اس لیے کہ یہ چیز تمھارے دلوں کے قصد و ارادہ اور دیدہ و دانستہ نیکو یا نتیجہ ہوگی جس پر اللہ تعالیٰ ضرور مواخذہ فرمائے گا۔

الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَآزَاةٍ أَهْلَهُمْ وَأُولَ الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُمْ مَعْرُوفًا كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا (۶)

اسلامی معاشرے

یہ اس فرق مراتب کو واضح فرمایا ہے جو اسلامی معاشرے میں مسلمانوں کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت ہوئی۔

اس وضاحت سے مقصود مسلمانوں کو اس غلط سمجھ سے بچانا ہے جس کی بعض مثالیں اوپر گزر چکی ہیں۔

میں فرق مراتب

بنی صلی اللہ

عید و سلم کا درجہ

الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَآزَاةٍ أَهْلَهُمْ وَأُولَ الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُمْ مَعْرُوفًا كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا (۶)

آگے اسی سورہ میں ان الفاظ میں ہو گئی ہے:

وَمَا كَانَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَا الْمُؤْمِنَاتِ إِذَا قَضَى اللَّهُ دَرَجَاتِهِ أَمْرًا أَنْ

تَكُونَ لَهُمُ الْخَبِيرَةُ مِنْ أَمْرِهُمْ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ

فَوْزًا عَظِيمًا (۲۶)

جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا

فیصلہ کر دیں تو کسی مومن اور مومنہ کے لیے ان

کے معاملے میں کوئی اختیار باقی نہیں رہ جاتا اور

جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو

وہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کا کوئی فیصلہ صادر ہو جائے اس میں کسی مومن یا مومنہ کے لیے کسی چون و چرا کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ رسول جو کچھ فرماتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نمائندے کی حیثیت سے فرماتا ہے اس وجہ سے ایمان کا لازمی تقاضا ہر مرد اور عورت کے لیے یہی ہے کہ وہ رسول کے احکام و ہدایات کی اللہ تعالیٰ کے احکام کی طرح بے چون و چرا تعمیل کرے۔ نہ دوسروں کی مخالفت و مزاحمت کی کوئی پروا کرے نہ اپنے مصالح و مفادات کی اور نہ اپنے جان و مال کی۔

وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ۔ یہ اس تعلق خاص کا قدرتی نتیجہ بیان ہوا ہے جو ہر امتی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ



کے ساتھ ہوتا ہے یا ہونا چاہیے۔ اگر اس تعلق میں نفاق کی کوئی آلائش نہ ہو تو فطری طور پر ہر مسلمان کے جذبات ازواجِ مطہرات کے معاملے میں وہی ہوں گے جو شریف بیٹوں کے اندر اپنی ماؤں کے لیے ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت کی بنا پر ان کے لیے دلوں میں ایسا احترام اور ان کی عظمت کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص ان کے ساتھ نکاح کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس سے الگ ہو کر اگر سوچ سکتے تھے تو صرف منافقین سوچ سکتے تھے اور وہ اپنے مفسدانہ اغراض کے لیے، تفصیل آگے آئے گی، ریشہ دوانیاں بھی کرتے رہتے تھے۔ اس آیت نے ان کی ریشہ دوانیوں کا سد باب کر دیا اور آگے اسی بنیاد پر صاف الفاظ میں یہ ممانعت آگئی: 'وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِحُوا زُفَا حَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا (۵۳)' (اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ اس کے بعد کبھی اس کی بیویوں سے نکاح کرو) یہاں اس اشارے پر قناعت کیجیے۔ آگے ان شاء اللہ ہم ان دینی مصالح پر روشنی ڈالیں گے جو اس ممانعت کے اندر مشتمل تھے۔

'وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ'۔ رسول اللہ مومنین کے باہمی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواجِ مطہرات کو امت میں جو امتیازی مقام حاصل ہے اور جس پہلو سے حاصل ہے حقوق کی بنیاد اس کو بیان کرنے کے بعد بقیہ سب کے تعلقات کے لیے اس اصول کو قرار دیا ہے جو سورہ نسا میں بیان ہو چکا ہے۔ یعنی رحمی رشتے رکھنے والے اقرب فال اقرب کے اصول پر ایک دوسرے کے حقدار ٹھہریں گے۔ 'فِي كِتَابِ اللَّهِ' سے مراد یہاں قرآن کی سورہ نسا کی آیات ۴، ۱۲، ۱۷ میں جن میں اسی فطری اصول کے مطابق تقسیم وراثت کا ضابطہ بیان ہوا ہے۔

'مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ' یعنی دوسرے مومنین و مہاجرین کے مقابل میں اولوالارحام ہی اولیٰ و اقرب ٹھہریں گے۔ اسلامی اخوت کی بنا پر مہاجرین و انصار کے درمیان حقوق میں شرکت کا جو عارضی نظم ابتداء میں قائم کیا گیا تھا اس ٹکڑے نے اس کو بھی ختم کر دیا۔

'إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُمْ مَعْرُوفًا كَانَ ذَلِكُمْ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا'۔ اس کے بعد صرف اتنی گنجائش باقی رہ گئی کہ آدمی کے جو اعزہ و احباب اس کی وراثت کے حقدار نہیں ہیں اگر ان کے ساتھ وہ کوئی حینِ سلوک کرنا چاہے تو ان حدود کے اندر کر سکتا ہے جو شریعت نے مقرر کر دیے ہیں۔ ان حدود کی تفصیل بھی سورہ نسا میں بیان ہو چکی ہے۔ 'كَانَ ذَلِكُمْ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا' میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ 'وَإِذَا أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَمْ وَرَأَيْنَاهُمْ إِذْ أَخَذْنَا مِنْهُمُ مِيثَاقًا غَلِيظًا (۵۴)'

آیات ۱-۲ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر خوف و اندیشہ سے بے پروا ہو کر صرف وحی الہی کی پیروی حضراتِ انبیاء و اسی کی دعوت کی جو ہدایت فرمائی گئی ہے، پیروں کے آخر میں اسی بات کو حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ مشن



تاریخ سے مزید موثق کر دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو ہدایت ہم تمہیں کر رہے ہیں اسی کی ہدایت ہم نے اپنے تمام نبیوں کو کی اور ان سے یہ عہد لیا کہ اللہ کی طرف سے ان کو جو وحی کی بارہی ہے خود بھی اس کی پیروی کریں اور بے کم و کاست اس کو لوگوں کو بھی پہنچائیں۔ فرمایا کہ یہ ميثاق ہم نے تم سے بھی لیا، نوح سے بھی لیا، ابراہیم سے بھی لیا، موسیٰ سے بھی لیا اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی لیا۔ عام کے بعد یہ خاص خاص جلیل القدر انبیاء کا حوالہ دے کر انبیاء کی پوری تاریخ سامنے رکھ دی گئی ہے تاکہ یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے کہ اس ذمہ داری کا بار گراں بہری اور اس کے ساتھیوں کو اٹھانا پڑا ہے۔ اس خاص فہرست میں حسب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ اصل مقصود آپ ہی کو یاد دہانی ہے۔

اس ميثاق کا حوالہ قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے۔ خاص طور پر سورہ مائدہ میں اس کی پوری تاریخ بیان ہو گئی ہے۔ یہاں ہر ميثاق کا حوالہ دینے میں طوالت ہوگی۔ ہم بطور مثال صرف ایک ميثاق کا حوالہ دیتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لیا گیا۔ حضرت موسیٰ کو خطاب کر کے ارشاد ہوا ہے: فَخُذْ مَا يَقْوِيءُ ذِمَّتَ قَوْمِكَ يَا خُذْ وَابَا حَسَنِهِ (الاعراف ۱۲۵) (تم خود بھی اس کو مضبوطی سے پکڑو اور اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ اس بہترین چیز کو پوری مضبوطی سے اختیار کرے۔)

وَإِذَا خَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا یعنی اس ميثاق کے معاملہ میں ہم نے ذرہ برابر بھی نرمی اور مہارت نہیں برتی۔ بلکہ ہر ایک سے مضبوط عہد لیا۔ اور اس کو پوری مضبوطی کے ساتھ اس پر قائم استوار رہنے کی تاکید و تاکید فرمائی۔ یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ اول تو اس عہد کو ميثاق سے تعبیر فرمایا ہے جو خود مضبوط و مستحکم عہد کے لیے آتا ہے پھر اس کے ساتھ غلیظ کی قید بھی لگائی ہے جس سے اس کے اندر مزید استحکام پیدا ہو گیا ہے۔

لَيَسْئَلَنَّ الَّذِينَ عَنِ صِدْقِهِمْ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

یہ ميثاق لینے کی حکمت و مصلحت بیان فرمائی کہ انبیاء علیہم السلام کی اس تبلیغ کے بعد ہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ اتمامِ حجت ہوا جس کے بعد وہ مستحق ہوئے کہ اللہ تعالیٰ راستبازوں سے ان کی راستبازی سے متعلق اور کافروں اور منافقوں سے ان کے کفر و نفاق کے متعلق پوچھ گچھ کرے اور پھر ہر ایک کو ان کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دے۔ اس اتمامِ حجت کے بغیر اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی گمراہی پر سزا دیتا تو یہ چیز اس کے عدل و رحمت کے خلاف ہوتی اور لوگ قیامت کے دن غدر کر سکتے۔ آگے آیات ۲۴ اور ۳۷-۴۰ کے تحت اس کی مزید وضاحت آئے گی۔ سورہ نسا کی آیت لَنَلَّكَ لِکُونٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (۱۲۵) میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے اور وہاں ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔



## ۲۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۹-۲۷

آگے غزوہ احزاب کے واقعات کا حوالہ ہے اور مقصود اس سے اسی مضمون کو واقعات کی روشنی میں مزید واضح کرنا ہے جو تمہید میں بیان ہوا ہے کہ پیغمبر اور ان کے ساتھیوں کو اللہ کے دین کی راہ میں مخالفوں کی مخالفت اور ان کی سازشوں کی کوئی پروا نہیں کرنی چاہیے بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے، اللہ بھروسے کے لیے کافی ہے۔ وہ اپنی آنکھوں نصرت الہی کا یہ کرشمہ دیکھ چکے ہیں کہ ان کے تمام مخالفین اپنی پوری مجتمعہ قوت کے ساتھ ان پر پل پڑے تھے اور اندر سے منافقین نے بھی اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے ان کے قدم اکھاڑ دیئے کی پوری کوشش کی لیکن اللہ کی تدبیر سب پر غالب رہی۔ دشمنوں کو بے نیل مرام پسپا ہونا پڑا۔

غزوہ احزاب شوال ۵ شہ میں واقع ہوا۔ یہود بنی نضیر کے کچھ لیڈروں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے خیبر کی طرف بلا وطن کر دیا تھا۔ انھوں نے مکہ جاکر قریش کے لیڈروں سے فریاد کی اور ان کو آمادہ کیا کہ وہ مدینہ پر حملہ کریں۔ قریش حملہ کے لیے پہلے سے پرتول رہے تھے، جب ان کو یہود کی شہ بھی حاصل ہو گئی تو گویا مانگی مراد مل گئی۔ اس کے بعد غطفان اور ہوازن کے لیڈروں کو بھی انھوں نے ہموار کر لیا۔ اس طرح تقریباً دس ہزار کا ایک لشکر حجاز مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ قریش کا لشکر ابوسفیان کی سرکردگی میں تھا اور غطفان و ہوازن عیینہ بن حضض اور عامر بن طفیل کی قیادت میں نکلے۔ مزید برآں حمی بن اخطب نضیری نے یہود بنی قریظہ کو بھی اس متحدہ محاذ میں شامل ہونے پر آمادہ کر لیا۔ اگرچہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ امن و صلح کر رکھا تھا لیکن اس موقع کو انھوں نے غنیمت جانا اور معاہدہ کی پروا نہ کی۔ ان کی تعداد کم و بیش آٹھ سو تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دشمنوں کی ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی کے مشورے سے مسلمانوں کو مدینہ کی ان سمتوں میں خندق کھودنے کا حکم دیا جن سے حملہ کا خطرہ تھا چنانچہ شہر کی شمالی اور مغربی سمت میں ساڑھے تین میل لمبی ایک خندق کھودی گئی اور یہ کام نہایت سرگرمی کے ساتھ ان تین ہزار مجاہدوں نے انجام دیا جو حضور کے ساتھ تھے اور خود سرورِ عالم نے بھی بہ نفس نفیس اس کام میں حصہ لیا۔

دشمنوں نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا اور یہ محاصرہ تقریباً ایک ماہ رہا لیکن اس دوران میں سنگ باری اور تیر اندازی کے اکاد کا واقعات کے سوا دُوبدو جنگ کی کوئی ذرت نہیں آئی۔ دشمن نے یہ اندازہ کر لیا کہ مسلمانوں نے مدافعت کی پوری تیاری کر رکھی ہے۔ پھر محاذ میں پھوٹ بھی پڑ گئی اور مزید برآں ایک طوفانی ہوائ نے ان کے غیجے و شامیلے سب اکھاڑ کے پھینک دیے جس کے بعد ان کے حوصلے پست



ہو گئے اور البر سفیان نے واپسی کا اعلان کر دیا — اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات

۲۷-۹

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ  
فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا  
تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ⑨ إِذْ جَاءَكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ  
مِنْكُمْ وَادُّرَاغَتْ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ  
بِاللَّهِ الظُّنُونَا ⑩ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا  
شَدِيدًا ⑪ وَاذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ  
مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ⑫ وَاذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ  
مِنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ  
مِنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ذَ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ  
إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ⑬ وَلَوْ دَخَلَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ آقْطَارِهَا  
ثُمَّ سَأَلُوا الْفِتْنَةَ لَأْتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ⑭ وَ  
لَقَدْ كَانُوا عَاكِفًا عَلَى الْوَاقِعِ وَاللَّهُ مِنْ قَبْلِ لَا يُولُونَ إِلَّا دُبَارًا وَكَانَ  
عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ⑮ قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ إِنْ فَرَدْتُمْ مِنَ  
الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذْ لَا تُمْتَعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ⑯ قُلْ مَنْ ذَا  
الَّذِي يَعِصُكُمْ مِنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً  
وَلَا يَجِدُ وَنَ لَهُمْ مَنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ⑰ قَدْ يَعْلَمُ  
اللَّهُ الْمُعْوِقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا

نہ



وَلَا يَأْتُونَ الْبَاسَ إِلَّا قَلِيلًا ۝١٨ أَسِخَّ عَلَىٰكُمْ فَإِذَا جَاءَ  
الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَى  
عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِالسِّنَةِ حِدَادٍ  
أَسِخَّ عَلَى الْخَيْرِ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ  
وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝١٩ يَحْسِبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا  
وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوْنَ أَنْ هُمْ بِأَدُونِ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ  
عَنْ أَنْبَاءِكُمْ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ۝٢٠ لَقَدْ كَانَ  
لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ  
الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝٢١ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ  
قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ  
وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ۝٢٢ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ  
صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَ  
مِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۝٢٣ لِيَجْزِيَ اللَّهُ  
الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِنْ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ  
عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝٢٤ وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا  
بِغِيظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ۖ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ  
اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ۝٢٥ وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُواهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ  
مِنْ صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ



وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ۝۲۶ وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ  
وَأَرْضًا لَمْ تَطُوهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝۲۷

۳  
ع  
۱۹

ترجمہ آیات

۲۷-۹

اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کے فضل کو یاد رکھو کہ جب تم پر فوجیں چڑھائیں تو ہم نے ان پر ایک باتنہ بھیجی اور ایسی فوجیں بھی بھیجیں جو تم کو نظر نہیں آئیں۔ اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو برابر دیکھتے رہنے والا ہے۔ یاد کرو جب کہ وہ تم پر آپڑھے، تمہارے اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی، اور جب کہ نگاہیں کج ہو گئیں اور کیلجے منہ کو آنے لگے اور تم اللہ کے باب میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت اہل ایمان امتحان میں ڈالے گئے اور بالکل ہلا دیے گئے۔ ۱۱-۹

اور جب کہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے کہتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدے کیے وہ محض فریب نکلے اور جب کہ ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اے بٹرب والو! تمہارے لیے ٹکنے کا کوئی مقام نہیں ہے تو تم لوٹ جاؤ اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اجازت کا طلبگار تھا اور کہتا تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے، بس یہ لوگ بھاگنا چاہتے تھے۔ اور اگر ان کے اطراف سے ان پر حملہ ہو جاتا، پھر ان سے ارتداد کا مطالبہ کیا جاتا تو وہ اس پر راضی ہو جاتے اور اس میں بہت ہی کم توقف کرتے۔ حالانکہ اس سے پہلے انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ بیٹھ نہیں دکھائیں گے اور اللہ سے کیے ہوئے عہد کی پرشش ہونی ہے۔ کہہ دو اگر تم موت یا قتل سے بھاگو گے تو یہ بھاگنا تمہارے لیے کچھ نافع نہیں ہوگا، تم کو کھانے پینے کا تھوڑا ہی موقع ملے گا۔ پوچھو، کون ہے جو تم کو خدا سے بچا سکے گا اگر وہ تم کو کوئی گزند پہنچانا



پا ہے یا اس کی رحمت کو روک سکے اگر وہ تم پر رحمت کرنا چاہے؟ اور وہ اپنے لیے خدا کے مقابل میں نہ کوئی کار ساز پائیں گے نہ کوئی مددگار۔ ۱۲-۱۷

اللہ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا رہا ہے جو روکنے والے اور اپنے بھائیوں سے یہ کہنے والے رہے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ۔ اور وہ جنگ میں بہت کم حصہ لیتے رہے ہیں۔ تم سے جان چراتے ہوئے۔ پس جب خطرہ پیش آ جاتا تو تم ان کو دیکھتے کہ وہ تمہاری طرف اس طرح تاک رہے ہیں کہ ان کی آنکھیں اس شخص کی آنکھوں کی طرح گردش کر رہی ہیں جس پر سکراتِ موت کی حالت طاری ہو۔ پھر جب خطرہ دور ہو جاتا تو وہ مال کی طمع میں تم سے بڑی تیز زبانی سے باتیں کرتے۔ یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو اللہ نے ان کے اعمال ڈھا دیے اور یہ اللہ کے لیے نہایت آسان ہے۔ یہ لوگ گمان کر رہے ہیں کہ دشمن کی جماعتیں ابھی گئی نہیں ہیں اور اگر جماعتیں پھر آ جائیں تو ان کی تمنا یہ ہوگی کہ وہ اہل بدو کے ساتھ دیہات میں ہوں اور وہاں سے تمہاری خبریں معلوم کرتے رہیں۔ اور اگر تمہارے ساتھ ہوتے بھی تو جنگ میں برائے نام ہی حصہ لیتے۔ ۱۸-۲۰

اور تمہارے لیے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ ان کے لیے جو اللہ کی ملاقات اور روزِ آخرت کی توقع رکھتے ہیں اور اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرتے ہیں۔ اور جب اہل ایمان نے جماعتوں کو دیکھا تو وہ بولے کہ یہ تو وہی چیز پیش آئی جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کر رکھا تھا۔ اور اللہ اور اس کے رسول نے بالکل سچ کہا۔ اور اس چیز نے ان کے ایمان و اطاعت ہی میں اضافہ کیا۔ ۲۱-۲۲

اہل ایمان میں وہ جانا باز بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کر دکھایا۔



سومان میں سے بعض تو اپنا عہد پورا کر چکے اور بعض منتظر ہیں۔ اور انھوں نے ذرا بھی تبدیلی نہیں کی ہے تاکہ اللہ راستبازوں کو ان کی راست بازی کا صلہ دے اور منافقوں کو عذاب دے اگر چاہے یا ان کی توبہ قبول کرے (اگر وہ توبہ کریں) بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ ۲۴-۲۵

اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصہ کے ساتھ، بالکل بے نیل مرام، پسپا کر دیا اور جنگ کے لیے اللہ مسلمانوں کی طرف سے خود کافی ہو گیا اور اللہ قوی و غالب ہے اور اللہ نے ان اہل کتاب کو جھوٹے کافروں کی مدد کی ان کے قلعوں سے اتارا اور ان کے دلوں کو مرعوب کر دیا۔ کچھ کو قتل کرتے ہوئے اور کچھ کو قید۔ اور ان کی زمین، ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا وارث تم کو بنایا۔ علاوہ ازیں اور بھی زمین ہے جس پر تمھارے پاؤں ابھی نہیں پہنچے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۲۵-۲۶

### ۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا (۱۹)

آیت ۳ میں اللہ ہی پر بھروسہ کرنے کی جو ہدایت فرمائی گئی ہے اسی مضمون کو موکد کرنے کے لیے یہ تائید الہی کے ان کوششوں کی یاد دہانی کرائی جا رہی ہے جو ماضی قریب میں مسلمانوں کی نصرت کے لیے ظاہر ہوئے تھے۔ غزوہ خندق کے موقع پر تمام عرب مسلمانوں پر اللہ آیا تھا لیکن مسلمانوں کی نکیر بھی نہیں بھوٹی۔ دشمنوں کی دل ہار دل فوجیں اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی پھونک سے اڑا دیں اور یہ حقیقت سب کے سامنے آگئی کہ اللہ تعالیٰ اعتماد کے لیے تنہا کافی ہے۔ اگر اس کی مدد حاصل ہو تو ساری دنیا کی مخالفت بھی کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ محاصرہ کے آخری دنوں میں ایسی طوفانی آندھی آئی کہ خمیوں کی چوبیس اور طنائیں اکھڑ گئیں، دیگیں الٹ گئیں، سواری کے جانور تتر بتر ہو گئے، سردی کی شدت کے باوجود آگ جلانا ناممکن ہو گیا، تاریکی کا یہ عالم کہ ہاتھ کو ہاتھ سمجھائی نہیں دیتا تھا۔



اس صورت حال نے دشمنوں پر مرعوبیت طاری کر دی اور ابوسفیان نے سلامتی اسی میں دیکھی کہ کسی طرح اس آفت سے جان بچا کر گھر کو واپس ہو جائے۔

”وَجُنُودًا لَّهُ تَدْرُوهُمْ“ یعنی بادِ تند کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی فوجیں بھی بھیجیں جو مسلمانوں کو نظر نہیں آئیں۔ یہ اشارہ ملائکہ کی افواج کی طرف ہے جو ہمیشہ اہل ایمان کے ہم رکاب رہتی ہیں۔ اگرچہ وہ خود نظر نہیں آتیں لیکن ان کے شاندار غیبی کارنامے ظہور میں آتے ہیں جن سے اہل ایمان کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور ان کے دشمن مرعوب ہوتے ہیں۔ سورۃ انفال میں بلسلہ غزوۃ بدر، اس مسئلہ پر ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ ”لَمْ تَرَوْهُمْ“ سے یہ بات تو معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو یہ فوجیں نظر نہیں آئیں لیکن اس سے یہ بات نہیں نکلتی کہ کفار نے بھی ان کو نہیں دیکھا۔ قرین قیاس یہی ہے کہ ان کو یہ فوجیں دکھائی دی ہوں جس سے ان کو یہ اندازہ ہوا ہو کہ مسلمانوں کی جمعیت بہت بڑی ہے اور یہ چیز ان کی مرعوبیت کا باعث ہوئی ہو۔

”وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا“ یہ وہی مضمون ہے جو اوپر آیت ۲ میں بدیں الفاظ گزر چکا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ بننے کے کو اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اس کو یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ بخیر و بُعیر ہے۔ اس کے بندے اس کی راہ میں جو بازیاں کھیلتے اور جو مشقتیں جھیلتے ہیں وہ ان کو دیکھتا اور ان سے اچھی طرح باخبر رہتا ہے۔

اِذْ جَاءُوكُم مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللّٰهِ الظُّنُونًا (۱۰)

”اِذْ جَاءُوكُم مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ“ مدینہ کی مشرقی سمت بلند، مغربی سمت نشیبی ہے۔ چونکہ مغرب اور دشمن کا حملہ دونوں طرف سے تھا اس وجہ سے فوق اور اسفل دونوں کا حوالہ دیا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبیلہ غطفان وغیرہ کا حملہ مشرق کی طرف سے ہوا تھا اور قریش اور ان کے حلیفوں کی فوجیں مغرب کی سمت سے آئی تھیں۔

”وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ“ بَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ کوئی منظر ہونا کہ وہ ہشت ناک ہو تو صورت حال نگاہ اس پر نہیں ملتی۔ عربی میں اس کو زَاغَ الْبَصَرُ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح خوف و دہشت اور کا اثر ضعف پریشانی کی تعبیر کے لیے بَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ کا محاورہ بھی ہے۔ کلیجہ منہ کو ناک، ہماری اپنی زبان میں بھی قلوب پر خوف و دہشت اور گھبراہٹ کی تعبیر کے لیے معروف ہے۔

”وَتَظُنُّونَ بِاللّٰهِ الظُّنُونًا“ یہ بات اگرچہ عام صیغہ سے فرمائی گئی ہے لیکن اس سے مراد وہ لوگ

ہیں جو ضعف ایمان اور نفاق کی بیماری میں مبتلا تھے۔ یہ منظر دیکھ کر ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ خدا کی قدرت و نصرت اس کے وعدوں اور اس کی شانوں کے متعلق اب تک ان کو جو کچھ بتایا اور سکھایا گیا تھا وہ



سب ان کے نزدیک مشکوک ہو گیا۔ کلام کے تدریجی ارتقا سے یہ بات نمود واطمح ہو جائے گی کہ یہ اشارہ منغائے قلوب اور منافقین ہی کی طرف ہے۔ آگے سچے اہل ایمان کی عزیمت و استقامت کی تعریف قرآن نے ان الفاظ میں فرمائی ہے: **وَلَقَدْ آتَيْنَا الْمُؤْمِنِينَ الْأَحْزَابَ لَقَاءَ هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ** (وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا) اور جب مومنوں نے دشمن کی پارٹیوں کو دیکھا تو وہ پکارا اٹھے کہ یہ تو وہی صورت حال ہمیں پیش آئی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کر رکھا تھا اور اللہ اور اس کے رسول کی بات سچی ہوئی، اور اس چیز نے ان کے ایمان اور ان کی اطاعت ہی میں اضافہ کیا) جب سچے مسلمانوں کا یہ حال بیان ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت ایسے ہی سرفروشنوں پر مشتمل تھی تو آیت زیر بحث کا اشارہ انہی لوگوں کی طرف ہو سکتا ہے۔ جو ضعیف الایمان تھے۔ اس بنا پر ہم ان تفسیری روایات کو بالکل بے سرو پا سمجھتے ہیں جن میں یہ تاثرینے کی کوشش کی گئی کہ العیاذ باللہ غزوہ احزاب کے موقع پر ایک آدھ آدمیوں کے سوا اور کوئی شخص مسلمانوں میں عزم و ہمت رکھنے والا نہیں نکلا۔

هَذَا يَكُ ابْتِلَى الْمُؤْمِنُونَ وَذُلُّوا زُلْزَالًا شَدِيدًا (۱۱)

یعنی ان حالات نے اہل ایمان کو بڑی ہی سخت آزمائش میں ڈال دیا اور وہ نہایت ہی بری طرح جھنجھوڑ دیے گئے۔ ایک طرف ہر جانب سے دشمنوں کی یورش اور دوسری طرف اپنی صفوں کے اندر ایسے لوگوں کا وجود جو ان حالات کو دیکھ کر بالکل ہی ہمت ہار بیٹھے اور طرح طرح کے شبہات ظاہر کرنے لگے۔ لیکن کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کے لیے اہل ایمان کو اس قسم کے امتحانات سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ امتحان اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا (۱۲)

اب اس اجمال کی تفصیل آرہی ہے جو تَطَوُّنَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا کے اندر مضمر ہے۔ یعنی جو منافق اور اسلام کے خلاف بغض و عناد رکھنے والے تھے انھوں نے مسلمانوں کا حوصلہ پست کرنے کے لیے، ان کے اندر یہ پھیلا نا شروع کر دیا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدے کیے وہ سب محض فریب ثابت ہوئے۔ روایات میں اس گروہ کے بعض اشرار کی یہ پستی بھی نقل ہوئی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ہمیں یہ اطمینان دلا رہے تھے کہ ہم کسریٰ و قیصر کے خزانوں پر قبضہ کریں گے اور یہاں حال یہ ہے کہ گھر سے قفائے حاجت کے لیے نکلنا ناممکن ہو رہا ہے۔ غور کیجیے کہ ایک طرف دشمنوں کا ہر سمت سے شہر کا محاصرہ اور دوسری طرف منافقین کا مسلمانوں کے اندر یہ زہر پلا پروپیگنڈا! اسی صورت حال کو قرآن نے ابْتِلَى الْمُؤْمِنُونَ وَذُلُّوا زُلْزَالًا شَدِيدًا کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

ایک علمی نکتہ اس آیت میں ایک علمی نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے۔ فرمایا ہے: **وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ**



مَوْثٌ۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دو گروہوں کا الگ الگ ذکر ہے یا یہ دونوں منافقین کے ایک ہی گروہ کی بیان ہوئی ہیں؛ نظر قرآن کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ 'مرض' قرآن میں جہاں اخلاقی مرض کے لیے استعمال ہوا ہے، دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک نفاق کے مفہوم میں، دوسرے کینہ و حسد کے مفہوم میں۔ جہاں یہ لفظ نفاق کے ساتھ استعمال ہوا ہے، جس طرح یہاں ہے، تو یہ اپنے دوسرے مفہوم میں استعمال ہوا ہے اور اگر تنہا استعمال ہوا ہے تو اس کے مفہوم کا تعین قرینہ سے ہوتا ہے، بعض جگہ تو یہ نفاق کے عام مفہوم میں استعمال ہوا ہے اور بعض جگہ کینہ و حسد اور بغض و عناد کے مفہوم میں۔ اس دوسرے مفہوم کے لیے نظیر اسی سورہ کی آیت ۳۲ میں موجود ہے اور اس سے زیادہ واضح نظیر سورہ محمد کی آیت ۲۹ میں ملے گی۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ منافقین میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو محض ضعف عزم و ارادہ کے مریض تھے۔ دوسرے وہ جو اسلام کے خلاف اپنے دلوں میں بغض و عناد رکھتے تھے لیکن دشمنوں کی طرح کھلم کھلا مخالفت کرنے کے بجائے ماریا ستیں بن کر اسلام کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔ اسی گروہ کو عام منافقین سے تمیز کرنے کے لیے بعض جگہ قَالِدِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ کی صفت سے ذکر فرمایا ہے۔ جو لوگ ان دونوں گروہوں کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے وہ بغض مقامات میں قرآن کے الفاظ کا صحیح زور نہیں سمجھ سکتے۔

وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْدَةٌ ۚ وَمَا هِيَ بِعَوْدَةٍ ۖ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا (۱۳)

یہ منافقین کے ایک دوسرے گروہ کا ذکر ہے اور قرینہ دلیل ہے کہ یہاں اشارہ منافقینِ اعراب کی طرف ہے۔ مدینہ کے قرب و جوار کے دیہاتوں کے جو لوگ اسلام لائے تھے ان میں ایک گروہ نہایت کٹر منافقین کا تھا۔ ان کا ذکر تفصیل سے سورہ توبہ کی تفسیر میں ہو چکا ہے۔ ان کے لیے خود قرآن میں اَشَدُّ كُفْرًا وِّنْفَاقًا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یہ لوگ اسلام کی بڑھتی ہوئی سیاسی طاقت سے مرعوب ہو کر مسلمان ہونے کے مدعی تو بن بیٹھے تھے لیکن ان کی ساری دلچسپی اپنے مقادات سے تھی۔ کسی غزوہ میں شریک ہونے کا وقت آتا تو اول تو مختلف بہانوں سے کترا جاتے اور اگر محض نمائش کے لیے کسی جنگ میں شریک ہوتے بھی تو اسلام سے زیادہ اسلام کے دشمنوں کی مقصد برآری کا ذریعہ بنتے۔ غزوہ خندق کے موقع پر بھی ان میں سے کچھ لوگ اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے آگئے تھے۔ لیکن انھوں نے اپنا سارا زور مسلمانوں کا حوصلہ پست کرنے کے لیے صرف کیا۔ یہاں چند آیتوں میں اسی گروہ کے کردار پر تبصرہ ہے۔

يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا۔ ان لوگوں کا مدینہ کے مسلمانوں کو يَا أَهْلَ يَثْرِبَ کہہ کر خطاب کے معنات



کے خطاب کرنا اس بات کا نہایت واضح قرینہ ہے کہ ان کا تعلق حوالہ مدینہ کے بدعبدوں سے تھا۔ اگر یہ خاص مدینہ ہی کے باشندے ہوتے تو اپنے ہی شہر کے بھائیوں کو اس خطاب سے مخاطب کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

دیشرب مدینہ منورہ کا سابق نام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد اس کا نام مدینۃ النبی اور پھر مدینہ ہو گیا لیکن دیہاتوں کے لوگ بالخصوص منافقین عمرہ تک اس کو شرب ہی کہتے رہے۔ یہ لوگ دیہاتی بھی تھے اور منافق بھی اس وجہ سے انہوں نے نئے نام کو قبول نہیں کیا تھا۔ ان کو گمان یہ ہو رہا ہوگا کہ اسلام اور مسلمانوں کا قبضہ اس شہر پر عارضی ہے، سابق حالات پھر لوٹ آئیں گے۔ ان کے اس خطاب کا حوالہ دے کر قرآن نے ان کے اس باطن سے پردہ اٹھا دیا ہے۔

منافقین کی مفادہ سازی کی ایک مثال

’لَا مَقَامَ لَكُمْ فَارِجًا‘ یعنی انہوں نے مسلمانوں کا حوصلہ پست کرنے کے لیے نہایت خیر خواہانہ انداز میں یہ کہنا شروع کیا کہ دشمنوں کی اس دل بادل فرج کے مقابل میں تمہارے لیے ٹھک سکانا ممکن ہے اس وجہ سے جنگ کے لیے محاذ آرائی بے سود ہوگی۔ اب بہتری اسی میں ہے کہ جنگ کا خیال چھوڑ کر گھروں کو واپس ہو جاؤ۔

مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں تو اس بات کا امکان ہے کہ شاید یہ تمہارے دشمن تمہارے ساتھ کچھ نرم معاملہ کریں لیکن زوریت اگر جنگ و قتال کی آگئی تو پھر تمہاری تیر نہیں ہے۔

منافقین کا ایک عذر جنگ کے ہیں۔ انہی منافقین اعراب کے ایک دوسرے گروہ کا یہ کردار بیان ہو رہا ہے کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ عذر پیش کیے کہ چونکہ ان کے گھر تنہا اور غیر محفوظ ہیں اس وجہ سے انہیں اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت دی جلتے۔ پہلے گروہ نے مدینہ والوں کو پست بہت کر کے ان کو محاذ سے ہٹانے کی کوشش کی اور اس گروہ نے خود اپنے لیے راہ فرار تلاش کرنے کی تدبیر کی تاکہ دشمن کے لیے میدان بالکل صاف ہو جائے۔

اس گروہ کا یہ عذر بھی کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں اس بات کا قرینہ ہے کہ ان کا تعلق اطراف مدینہ کے دیہاتوں سے تھا۔ جہاں تک اہل مدینہ کا تعلق ہے ان کے لیے اس قسم کے کسی بہانے کی گنجائش نہیں تھی۔ اس جنگ سے متعلق جو تفصیلات کتابوں میں مذکور ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں اور بچوں کی حفاظت کا انتظام پہلے سے کر لیا گیا تھا۔

’وَمَا هِيَ بِعَوْنٍ اِنَّ يُرِيدُونَ الْاْفْسَادَ‘ فرمایا کہ ان کا یہ عذر بالکل جھوٹا عذر تھا۔ ان کے مکانات غیر محفوظ یا کسی خطرے میں نہیں تھے۔ بلکہ یہ لوگ اس بہانے محاذ جنگ سے فرار اختیار کرنا چاہتے تھے۔

’وَلَوْ دَخَلْتُ عَلَيْهِمْ مِنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سَبَلُوا الْفِتْنَةَ لَا تَوْهَادَ مَا تَلَبَّثُوا بِهَا اِلَّا يَوْمًا رَهِيًا‘

’اَقْطَارِهَا‘ کی ضمیر کا مرجع شرب بھی ہو سکتا ہے لیکن قرآن کی روشنی میں میرے نزدیک اس کا مرجع بیعت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گھروں کی حفاظت کا بہانہ تو محض بہانہ ہے۔ اصل مقصد ان کا دین کی حفاظت



ممانعت سے فرار ہے۔ ان کے نزدیک سب سے زیادہ کم وقعت اور ارزناں چیز دین ہے۔ اگر ان کے گھروں کے اطراف سے ان پر اسلام کے مخالفوں کی چڑھائی ہو جائے اور وہ ان سے ارتداد یا مسلمانوں سے جنگ کرنے کا مطالبہ کریں تو یہ ان کے مطالبہ کو بے درنگ مان لیں گے۔ لفظ 'فِتْنَةٌ' پر ہم جگہ جگہ بحث کر چکے ہیں۔ یہاں اس سے رجعت اور ارتداد یا مسلمانوں کے خلاف جنگ کا مطالبہ مراد ہے۔ صاحب کشف نے بھی تاویل اختیار کی ہے اور ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے۔ سورہ نساء آیت ۹۱ میں اسی قسم کے منافقین کی طرف اشارہ ہے۔

سَيَجِدُكَ الْخَرِيبَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوا قَوْلَهُمْ وَلَكِنَّا نَعْلَمُ مَا يُكَلِّمُونَكَ إِلَى الْفِتْنَةِ يَهَانُ فِتْنَةٌ سَ  
مراد جیسا کہ اس کے محل میں ہم وضاحت کر چکے ہیں، یہ ہے کہ اگر کوئی اسلام دشمن طاقت دباؤ ڈال کر ان سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی کام لینا چاہتی ہے تو بڑی آسانی سے لے لیتی ہے۔ بعینہ ہی مضمون آیت زیر بحث میں بیان ہوا ہے۔

وَلَقَدْ كَانُوا عَمَدًا مِّنْ قَبْلُ لَا يَأْتِيهِمُ الْأَدْبَارُ وَلَكِنْ مَعَهُدُ اللَّهِ  
مَسْئُولًا (۱۵)

یوں تو اسلام میں داخل ہونے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے ہی کا لازمی تقاضا یہ ہے منافقین کی کہ آدمی اپنے مال اور اپنی جان کو اللہ کے دین سے دریغ نہیں رکھ سکتا بلکہ خدا کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینے کے عہد کا پابند ہو جاتا ہے لیکن یہ منافقین اس عام عہد کے علاوہ ایک خاص عہد کی پابندی کی ذمہ داری بھی اپنے سرے چکے تھے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ان میں سے اکثر کا حال یہ تھا کہ پچھلے غزوات میں انھوں نے لا طائل غزوات کی آڑ لے کر شرکت سے گریز کیا تھا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو نہیں کھاکھا کا طینان دلایا تھا کہ آئندہ کسی جہاد کی نوبت آئی تو وہ اس میں پورے جوش سے حصہ لیں گے۔ ان لوگوں کی ان اطمینان دہانیوں کا ذکر قرآن میں جگہ جگہ ہوا ہے۔ انہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کو ملامت کی ہے کہ پہلے تو انھوں نے بہت بڑھ بڑھ کے وعدے کیے تھے کہ آئندہ جنگ کی نوبت آئی تو وہ پیٹھ نہیں دکھائیں گے تو اب جب اس کی نوبت آئی تو رخصت کی عرصیاں اور گھروں کے غیر محفوظ ہونے کے بہانے لے کر کیوں اٹھ کھڑے ہوئے! دَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا، یہ ان کو دھکی ہے کہ انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ سے کیے ہوئے ہر عہد کی پرکاش ہوتی ہے۔ پرکاش تو ہر جرم کی ہوگی لیکن خاص طور پر اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کی ذمہ داری بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ سورہ صف میں ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا مَا لَا تَعْمَلُونَ وَلَا تَعْمَلُونَ مَا لَا تَقُولُونَ وَلَا تَقُولُوا مَا لَا تَعْمَلُونَ وَلَا تَقُولُوا مَا لَا تَعْمَلُونَ (۲۷-۳۰) اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں! اللہ کے نزدیک یہ بات زیادہ غضب کی ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں۔

قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ أَعْرَابُكُمْ قَدْ رُفِئَتْ أَلْسِنُكُمْ وَإِذَا لَا تَشْعُرُونَ إِلَّا  
قَلِيلًا (۱۶)



موت ہے مطلب یہ ہے کہ موت یا قتل سے ڈر کر ادا ئے فرض سے فرار کوئی دانشمندانہ پالیسی نہیں ہے بلکہ یہ نہایت احمقانہ  
 ڈر کر ادا ئے روش ہے۔ زندگی اور موت تمام تر خدا کے اختیار میں ہے۔ اگر کوئی شخص خدا کے کسی مقرر کیے ہوئے فرض  
 سے اس لیے گریز اختیار کرتا ہے کہ اس میں اس کو موت یا قتل کا اندیشہ ہے تو دوسرے لفظوں میں اس کے  
 فراحت ہے؟ معنی یہ ہونے لگتا ہے کہ وہ خدا سے فرار اختیار کرنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا سے بھاگ سکنے کا کوئی امکان نہیں  
 ہے۔ اگر اس طرح بھاگ کر کسی نے اپنی زندگی، اپنی دانست میں، بچائی تو کب تک بچائے رکھے گا، بالآخر  
 اس کو ایک دن مرنا اور اپنے اس رب کو منہ دکھانا ہے جس سے اس نے بھاگنے کی کوشش کی۔ اس آیت  
 کے الفاظ وَاِذَا لَا تُمَتَّعُونَ اِلَّا قَلِيْلًا پر غور کیجیے تو ان سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اس طرح کے فراریوں  
 کی عمر برکت سے بالکل محروم ہو جاتی ہے۔ وہ اس حیات چند روزہ میں جتنے دن گزارتے ہیں بے برکت زندگی  
 گزارتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ فرار نہ اختیار کرتے جب بھی وہ اپنی مدت حیات پوری کرتے اور اس چند روزہ  
 زندگی کے بدلے حیات جاودا کی بادشاہی حاصل کرتے۔

قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ ظُلُمَاتٍ إِلَى نُورٍ بِإِذْنِهِ ۚ وَكَانَ ظُلُمَاتٍ أَعْمَىٰ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝۱۴

حذف کا  
 ایک اسلوب  
 اس آیت میں عربیت کے معروف قاعدے کے مطابق اَدَا دِيكُمْ رَحْمَةً سے پہلے جملہ کا ایک  
 حصہ محذوف ہے۔ اس حذف کو کھول دیجیے تو پوری بات یوں ہوگی: اَدِيْمُسِيْطُ رَحْمَتُهُ اِنْ اَرَادِيْكُمْ رَحْمَةً  
 (یا اس کی رحمت کو روک سکے اگر وہ تم پر رحمت کرنا چاہے) عربی میں حذف کے اس اسلوب کی مثالیں بہت  
 ہیں۔ مثلاً اسیفادرمحا میں بھی یہی اسلوب ملحوظ ہے۔ قرآن میں اس کی جو بلیغ مثالیں ہیں ان کی طرف  
 اس کتاب میں ہم اشارہ کرتے آئے ہیں۔ اردو میں یہ اسلوب موجود نہیں ہے اس وجہ سے ترجمہ میں اس حذف  
 کو ہم نے کھول دیا ہے۔

رحمت اور  
 نعمت و نازل  
 مرف خدا کے  
 اختیار میں ہے  
 میں ہے تو خدا سے بھاگنے اور جی چرانے کے کیا معنی!

قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ ظُلُمَاتٍ إِلَى نُورٍ بِإِذْنِهِ ۚ وَكَانَ ظُلُمَاتٍ أَعْمَىٰ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝۱۴

یہاں بقیہ کلام چونکہ تنبیہ کا ہے اس  
 وجہ سے تنبیہ کے پہلو کو غامض طور پر نمایاں فرمایا کہ اگر خدا کی پکڑ میں آگئے تو اس کے مقابل میں نہ  
 ان کا کوئی کارساز ان کا سفارشی بن سکے گا نہ کوئی حامی و مددگار ان کی حمایت کر سکے گا۔ کسی کی مدد سعی و سفا  
 کے ذریعہ سے بھی ہو سکتی ہے جس طرح کی مدد کی توقع مشرکین اپنے معبودوں اور شرکار و اولیاء سے رکھتے تھے



اور جمعیت و جمعیت کے بل پر بھی ہو سکتی ہے جس کا غرہ ہر صاحب جمعیت کو ہوتا ہے۔ یہاں ان دونوں ہی کی نفی فرمادی۔

قَدْ يَسْلُمُ اللَّهُ الْمُتَوَقِّينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَكَذَا ذِيَاءَ وَلَا يَأْتُونَ  
الْبَاسَ إِلَّا قَلِيلًا (۱۸)

”قَدْ يَسْلُمُ اللَّهُ“ میں مضارع سے پہلے فعل ناقص محذوف ہے۔ اس اسلوب کی وضاحت ہم جگہ جگہ کر چکے ہیں۔ اس میں نہایت سخت قسم کی تنبیہ ہے۔ فرمایا کہ اللہ تمہارے اندر سے ان لوگوں کو برابر جانتا رہا ہے جو اپنے بھائیوں کو جنگ سے روکتے اور ان سے یہ کہتے رہے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ اور یہ لوگ جنگ میں عملاً بہت کم حصہ لیتے رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کی ان سازشوں سے کوئی آگاہ نہیں ہے لیکن اللہ ان سے برابر آگاہ رہا ہے اور جب وہ ان سے برابر آگاہ رہا ہے تو ان کو سزا دیے بغیر بھی نہیں چھوڑے گا۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ اشارہ ان منافقین کی طرف ہے جو نہ صرف یہ کہ خود دفاع میں کوئی حصہ نہیں لیتے تھے بلکہ اپنے اغما و تعلق کے دوسرے لوگوں کو بھی اس سے روکتے اور ان سے کہتے تھے کہ جس جگہ ہم ہیں تم بھی اسی جگہ آجاؤ تاکہ تم پر کوئی گرفت نہ ہو سکے۔ یہ امر یہاں پیش نظر رہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر دفاعی لائن بہت طویل تھی اس وجہ سے منافقین کے لیے دفاع کی ذمہ داریوں سے گریز و فرار کے مواقع بہت تھے۔ وہ خود بھی اس سے گریز کرتے اور اپنے دوسرے ہم خیالوں کو بھی اپنا ساتھ بنانے کی کوشش کرتے۔

”وَلَا يَأْتُونَ الْبَاسَ إِلَّا قَلِيلًا“ یہاں بھی مضارع سے پہلے فعل ناقص محذوف ہے اور ”بَاسَ“ سے مراد دفاع ہے۔ یعنی یہ خود تو دفاع میں برائے نام محض نمائش کے لیے حصہ لیتے اور جو لوگ حصہ لیتے ان کے دل بٹھانے کی کوشش کرتے اور ان کو اپنے مورچوں پر بلاتے کہ ان کو بھی اپنا ساتھ بنالیں۔

أَشِحَّةً عَلَيْكَ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِاللِّسَانِ حِذَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ أُولَٰئِكَ لَئِيْزُونَ فَأَحْطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا (۱۹)

”أَشِحَّةً عَلَيْكَ“ کا تعلق اوپر والے جملہ ”وَلَا يَأْتُونَ الْبَاسَ إِلَّا قَلِيلًا“ سے ہے۔ یعنی تو تو وہ دفاع میں حصہ لیتے نہیں تھے اور اگر کبھی حصہ لیتے بھی تو تمہارے لیے جان یا مال کی کوئی قربانی کرنے کے معاملے میں نہایت نجیل تھے۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ ایک قطرہ خون بہائے بغیر وہ غازی و محارب سمجھے جائیں۔



مِنَ الْمَوْتِ، چونکہ یہ کوئی قربانی دینے کے لیے نہیں بلکہ کوئی خطرہ مول لینے بغیر غازیوں کے رجسٹر میں اپنے نام درج کرانے گئے تھے اس وجہ سے جب کبھی مجاذہ پر کوئی خطرے کی حالت پیش آجاتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ ان کی آنکھیں اس طرح گردش کر رہی ہیں گویا ان پر موت کی غشی طاری ہونے لگی ہے۔ موت کا مقابلہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ کرتا ہے جو شہادت کے عزم کے ساتھ گھر سے نکلتا ہے۔ محض نمائش کے لیے نکلنے والوں کا بھرم کوئی معمولی سے معمولی خطرہ بھی کھول دیتا ہے۔

”فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِالسِّنَةِ جِدَادٍ اشْتَعَتْ عَلَى الْخَيْرِ سَلَقُ“ کے معنی تیز زبانی اور چرب زبانی سے بات کرنے کے ہیں۔ اسی سے خطیب سلاق، اس خطیب کو کہتے ہیں جو نہایت تیز زبان ہو۔

یعنی جب کوئی خطرے کی حالت پیش آجاتی تب تو ایسا معلوم ہوتا کہ ان کے دم خشک ہو رہے ہیں اور ان پر موت کی جان کنی طاری ہے لیکن جب خطرے کی حالت گزر جاتی تو بڑی تیز زبانی سے باتیں کرتے گویا انہی کی شہامت و شجاعت کا یہ کرشمہ ہے کہ دشمن کو آگے قدم بڑھانے کی جرات نہیں ہوتی ورنہ خطرہ بالکل سر پر آگیا تھا۔

”أَشْتَعَتْ عَلَى الْخَيْرِ“ یعنی اس ساری تیز زبانی و طلاقت لسانی کا مظاہرہ وہ محض مال کی طرح میں کرتے ہیں کہ اگر تقسیم غنیمت کا موقع آئے تو اس میں زیادہ سے زیادہ حصہ لٹا سکیں۔  
یہ اشْتَعَتْ عَلَى الْخَيْرِ اوپر والے اشْتَعَتْ عَلَيْكُمْ کے بالکل ٹھیک ٹھیک مقابل میں ہے یہ تشبیح کی جمع ہے۔ اس کے معنی بخیل کے بھی آتے ہیں اور حریص کے بھی اور یہ دونوں ہی مفہوم ایک ہی کردار کے دو پہلو ہیں۔ پہلے ٹکڑے میں یہ بخیل کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے دوسرے میں حریص کے مفہوم میں۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہارے معاملے میں ان کی بخلت و تنگ دلی کا تو یہ حال ہے کہ تمہاری خاطر نہ وہ ایک قطرہ خون یہاں نہ کو تیار ہیں نہ اپنا کوئی دھیلا خرچ کرنے پر راضی ہیں لیکن اگر مال غنیمت ہاتھ آئے تو اس کی طرح میں یہ زبان کے غازی سب کو ہدف مطاعن بنا ڈالیں گے۔

”سَلَقُوكُم بِالسِّنَةِ جِدَادٍ“ کے الفاظ کے اندر چرب زبانی کے ساتھ تند زبانی کا مفہوم بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ منافقین چونکہ مال ہی کی طرح میں غزوات میں شریک ہوتے اس وجہ سے ان کے مال کرنے کے لیے وہ دوسروں کو ہمز و ملز اور ملین و تشنیع کا نشانہ بھی بنانے سے گریز نہ کرتے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات، جیسا کہ سورہ نساء، سورہ توبہ اور سورہ انفال وغیرہ میں گزر چکا ہے، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تقسیم غنیمت کے معاملے میں یہ جانبداری کا الزام دیتے کہ لڑائی تو ہم جیتے ہیں لیکن مال غنیمت میں سے حصہ دوسروں کو زیادہ دیا جاتا اور ہم کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

أُولَئِكَ لَا يُؤْمِنُوا فَأَخْبَطَ اللَّهُ أَعْمَاءَهُمْ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا یعنی یہ لوگ چونکہ محض

نماشی ایمان کے ساتھ کوئی عمل قبول نہیں کرتا



زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے رہے ہیں حقیقی ایمان ان کو نصیب نہیں ہوا اس وجہ سے اس نمائشی ایمان کے ساتھ انہوں نے جو کام بظاہر دین کے بھی کیے وہ سب اللہ نے ضبط کر دیے۔ ان کا کوئی صلہ آخرت میں ان کو ملنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں عمل صرف وہی مقبول ہے جو ایمان کے ساتھ ہو۔

”وَكَانَ ذَلِكْ عَلَى اللَّهِ تَبْيِيرًا“ یہ لوگوں کی بعض نہایت شدید قسم کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہے۔ بہت سے لوگ ایمان سے اور نیت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ کسی کا کوئی عمل ان کی نگاہوں میں اچھا ہے تو وہ لازماً آخرت میں بھی اس کے صلہ میں، ان کے نزدیک، مراتب عالیہ کا سزاوار ٹھہرے گا۔ حالانکہ یہ بات حقیقت کے بالکل خلاف ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کے بڑے سے بڑے عمل کی بھی کوئی وقعت نہیں ہے اگر وہ اس کی رضا کے لیے نہ کیا جائے۔ خدا کسی کے عمل کا محتاج نہیں ہے۔ اپنے عمل کے محتاج خود عمل کرنے والے ہیں۔ ان کا نفع سزا سزا نہیں کر پہنچتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ وہ ہر اس عمل کو قبول فرمائے گا جو اس کے احکام کے مطابق اور خالص اس کی رضا جوئی کے لیے کیا جائے گا، خواہ عمل چھوٹا ہو یا بڑا۔ اگر کوئی عمل اس کی رضا جوئی کے سوا کسی اور کی رضا جوئی یا کسی اور غرض کے لیے کیا جائے گا تو ایسے عمل کو اللہ تعالیٰ عمل کرنے والے کے منہ پر پھینک مارے گا کہ اس کا صلہ وہ ان سے لے جن کی خوشنودی کے لیے اس نے کیا ہے، اگرچہ یہ حج اور جہاد کے درجہ ہی کا عمل کیوں نہ ہو۔ فرمایا کہ کوئی اس معاملہ میں نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایسا کرنا ذرا بھی شاق گزے گا۔ یہ ذرا بھی اس پر شاق نہیں گزے گا بلکہ یہ اس کے لیے نہایت سہل ہے۔ وہ کسی کے عمل کا محتاج نہیں ہے کہ قسم کا عمل اپنے کھاتے میں جمع کرتا جائے کہ چلو، یہ بھی غنیمت ہے!

بعض لوگوں کو یہ معاملہ بھی ہو جاتا ہے کہ خدا بڑا مہربان و کریم ہے اس وجہ سے جو کچھ بھی اور جس طرح بھی کوئی نیکی کا کام کر دے گا وہ اس کو قبول فرمائے گا۔ اس میں ذرا شبہ نہیں کہ خدا بڑا ہی مہربان و کریم ہے لیکن ساتھ ہی وہ نہایت غیور و غنی بھی ہے اس وجہ سے لوگوں کے ایسے اعمال کو پامال کر دینا اس پر ذرا بھی گراں نہیں ہوگا جن کا قبول کرنا اس کی غیرت کے منافی ہو۔ یہود کو خدا کی صفت کریمی سے جو مغلطے پیش آئے ان کی تفصیل سورہ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

يَسْتَبِشْنَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۚ وَإِنَّ يَأْتِ الْأَحْزَابَ يَوْمَئِذٍ وَآلَهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ آبَائِكُمْ ذَلِكُمْ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا تَلَوْا إِلَّا قَلِيلًا (۲۰)

ان لوگوں کی بزدلی کا ذکر ادھر کی آیات میں گزر چکا ہے۔ یہ اسی کی مزید وضاحت ہے کہ یہ نہ سمجھو منافقین کی کہ جماعتوں کے چلے جانے سے ان کے دلوں کا خوف بھی چلا گیا ہے۔ جماعتیں پناہ ہو کر اپنے اپنے بزدلی کی مزید ٹھکانوں پر پہنچ گئیں لیکن ان کی ہدایت اس طرح ان کے دلوں پر مسلط ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ ابھی وہ یہیں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔



”وَإِنْ يَأْتِ الْاُخْرَابُ“ یعنی اب کے تو یہ کسی نہ کسی طرح، مارے ہاندھے یہاں مدینہ میں رہ گئے لیکن اب اگر دوبارہ حملے کا کوئی اندیشہ ہوا تو ان کی خواہش یہ ہوگی کہ مدینہ میں بھگنے کے بجائے اہل بدر کے ساتھ دیہاتوں میں جا رہیں اور وہیں سے بیٹھے بیٹھے تمہاری خبریں دریافت کرتے رہیں کہ کیسا گزر رہی ہے!

”وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا“ یہ مسلمانوں کو تسلی ہے کہ اگر یہ ایسا کریں تو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے۔ اگر یہ تمہارے پاس ہوں گے بھی تو یہ جنگ میں حصہ لینے والے اسامی نہیں ہیں۔ بہتر ہے کہ دوسری رہیں کہ ان کی چھوٹ سے دوسرے متاثر نہ ہوں۔ ۱۰ اور آیت ۱۸ کے تحت جو کچھ گزر چکا ہے اس پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (۲۱)

عزیمت کے لیے نمونہ اور اس کے حصول کی پیروی کیوں نہ کی، اس قدر بزدل اور ڈرپوک کیوں بنے رہے! یہ ان بزدلوں کو غیرت دلائی ہے کہ تمہارے اندر ہی محاذ پر خدا کا رسول بھی موجود تھا اور تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس نے کس عزم و ہمت کے ساتھ تمام خطرات کا مقابلہ کیا تو آخر تم نے اس بہترین نمونے کی پیروی کیوں نہ کی، اس قدر بزدل اور ڈرپوک کیوں بنے رہے! اس کے حصول کی تدبیر

”لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا“ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ رسول کے اسوہ کی پیروی ہر تدعی کا کام نہیں ہے۔ اس راہ کی آزمائشوں سے وہی لوگ عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جو اللہ کی ملاقات اور روز آخرت کے منتظر و متوقع اور اللہ کی یاد سے ہر وقت اپنے دل کو آباد و شاداب رکھنے والے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ راہِ حق میں عزیمت و استقامت انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جن کے اندر خدا اور آخرت پر مضبوط ایمان ہو اور وہ براہِ راست اپنے اس ایمان کو خدا کی یاد سے تازہ رکھیں۔ نیز اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوئی کہ ان منافقین کے اندر نہ خدا اور آخرت پر ایمان تھا اور نہ یہ خدا کو یاد رکھنے والے تھے اس وجہ سے ان کے خوف کا یہ حال ہے کہ دشمنوں کے پسپا ہونے کے بعد بھی ان کے دلوں پر سے ان کی ہلیت نہیں گئی۔

وَلَمَّا دَاكُمُ الْمُؤْمِنُونَ الْاُخْرَابُ لَقَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ فَدَسُّوْهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا اِيْمَانًا وَتَسْلِيمًا (۲۲)

منافقین کے بالمقابل غلغلیں کا رویہ

اور آیت ۲۱ میں منافقوں اور ماسدوں کا قول گزر چکا ہے کہ انھوں نے دشمنوں کے اس ہجوم کو دیکھ کر علانیہ مسلمانوں میں یہ پھیلانا شروع کر دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جو وعدے ہم سے کیے گئے وہ سب فریب ثابت ہوئے۔ اب ان کے مقابل میں یہ سچے مسلمانوں کا تاثر بیان ہو رہا ہے کہ انھوں نے جب



دشمنوں کے اس زور کو دیکھا تو اپنے ساتھیوں کو تسلی دی کہ یہ تو وہی امتحان ہیں پیش آیا ہے جس کی اللہ اور اس کے رسول نے پہلے سے ہمیں خبر دے دی تھی۔ یہ اشارہ قرآن کی ان آیات کی طرف ہے جن میں مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ کامیابی کی منزل کو پہنچنے سے پہلے ان کو نہایت مبرا آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا۔

مثلاً سورہ بقرہ میں فرمایا ہے :

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ  
وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ  
خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَبِّهِمْ  
الْبَاسُ أَوْ دَانِقَآءُ وَزُلْزِلُوا  
حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ  
آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ  
اللَّهِ وَالْآيَاتُ نَصْرَ اللَّهِ قَبْرُيُّكَ ؟  
(البقرہ : ۲۱۴)

کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تمہیں اس طرح کے حالات سے سابقہ پیش آیا ہی نہیں جس طرح کے حالات سے ان لوگوں کو سابقہ پیش آیا جو تم سے پہلے گزرے ان کو نفور بیماری کے مصائب پہنچے۔ اور وہ اس قدر جھنجھوٹے گئے کہ رسول اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لانے لگے۔

لٹھے کہ اللہ کی مدد کب نمودار ہوگی! آگاہ، کر اللہ کی مدد قریب ہے۔

اسی سنت کی طرف سورہ عنکبوت میں یوں اشارہ فرمایا ہے۔

أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا  
أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ  
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ  
قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ  
الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ  
الْكَاذِبِينَ (۲-۳)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ مجھ سے کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی جانچ نہ ہوگی اور ہم نے ان لوگوں کو جانچا جو ان سے پہلے گزرے! پس اللہ لازماً امتیز کر کے رہے گا ان لوگوں کو جو اپنے دعوئے ایمان میں راستہ باز ہیں اور ان لوگوں کو جو جھوٹے ہیں۔

”صَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ“ یعنی اللہ و رسول کا وعدہ جھوٹا نہیں ثابت ہوا بلکہ بالکل سچا ثابت ہوا۔ جو لوگ اس مرحلے میں ثابت قدم رہیں گے وہ آئندہ ظہور میں آنے والے وعدوں کی صداقت بھی دیکھ لیں گے کہ مسلمان قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے مالک ہوں گے۔

”وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا“ یعنی اس امتحان نے ان کے اندر کوئی کمزوری پیدا کرنے کے بجائے ان کے ایمان و اطاعت کے جذبے میں مزید قوت پیدا کی۔ یہ امر بیاں ملحوظ رہے کہ راہِ حق میں جو آزمائشیں بھی پیش آتی ہیں وہ جس طرح کمزوری کے کھوٹ کو نمایاں کرتی ہیں اسی طرح صادقوں کے صدق کو بھی علامت بناتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ٹھہرائی ہوئی سنت ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنُ تَقَىٰ نَجْبَهُ وَمِنْهُمْ



مَنْ يَنْتَظِرْ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا (۲۲)

سورہ اعراف کی تفسیر میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ لفظ 'جبال' جب اس طرح استعمال ہوتا ہے تو وہ نفی میں استعمال ہوتا ہے اس وجہ سے اگر اس کا ترجمہ مردانِ حق یا مردانِ کار کیا جائے تو یہ ترجمہ لفظ کی روح کے مطابق ہوگا۔

لفظ 'نعب' وسیع معنوں میں آتا ہے۔ عزم و ہمت، عہد و پیمان، نذر، سب اس کے معنوں میں داخل ہے۔ اہم بخاری نے اس کی تفسیر 'عہد' سے کی ہے اور یہ تفسیر لفظ کی روح اور موقع و محل کے مقتضیات کے بالکل مطابق ہے۔

ادھر آیت ۵ میں منافقین کا حال بیان ہو چکا ہے کہ انھوں نے اللہ اور رسول سے یہ عہد کیا تھا کہ اب کسی جنگ کا موقع آیا تو وہ پیٹھ نہیں دکھائیں گے لیکن جب موقع آیا تو محاز سے فرار کے بہانے ڈھونڈنے لگے۔ یہ ان کے مقابل میں اللہ کے وفادار بندوں کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کے اندر وہ مردانِ حق بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے باندھے ہوئے عہد کو اس کی راہ میں جانیں دے کر پورا کر دکھایا اور جو ابھی یہ عہد پورا نہیں کر سکے ہیں وہ سر تھیلی پر لیے کھڑے ہیں کہ کب موقع آئے کہ وہ اس فرض سے سبکدوش ہوں۔ 'وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا' اور انھوں نے اللہ سے باندھے ہوئے عہد میں میرا تبدیلی نہیں کی۔

لِيُجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِنْ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنْ  
اللَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا (۲۳)

یہاں قرینہ دلیل ہے کہ فعل محذوف ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے احزاب کا یہ طوفان اس لیے اٹھایا کہ یہ راستبازوں اور منافقوں کے درمیان امتیاز کے لیے ایک کسوٹی بنے۔ اس پر پرکھ کر اللہ تعالیٰ اپنے راستباز بندوں کو راستبازی کا صلہ دے اور منافقوں کو سزا دے اگر چاہے اور ان کی توبہ قبول کرے اگر وہ توبہ کریں۔

منافقین کو توبہ کی دعوت

إِنْ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ میں قرآن کے اس معروف اسلوب کے مطابق جس کی مثالیں گزر چکی ہیں۔ 'يَتُوبَ عَلَيْهِمْ' کے بعد بھی 'إِنْ شَاءَ' کے الفاظ ہیں اگرچہ تکرار سے بچنے کے لیے وہ حذف کر دیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کی حکمت اور اس کی سنت کے مطابق ہے اس وجہ سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر وہ توبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔ وہ چاہے گا تو ان کو بخش دے گا۔ اس ٹکڑے میں منافقین کے لیے دعوتِ استغفار ہے کہ ان کے لیے اب بھی گنجائش باقی ہے۔ اگر وہ چاہیں تو استغفار و توبہ کے ذریعہ سے پھر خدا کی رحمت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ یاد دہانی بھی ہے کہ تمام امور کا انحصار اللہ واحد کی مشیت ہی پر ہے اس وجہ سے جھوٹے سہاروں پر تکیہ کرنے کے بجائے وہ اپنے آپ کو اللہ ہی کے حوالہ کریں۔ اس ٹکڑے سے جن لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ تعالیٰ جن کو چاہے گا توبہ و استغفار کے بغیر ہی بخش دے گا،



انہوں نے توبہ کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی سنت کو نہیں سمجھا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کی مشیت کو کوئی دوسرا رک یا بدل نہیں سکتا لیکن اس نے اپنے عدل و حکمت کے تحت جو قاعدے ٹھہرائے ہیں اس کی مشیت ان قاعدوں کو باطل نہیں کرتی۔

وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْطِهِمْ لَحْدَيْنَا لَأَخِیْرًا وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ  
وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا (۲۵)

’الَّذِينَ كَفَرُوا‘ سے مراد احزاب کے شرکاء ہیں۔ فرمایا کہ یہ لوگ غصہ اور بغض و عناد سے بھرے ہوئے دشمنوں کی آئے تھے کہ مسلمانوں کو کچا ہی کھا جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے غصہ کے ساتھ ہی ان کو سپا کر دیا، پہاڑ اور وہ اس کا کوئی حصہ بھی نکال نہ سکے۔ ’كَمْ يَبْتَئُوا خَيْرًا‘ یعنی ان کے منصوبے تو بڑے بڑے تھے لیکن ان کے کسی منصوبے میں ان کو ذرا بھی کامیابی نہیں ہوئی۔

’وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ‘ یعنی دشمنوں کے اس خطرناک حملہ کے دفاع کے لیے مسلمانوں کو خود کوئی لڑائی نہیں لڑنی پڑی بلکہ ان کی طرف سے لڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہو گیا۔ اس نے اپنی بات نند اور اپنے ملائکہ کی افواج قاہرہ کے ذریعہ سے دشمنوں کے قدم اکھاڑ دیے اور وہ مایوس و نامراد پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔

’وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا‘ یہ تمہید کے مضمون ’وَكَفَى بِاللَّهِ وَكَيْلًا‘ کی یاد دہانی ہے کہ اللہ تعالیٰ قوی اور غالب و مقتدر ہے اس وجہ سے اس کے بندوں کو چاہیے کہ اس پر پورا بھروسہ رکھیں۔ اگر وہ اس کے بھروسہ پر اس کی راہ میں اٹھیں گے تو وہ ان کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا بلکہ غنایم و کائنات اور اپنے ملائکہ کو وہ ان کی مدد کے لیے بھیج دے گا۔

وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَهَرُوا مِنْهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَّاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا يَبْقُونَ وَفَرِيقًا يَفِرُونَ فَرِيقًا دَاوَرَتْكَ رُءُوسُهُمْ دِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَمْ يَنْتَظُرُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۲۶-۲۷)

یہ بنو قریظہ کی طرف اشارہ ہے۔ ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ بنو قریظہ کی امن و صلح کر رکھا تھا لیکن جب احزاب نے اپنی مجتمعہ قوت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کیا کہ ان کو ہمیشہ کے لیے جریریت و غلامی اور سلاطین کے رکھ دیں تو انہوں نے بھی معاہدہ کو بالائے طاق رکھ کر احزاب کا ساتھ دیا۔ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مشہور یہودی لیڈر حتی بن اخطب نفری بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد سے ملا اور اس کو ساتھ دینے کے لیے اس نے ابھارا۔ پہلے تو اس نے معاہدہ کے سبب سے کچھ تذبذب کا اظہار کیا لیکن حتی بن اخطب نے یہ پٹی پڑھائی کہ میں تمہاری لوگوں کی خاطر تو سارے عرب کو اکٹھا کر کے مدینہ پر چڑھا لایا ہوں، اگر تمہاری اس ہم میں ساتھ نہ دیا تو پھر میری اس تمام رٹ و دھوپ کا حاصل کیا؟ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے عیت و نابود کر دینے کا



یہ آخری موقع ہے، اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو پھپھتاؤ گے اور اس پھپھتانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا! حتیٰ بن خطاب کا یہ جادو کار گر ہو گیا اور بنو قریظہ بھی معاہدہ توڑ کر حملہ آوروں میں شامل ہو گئے۔ مسلمانوں کے لیے یہ چیز مزید پریشانی کا باعث ہوئی۔ مدینہ کے بالکل قریب ان کے قلعے اور گڑھیاں تھیں اور لڑنے والے افراد کی بھی ان کے پاس کافی تعداد تھی۔ ان کی شرکت سے دشمنوں کا حوصلہ دوچند ہو گیا اور مسلمانوں کے لیے یہ آزمائش بہت ہی صبر آزما بن گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تائید غیبی سے جس طرح تمام پارٹیوں کو پسپا ہونا پڑا اسی طرح انھیں بھی پسپا ہونا پڑا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ محاذ سے واپسی کے معابعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ آپ بنو قریظہ پر حملہ کریں۔ آپ نے مسلمانوں کو فوراً حملہ کر دینے کا حکم دے دیا اور بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ یہ محاصرہ تقریباً ۲۵ دن جاری رہا۔ بالآخر انھوں نے مرعوب ہو کر حضرت سعد بن معاذ کو حکم مان لیا کہ وہ جو فیصلہ کر دیں ان کو منظور ہوگا۔ حضرت سعدؓ نے فیصلہ کیا کہ ان کے تمام قابل جنگ افراد قتل کر دیے جائیں اور بقیہ کو لونڈی غلام بنالیا جائے۔ اس فیصلہ کی فوراً تعمیل کی گئی۔ اسی واقعہ کی طرف آیت میں اشارہ ہے۔ 'مِنْ مَّيَا صِيْهِمْ'۔ 'مِیۃ' مرع کے پنجے کو کہتے ہیں۔ اسی سے جمع 'مِیۃ صیۃ' ہے جو سب کے سینگوں کے لیے بھی آتا ہے اور پھر ترقی کر کے دناعی حصارات، قلعوں اور گڑھیوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ بنو قریظہ پہلے تو اپنے قلعوں میں محصور ہو گئے لیکن محاصرے سے تنگ آکر بالآخر ان کو مجبوراً ان سے نکلنا پڑا اور اپنے آپ کو اپنے اہل رعایا سمیت مسلمانوں کے حوالہ کرنا پڑا۔ 'وَقَذَفَ فِي قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ' اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اس طرح مسلمانوں کا رعب ڈال دیا کہ حضرت سعدؓ کے فیصلہ کے خلاف ان کو چوں کرنے کی بھی جرأت نہ ہو سکی۔ مسلمانوں نے بغیر کسی ادنیٰ مزاحمت کے، ان کے قابل جنگ افراد کو قتل کر کے بقیہ کو لونڈی غلام بنالیا۔

'وَأَوْدَحْنَاهُمْ دِيَارَهُمْ وَآمَوْنَهُمْ' اور ان کا پورا علاقہ، ان کے تمام مکانات و حصارات اور ان کے ہر قسم کے اموال و اثاثات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قبضے میں دے دیا۔

'وَأَدْنَىٰ أَلَمَ تَطْشُوْهُآ' یہ بشارت ہے مستقبل کی فتوحات کی۔ فرمایا کہ یہ نقد عاقل تو جو کچھ تمہیں ہم نے بخشا وہ تم نے دیکھ لیا لیکن ابھی اور بھی علاقے تمہارے قبضہ میں آئیں گے جن تک تمہارے قدم ابھی نہیں پہنچے ہیں لیکن ان کی وراثت ہم نے تمہارے لیے مقدّر کر رکھی ہے۔ یہ اشارہ خیبر، مکہ اور روم و شام وغیرہ کی فتوحات کی طرف ہے۔ 'وَكَانَ اللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا'۔ یعنی یہ جو کچھ تم نے اپنی آنکھوں دیکھا کافی ہے یہ اطمینان پیدا کرنے کے لیے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، کوئی اس کے ارادے میں مزاحم نہیں ہو سکتا اس وجہ سے اہل ایمان کو چاہیے کہ اس پر پورا پورا بھروسہ رکھیں۔

مسلمانوں کو

بشارت



## ۴۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۲۸-۳۵

ادھر کے پیرے میں عام مسلمانوں کو اللہ اور رسول کی اطاعت پر مجتمع کرنے کے بعد آگے ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ان کو منافقین اور منافقات کے فتنوں سے ہوشیار رہنے کی تلقین فرمائی ہے کہ ان کی کوشش یہ ہے کہ ازواجِ نبی (رضی اللہ عنہم) کے دلوں میں بھی غلبہ دنیا کی بیماری پیدا کریں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے رسول کی رفاقت کے لیے اس لیے چاہے کہ وہ اس کتاب و حکمت کی تعلیم کا ذریعہ نہیں جو اللہ کے رسول سے انھیں موصول ہو رہی ہے۔ اللہ کے ہاں ان کا مرتبہ بہت اونچا ہے اگر انھوں نے اپنے فریضہ منہسی کی ذمہ داریاں ادا کیں۔ اسی طرح ان کے لیے نرا بھی بہت ہی سخت ہے اگر ان سے کوئی جرم صادر ہوا۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا  
 وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأَسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ②۸  
 وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ  
 أَعَدَّ لِلْحَيِّسَاتِ مِمَّا كُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ②۹ يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ  
 مِّنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضْعِفْ لَهَا الْعَذَابَ ضِعْفَيْنِ وَ  
 كَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ③۰ وَمَن يَقْتِ مِّنْكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ  
 وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا  
 كَرِيمًا ③۱ يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنَّ التَّقِيَّتَ  
 فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ  
 قَوْلًا مَّعْرُوفًا ③۲ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ  
 الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ  
 إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ

آیات  
۲۸-۳۵

الجزء



ج ۱

تَطْهِيرًا ۳۲) وَادْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ  
 إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۳۳) إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ الْمُؤْمِنِينَ  
 وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنَاتِينَ وَالْقَنَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَ  
 الصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَشِيعِينَ وَالْخَشِيعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ  
 وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّالِحِينَ وَالصَّالِحَاتِ وَالْحَفِظِينَ وَالْحَفِظَاتِ  
 وَالْحَفِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ  
 مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۳۴)

ترجمہ آیات

۳۵-۳۸

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینتوں کی طالب  
 ہو تو آؤ، میں تمہیں دے دلا کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس  
 کے رسول اور دارِ آخرت کی طالب ہو تو اطمینان رکھو کہ اللہ نے تم سے خوبی کے  
 ساتھ نیاہ کرنے والیوں کے لیے ایک اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ ۲۸-۲۹  
 اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کسی کھلی بے حیائی کی ترکیب ہوگی تو اس کے لیے دُجند  
 عذاب ہے۔ اور یہ بات اللہ کے لیے آسان ہے۔ اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے  
 رسول کی فرمانبرداری رہی گی اور عملِ صالح کریں گی ہم ان کو دُہرا اجر دیں گے اور ہم نے ان  
 کے لیے باعزت رزق تیار کر رکھا ہے۔ ۳۰-۳۱

اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو۔ تو تم ہجہ میں  
 نرمی نہ اختیار کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ کسی طمع غام میں مبتلا ہو جائے اور بات  
 معزوف کے مطابق کہو۔ ۳۲



اور اپنے گھروں میں شک کے ہو اور سابقہ جاہلیت کے سے انداز اختیار نہ کرو۔ اور نماز کا اہتمام رکھو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو پس یہ چاہتا ہے اے اہل بیت نبی! کہ تم سے آلودگی کو دور کرے اور تمہیں اچھی طرح پاک کرے اور تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت کی جو تعلیم ہوتی ہے اس کا چرچا کرو۔ بے شک اللہ نہایت ہی باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے۔ ۳۳-۳۴

اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں، ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں، فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرماں برداری کرنے والی عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، ثابت قدمی دکھانے والے مرد اور ثابت قدمی دکھانے والی عورتیں، فروتنی اختیار کرنے والے مرد اور فروتنی اختیار کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد رکھنے والے مرد اور اللہ کو کثرت سے یاد رکھنے والی عورتیں — ان کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ ۳۵

## ۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَّا رَافِعُ لَكَ إِن كُنْتُمْ تُرِيدُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنَّا لَهَا فِتْنًا وَلَئِن كُنْتُمْ تُرِيدُونَ سَرَاحًا جَمِيلًا هَـ وَإِن كُنْتُمْ تُرِيدُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَاُذُنَ الْآخِرَةِ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنِينَ مِنْكُمْ أَجْرًا عَظِيمًا (۲۸-۲۹)

ہمارے مفسرین نے ان آیات کا پس منظر یہ بتایا ہے کہ فتح خیبر کے بعد جب مسلمانوں کو فی الجملہ معاشی آیات کا پس منظر کشادگی حاصل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے بھی آپ سے مطالبہ کیا کہ ان کو بھی زندگی کی راحتوں قرآن کدوشی میں



اور زمینوں سے متمتع ہونے کا موقع دیا جائے۔ ان کے اس مطالبہ پر بطور عتاب یہ آیات نازل ہوئیں۔ ہمارے نزدیک کئی پہلوؤں سے یہ بات نہایت کمزور ہے۔

اول تو قرینہ دلیل ہے کہ یہاں جن حالات پر تبصرہ ہو رہا ہے وہ ہجرت کے چوتھے یا پانچویں سال سے تعلق رکھنے والے ہیں، اور غزوہ خندق اور بنو قریظہ کے حالات زیر بحث آئے ہیں، آگے حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ان تمام واقعات کا تعلق ۵ھ سے ہے۔ خیبر بھی فتح نہیں ہوا تھا۔ اور آیت ۲۷ کے الفاظ دَاٰرُصَاٰتٍ تَطُتُوْهَا کے تحت خود مفسرین ہی نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ فتح خیبر کی پیشگی بشارت ہے۔

دوسرا یہ کہ یہ مطالبہ اگر مجرمانانہ نفقہ میں فی الجملہ توسیع کے لیے تھا تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جس پر ان کو یہ نوٹس دے دیا جائے کہ ان کو دے دلا کر ہمیشہ کے لیے رخصت کر دیا جائے۔ اس طرح کی بات پر اول تو کسی تنبیہ کی ضرورت ہی نہیں تھیں اور اگر تھیں بھی تو زیادہ سے زیادہ اس نصیحت کی مستحق تھیں کہ نبی کی معیت مطلوب ہے تو انھیں مبرقعات کی زندگی اختیار کرنی پڑے گی۔

تیسرا یہ کہ اہل ایمان المؤمنین کے متعلق یہ سوءظن نہیں کیا جاسکتا کہ ان پر دنیا کی راحتوں اور زمینوں کا شوق کسی دور میں بھی اتنا غالب آگیا ہو کہ وہ اس کا مطالبہ لے کر اٹھ کھڑی ہوتی ہوں اور معاملہ اتنا سنگین ہو گیا ہو کہ خود اللہ تعالیٰ کو اس میں مداخلت کرنی پڑی ہو اور نوبت اس نوٹس تک پہنچ گئی ہو جو ان آیات میں ان کو دیا گیا۔

بہر حال یہ نشان نزول ہمارے نزدیک قابلِ توجہ نہیں ہے نہ آیت کے الفاظ سے اس کی تائید ہوتی ہے نہ وقت کے حالات سے۔ ہم یہاں اس سورہ کی روشنی میں وقت کے بعض خاص حالات کی طرف اشارہ کریں گے جن سے ان آیات کا صحیح موقع و محل سمجھنے میں مدد ملے گی۔

اس پوری سورہ پر مدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں منافقین کی ریشہ دوانیاں جس طرح عام مسلمانوں کو اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمان و برگشتہ کرنے کے لیے بہت بڑھ گئی تھیں اسی طرح منافقات کے ذریعے سے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کے سکون کو درہم برہم کرنے کے لیے بھی بڑی خطرناک ہم چلا رکھی تھی۔ منافق عورتیں اہل ایمان المؤمنین کے گھروں میں جاتیں اور نہایت ہمدردانہ انداز میں ان سے کہتی کہ آپ لوگ شریف اور معزز گھرانوں کی بیٹیاں ہیں لیکن آپ لوگوں کی زندگی ہر لحاظ سے لذت سے محروم، بالکل قیدیوں کی طرح گزر رہی ہے۔ اگر آپ دوسرے گھروں میں ہوتیں تو آپ کی زندگی نیکیات کی طرح نہایت عیش و آرام اور ٹھاٹ باٹ کے ساتھ گزرتی۔ ساتھ ہی وہ یہ دوسرا انداز بھی کرتیں کہ اگر یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کو طلاق دے دیں تو بڑے بڑے رئیس اور سردار آپ لوگوں سے نکاح کریں گے اور آپ لوگوں کی زندگیاں قابلِ رشک ہو جائیں گی۔ آگے کی آیات سے یہ بات بھی سامنے آئے گی کہ منافقین



کو بھی جب کہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں جانے اور آپ کی ازواج مطہرات سے بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ان کے اندر کچھ نہ کچھ دوسرے اندازی کی فرد کو شش کرتے۔ ان کو ششوں سے ان کا اصل مقصد تو انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر کی زندگی کے اندر کوئی اس طرح کا فتنہ کھڑا کرنا تھا جس طرح کا فتنہ انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ کے متعلق کھڑا کر دیا تھا، جس کی تفصیلات سورہ نور میں آپ پڑھ چکے ہیں، اور نہ ادنیٰ درجے میں یہ فائدہ تو ان کو یہی طور پر نظر آتا تھا کہ اس سے ازواج نبی (رضی اللہ عنہم) کے اندر بے اطمینانی پیدا ہوگی اور کیا عجب کہ اس طرح کوئی ایسی شکل نکل آئے کہ وہ آپ کی ازواج کے ساتھ نکاح کرنے کا جو مذموم ارادہ رکھتے ہیں وہ پورا ہو جائے۔

منافقین و منافقات کی ان چالوں سے اگر پر اہمات المؤمنین بالکل بے خبر نہیں تھیں، بعض تلخ تجربے ان کو ہو چکے تھے، لیکن شریف، کریم النفس اور باجیا لوگوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص ان کے سامنے اگر ہمدردی وغیر خواہی کے انداز میں بات کرتا ہے تو وہ اس کے کھوٹ سے واقف ہوتے ہوئے بھی، اس کو جواب نرمی ہی سے دیتے ہیں۔ اہمات المؤمنین بھی اپنی کریم النفسی کے سبب سے ان لوگوں کو نرمی ہی سے جواب دیتیں جس سے یہ کہنے لوگ اس طمع غام میں مبتلا ہو جاتے کہ ان کا پروپیگنڈا کامیاب ہو رہا ہے اور وہ بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔

یہ حالات تھے جن میں یہ آیات اتری ہیں۔ ان میں جو باتیں فرمائی گئی ہیں ان کو سنا تو مقصود ہے دراصل ان منافقین اور منافقات کو جن کی ریشہ دانیوں کے تار و پود ان میں بکھیرے گئے ہیں، لیکن وہ پس پردہ تھے اس وجہ سے قرآن نے ان کو مخاطب کرنے کے بجائے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ازواج نبی (رضی اللہ عنہم) کو مخاطب کر کے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا۔

یہاں بلاغت کلام کے اس اسلوب کو یاد رکھیے کہ بسا اوقات ظاہر الفاظ کے اعتبار سے کلام میں خطاب کسی سے ہوتا ہے، لیکن اس میں کوئی عتاب مضمون ہوتا ہے تو اس کا رخ کسی اور طرف ہوتا ہے۔ اس پس منظر کو سامنے رکھ کر اب آیات کے مفہوم پر غور کیجیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے آیات کا فرمایا کہ اے نبی! تم اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کے عیش اور اس کی زینتوں کی طالب ہو تو آؤ، میں تمہیں دے دلا کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ، اس کے رسول اور دارِ آخرت کی کامرا بیوں کی طالب ہو تو یاد رکھو کہ تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کے حقوق کو اچھی طرح ادا کرنے والی اور آخرت کی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر پہچاننے والی ہوں گی، اللہ نے ان کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آزادی کا یہ اختیار نامہ ازواج مطہرات کے سامنے رکھ دیا اور سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ کے سامنے رکھا جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ آپ نے ان کو یہ ہدایت بھی فرمائی کہ وہ اس کے جواب میں جلدی نہ کریں بلکہ اپنے والدین سے بھی مشورہ کر لیں،



اس کے بعد جواب دیں۔ لیکن حضرت صدیقؓ نے بغیر کسی توقف کے جواب دیا کہ مجھے اس معاملے میں کسی کے شرعے کی کیا ضرورت ہے۔ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں! منافقین نے سب سے زیادہ جلدوزی اپنی پہچاننے کی کوشش کی ہوگی، جب ان کا جواب ان کی تمام توقعات پر پانی پھیر دینے والا ثابت ہوا تو تا بہ دیگر ان چہ رسد!

اس طرح قرآن نے ایک طرف تو منافقین کی ان ریشہ دوانیوں کا ہمیشہ کے لیے سد باب کر دیا جو وہ ازواجِ مطہرات کے درمیان کر رہے تھے دوسری طرف اس امتحان کے ذریعے سے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ ازواجِ مطہرات سب بلا استثناء اللہ و رسول اور آخرت کی طالب تھیں۔ اسی چیز نے ان کو اللہ کے رسول کے ساتھ وابستہ کیا تھا اور یہ وابستگی اتنی مستحکم تھی کہ اس دنیا کی کوئی طمع اس کو توڑ نہیں سکتی تھی۔ اس ساری بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ ان آیات میں ازواجِ مطہرات پر دنیا طلبی کے جرم میں کوئی عتاب نہیں ہوا ہے جیسا کہ لوگوں نے سمجھا ہے بلکہ یہ اللہ و رسول کی طرف سے ان کو آزادی کا پروانہ دے کر ان کے اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کرایا گیا تاکہ ان منافقین کے حوصلے ہمیشہ کے لیے پست ہو جائیں جو اس طمع عام میں مبتلا تھے کہ ازواجِ نبی رضی اللہ عنہم کو دنیا کی کسی طمع کے پھندے میں پھنسا کر اپنی طرف مائل کیا جاسکتا ہے۔ اس اعلانِ تخمیر کے بعد گویا ہر ایک کو سولہ آزمائی کا موقع دے دیا گیا لیکن سب پر ثابت ہو گیا کہ اہل بیت رسالت کا انتخاب خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اس حرم کے اندر کسی کے لیے کسی دراندازی کی گنجائش نہیں ہے۔

وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَالْأُمَّرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا لَفْظُ أَحْسَنُ یہاں حسن و خوبی اور اخلاص و راستبازی کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے حقوق اور طلبِ آخرت کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے مفہوم میں ہے۔ اس آیت میں کچھ مضمون محذوف ہے جس پر اس کا اسلوب بیان دلیل ہے۔ اس اسلوب کا پورا حقیقہ ادا کیجیے تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی طالب اور دارِ آخرت کی کامرانیوں پر جانے والی ہو تو نہایت خوبی اور مستعدی کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور طلبِ آخرت کی ذمہ داریاں ادا کرنے میں سرگرم رہو اور یہ اطمینان رکھو کہ تم میں سے جو ان حقوق و فرائض کو احسان کے ساتھ ادا کرنے والی ہوں گی اللہ نے ان کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ اس سے ضمناً یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ ازواجِ نبی رضی اللہ عنہم کے لیے بھی مجرمانہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت کوئی کام آنے والی چیز نہیں ہے بلکہ اصل چیز عمل و اطاعت ہے اور عمل و اطاعت بھی احسان کے ساتھ۔

يُنِيسُ السَّبِيَّ مَنْ يَأْتِ مِنْكَ بِفَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ يُضَعِفُ لَهَا الْعَذَابَ ضِعْفَيْنِ  
وَكَانَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا۔ (۳۰)



اد پر کی بات تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے کہلائی گئی اس لیے کہ اس کا آپ کی زبان ہی سے کہلایا جانا مزدوں تھا۔ اب آگے براہ راست ازواجِ نبی (رضی اللہ عنہم) کو مخاطب کر کے ان پر یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ نبی کی بیویاں ہونے کے سبب سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا درجہ و مرتبہ بھی بہت اونچا ہے اور اس مرتبہ ہی کے اعتبار سے ان کی ذمہ داریاں بھی بہت بھاری ہیں۔ پہلے ان کی ذمہ داری بتائی کہ وہ اس امر کو یاد رکھیں کہ اگر ان سے کوئی جرم صادر ہوا تو وہ اسی ترازو سے نہیں تو لا جائے گا جس سے دوسروں کے جرم تو لے جائیں گے بلکہ ان کے اعمال الگ باٹ اور الگ ترازو سے تو لے جائیں گے اور دوسروں کی نسبت سے ان کو دونیٰ سمجھ لے گی۔

”وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا“ یعنی تم میں سے کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ رسول کی رحمت میں ہونے کے سبب سے تم میں سے کسی کو سزا دینا اللہ پر ذرا بھی شاق گزرے گا۔ اللہ کا قانون بالکل بے لاگ ہے۔ وہ کسی کے ساتھ کسی نسبت و تعلق کی بنا پر کوئی رعایت نہیں کرے گا۔ اس تنبیہ سے یہ بات لازم نہیں آئی کہ العیاذ باللہ ازواجِ مطہرات سے کسی سنگین نوعیت کے جرم کا اندیشہ تھا۔ یہ محض ان کی ذمہ داری اور ان کے مرتبہ و مقام کی یاد دہانی کر کے ان کو متنبہ فرمایا گیا ہے کہ وہ شیاطین کی دوسرا اندازوں سے اچھی طرح ہوشیار رہیں۔ یہاں قاضیہ مبینہ (کھلی بے حیائی) کے الفاظ جو استعمال ہوئے ہیں وہ منافقین و مفسدین کے نفی ارادوں کو پیش نظر رکھ کر استعمال ہوئے ہیں۔ وہ رات دن اسی شگ و دو میں تھے کہ اہل بیت رسالت سے متعلق کوئی سکیڈل (SCAN DOLL) پیدا کریں، تاکہ ان کا کلیجہ ٹھنڈا ہو اور مسلمانوں کی اخلاقی ساکھ برباد ہو۔ قرآن نے یہ لفظ استعمال کر کے ازواجِ مطہرات کو آگاہ کر دیا کہ منافقین ہمدردی و خیر خواہی کے بھیس میں درحقیقت اپنے بہت بڑے شیطانی منصوبے کی فکر میں ہیں۔

وَمَنْ يَفْعَلْ مِثْقَلُ ذَرَّةٍ مِّنْهُ فَسَوْفَ يَكُنْ لِغُلَامٍ يَكُونُ مِنْهُ خَلْقًا مُّطَهَّرًا وَكَانَ لِيَاسِيًا  
وَاعْتَدْنَا لَهُمُ الرَّزْقَ يَوْمَ الْآخِرَةِ مِثْقَلًا ذَرَّةٍ وَلَهُمُ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا قَائِمُونَ

یعنی جس طرح تمہارے کسی جرم کی سزا دگنی ہے اسی طرح تمہاری نیکیوں کی جزا بھی دگنی ہے۔ اس دے سے تم میں سے جو اللہ و رسول کی صدقِ دل سے فرمانبرداری اور عملِ صالح کرتی رہیں گی اللہ ان کو دہرا اجر دے گا اور ان کے لیے باعزت رزق اس نے تیار کر رکھا ہے۔ ہم دوسرے محل میں واضح کر چکے ہیں کہ ’رزق‘ اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام کی تعبیر ہے اور اس کے ساتھ کریم کی صفت اس حقیقت کی تعبیر کے لیے ہے کہ یہ رزق و فضل ان کو بطور صدقہ نہیں ملے گا بلکہ ان کے حق کے طور پر ملے گا اور ہمیشہ کے لیے بلا کسی قید و شرط اور بغیر کسی اندیشہ احتساب و مواخذہ کے ملے گا۔

جو کہ مواخذہ اور سزا کے سلسلے میں بہت ہی سخت آئی

ان آیات سے یہ حقیقت بھی واضح ہوئی کہ خدا کے ہاں مواخذہ اتنا ہم محبت کے اعتبار سے ہو گا اور



اعمال کا ملحدان حالات کے اعتبار سے ملے گا جن میں وہ انجام دیے گئے ہیں۔ ازواج نبی (رضی اللہ عنہم) کو چونکہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی معیت حاصل ہوئی اور رسول تمام حجت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اس وجہ سے ان سے مواخذہ سخت ہوگا۔ اسی طرح رسول کی زمانت پوری و ناداری کے ساتھ چونکہ بڑا کٹھن کام ہے اس وجہ سے اس کا صلہ بھی دگنا ہے۔ جرموں کے مواخذہ اور اعمال کے صلہ کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے اور یہ بالکل بنی بر عدل و حکمت ہے۔

يُنْسَا مَا لِيَّ لَسْتُ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ اِنْ اَتَيْتُ فَلَا تَخْضَعْنَ بِاَقْوَالٍ يُطْعَمُ  
الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا (۳۲)

خاص حالات کی بنا پر ایک خاص ہدایت

’خضوع‘ کے معنی تواضع و خاکساری کے اظہار کے ہیں۔ فَلَا تَخْضَعْنَ بِاَقْوَالٍ کے معنی ہوں گے۔ بات کہنے میں نرمی و تواضع نہ اختیار کرو۔ عام حالات میں تو پسندیدہ طریقہ کلام یہی ہے کہ آدمی تواضع کا انداز اختیار کرے لیکن بعض اوقات حالات و مصالح کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس سے مختلف روش اختیار کی جائے۔ اوپر ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ اس دو میں منافقت و منافقات رات دن اس تک و دو میں تھے کہ ازواج مطہرات کے دلوں میں دوسرا انداز ہی کر کے کوئی ایسی بات نکالیں جس کو ایک نکتہ بنا سکیں ان لوگوں کی باتیں بدردانہ رنگ میں ہوتی تھیں اس وجہ سے اہل ایمان بھی ان کا جواب اپنی فخرانہ نفس کے سبب سے نرم انداز ہی میں دیتی تھیں جس سے یہ مفیدین دلیر ہوتے جا رہے تھے امدان کو یہ توقع ہو چلی تھی کہ وہ بہت جلد اپنی سازش میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ان خاص حالات کی بنا پر اہل ایمان کو اپنا رویہ بدل دینے کی ہدایت ہوئی۔ فرمایا کہ اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو۔ نبی کے ساتھ نسبت کے باعث تمہاری نیکی اور بدی دونوں کی ایک خاص اہمیت ہے۔ تمہاری نیکی دوسروں کے لیے مثال اور نمونہ بنے گی اور تم سے کوئی غلطی صادر ہوگی تو اس کو بھی اصحاب الانعام حجت بنائیں گے اس وجہ سے تمہارے لیے امتیاط کی روش اولیٰ ہے۔ اگر منافقین تمہارے دلوں میں دوسرا انداز کر کے کی کوشش کریں تو برناتے مروت و شرافت ان کی بات کا جواب نرمی و تواضع سے نہ دو کہ جس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کے خلاف بغض و حسد ہے وہ کوئی غلط توقع کر بیٹھے، بلکہ صاف انداز میں اس سے اس طرح بات کہو کہ اگر وہ اپنے دل میں کوئی برا ارادہ لے کر آیا ہے تو اس کو اچھی طرح اندازہ ہو جائے کہ یہاں اس کی دال گلنے والی نہیں ہے۔

ازواج نبی کا مرتبہ

’لَسْتُ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ اِنْ اَتَيْتُ فَلَا تَخْضَعْنَ بِاَقْوَالٍ‘ یہ ازواج مطہرات کے مرتبہ کی طرف اشارہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت کی بنا پر ان کو دنیا کی تمام عورتوں کے مقابل میں حاصل تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد ان کے ہر قول و فعل کو امت کے لیے نمونہ و مثال کی حیثیت حاصل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کا درجہ اہل ایمان کے برابر دے دیا۔ اِنْ اَتَيْتُ کے الفاظ سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ یہ مرتبہ عالی



جوان کو حاصل ہے یہ تقویٰ کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر وہ تقویٰ پر قائم رہیں گی تو یہ سرفرازی ان کو حاصل رہے گی اور اگر یہ غرطہ پوری نہ کر سکیں گی تو، جیسا کہ اوپر گزرا، ان کی مستولیت دوسروں کے بالمقابل دگنی ہے۔

‘فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ’ میں ‘مَرَضٌ’ سے وہ کینہ و حسد مراد ہے جو ان شرار منافقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنے دلوں میں رکھتے تھے اور جس کے سبب سے رات دن ان کی کوشش یہ تھی کہ آپ کی ازدواج مطہرات کو کسی طرح بدنام کریں۔ اسی گروہ کے سرغنہ نے ‘افک’ کا نقشہ کھڑا کیا تھا۔

‘وَقُلْنَا قَوْلًا مَّعْرُوفًا’ میں ‘قَوْل مَعْرُوف’ سے یہ مراد ہے کہ ایسے لوگوں سے اگر بات کرنے کی قربت آئے تو بات بالکل صاف و سادہ انداز میں کی جائے جس طرح ایک عام آدمی سے کی جاتی ہے جس میں لگاؤٹ کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا۔ یعنی اُن کے ہمدردانہ لب و لہجہ سے متاثر ہو کر ان کے ساتھ کوئی نرم انداز نہ اختیار کیا جائے۔ یہ کینہ لوگ ہیں اس وجہ سے یہ شرافت سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔

وَقُلْنَا قَوْلًا مَّعْرُوفًا وَلَا تَبْزُجْ الْبَاطِلَ الْأَدْنَىٰ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ وَآتِ الزَّكَاةَ وَاطْعَن  
اللَّهُ دَرَسُوهُ إِنَّهَا بَرِيدٌ اللَّهُ يُدْهِبُ عَنْكُمْ الْإِيمَانَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (۳۳)

اسی سلسلہ میں یہ مزید ہدایات دی گئی ہیں جن سے مقصود ازدواج مطہرات کو منافقین و منافقات کے قتلوں سے بچا کر ان کاموں میں لگانا تھا جو ان کے شایان شان تھے اور جن کے لیے ہی اللہ تعالیٰ نے ان کا انتخاب فرمایا تھا۔ ان ہدایات کی صحیح نوعیت سمجھنے کے لیے اُس بات کو ذہن میں تازہ کر لیجیے جس کی طرف ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں کہ منافق عورتیں ازدواج نبی (رضی اللہ عنہم) کے دلوں میں بھی اسی طرح کے ارمان پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھیں جس طرح کے ارمان ان کے اپنے دلوں میں تھے۔ مثلاً کہتیں کہ اگر آپ لوگوں کو ان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی قید سے رہائی حاصل ہو جائے تو وقت کے بڑے بڑے سردار آپ لوگوں کو نکاح کے پیغام دیں گے اور آپ لوگ بھی اسی طرح بن ٹھن کر زیب و زینت کے ساتھ شاپنگ اور سیر سپاٹے کے لیے نکلا کریں گی جس طرح امراء کی بیگمات نکلا کرتی ہیں۔ قرآن نے منافقات کی انہی پس پردہ دوسوہ اندازوں اور بدآموزیوں کی طرف تلمیح کرتے ہوئے، ازدواج مطہرات کو یہ تلقین فرمائی کہ تم اپنے گروں میں ٹہک کے بیٹھو، زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح اپنی زینتوں کی نمائش کرتی نہ پھرو۔

یہ ہدایت بالکل اسی طرح کی ہدایت ہے جس طرح کی ہدایت کوئی نیک دل باپ اپنی سعادت مند اولاد کو اس وقت کرتا ہے جب اس کے علم میں یہ بات آتی ہے کہ کچھ برے لوگ اپنی بدآموزیوں سے اس کی اولاد کو غلط راہ پر ڈال رہے ہیں۔ اس وقت اگر وہ اپنے نیک بخت بیٹے سے یہ کہتا ہے کہ تم اپنی سارے تجربہ اپنی تعلیم پر مرکوز کرو، آوازوں کی طرح سڑکوں پر نعرے لگاتے نہ پھرو تو اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ فی الواقع اس کا لڑکا آوازوں کی طرح سڑکوں پر پھر رہا تھا یا اس کے آوارہ ہونے کا اندیشہ تھا بلکہ یہ

ازدواج نبی کو  
خطاب کر کے  
وقت کی بیگمات  
پر تفریق



محض وقت کے آواروں پر ایک تعریف اور ان کے طریقہ سے بچانے کے لیے ایک تبلیہ ہوتی ہے۔ اسی طرح کی ہدایت ازواج مطہرات کو دی گئی ہے۔ اس میں درحقیقت وقت کی بگیات کے رو بہ پر تعریف اور ان کی تحقیر ہے۔ لیکن بات ان کو خطاب کر کے کہنے کے بجائے ازواج نبی (رضی اللہ عنہم) کو خطاب کر کے کہ دی گئی ہے، ورنہ مہات المومنین میں بھلا ایسا کون تھا جس کی نسبت یہ شبہ بھی کیا جاسکے کہ ان کے دل میں گھر سے باہر پھرنے یا جاہلیت کی عورتوں کی طرح اپنے بناؤ سنگار کی نمائش کا ارمان ہوگا!

جاہلیت کے ساتھ یہاں 'ادل' کی صفت کی بنا پر ہمارے مفسرین نے اس سے حضرت زورخ یا حضرت اورس کے زمانہ کی جاہلیت مراد لی ہے۔ لیکن اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک یہ نہایت بلیغ طریقہ سے اس جاہلی تہذیب کے ختم ہونے کی طرف اشارہ ہے جس کو منافقین و منافقات اب تک اپنے سینوں سے لگائے یہ امید لیے بیٹھے تھے کہ اسلام کے ظہور سے اس کو جو دھکا لگا ہے یا لگنے کا اندیشہ ہے اس کے باوجود یہ باقی رہے گی۔ قرآن نے ان کی اسی امید پر ضرب لگانے کے لیے اس کو جاہلیت 'ادل' سے تعبیر فرمایا کہ اب اس کو قصۂ ماضی سمجھو، اس کا دور اب ختم ہو چکا ہے، جو لوگ اس کے ازبیر زورخ پانے کے خواب دیکھ رہے ہیں وہ جنت الحمقاہ میں بس رہے ہیں۔ اسلام اور اسلامی تہذیب نے اس کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں اور اگر اس کے کچھ آثار باقی ہیں تو وہ بہت جلد مٹ کے رہیں گے۔ اب جو لوگ اس گھر کی دربانی کر رہے ہیں وہ ایک اجڑے گھر کی دربانی کر رہے ہیں۔ اگر انھوں نے اپنے رویہ میں تبدیلی نہ کی تو جس دن یہ گھر گرے گا یہ بھی اس کے نیچے دفن ہو کے رہ جائیں گے۔

وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتَيْنِ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ یعنی کرنے کا کام وہ نہیں ہے جو جاہلی تہذیب کی علمبردار بگیات کر رہی ہیں بلکہ یہ ہے کہ نماز کا اہتمام کرو اور زکوٰۃ ادا کرتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں پوری وفاداری کے ساتھ سرگرم رہو۔ یہاں نماز اور زکوٰۃ اور اطاعت اللہ و رسول کا حوالہ دین کی جامع باتوں کی حیثیت سے آیا ہے؛ مطلب یہ ہے کہ اپنے دائرہ کار یعنی گھروں کے اندر اسی نور کو تم پھیلاؤ جس نور کو باہر کی زندگی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پھیلا رہے ہیں۔

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا یہ اہل بیت کو نکالنے کے سامان اہتمام کے ساتھ مخاطب کر کے، نہایت شفقت و محبت کے انداز میں تسلی دیتی ہے کہ یہ ہدایات جو میں دی جا رہی ہیں ان سے مقصود تمہاری زندگی کو قید و بند میں جکڑنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اہل بیت نبوت سے ہر لائق کو دور رکھے اور ان کی نہایت اعلیٰ تربیت کر کے ان کو دنیا اور آخرت دونوں میں اپنے رسول کی رفاقت کے لائق بنائے۔ لفظ 'رجس' میں یہاں بگیات کے سامان زہریت پر زیت پر طرز تعریف ہے کہ یہ زہریت نہیں بلکہ گندگی کا بوجھ ہے جس کو یہ لادے پھر رہا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بھائی کے



اہل بیت کو اس گندگی سے پاک رکھنا چاہتا ہے۔

اس آیت کی اصل تعلیم کی وضاحت تو ادھر کی سطروں میں ہو چکی ہے لیکن چند اور باتیں بھی اس میں چند قابل توجہ باتیں۔

ایک یہ کہ عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر ہے۔ اس کو اپنی تمام سرگرمیاں اس کے اندر ہی محدود رکھنی چاہئیں اور اگر کبھی اس کو گھر کے حدود سے باہر قدم نکالنے کی ضرورت پیش آئے تو اسے ان حدود کی پابندی کرنی ہوگی جن کی تفصیل اسی سورہ میں آگے آرہی ہے۔

محرمات کی گھروں سے باہر نکلنے پر منع ہے۔

دوسری یہ کہ عورتوں کا بناؤ سنگار کر کے گھروں سے باہر نکلنا تہذیب کی ترقی کی نشانی نہیں ہے بلکہ یہ جاہلیت اولیٰ کی طرف رجعت ہے۔

تیسری یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت ہونے کا شرف اصلاً آپ کی ازواج مطہرات کو حاصل ہے۔ آیت اس باب میں نقص قطعی کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن میں اس کی نظیریں بھی موجود ہیں۔ یہاں اہل بیت ازواج نبی ہیں ازواج نبی رضی اللہ عنہم کے سوا کسی اور کو مراد لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دوسروں کی شمولیت اس میں ہو سکتی ہے تو اصلاً نہیں بلکہ تبعاً و ضمناً ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے ان غالی فرقوں کی منطقی ہماری سمجھ میں نہیں آتی جو اصل کے تو منکر ہیں لیکن فروع پر بڑا طوفان کھڑا کرتے ہیں۔

فَاذْكُرْنَ مَا يُكَلِّفُ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيَةِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ دِاٰتِ اللّٰهِ كَاَنْ يَّعْلِفْنَ حَبِيْرًا (۲۴)

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو ان کا اصل مقصد زندگی بتایا گیا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کاموں کے لیے نہیں منتخب فرمایا ہے جن کی دعوت منافقات دے رہی ہیں بلکہ قرآن اور حکمت کی جو تعلیم ان کے گھروں میں دی جا رہی ہے وہ اس کا چرچا کریں۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جس طرح مردوں کی رہنمائی کے لیے ہوئی تھی اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ہوئی تھی۔ آپ جس طرح باہر لوگوں کو تعلیم دیتے رہتے تھے اسی طرح اپنے گھروں کے اندر بھی تعلیم دیتے رہتے تھے۔ وحی جس طرح باہر پر نازل ہوتی تھی اسی طرح گھر کے اندر بھی نازل ہوتی تھی۔ نیز جس طرح آپ کا ہر قول لوگوں کے لیے تعلیم و ہدایت تھا اسی طرح آپ کا ہر فعل بھی لوگوں کے لیے اسوہ و نمونہ تھا۔ آپ کی زندگی پراپیٹیٹ اور پبلک کے الگ الگ خالوں میں تقسیم نہیں تھی بلکہ آپ کی حیات مبارک کا ہر لحاظ امت کی تعلیم و تربیت کے لیے وقف تھا اس وجہ سے ضروری ہوا کہ جس طرح آپ کی باہر کی زندگی کی ایک ایک ادا کو محفوظ کرنے کے لیے آپ کے جان نثار سایہ کی طرح آپ کے ساتھ ساتھ رہیں، اسی طرح آپ کے گھر کے اندر کی زندگی کا بھی ایک ایک پہلو محفوظ رکھنے کا انتظام ہو۔ یہ کام ظاہر ہے کہ آپ کی ازواج مطہرات ہی کے ذریعہ سے ممکن تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم و عمل جتنا آپ کی ازواج مطہرات کے ذریعے سے پھیلا ہے اس کی مقدار صحابہؓ کے ذریعے پھیلے ہوئے علم سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اور اس آیت سے



یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ اس مشن پر آپ کی ازدواجی مطہرات کو اللہ تعالیٰ نے خود مامور فرمایا تھا کہ ان کا کام دنیا کے خزن و ریزے جمع کرنا نہیں بلکہ علم و حکمت کے ان خزانوں کو خلق کے اندر لٹانا ہے جن کی بارش ان کے گھروں کے اندر ہو رہی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ معلومت بھی من جملہ ان مصالح کے ہے جن کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تعدد ازواج کی خاص اجازت دی گئی۔ اس مسئلہ پر آگے بحث آئے گی۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا یعنی یہ اطمینان رکھو کہ اگر تمہاری ڈیوٹی گھروں کے اندر سے متعلق ہے تو تمہاری کوئی خدمت تمہارے رب سے مخفی نہیں رہے گی۔ خدا بڑا ہی باریک بین اور بڑا ہی خبر رکھنے والا ہے۔ وہ تمہارے ہر عمل اور تمہاری ہر ضرورت سے اچھی طرح باخبر ہے۔ تم اس کے بھروسہ پر اپنا فرض انجام دو، اللہ تعالیٰ تمہاری ضروریات کا خود کفیل ہے۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالْعَاقِبِينَ وَالْعَاقِبَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّالِحِينَ وَالصَّالِحَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (۲۵)

مسلمان مردوں

اور عورتوں

کے سامنے

ایک آئینہ

اوپر جو باتیں متفرق طور پر، بعض منفی اور بعض مثبت پیرایہ میں، فرمائی گئی ہیں، آخر میں ان سب کو ایک جامع اسلوب میں سامنے رکھ دیا گیا ہے اور مقصد اس سے یہ بتانا ہے کہ اللہ اور رسول کو جو معاشرہ مطلوب و محبوب ہے اس کی صفات کیا ہونی چاہئیں۔ یہ گویا مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے سامنے ایک آئینہ رکھ دیا گیا ہے کہ وہ اس کو سامنے رکھ کر اپنے آپ کو سنواریں اور ان منافقین و منافقات کے چکے میں نہ آئیں جو ان کے چہروں پر جاہلیت کی وہی سیاہی پھر ملنے کی فکر میں ہیں جس کو اللہ کے رسول نے دھونے کی کوشش کی ہے۔ یہ ساری باتیں تعداد میں دی گئی ہیں اور اوپر اس پیرایہ میں جو ہدایات متفرق طور پر دی گئی ہیں وہ بھی الگ الگ گینے تو دس نکلیں گی۔ یہاں چونکہ خطاب خاص طور پر ازدواجی مطہرات سے ہے نیز مقصود اسلامی معاشرہ کے اجزائے ترکیبی کو بتانا ہے اس وجہ سے عورتوں کا ذکر منہا نہیں بلکہ مردوں کے پہلو پہ پہلو متعلاً آیا ہے اس لیے کہ عورتیں معاشرے کا بالکل نصف اور مادی حصہ ہیں اور معاشرے کے بننا و رہنا ان کا دخل مردوں سے شاید کمرے زائد ہے:

یہاں جو صفات گنائی گئی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

- |              |          |              |
|--------------|----------|--------------|
| ۱۔ اسلام     | ۲۔ ایمان | ۳۔ تقویٰ     |
| ۴۔ صدق       | ۵۔ صبر   | ۶۔ خیر       |
| ۷۔ صدقہ      | ۸۔ روزہ  | ۹۔ عفت و حیا |
| ۱۰۔ ذکر اللہ |          |              |



یہ تعداد میں دس ہیں۔ غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی اخلاق و کردار کے تمام پہلو ان کے اندر سمٹ آئے ہیں اور چونکہ ان کا ذکر صفت کے معنوں سے ہوا ہے اس وجہ سے یہ بحیثیت عادت و صفت کے مطلوب ہیں۔ یعنی معاشرہ کے ہر فرد پر، عورت، ہو یا مرد، ان کا رنگ چھایا ہوا ہو۔ ان صفات میں سے کچھ کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، کچھ کا تعلق حقوق العباد سے ہے؛ اور کچھ اصلاً اصلاح نفس سے تعلق رکھنے والی ہیں۔

اسلام اور ایمان پورے دین کی جامع تعبیر ہے۔ ایمان دین کا باطن ہے، اسلام اس کا ظاہر ہے اور یہ دونوں بیک وقت مطلوب ہیں۔

لفظ 'تقوت' اوپر آیت ۳۱ میں گزر چکا ہے۔ یہ خدا اور رسول کی اس فرمانبرداری کی تعبیر ہے جو دل کی پوری یکسوئی، پوری نیاز مندی اور کامل اخلاص کے ساتھ دائماً ہو۔ 'صدق' قول، فعل، ارادہ، عینوں کی مطابقت اور استواری کی تعبیر کے لیے آتا ہے۔ اوپر آیت ۲۳ میں 'صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ' (اور انھوں نے اللہ سے جو عہد باندھا اس کو پورا کر دکھایا) کے الفاظ گزر چکے ہیں۔ اس پہلو سے یہ نفاق کے بالکل ضد کردار کی تعبیر ہے۔ ہماری ہاں 'قول مرداں جاں' دارد، اس کے اسی پہلو کی تعبیر ہے۔

'صبر' استقامت، استقلال، پامردی کے مفہوم میں آتا ہے۔ جو آدمی ہر خوف و طمع کے مقابل میں خواہ وہ اس کے اندر سے سر اٹھائے یا باہر سے، موقف حق پر ڈٹتا اور اپنے رب سے راضی و مطمئن رہے وہ صابر ہے اور اسی کردار پر درحقیقت تمام دین قائم ہے۔ 'خشوع' کا مفہوم فروتنی اور خاکساری ہے۔ یہ چیز خدا کی ہیبت اور اس کی عظمت و جلال کے صحیح تصور سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ صفت آدمی کو اس کے رب کے آگے بھی جھکاتی ہے اور خلق کے لیے بھی اس کو مہربان و حلیم بناتی ہے۔ یہ 'استکبار' کا ضد ہے جو تمام انفرادی و اجتماعی برائیوں کی، خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، بھڑ ہے۔

'تصدق' کے معنی صدقہ کرنے کے ہیں۔ اس کا تعلق خاص طور پر حقوق العباد سے ہے۔ آدمی جب اپنی خواہشوں کو دبا کر اور اپنی ضروریات میں ایتار کر کے اپنا مال دوسروں کی ضرورت یا پوری کرنے پر خرچ کرتا ہے تو اس سے اس کے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ چیز درجہ بدرجہ اس کے ایمان کو بچتے اور استوار کرتی جاتی ہے۔

'صَوْمُ' ضبط نفس اور تربیتِ صبر کی خاص ریاضت ہے۔ سورہ بقرہ کی آیات ۱۸۳-۱۸۴ کے تحت ہم اس کے اثرات پر بحث کر چکے ہیں۔ انسان کے تمام کردار کی بنیاد صبر پر ہے اور روزہ صبر کی تربیت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔



’حفظ فروع‘، عفت کی تعبیر ہے جو ضبط نفس کا ثمرہ ہے۔ معاشرے میں خرابی پیدا کرنے کا سب سے زیادہ زور دار نژدہ شیطان کے ہاتھ میں یہی ہے کہ وہ اپنے پروپیگنڈے کے ذریعے سے عورتوں اور مردوں کے اندر عفت کے احساس کو مردہ کر دیتا ہے۔ یہاں بھی ادھر کی آیات میں گزر چکا ہے کہ منافقین منافق کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی مطہرات کے اندر زیب و زخیت کی نمائش کا شوق ابھاریں تاکہ اس طرح مسلمانوں کا پورا معاشرہ بے حیائی کی راہ پر چل پڑے۔

’ذکر اللہ‘ تمام مذکورہ بالا صفات کا منبع اور ان کا محافظ ہے۔ بندہ جتنا ہی زیادہ اپنے رب کو یاد رکھتا ہے اتنی ہی یہ صفات اس کے اندر راسخ و نیچتہ ہوتی ہیں۔ سارے دین کی محافظہ و حقیقت اللہ کی یاد ہی ہے۔ اور نماز اللہ کے ذکر ہی کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ قرآن میں جگہ جگہ نماز کا ذکر تمام دین و اخلاق کے محافظ کی حیثیت سے آیا ہے اور ہم اس پر بحث کر چکے ہیں۔

## ۶۔ آگے کا مضمون — آیات ۳۶-۴۸

آگے حضرت زینبؓ اور حضرت زینبؓ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی درحقیقت اوپر کے سلسلہ بیان ہی کی ایک کڑی ہے۔ اس واقعہ کو بھی منافقین اور منافقات نے ایک فتنہ بنا لیا تھا جس سے طرح طرح کے سوالات اٹھ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب سوالوں کے جواب دیے جن سے دین کے بعض نہایت اہم پہلو واضح ہوئے۔

مثلاً یہ کہ.....

• اللہ اور رسول کا حق سب سے بڑا ہے اس وجہ سے جب کسی معاملے میں اللہ و رسول کی مرضی واضح ہو جائے تو اس میں آدمی کی اپنی مرضی کا عدم ہو جاتی ہے۔

• رسول کا فریضہ منصبی اللہ کے احکام کی دعوت اور ان کا اجرا و نفاذ ہے اس وجہ سے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم صادر ہو جائے تو اس کا فرض ہے کہ اس حکم کی تعمیل کرے اور اس معاملے میں کسی کی مخالفت یا ملامت کی مطلق پروا نہ کرے۔

• تنبیہ کی بیوی سے متعلق جو تصور زمانہ مجاہدیت سے چلا آ رہا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عمل سے اس کی اصلاح کی ہدایت اور اس معاملے میں اشرار کے غوغا کی پروا نہ کرنے کی نہایت شدت سے تاکید۔

• نبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین ہیں اس وجہ سے ضروری ہوا کہ آپ کے ہاتھوں دین کے ہر شعبہ کی تکمیل ہو جائے۔ اس کے کسی پہلو میں کوئی خلا نہ رہ جائے۔

• نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اللہ تعالیٰ نے خلق پر جو عظیم فضل و احسان فرمایا اس کا



بیان اور امت پر آپ کے حقوق کی طرف اشارہ۔

یہ اشارات اگرچہ اس پرے کے ربط و نظام کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں لیکن ہم بالاجمال حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کا واقعہ بھی ذکر کیے دیتے ہیں تاکہ آیات کے تحت جزئیات سے تعرض کی ضرورت پیش نہ آئے۔

حضرت زید بن حارثہ کا تعلق قبیلہ کلب سے تھا۔ یہ سچپن میں دشمن کی کسی غارت گری میں گرفتار ہوئے اور غلام بنالیے گئے۔ حکیم بن حزام نے ان کو اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے لیے خریدا۔ حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں تو انھوں نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہہ کر دیا۔ اس طرح ان کو حضورؐ کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔ حضورؐ کی غلامی کی جو قدر و عزت ان کی نگاہوں میں تھی اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جب ان کے والد اور چچا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی آزادی کا مطالبہ کیا تو حضورؐ نے ان کو اختیار دے دیا کہ وہ چاہیں تو اپنے باپ کے پاس چلے جائیں، چاہیں تو حضورؐ کی خدمت میں رہیں۔ اس موقع پر حضرت زیدؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت کی جو مثال پیش کی وہ تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ انھوں نے آزادی کا اختیار نامہ پا جانے کے باوجود اس آزادی پر حضورؐ کی غلامی کو ترجیح دی۔ خواجہ حافظ نے شاید اسی واقعہ کو سامنے رکھ کر اپنا یہ لاجواب شعر کہا ہو۔

بولائے تو کہ گر بندہ خویشم خوانی

از سر خواجگائی کون و مکان برخیزم

اس کے بعد حضورؐ نے ان کو آزاد کر دیا۔ ان سے محبت تو ان کی خوبیوں کے سبب سے حضورؐ کو شرف ہی سے تھی، اس واقعہ کے بعد وہ دو چند ہو گئی۔ یہاں تک کہ حضورؐ کے غیر معمولی القاد و اعتماد کو دیکھ کر لوگوں نے یہ گمان کر لیا کہ آپؐ نے ان کو منہ بولا بیٹا بنا لیا ہے۔

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں انسانی اور فوجی صلاحیتیں بھی تھیں۔ متعدد مواقع پر آپؐ نے ان کو فوجی دستوں کی سرکردگی اور بعض مواقع پر، حضورؐ کی غیبت میں، وہ مدینہ پر امیر بھی رہے۔

حضورؐ نے ان کی عزت افزائی کے لیے ان کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن، حضرت زینب بنت جحشؓ کے ساتھ کر دیا۔ ان کا تعلق خاندان بنی اسد سے تھا۔ ان کی والدہ ایمہ بنت عبد المطلب تھیں۔

جب حضورؐ نے حضرت زیدؓ کے لیے حضرت زینبؓ کو پیغام دیا تو ان کے عزیزوں کو اس رشتہ پر اعتراض ہوا کہ حضرت زیدؓ ایک آزاد کردہ غلام اور غیر کفو ہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ غلاموں سے متعلقہ لوگوں کے نفسورات میں تبدیلی پیدا ہو اس وجہ سے آپؐ نے اس نکاح پر اصرار فرمایا۔ بالآخر حضرت زینبؓ راضی ہو گئیں اور نکاح ہو گیا۔

نکاح کے بعد منافقین اور منافقات نے فتنہ اٹھایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک معزز گھرانے



کی ایک شریف خاتون کا دامن اپنے ایک آزاد کردہ غلام کے ساتھ باندھ دیا ہے۔ اس قسم کی معاشرتی اصطلاح کو عوام کا ذہن آسانی سے قبول نہیں کرتا اس وجہ سے اس نکاح کے خلاف ایک مخالفانہ فضا پیدا ہو گئی۔ خاص طور پر منافقات نے حضرت زینبؓ کو درغلانے کی پوری کوشش کی۔ ان کو غیرت دلائی کہ یہ سخت ظلم ہے کہ ان کو ایک ایسے شخص کے حوالہ عقد میں دے دیا گیا ہے جو ابھی کل تک ایک زر خرید غلام تھا۔ آخر حضرت زینبؓ بشر ہی تھیں، کوئی فرشتہ نہیں تھیں، اس وجہ سے ان کے دل پر بھی ان باتوں کا اثر پڑا ہو گا۔ حضرت زینبؓ ایک حساس، خود دار، منکسر المزاج آدمی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام دلداریوں کے باوجود اپنی غلامی کے دور کو بھولے نہیں تھے۔ دوسری طرف تیدہ زینبؓ کے مزاج میں فی الجملہ ممکنات اور تیزی تھی۔ عام حالات میں تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو خوش گوار معاشرت میں خلل انداز ہو لیکن منافقین نے چونکہ فضا بدگانی کی بنیادی تھی اس وجہ سے حضرت زینبؓ کو یہ احساس ہونے لگا کہ حضرت زینبؓ اپنے اندر ایک تفوق کا احساس رکھتی اور اس تعلق کو ناپسند کرتی ہیں۔ بالآخر انھوں نے ارادہ کیا کہ حضرت زینبؓ کو طلاق دے دیں کہ ان کی کسبیدگی بھی رفع ہو جائے اور خود ان کے سر کا بوجھ بھی اتر جائے۔ لیکن کوئی اقدام کرنے سے پہلے انھوں نے چاہا کہ حضورؐ کا ایماء بھی معلوم کر لیں اس لیے کہ حضورؐ ہی نے یہ رشتہ کرایا تھا جب حضورؐ سے انھوں نے اپنے ارادہ کا ذکر کیا تو آپؐ نے پوچھا کہ کیا ان کی طرف سے کوئی ایسی بات ظاہر ہوئی ہے جو تمہیں شک میں ڈالنے والی ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ایسی کوئی بات ہرگز نہیں ہے لیکن وہ اپنے خاندانی شرف کا احساس رکھتی اور اس کا اظہار بھی کرتی ہیں اور یہ چیز میرے لیے باعثِ اذیت ہے۔ حضورؐ نے اس پر سختی سے ان کو ارادہ طلاق سے روکا اور خوفِ خدا یاد دلایا۔ اس لیے کہ مجرد اپنا ایک ذاتی احساس اس بات کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ بیوی کو طلاق دے دی جائے۔

حضرت زینبؓ کا یہ ارادہ مختلف وجوہ سے حضورؐ کے لیے پریشانی کا باعث ہوا۔ اول تو اس وجہ سے کہ حضورؐ ہی نے، جیسا کہ اوپر گزرا، ایک نہایت اعلیٰ مقصد سے یہ رشتہ کرایا تھا۔ قدرتی طور پر آپؐ کی آرزو یہی تھی کہ منافقین و منافقات کی ریشہ دوانیوں کے علی الرغم فریقین خوشگوار کے ساتھ نباہ کرتے رہیں اور یہ رشتہ کامیاب ہو۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ اس طلاق سے حضرت زینبؓ کی حیثیت غریبی کو بڑا نقصان پہنچتا اور ان کا غم دہرا ہو جاتا۔ پہلے تو انھوں نے منافقین و منافقات کے یہ طعنے سنے کہ ایک آزاد کردہ غلام کی بیوی ہیں اور اس طلاق کے بعد لوگ یہ طعنہ دیتے کہ ایک آزاد کردہ غلام کی مطلقہ ہیں۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ حضورؐ اس سارے واقعہ کی ذمہ داری اپنے اوپر سمجھتے تھے اس وجہ سے حضرت زینبؓ کی دلداری ضروری خیال فرماتے تھے۔ آپؐ کے دل میں یہ خیال تھا کہ اگر زینبؓ نے طلاق دے دی تو زینبؓ کی دلداری کی واحد شکل یہ باقی رہ جائے گی کہ حضورؐ ان کو خود اپنے نکاح میں لے لیں، لیکن اس صورت میں اس



سے بھی بڑے ایک دوسرے قتلے کے اٹھ کھڑے ہونے کا اندیشہ تھا کہ لوگ کہیں گے کہ آپ نے اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کر لیا۔ علاوہ ازیں اس میں یہ مشکل بھی تھی کہ عام مسلمانوں کے لیے ازدواج کے باب میں چار تک کی تحدید کا حکم نازل ہو چکا تھا اور اس وقت حضور کے نکاح میں چار بیویاں تھیں۔

ان مختلف وجوہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی خواہش یہی تھی کہ حضرت زیدؓ طلاق نہ دیں چنانچہ آپ باصران کو اس ارادہ سے روکتے رہے لیکن حضرت زیدؓ حالات کا مقابلہ نہ کر سکے۔ ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ سارا ہنگامہ ان کے اس نکاح کے سبب سے اٹھا ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ وہ طلاق دے دیں تاکہ حضرت زینبؓ کی جان بھی ضیق سے چھوٹے اور ان کو بھی اطمینان کا سانس لینے کا موقع ملے۔ چنانچہ انھوں نے طلاق دے دی۔ حضرت زینبؓ کو اس طلاق سے صدمہ ہوا۔ روایات میں آتا ہے کہ ان کو جب اس کی اطلاع ملی تو انھوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھا۔

جب بات یہاں تک پہنچ گئی تو جیسا کہ اوپر گزرا، حضور نے حضرت زینبؓ سے نکاح کر لینا چاہا لیکن منہ بولے بیٹے کے معاملے میں جاہلیت کی جو رسم تھی اس کے سبب سے اور تحدید نکاح کے سبب سے بھی آپ متردد رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ہدایت ہوئی کہ لوگوں کی مخالفت سے بے پروا ہو کر آپ یہ نکاح کر لیں تاکہ آپ کے عمل سے ایک غلط رسم کی اصلاح ہو جائے اور دین فطرت کے اندر ایک غلاب فطرت چیز جو گھسی ہوئی ہے اس کا خاتمہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کے بموجب آپ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا۔

یہ اصل واقعہ ہے جو میں نے تمام روایات کی تحقیق کے بعد، آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اس طویل بیان کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ مستشرقین نے اس واقعہ کو اپنی رنگ آمیز یوں سے نہایت مکروہ بنا دیا ہے اور صدمہ کی بات یہ ہے کہ انھوں نے اس رنگ آمیزی کے لیے سارا مواد ہماری تفسیر و سیرت کی کتابوں ہی سے لیا ہے۔ اب اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۚ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ﴿۳۶﴾ ۚ وَادْعُ تَقْوَىٰ لِلَّهِ اَلْعَمَّ اللَّهُ عَلَيْهِ ۚ وَالْعَمَّتْ عَلَيْهِ وَأَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۚ



فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا بِكَى لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝ (۳۷) مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ۝ (۳۸) الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝ (۳۹) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ (۴۰) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ (۴۱) وَسِيِّحُوا بِكُرَّةٍ وَأَصِيلًا ۝ (۴۲) هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۝ (۴۳) تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ۝ (۴۴) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ (۴۵) وَدَاعِيَا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝ (۴۶) وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ۝ (۴۷) وَلَا تَطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعِ أَذْهَبَهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ (۴۸)

ع ۲۰

کسی مومن یا مومنہ کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے اس میں کوئی اختیار باقی رہ جائے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑا۔ ۳۶

ترجمہ آیات

۳۶-۳۸



اور جب کہ تم اس سے، جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور تم نے بھی انعام کیا، یہ کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی کو روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے اس بات کا کہ تم اس سے ڈرو۔ پس جب زید نے اس سے اپنا رشتہ کاٹ لیا تو ہم نے اس کو تم سے بیاہ دیا کہ مومنوں کے لیے ان کے منہ بولے بلیوں کی بیویوں کے معاملے میں، جب کہ وہ ان سے اپنا تعلق بالکل کاٹ لیں، کوئی تنگی باقی نہ رہے۔ اور خدا کا فیصلہ شدنی تھا۔ ۳۷۔

اور نبی کے لیے اللہ نے جو کچھ فرض کیا اس میں کوئی تنگی نہیں ہے۔ یہی اللہ کی سنت رہی ہے ان لوگوں کے معاملے میں بھی جو پہلے گزرے ہیں۔ اور اللہ کے فیصلہ کے لیے ایک وقت مقرر تھا۔ وہ اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اور اللہ حساب کے لیے کافی ہے۔ ۳۸-۳۹۔

محمدؐ تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ ۴۰۔

اے ایمان والو! تم اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو اور اس کی تسبیح کرو صبح اور شام۔ وہی ہے جو تم پر اپنی رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تاکہ تم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے اور وہ مومنوں پر نہایت مہربان ہے۔ ان کی تحییت، جس دن وہ اس سے ملیں گے، سلام ہوگی اور اس نے ان کے لیے باعزت صلہ تیار کر رکھا ہے۔ ۴۱-۴۲۔

اے نبی! ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوش خبری پہنچانے والا اور آگاہ کرنے والا



بنا کر بھیجا ہے۔ اور اللہ کی طرف، اس کے اذن سے، دعوت دینے والا اور ایک روشن چراغ بنا کر۔ اور مومنوں کو بشارت دو کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے ایک بہت بڑا فضل ہے اور کافروں اور منافقوں کی بات کا دھیان نہ کرو اور ان کی ایذا رسائیوں کو نظر انداز کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ اعتماد کے لیے کافی ہے۔ ۴۵-۴۸

## ۷۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۚ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا (۳۶)

یہ آگے آنے والے واقعہ کی تمہید ہے اور اس میں جو بات فرمائی گئی ہے اس کا تعلق خاص حضرت زید و حضرت زینب سے نہیں ہے بلکہ اس کی نوعیت ایک کلیہ کی ہے۔ اوپر آیت ۶ میں فرمایا ہے کہ اَلَيْسَ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (نبی کا حق مومنوں پر خود ان کے اپنے مقابل میں زیادہ ہے) اسی کی روشنی میں یہ قطعی اصول بیان فرمادیا کہ جب اللہ اور رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو اس میں کسی مومن یا مومنہ کے لیے کسی چون و چرا کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اللہ کا رسول جو فیصلہ بھی کرتا ہے وہ اللہ کے اذن سے کرتا ہے اس وجہ سے اس کی حیثیت مطاع مطلق کی ہوتی ہے، پھر کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ اس پر معترض ہو یا اس کی خلاف ورزی کرے۔ جو اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ کبھی ہوئی گمراہی میں پڑا۔

ایک تمہید  
بطور ایک  
کلیہ

یہ بات یہاں ملحوظ رہے کہ یہ حکم اس صورت سے متعلق ہے جب یہ واضح طور پر معلوم ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات فرمائی ہے اس کی نوعیت ایک قطعی فیصلہ کی ہے ورنہ بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ آپؐ نے کوئی بات بطور تجویز یا مشورہ کے پیش کی ہے اور صحابہ کو معلوم ہوا ہے کہ یہ بات دجی پر مبنی نہیں ہے بلکہ حضورؐ کی رائے یا تجویز ہے تو صحابہؓ نے اس کے مقابل میں اپنی تجویز بھی پیش کی ہیں اور حضورؐ نے بعض اوقات ان کی تجویز مان بھی لی ہے۔

حضرت زید و حضرت زینب کے واقعہ کی جو تفصیل ہم نے اوپر پیش کی ہے اس سے یہ امر واضح ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی حضورؐ کے کسی فیصلہ کی مخالفت نہیں کی۔ حضرت زینبؓ کو جب حضورؐ نے حضرت زیدؓ کے لیے پیغام دیا تو ان کو معلوم تھا کہ یہ کوئی حکم نہیں بلکہ ایک پیغام ہے جس میں وہ اپنی پسند یا ناپسند کے اظہار کے لیے آزاد ہیں۔ بعد میں جب ان کو معلوم ہوا کہ حضورؐ کی خواہش یہی ہے کہ یہ رشتہ ہو جائے تو انھوں

حضرت زید یا  
حضرت زینب  
حضورؐ کے فیصلہ  
کی مخالفت نہیں



نے اس کو منظور فرمایا۔ اسی سے ملتی جلتی صورت اس وقت پیش آئی جب حضرت زیدؓ کے طلاق کے بعد خود حضورؐ نے اپنے لیے حضرت زینبؓ کو پیغام دیا۔ انھوں نے اس کو بھی کوئی حکم یا فیصلہ نہیں سمجھا بلکہ ایک پیغام ہی تصور کیا اور فرمایا کہ میں اس معاملے میں اپنے رب سے استخارہ کیے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کروں گی۔ چنانچہ استخارہ کے بعد ہی اس کو انھوں نے منظور کیا۔

اسی طرح حضرت زیدؓ نے بھی حضورؐ کے کسی حکم یا فیصلہ کی خلاف ورزی نہیں کی۔ طلاق نہ دینے کے باب میں حضورؐ کے ارشاد کو انھوں نے محض نامحاذیہ مشورہ پر محمول کیا اس کو کوئی فیصلہ نہیں سمجھا۔ انھوں نے خیال فرمایا کہ اگرچہ حضورؐ کی خواہش یہ ہے کہ طلاق کی نوبت نہ آئے لیکن یہ فیصلہ بہر حال انہی کو کرنا ہے کہ وہ نباہ کر سکتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ جب ان کو محسوس ہوا کہ اب ان کے لیے اس رشتہ کو زیادہ دیر تک بنا ہنا ممکن نہیں رہا، انھوں نے طلاق دے دی۔

ہمارے نزدیک اس حکم کی نوعیت یہاں ایک عام کلیہ ہے جس کے بیان کے لیے وقت کے حالات و واقعات نے مناسب فضا پیدا کر دی تھی۔ اس سے یہ بات بالکل واضح طور پر سامنے آگئی کہ رسولؐ کے کسی حکم اور فیصلہ کی خلاف ورزی کسی مومن یا مومنہ کے لیے جائز نہیں ہے۔ یہ بات ایمان کے مقتضیات کے بالکل خلاف ہے اور جو اس کا ترکیب ہوتا ہے وہ صریح ضلالت کا ترکیب ہوتا ہے۔ ایمان کا یہ مقتضی ان منافقین و منافقات پر واضح کرنا ضروری تھا جن کا رویہ شروع سے اس سورہ میں زیر بحث ہے تاکہ وہ اللہ اور رسولؐ کی کامل اطاعت پر مجتمع ہوں اور اگر وہ اس کے لیے تیار نہیں ہیں تو اس کے نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہیں۔

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَ ابْنَكِ لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا (۳۴)

یہ اصل واقعہ کی طرف اجمالی اشارہ ہے۔ حضرت زیدؓ کا ذکر یہاں اَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ کی صفت کے ساتھ ہوا ہے یعنی اللہ اور رسولؐ دونوں کے انعام یافتہ اور منظور نظر۔ اس صفت کے ساتھ ذکر کرنے کی یہاں خاص وجہ ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ منافقین و منافقات نے حضرت زیدؓ کو غلام کا طعنہ دے کر لوگوں کی نگاہوں میں ان کو گرانے کی پوری کوشش کی تاکہ پیش نظر مہم میں ان کو کامیابی حاصل ہو جائے۔ حضرت زیدؓ کو اس سے جو تکلیف پہنچی ہوگی وہ ظاہر ہے لیکن انھوں نے پورے صبر کے ساتھ یہ توہین برداشت کی۔ اس صبر کا صلہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ دیا کہ ان کا ذکر اس صفت کے ساتھ کیا تاکہ جن لوگوں نے ان کی توہین کرنے کی کوشش کی ان پر واضح ہو جائے کہ جس کو انھوں نے حقیر ٹھہرایا اس پر



اللہ نے بھی انعام فرمایا ہے اور اس کے رسولؐ نے بھی۔ ظاہر ہے کہ جو اللہ و رسول کا انعام یافتہ ہے وہ کسی دوسرے کی عزت بخشی کا محتاج نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا انعام یوں تو ہر فرد پر ہے۔ بندہ جو کچھ بھی پاتا ہے خدا ہی سے پاتا ہے لیکن حضرت زیدؓ کے حالات پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان کے ساتھ بالکل اس طرح کا معاملہ ہوا جس طرح کا معاملہ حضرت یوسفؑ کے ساتھ ہوا۔ یہ ایک غارت گری میں گرفتار ہوئے (غالباً ایک نصرانی کے غلام ہے، پھر غلام ہو کر بکے، بالآخر درجہ بدرجہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کارسازی سے ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا جس کے بعد ان کے لیے دین و دنیا کی سعادتمندیوں کے دروازے کھل گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انعام ان پر یہ ہوا کہ آپ کے فیض خدمت سے ان کو اسلام کی نعمت حاصل ہوئی۔ آپ نے ان کو محبت و اعتماد کا وہ مقام بخشا کہ لوگ ان کو حضور کا منہ بولا بیٹا سمجھنے لگے۔ آپ نے ان کو غلامی سے آزادی بخشی۔ اپنی حقیقی بھوپھی زاد بہن سے شادی کر دی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ حضور نے ان کو اپنے اہل بیت میں شامل کر لیا جس سے بڑا خاندانی شرف کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

حضور نے حضرت زیدؓ کو طلاق سے ڈرو، اگر یہ بات ایک ہی مرتبہ کہنے کی نوبت آتی ہوتی تو قُلْتُ کافی تھا۔ قُلْتُ کی ضرورت نہیں تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت زیدؓ نے اپنے ارادے کا اظہار حضور کے سامنے کئی بار کیا اور حضور نے ہر بار ان کو اس سے روکا اور خدا کا خوف یاد دلایا۔

قُلْتُ اللہ کے الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضور نے حضرت زیدؓ کے ارادہ طلاق کو محض ان کے شدتِ احساس پر محمول فرمایا، کوئی معقول وجہ اس اقدام کے لیے آپ نے نہیں پائی۔ اوپر گزر چکا ہے کہ جب آپ نے ان سے یہ سوال فرمایا کہ کیا زینبؓ کی طرف سے کوئی ایسی بات تمھارے سامنے آئی ہے جو شک پیدا کرنے کا موجب ہوئی ہے تو انھوں نے صاف کہا کہ اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے۔ ان کو اگر کوئی شکایت تھی تو خود ان کے الفاظ میں بس یہ تھی کہ تَعَظَمَ عَلٰی شَرَفِهَا (وہ میرے مقابل میں اپنے شرفِ خاندانی کے باعث نفوق کا احساس رکھتی ہیں) ظاہر ہے کہ مجرد یہ بات بیوی کو طلاق دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔ اس میں حضرت زینبؓ کے رویہ سے زیادہ خود حضرت زیدؓ کے شدتِ احساس کو دخل ہو سکتا ہے بالخصوص اس فضا میں جو اس وقت منافقین و منافقات نے پیدا کر دی تھی۔ اس وجہ سے حضور نے ان کو خوفِ خدا یاد دلایا کہ وہ اس معاملہ میں جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی قدم نہ اٹھائیں بلکہ اللہ سے ڈریں لیکن حضرت زیدؓ مخالفین کے اٹھائے ہوئے طوفان سے متاثر ہو گئے اور اس تاثر میں زیادہ دخل ان کی شرافت اور حضرت زینبؓ کے جذبات کے لحاظ کو تھا۔ انھوں



نے محسوس فرمایا کہ میرے سبب سے حضرت زینبؓ ہدفِ مطاع بنی ہوئی ہیں، اس کا علاج یہی ہے کہ طلاق دے کر ان کو نکتہ چینوں کی زبان درازوں سے نجات دلائی جائے۔

وَتَخْفَىٰ فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ یہ جملہ حال کے عمل میں ہے آنحضرتؐ کے دل میں کیا خیال تھا؟

اس ٹکڑے کے تحت ہمارے غیر محتاط مفسرین نے فضول قسم کی جو روایات نقل کر دی ہیں ان سے تعرض کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بالکل بے اصل ہیں۔ ابن کثیر کا تبصرہ ان پر بالکل صحیح ہے کہ احببنا ان نصرب عنها صفحا بعدد صفحاتها فلا فو بدھا (یہ روایات بے اصل ہیں اس وجہ سے ہم نے ان سے صرف نظر ہی پسند کیا اور ان کو نقل نہیں کر رہے ہیں) ہمارا قول بھی ان کے باب میں یہی ہے۔ تردید کے لیے بھی ان کو نقل کرنا ہم معصیت سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ابن جریر کو معاف کرے، وہ روایات نقل کرنے کے معاملے میں نہایت ہی غیر محتاط ہیں۔

اصل واقعہ وہی ہے جس کی طرف ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ نکاح چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ایک دینی مصلحت کے تحت کرایا تھا اس وجہ سے آپ کی دلی آرزو یہی تھی کہ یہ کامیاب ہو چنانچہ آپ نے حضرت زینہؓ کو ارادہ طلاق سے بتا کیدروکنے کی کوشش کی۔ آپ کے دل میں یہ خیال تھا کہ اگر زینہؓ نے طلاق دے دی تو زینبؓ کو دہرا غم ہوگا کہ انھوں نے اس نکاح کی بدولت دشمنوں کے طعنے بھی سہے اور بالآخر ایک آزاد کردہ غلام کی مطلقہ بن کر اپنی حیثیت سرفی بھی ہمیشہ کے لیے گنوا بیٹھیں۔ ان کی دلداری اور اس نقصان کی تلافی کی واحد شکل پھر صرف یہ رہ جاتی تھی کہ حضورؐ خود ان کو اپنے نکاح میں لے لیں لیکن ایسا کرنے میں یہ اندیشہ تھا کہ منافقین اس کو ایک اور اس سے بھی بڑے فتنہ کا ذریعہ بنا لیتے اور لوگوں میں یہ پھیلاتے کہ آپؐ نے اپنے قبیلہ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ آپ اس فتنہ سے بچنا چاہتے تھے اس وجہ سے آپ کی دلی آرزو یہی تھی کہ طلاق کی نوبت نہ آئے لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہی تھا کہ یہ نوبت آئے تاکہ آپ کے ہاتھوں جاہلیت کی ایک غلط رسم کی اصلاح ہو اور انبیاء علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ داری جو ڈالی ہے کہ وہ دین کے معاملے میں کسی کی ملامت و مخالفت کی کوئی پروا نہ کریں، آپ اپنے عمل سے اس کا مظاہرہ کریں۔

وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ میں اسی اصولی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جو اقامتِ دین پیچھے آیات ۱-۳ اور آیت ۷ میں بیان ہوئی ہے اور آگے آیات ۳۸-۳۹ میں مزید وضاحت آرہی ہے کہ راہ کی سب اقامتِ دین کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ لوگوں کا خوف یا مصالح کا لحاظ ہے اس وجہ سے حضرات انبیاء علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ داری ڈالی ہے کہ دین کے معاملے میں اپنے رب کے سوا ہر خوف



مصلحت سے بے پروا ہوں، چنانچہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے خود اپنے ہاتھوں اس راہ کے ہر پتھر کو توڑا اور اس مقصد کی خاطر بڑے سے بڑے خطرے کا مقابلہ کیا اور یہی نمونہ اپنے بعد آنے والے ان لوگوں کے لیے انہوں نے چھوڑا جو ان کے طریقہ پر دین کی خدمت کے لیے اٹھیں۔

علامت کے اندیشہ سے اس سے گریز کرنا چاہتے تھے بالآخر اللہ نے اس کے افشار کا سامان کر دیا کہ جب زید نے اپنا تعلق زینب سے بالکل منقطع کر لیا تو ہم نے اس کو تمھارے ساتھ بیاہ دیا تاکہ منہ بولے بیٹوں کے ملنے

حضرت زینبؓ

کے ساتھ اللہ

تعالیٰ کے حکم

سے نکاح کیا

معاملے میں باقی نہ رہے۔

’دطر‘ کے معنی ضرورت و حاجت کے ہیں۔ یہیں سے اس کے اندر تعلق اور وابستگی کا مفہوم بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ انسان کو جس چیز کی ضرورت ہو اس کے ساتھ لازماً وابستگی بھی ہوتی ہے ’قَفْیَ ذِیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا‘ کے معنی ہوں گے زید نے اس سے اپنا تعلق بالکل منقطع کر لیا۔ لفظ طلاق سے اس مضمون کو ادا کرنے کے بجائے اس اسلوب سے ادا کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ اس سے زمانہ عدت کے گزرنے کی طرف بھی اشارہ ہو گیا جس کے گزر جانے کے بعد طلاق دینے والے کا ہر تعلق عورت سے منقطع ہو جاتا ہے۔

’زَوَّجْنٰکَہَا‘ کا مطلب یہ ہے کہ تم تو لوگوں کے اندیشہ سے اس نکاح کی ذمہ داری سے گریز کرنا چاہتے تھے لیکن ہم نے اپنے حکم سے یہ نکاح تمھارے ساتھ کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے یہ نکاح اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تحت کیا۔ روایات میں آتا ہے کہ عدت گزرنے کے بعد حضورؐ نے حضرت زیدؓ ہی کے واسطے سے حضرت زینبؓ کو پیغام دیا۔ انہوں نے استخارہ کے بعد اس کو منظور کیا۔ حضرت زینبؓ کے بھائی ابو احمد بن جحشؓ نے حضورؐ کے ساتھ ان کا نکاح پڑھایا اور حضورؐ نے چار سو درہم مہر مقرر فرمایا اور نہایت اہتمام کے ساتھ ولیمہ کیا۔ بعض لوگوں نے لفظ ’زَوَّجْنٰکَہَا‘ سے یہ سمجھا ہے کہ یہ نکاح آسمان ہی پر ہو گیا تھا، زمین پر اس کی رسم ادا کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی لیکن ابن ہشام میں وہ ساری تفصیل موجود ہے جو اوپر ہم نے نقل کی ہے اس وجہ سے صحیح بات یہ ہے کہ یہ نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم سے بالکل اسی معروف طریقہ کے مطابق ہوا جو اللہ اور رسولؐ نے نکاح کے لیے پسند فرمایا ہے۔

’وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس رسمِ جاہلی کی اصلاح کے لیے جو وقت اور جو طریقہ مقرر کر رکھا تھا جب وہ وقت آگیا تو اسی طریقہ کے مطابق اس کی اصلاح ہو گئی اور دشمنوں نے اس راہ میں جو اڑھنگے ڈالے اور اس کے خلاف جو نکلنے اٹھائے وہ اس خدائی اسکیم میں ذرا بھی خلل انداز نہ ہو سکے۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ



قَبْلُ دَوَّكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ۖ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ  
أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۖ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا (۳۸-۳۹)

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے کہ آپ کی زندگی کے پروگرام میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے  
مراحل جو رکھے ہیں یہ کسی زحمت کے لیے نہیں رکھے ہیں اور نہ یہ تنہا آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں بلکہ سابق  
انبیاء کو بھی اس طرح کے مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جو اس نے اپنی حکمت کے  
تحت مقرر فرمائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء کو اس طرح کی مشکلات جو پیش آتی ہیں یہ ان کی تربیت  
اور امتحان کے لیے پیش آتی ہیں اور ٹھیک ٹھیک خدا کے مقرر کردہ پروگرام کے مطابق پیش آتی ہیں۔ انہی  
امتحانوں سے ان کے اوصاف اجاگر ہوتے ہیں اور انہی سے ان کے پیروؤں کا اخلاص یا کھوٹ بھی ابھر  
کر سامنے آتا ہے۔

‘فَرَضَ اللَّهُ لَهُ’ کا مفہوم ‘فَرَضَ اللَّهُ عَلَيْهِ’ سے مختلف ہے۔ ‘فَرَضَ اللَّهُ عَلَيْهِ’ کا مفہوم کو یہ ہوتا  
ہے کہ اللہ نے اس پر فرض کیا ہے اور ‘فَرَضَ اللَّهُ لَهُ’ کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے اس کے لیے مقسم کیا  
ہے کہ اس کی زندگی میں یہ یہ احوال و مراحل پیش آئیں گے۔

‘سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا’ میں زبان کا جو اسلوب ہے اس کی مثالیں سچے گزر چکی ہیں۔ اس  
اسلوب کو کھول دیجیے تو پوری بات یوں ہوگی ‘بِسُنَّةِ اللَّهِ ذَلِكَ سُنَّةٌ فِي الْأَنْبِيَاءِ’ (یہ اللہ نے اپنے  
نبیوں کے لیے ایک سنت مقرر کر رکھی ہے)۔

‘دَوَّكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا’ یعنی اللہ نے اپنے فیصلہ کے ظہور کے لیے ایک وقت  
پہلے سے مقرر فرما دیا تھا، جب وہ وقت آگیا تو اس کا حکم صادر ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زندگی میں  
کوئی چیز بھی اتفاق سے پیش نہیں آتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے پروگرام کے مطابق پیش آتی ہے  
اس وجہ سے کسی امر کو اتفاق پر محمول کر کے نہ اس سے پریشان ہونا چاہیے نہ اس کو نظر انداز کرنا چاہیے  
بلکہ اس کو خدا کی طرف سے سمجھنا اور اس طرح اس کا مواجہہ کرنا چاہیے جو ایمان کا تقاضا ہے۔

‘الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۖ يَٰ أَيُّهَا الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ’  
یعنی انبیائے سابقین کی صفت ہے کہ وہ اللہ کے پیغمبروں کی تبلیغ کرتے رہے ہیں، اس معاملے میں اس  
کے سوا کسی اور کی پروا انھوں نے نہیں کی۔ مطلب یہ ہے کہ جو ذمہ داری اللہ نے اپنے سابق نبیوں پر  
ڈالی اور انھوں نے وہ بے خوف و لومہ لائم ادا کی وہی اس نے آپ پر بھی ڈالی ہے اور آپ کا بھی یہ فرض ہے  
کہ اپنے پیش روؤں کی طرح بے خوف و لومہ لائم اس کو ادا کریں۔

‘وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا’ میں ‘حَسِيبٌ’ کی تفسیر میں کثیر اور کثافت نے نامزد اور معین کی ہے۔  
یعنی اللہ تمام خطرات سے حفاظت کے لیے کافی ہے۔ اگر یہ تاویل قبول کر لی جائے تو نظم کلام بالکل واضح  
کی تفسیر



ہے اور اگر حسیب کے معنی حساب کرنے والے کے لیے جائیں، جیسا کہ معروف ہے، تو یہ ٹکڑا تنبیہ کے مفہوم میں ہوگا کہ اگر اللہ کے پیغام کی تبلیغ میں دوسروں کے خوف یا لحاظ کے سبب سے ادنیٰ کوتاہی بھی ہوئی تو یاد رہے کہ اللہ محاسب کے لیے کافی ہے۔

مَا كَادَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (۴۰)

نبیہ وسلم کا

اصل مقام

اور اس کے

تقدّم

یہ خطاب ان لوگوں سے ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زید کا باپ قرار دے کر اس فتنے کے اٹھانے والے بنے تھے۔ فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ نبی و رسول کی حیثیت سے ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ انھوں نے ادا کی اور چونکہ یہ خاتم النبیین ہیں اس وجہ سے ضروری تھا کہ انہی کے ذریعے سے اس رسم بد کی اصلاح ہو جائے۔ اگر ان کے بعد کوئی اور نبی آنے والا ہوتا تو ہو سکتا تھا کہ اس معاملے کو اللہ تعالیٰ آئندہ پراٹھا لیتا لیکن اب کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، انہی کے ہاتھوں دین کی تکمیل ہوئی ہے۔ اس وجہ سے ہر وہ چیز درست کی جائے گی جو بگڑی ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کے معاملات کو اپنے مفروضات کی روشنی میں نہ دیکھو بلکہ ان کے اصل منصب اور اس کی ذمہ داریوں کی روشنی میں دیکھو۔ اگر ان کے اصل منصب کو تم نے نہ پہچانا تو اسی طرح دوسری اور بہت سی باتوں پر بھی تمہیں غرض ہوں گے حالانکہ انھیں وہ سارے کام بے خوف و لرزہ لائٹھ کرنے ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ہدایت ہوگی۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہ تمہاری طرف اللہ کے رسول ہیں۔ اگر تم نے ان کی کذیب کر دی تو اس سنت الہی کی زد میں آنے سے نہیں بچ سکو گے جو اللہ نے اپنے رسولوں کے مذبذبین کے لیے مقرر کر رکھی ہے اور جو ہمیشہ ظہور میں آئی ہے۔

مَا كَانَتْ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنَّ اِسْمَ الَّذِيْ فِيْ ذٰلِكِ الْكِتٰبِ لَآ يَكُوْنُ اِلَّا رَسُوْلًا مِّمَّنْ خَلَقْنَا اِنَّكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ لَبٰرِءٌ مِّنْ ذٰلِكُمْ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِئِيْنَ (۴۱)

نبی اور رسول

کے درمیان

نسبت

مبتلا تھے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زید کا باپ بنا رکھا تھا لیکن صرف اتنا ہی نہیں فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم زید کے باپ نہیں ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ فرمایا کہ تمہارے مردوں میں سے کسی کے بھی وہ باپ نہیں ہیں۔ اس سے بات زوردار بھی ہو گئی اور یہ بیان واقعہ بھی ہے اس لیے کہ حضور کی اولاد ذکر میں سب کی وفات نابالغی میں ہوئی، دجال کی عمر کو ان میں سے کوئی نہیں پہنچا۔ وَلٰكِن رَّسُوْلَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ۔ نبی اور رسول کے فرق پر وضاحت سے ہم اس کتاب میں جگہ جگہ بحث کر چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنی بات یاد رکھیے کہ نبی اور رسول کے درمیان نسبت عام اور خاص کی ہے۔ ہر رسول نبی لازماً ہوتا ہے لیکن ہر نبی کا رسول ہونا لازمی نہیں ہے اس وجہ سے اگر حضور خاتم الانبیاء ہیں تو خاتم الرسل بدرجہ اولیٰ ہوئے۔ بعض گمراہ فرقوں نے یہ شوشہ جو نکالا ہے کہ



قرآن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء بتایا گیا ہے، 'خاتم الرسل' نہیں کہا گیا ہے اس وجہ سے سلسلہ رسالت کے اجراء کی نفی نہیں ہوئی، یہ محض ان کی جہالت ہے۔

'خَاتَمُ' اور 'خَاتِم' دونوں لفظ اہل لغت کے نزدیک بالکل ہم معنی ہیں۔ قوم کا آخری فرد، کسی شے کا انجام، خط کے آخر کی مہر، یہ سب چیزیں اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔

'وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا' مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے سارا غوغا برپا کیا ہے ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ ساری چیزوں سے ان سے زیادہ باخبر ہے۔ وہ زیندہ کو بھی جانتا ہے، زینب کو بھی جانتا ہے، اپنے پیغمبر سے بھی واقف ہے اور زیندہ زینب کے ساتھ ان کے رشتہ کی نوعیت سے بھی باخبر ہے۔ ان باتوں میں سے کسی سے بھی وہ بے علم نہیں ہے۔ جو کچھ ہوا ہے سب اس کے اذن و ایما سے ہوا ہے اس وجہ سے اس کے خلاف ہنگامہ برپا کرنا جہالت و حماقت ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت پر بھروسہ کیا جائے اور جو اصلاح عمل میں آئی ہے اس کی قدر کی جائے، خدا کا محیط کل علم ہی ہر چیز کی باریکیوں اور حکمتوں کو سمجھ سکتا ہے، دوسرے اس کی ساری حکمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۖ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (۴۱-۴۲)

یہ مسلمانوں کو منافقین و منسین کی اس محاذ آرائی کے مقابل میں ثابت قدم رہنے کی تاکید فرمائی گئی ہے، اور اس کی تدبیر یہ بتائی ہے کہ ان اشرار کے غوغا سے بے پروا ہو کر تم زیادہ سے زیادہ اللہ کا ذکر اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو۔ یہ امر واضح رہے کہ شیطان اور اس کی ذریات کے مقابل میں مومن کی اصلی سپر اللہ تعالیٰ کی یاد ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں معاندین کے مقابل میں ثابت قدمی کی تلقین کی گئی ہے وہاں نماز کی خاص طور پر تاکید کی گئی ہے۔ صبر اور نماز کے باہمی تعلق پر اس کتاب میں جگہ جگہ بسم بحث کرتے آ رہے ہیں۔ (مثلاً دیکھیے سورہ بقرہ - آیت ۵۴ کی تفسیر)۔

'وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا' میں تسبیح، نماز کی تعبیر ہے۔ یہ عام کے بعد خاص کا ذکر ہے، ذکرِ نوسانس کی طرح ہر وقت مطلوب ہے لیکن نمازوں کے لیے اللہ اور رسول نے اوقات مقرر فرمادیے ہیں جن کی جامع تعبیر صبح اور شام ہے۔ اس صبح و شام کے نقشہ کے اندر تمام نمازوں کے اوقات منضبط کر دیے گئے ہیں جس کی وضاحت اس کے محل میں ہم کر چکے ہیں۔ (دیکھیے سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۸، سورہ طہ - آیت ۱۳۰)۔

هُدًى لِّذِي يُصَلِّي عَلَيْكَ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَ جُكُومًا ۚ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ

دَحِينًا (۴۳)

یہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرنے کی برکت بیان ہوئی ہے کہ وہ اپنے با ایمان بندوں پر ذکر الہی کی برکت



اپنی رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے ملائکہ بھی براہِ اہل ایمان پر رحمت کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔  
 رَلِيخِرْجُكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ، یہ اس رحمت کی برکت بیان ہوئی ہے کہ یہ اسی کا فیض ہے کہ وہ تم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ یہاں تاریکی سے مراد ظاہر ہے کہ عقائد و اعمال کی تاریکی اور روشنی سے مراد ہدایت و شریعت کی روشنی ہے۔ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ وہ اپنے با ایمان بندوں پر نہایت مہربان ہے۔

”يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُہٗ اِيْضًا لِّفَضْلِی“ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت سے رحمت کرنے کے مفہوم میں ہوگا اور ملائکہ کی طرف نسبت سے رحمت کی دعا کے مفہوم میں نسبت کے بدل جانے سے الفاظ کے معانی میں تبدیلی کی مثالیں قرآن اور کلام عرب میں بہت ہیں۔ یہی لفظ اسی سورہ میں دو مختلف مفہوموں میں استعمال ہوا ہے اِنَّ اللّٰهَ دَمَلِكَّتْہُ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یَاٰیُہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ رَبَّیْہُ شَکَّ اللّٰہ اپنے نبی پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں تو اے اہل ایمان تم بھی اس پر درود بھیجو (آیت کے آخر میں وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا بھی اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہاں یہ لفظ یُصَلِّی اللہ تعالیٰ کے لیے رحمت نازل کرنے ہی کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

اہل ایمان کے لیے فرشتوں کے استغفار کا ذکر قرآن میں دوسری جگہ بھی آیا ہے۔ مثلاً،

الَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَہٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّہُمْ وَیُؤْمِنُوْنَ

بِہٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا

وَسِعَتْ کُلُّ شَیْءٍ رَّحْمَۃً وَدِلَیْمًا

فَاَغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا

سَبِیْلَکَ وَرَبِّہُمْ عَذَابَ

الْجَحِیْمِ (المومن ۷۵)

اور ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔

اسی طرح سورہ شوریٰ میں بھی ہے۔

وَالْمَلَٰئِکَۃُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ

رَبِّہُمْ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی

الْاَرْضِ (الشوریٰ: ۵)

اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں

اور جو زمین میں ہیں ان کے لیے وہ استغفار

کرتے ہیں۔

تَجِیْبُہُمْ یَوْمَ یُلْقَوْنَہٗ سَلٰمٌ ۭ وَ اَعَدَّ لَہُمْ اَجْرًا کَبِیْرًا (۴۴)

اور یہی آیت میں اس رحمت و برکت کا ذکر ہے جو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے با ایمان بندوں پر نازل ہوتی ہے۔ اس آیت

میں اس سلام و پیغام کا ذکر ہے جو آخرت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی طرف سے با ایمان بندوں کے پاس آئے گا۔

اہل ایمان کے

یہ فرشتوں

کا استغفار

اہل ایمان کے لیے

آخرت میں اللہ تعالیٰ

کا سلام و پیغام



فرمایا کہ ان کا خیر مقدم، جس دن وہ اس سے (اپنے رب سے) ملیں گے، سلام سے ہوگا اور اللہ نے ان کے لیے نہایت باعزت صلہ تیار کر رکھا ہے۔

لفظ نَجَّیْتِہ، یہاں اپنے مفعول کی طرف منافی ہے اور اس کا صحیح مفہوم خیر مقدم ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات میں بھی اس بات کا ذکر ہے کہ اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی سلام آئے گا اور فرشتے بھی ان کا خیر مقدم سلام کے ساتھ کریں گے۔

سورۃ فرقان میں ہے:

وَيَلْقَوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا (۵۰)

اور اس میں ان کا استقبال تحیت اور سلام کے ساتھ ہوگا۔ سورۃ یس آیت ۵۸ میں اس بات کی بھی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان لوگوں کو سلام کہلایا جائے گا۔

سَلَامٌ تَقُولَٰ مِّنْ رَبِّ  
رَحِيمٍ ۝

اور ان کے لیے سلام ہوگا جو رب رحیم کی طرف سے ان کو کہلایا جائے گا۔

سورۃ زمر آیت ۲۳ میں یہ تصریح ہے کہ جنت کے دربان ملائکہ اہل جنت کا استقبال سلام سے کریں گے:

وَقَالَ لَهُمْ خُذْنَاهَا سَلَامٌ  
عَلَيْكُمْ طِبُّكُمْ فَادْخُلُوهَا  
خَالِدِينَ ۝

اور ان سے جنت کے پاسبان کہیں گے، آپ لوگوں پر سلامتی ہو، خوش ہوں، اس جنت میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جائیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَحَاصِلُ آيَةِ اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا (۴۵-۴۶)

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے آپ کا منصب بتایا گیا ہے اور اس منصب کے ساتھ جو ذمہ داریاں وابستہ ہیں ان کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے تاکہ حضور پر بھی یہ واضح ہو جائے کہ آپ کو کیا کام کرنے ہیں اور کس طرح کرنے ہیں اور دوسروں پر بھی آپ کی شخصیت کی اصلی نوعیت اچھی طرح واضح ہو جائے کہ موافقین و مخالفین دونوں اس روشنی میں اپنے اپنے رویے کا جائزہ لے سکیں۔ فرمایا کہ اے نبی! ہم نے تم کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ شاہد سے مراد ہے اللہ کے دین اور اس کے احکام و مرفعات کی گواہی دینے والا۔ رسول کی بعثت کا اصلی مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم کے لوگوں کو یہ بتائے کہ اللہ نے کن باتوں کا حکم دیا ہے، کن باتوں سے روکا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا  
مبشر و نذیر

مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ آپ کے پیغام کو قبول کر لیں ان کو آپ ابدی فوز و فلاح کی خوش خبری دیں اور جو لوگ اس سے اعراض یا اس کی تکذیب کریں ان کو اس کے نتائج سے آگاہ



کہ دیں۔ اس انذار و تبشیر کے بعد اس شہادت سے متعلق آپ کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ اس امر کی آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ لوگوں نے آپ کی دعوت قبول کی یا رد کی اور اگر قبول کی تو یکسوئی کے ساتھ قبول کی یا تذبذب کے ساتھ قبول کی۔ ان تمام امور کا لعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔

”وَدَاعِيَائِيَّ اللّٰهَ بِاِذْنِهٖ“ یہ اسی مضمون کی مزید وضاحت ہے کہ تم کو اللہ نے اپنے حکم سے اپنی طرف لوگوں کو بلانے کے لیے مامور فرمایا ہے کہ لوگ شیطان اور اس کی ذریاست کی پیروی چھوڑ کر اپنے رب کی طرف آئیں۔ اس کے ساتھ ”بِاِذْنِهٖ“ کی قید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور اطمینان دہانی کے لیے ہے کہ دعوت الی اللہ کی اس مہم پر خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو مامور فرمایا ہے اس وجہ سے وہ آپ کو تنہا نہیں چھوڑے گا بلکہ ہر قدم پر آپ کی مدد و رہنمائی فرمائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کوئی خود ساختہ نبی تو نہیں ہیں کہ اللہ آپ کو بھٹکنے کے لیے چھوڑ دے بلکہ ذمہ داری آپ پر اللہ نے ڈالی ہے تو وہ اس کے اٹھانے میں بھی آپ کی مدد فرمائے گا اور آپ مخالفوں کی تمام مخالفانہ سرگرمیوں کے علی الرغم اپنے مشن میں کامیاب ہوں گے۔

”وَصِرَاجًا مُّنِيرًا“ یعنی اللہ نے آپ کو ایک روشن چراغ بنایا جو خود بھی علم و حکمت کے نور سے منور ہے اور لوگوں کو بھی تاریکیوں سے نکال کر اللہ کی نہایت مستقیم کی طرف لانے کے لیے رہنمائی کر رہا ہے۔ اگر لوگ اس سراج منیر کی تدریس نہیں کریں گے تو آپ کا کچھ نہیں بگاڑیں گے بلکہ خود اپنی ہی تباہی کا سامان کریں گے اس دنیا میں مگر ایسوں میں بھٹکتے رہیں گے اور آخرت میں جہنم کے ایندھن بنیں گے۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيرًا (۴۷)

یہ آپ کے بشیر ہونے کا پہلو واضح فرمایا کہ جو لوگ آپ کی دعوت پر ایمان لائیں ان کو خوش خبری دیکھیے کہ وہ مخالفوں کی مخالفت اور حالات کی نامساعدت سے ہر اسان نہ ہوں، ان پر اللہ کی طرف سے ایک عظیم فضل ہونے والا ہے اگر وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے۔

وَلَا يَطِيعُ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَذَرِ الَّذِينَ أَذِنَ لَكُمْ عَلَى اللّٰهِ ۖ وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ وَكِيلًا (۴۸)

یہ آپ کے ”نذیر“ ہونے کے پہلو کی وضاحت ہے لیکن مخالفوں کو مخاطب کر کے ان کو کچھ کہنے یا کہلانے کے بجائے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخاطب کر کے بتا دیا کہ اس کو ان مخالفوں کے ساتھ آئندہ کے لیے کیا رویہ اختیار کرنا ہے۔ اس رویہ ہی کے اندر وہ انذار و مفہم ہے جو پتہ دے رہا ہے کہ مستقبل قریب میں آپ کے یہ مخالفین کس انجام سے دوچار ہونے والے ہیں۔ فرمایا کہ ان کافروں اور منافقوں کی باتوں کا ذرا دھیان نہ کرو، ان کی ایذا رسانیوں کو نظر انداز کرو، اللہ پر بھروسہ رکھو، اللہ اعتماد کے لیے کافی ہے۔ اس آیت کے اندر حضور کے لیے جو تسلی ہے وہ بھی لفظ نقطہ سے نمایاں ہے اور مخالفوں کے لیے جو قہر و غضب ہے وہ بھی حرف سے ابلا پڑ رہا ہے۔

”وَلَا يَطِيعُ الْكَافِرِينَ“ میں لفظ ”طاعة“ کسی کی بات کا دھیان کرنے، اس کو اہمیت دینے اور اس



کی پروا کرنے کے مفہوم میں یہاں استعمال ہوا ہے۔ اس معنی میں اس لفظ کا استعمال معروف ہے۔ ہم اس کے محل میں اس مفہوم کی تائید میں شواہد نقل کر آئے ہیں۔

’دَدَعَ اَذْنَهُمْ‘ یعنی ’اذنی‘ سے اشارہ منافقین کی اس طرح کی ایذا رسانیوں کی طرف ہے جس کا مظاہرہ انھوں نے حضرت زینبؓ کے معاملہ میں کیا اور اس سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے معاملے میں کر چکے تھے۔ آگے اسی سورہ میں ان کی مزید ایذا رسانیوں کا ذکر آ رہا ہے۔ لفظ ’دَع‘ یہاں تحقیر کے مفہوم پر دلیل ہے یعنی ان کی ان خرافات کو چنڑے نظر انداز کر دو۔

’وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا‘ کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جتنی بڑی تسلی ہے اس سے بڑی کفار و منافقین کے لیے ممکن ہے کہ اب تم ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو، اللہ ان سے نمٹنے کے لیے کافی ہے!

## ۸۔ مسئلہ ختم نبوت

اس مجموعہ آیات کی تمام ضروری تعلیمات کی وضاحت آیات کے تحت ہو چکی ہے البتہ آیت ۴۰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا جو ذکر آیا ہے اس کے بعض پہلو مزید وضاحت کے طالب ہیں۔ ہم یہاں بالا مختصار ان کی طرف بھی اشارہ کریں گے۔

۱۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابلِ توجہ چیز یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی تاریخ اور ان کی تعلیمات و ارشادات کا جو ریکارڈ قدیم صحیفوں اور قرآن مجید میں یا تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے، اس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا مسیحؑ تک کسی نبی کے متعلق نہ تو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ خاتم الانبیاء ہے نہ کسی نبی نے خود اپنے خاتم الابیاء ہونے کا دعویٰ کیا ہے، بلکہ اس کے برعکس ہر نبی نے اپنے بعد آنے والے نبی یا نبیوں کی بشارت دی ہے۔ حضرت آدمؑ اور ان کی ذریت کی خلافت پر فرشتوں کو جو اعتراض تھا، بقرہ کی تفسیر میں آپؐ پڑھ چکے ہیں کہ ان کے اعتراض کے جواب میں حضرت آدمؑ نے اپنی ذریت میں پیدا ہونے والے انبیاء کے نام ہی گنا کر ان کو قائل کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے انبیاء کے حالات زیادہ تفصیل سے تو کہیں مذکور نہیں ہیں لیکن آپؐ کے اور آپس کے بعد آنے والے انبیاء کے حالات تو رات میں بھی موجود ہیں اور قرآن میں بھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ذریت کے دونوں سلسلوں — بنی اسحاق اور بنی اسماعیل — میں انبیاء کی بعثت کے لیے جو دعا کی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دعا کی قبولیت کی جو بشارت دی ہے وہ قرآن میں بھی مذکور ہے اور تورات و تالمود میں بھی۔ ان کے حوالے ہم اس کتاب میں، ان کے محل میں، نقل کر آئے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد بنی اسرائیل میں نبوت کا جو سلسلہ جاری ہوا اس کی تفصیلات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں یہ روایت رہی



ہے کہ ہرنی نے اپنے بعد آنے والے نبی کی نہ صرف بشارت دی ہے بلکہ اکثر حالات میں خود اس کو اسرائیلی روایت کے مطابق مسیح کر کے نبی کی حیثیت سے روئناس کرایا ہے۔ اسرائیلی سلسلہ کے سب سے زیادہ جلیل القدر نبی سیدنا موسیٰ ہیں۔ ان کی پیشین گوئیاں تو راست میں بھی موجود ہیں اور قرآن نے بھی ان کی طرف اشارے کیے ہیں۔ انھوں نے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بھی پیشین گوئی کی ہے جس کا حوالہ ہم سورہ اعراف آیت ۵۷ کی تفسیر میں دے چکے ہیں۔ نبی اسرائیل کے دور آخر کے انبیاء میں سے حضرت یحییٰ ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی کا مشن ہی یہ بتایا کہ میں اپنے بعد آنے والے کی راہ صاف کرنے آیا ہوں۔ اُن کا یہ اشارہ سیدنا مسیح کی طرف تھا۔ ان کی زندگی ہی میں جب حضرت مسیح نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تو حضرت یحییٰ علیہ السلام اس وقت جیل میں تھے۔ انھوں نے وہیں سے حضرت مسیح علیہ السلام سے بچھوایا کہ وہ جس کا انتظار تھا تو یہی ہے یا ہم کسی اور کا انتظار کریں؟ حضرت مسیح نے جواب دلوایا کہ ”جا کے بتا دو کہ لنگڑے چل رہے ہیں اور اندھے دیکھ رہے ہیں، اب اور کیا چاہیے؟“ اس جواب کے بعد حضرت یحییٰ کو اطمینان ہو گیا کہ ان کا مشن پورا ہو گیا، وہ جس کی راہ صاف کرنے آئے تھے وہ آ گیا۔ حضرت یحییٰ کے بعد اسرائیلی سلسلے کے آخری نبی و رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، انھوں نے اپنے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت دی اور آپ کے نام نامی کی تصریح کے ساتھ بشارت دی۔ سورہ صف میں اس کا حوالہ یوں آیا ہے:

وَاذْكُنَّ آلَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ  
يَسْبِقُنِي إِسْرَآءِيلُ إِنِّي رَسُوْلُ  
اللّٰهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ  
يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَ مُبَشِّرًا  
بِرَسُوْلِ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اِنَّهُ  
أَحْمَدُ الْعَفْ ۙ (۶)

اور جب کہ عیسیٰ بن مریم نے دعوت دی کہ  
اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہو  
کر آیا ہوں ان پیشین گوئیوں کے مطابق جو مجھ  
سے پہلے سے تورات میں موجود ہیں اور ایک  
رسول کی خوشخبری دیتا ہوا آیا ہوں جو میرے بعد  
آئے گا اس کا نام احمد ہوگا۔

انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو پیشین گوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق موجود ہیں ان کے حوالے سورہ اعراف آیت ۵۷ کی تفسیر میں گزر چکے ہیں۔ اساذام مولانا فراہی کا خیال تو یہ ہے کہ حضرت مسیح نے انجیلوں میں آسمانی بادشاہت کی جو بشارت دی ہے اور اس سے متعلق جو تمثیلیں بیان فرمائی ہیں وہ بھی تمام تر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اس کی خصوصیات ہی پر منطبق ہوتی ہیں۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کی روایت یہی رہی ہے کہ ہرنی نے اپنے بعد آنے والے نبی کی بشارت دی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر یہ روایت بالکل ختم ہو جاتی ہے نہایت واضح الفاظ میں خود اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو خاتم النبیین قرار دیا اور حضور نے بھی نہ صرف یہ کہ



اپنے بعد کسی آنے والے کی بشارت نہیں دی بلکہ نہایت واضح اور قطعی الفاظ میں بار بار اس حقیقت کا اظہار و اعلان فرمایا کہ آپ آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ ہر معقول آدمی سمجھ سکتا ہے کہ حضور کے بعد اگر کسی نبی کے آنے کی ادنیٰ گنجائش بھی ہوتی تو سابق انبیاء کی روایت کے مطابق حضور اس کی پیشین گوئی فرماتے اور اگر پیشین گوئی نہ فرماتے تو کم از کم اس شدت کے ساتھ اس دروازے کو بند تو نہ کر دیتے کہ جو اس کو کھولنے کی جرات کرے وہ نقب زن کہلائے۔

۲۔ اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوارشادات منقول ہیں ان سب کے نقل کرنے میں طوالت ہوگی۔ ہم صرف بعض حدیثوں کا حوالہ دیں گے جن کی شہرت حد تو اترا کہ پہنچی ہوئی ہے۔ بخاری میں روایت ہے:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان مثلی  
ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل  
بني بیتا فاحسنه واجمل الاموضع لبنة  
من زاوية فجعل الناس يطوفون به  
ويعجبون له ويقولون هلی لا وضعت  
هذه اللبنة فانا تلك اللبنة وانما  
خاتم النبیین (بخاری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے  
گزرے ہوئے انبیاء کی تمثیل یوں ہے کہ ایک شخص  
نے ایک عمارت بنائی، نہایت حسین و جمیل، لیکن اس  
کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی۔  
لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی تحسین کرتے  
اور کہتے کہ یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی! سو میں  
وہی اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

اس حدیث کے متعلق یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کم و بیش انہی الفاظ میں حضرت مسیح نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی فرمائی تھی۔ ان کا ارشاد ہے کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا بالآخر وہی گھر کا آخری پتھر بنا۔ علمائے یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیشین گوئیوں پر جن جن طریقوں سے پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے ان کی تفصیلات سورہ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہیں لیکن ان کی ان تمام کوششوں کے علی الرغم اللہ تعالیٰ نے حضور کے لیے جو مقام مقدر فرمایا تھا وہ آپ کو حاصل ہو کے رہا۔ آپ قعر تربیت کے کونے کی آخری اینٹ بھی بنے اور انبیاء و رسل کے مبارک سلسلہ کے خاتم بھی۔

یہ ختم نبوت اس تکمیل دین کا لازمی اور بدیہی تقاضا ہے جس کا ذکر اگلت لکھو دیکھو والی آیت میں ہوا ہے۔ اگر دین کوئی ایسی چیز ہوتا جس کی تکمیل کبھی ہونے والی ہی نہ ہوتی تب تو بے شک نبوت و رسالت کا سلسلہ بھی جاری رہتا لیکن جب دین کی تکمیل ہو چکی ہے اور اس بدیہی حقیقت کے انکار کی جرأت کوئی بھی نہیں کر سکتا تو پھر اس کے اس لازمی نتیجہ کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ نبوت و رسالت کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ اسی حقیقت کو حضور نے اس حدیث میں واضح فرمایا ہے اور اتنے مختلف طریقوں سے واضح فرمایا ہے کہ کسی معقول آدمی کے لیے اس میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے۔

ترجمہ میں روایت ہے:



قال رسول الله صلى الله عليه وسلم  
ان الرسالة والنبوة قد انقطعت  
فلارسل بعدى ولا نبي  
رسول الله صلى الله عليه وسلم نے فرمایا کہ رسالت اور  
نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا۔ اب میرے بعد نہ کوئی رسول  
ہوگا اور نہ کوئی نبی۔

جس مشہور حدیث میں آپ نے تمام انبیاء کے مقابل میں اپنے چھ فضائل گنائے ہیں آخری فضیلت  
ان میں یہ مذکور ہوئی ہے کہ ختم بنی النبیین (میرے) اور پر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔  
اسی طرح ایک روایت میں آپ نے اپنے مختلف اسماء کا ذکر فرمایا ہے جن میں آخری نام آپ  
نے 'عاقب' بتایا ہے اور اس کی خود ہی یہ شرح فرمائی کہ 'الذی یس بعدہ نبی' (جس کے بعد کوئی اور نبی  
نہیں آئے گا)۔

۲۔ یہ امر بھی واضح رہے کہ نبوت کی بہت سی قسمیں نہیں ہیں۔ نبوت کی صرف ایک ہی قسم ہے جو  
اپنے تمام شرائط و خصوصیات کے ساتھ قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ البتہ نبی اور رسول میں ایک  
فرق ہے جس کی طرف ہم اوپر بھی اشارہ کر چکے ہیں اور اس کتاب کے دوسرے مقامات میں بھی پوری تفصیل  
سے اس کی وضاحت ہوئی ہے۔ بعض گمراہ فرقوں نے نبوت کے حرم میں نقب لگانے کے لیے اپنے جی  
سے نبوت کی متعدد قسمیں بیان کی ہیں اور ان کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں جس نبوت کے ختم ہونے  
کا ذکر ہے وہ الگ چیز ہے اور جس نبوت کے مدعی وہ ہیں وہ دوسری چیز ہے۔ نبوت کی یہ تقسیم ان کی  
طبع زاد ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کا کوئی ذکر تو درکنار اس کا کوئی ادنیٰ اشارہ بھی موجود نہیں ہے اس  
تقسیم سے انھوں نے بظاہر اپنے کفر کو ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ درحقیقت 'زیادۃ فی الکفر'  
ہے یعنی اپنے کفر کو انھوں نے اور زیادہ غلیظ بنا دیا ہے اس لیے کہ اس تقسیم نے نبوت کے اس نظام ہی  
کو بالکل تپٹ کر کے رکھ دیا ہے جس پر سارے دین کی عمارت قائم ہے لیکن ہمارے لیے یہاں اس مسئلہ سے  
تعمض کرنے کی گنجائش نہیں ہے پس اتنی بات یاد رکھیے کہ حضور نے جس صراحت کے ساتھ اپنے بعد نبوت  
کے ختم ہونے کا اعلان فرمایا ہے، اسی وضاحت کے ساتھ اس سوال کو بھی صاف کر دیا ہے کہ آپ کے بعد  
نبوت کا کوئی جزو باقی رہے گا یا نہیں؟ اور اگر باقی رہے گا تو اس کی نوعیت کیا ہوگی اور اس میں حصہ پانے  
والے کون لوگ ہوں گے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم  
ان الرسالة والنبوة قد انقطعت  
فلارسل بعدى ولا نبي قال  
نشق ذلك على الناس فقال ولكن  
رسول الله صلى الله عليه وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد  
رسالت نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اب نہ کوئی رسول  
آئے گا اور نہ کوئی نبی۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ بات لوگوں کے  
دل پریشان گزری تو حضور نے فرمایا کہ 'بشرات' باقی



المبشرات قالوا يا رسول الله وما المبشرات؟ رہیں گی۔ لوگوں نے سوال کیا کہ یہ مبشرات کیا ہیں  
قال روي الرجل المسلم وحي جند من يا رسول الله؟ آپ نے فرمایا کہ کسی مسلم مرد کے خوابہ  
اجزاء النبوة۔ اور یہ چیز نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔

بعض روایات میں مبشرات کی وضاحت 'السوديا العسبة' اچھے خواب یا 'السوديا العسالحة' نیک خواب سے بھی وارد ہوئی ہے۔

اس حدیث سے چند باتیں بالکل صاف ہو جاتی ہیں۔

ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی کا سلسلہ بالکل بند ہو گیا۔ اب نبوت کے اجزاء میں سے صرف  
ایک جزو روئے صالحو کا باقی رہ گیا ہے۔ جو لوگ الہام اور کاشفہ و مخاطبہ وغیرہ کے مدعی ہیں ان کی بھی اس  
حدیث سے تردید ہو جاتی ہے۔

دوسری یہ کہ یہ روئے صالحو کسی بھی مومن و مسلم کو نظر آ سکتے ہیں۔ یہ کسی کے لیے خاص نہیں ہیں۔ اس قسم  
کی روئے صالحو دیکھنے والے کو نبوت کا کوئی مقام حاصل نہیں ہو جاتا اور نہ اس قسم کے خواب کسی پر کوئی حجت  
ہوتے۔ ان کی حیثیت بس یہ ہوتی ہے کہ اگر خواب دیکھنے والے نے اچھے خواب دیکھے ہیں تو ان سے ایک قسم کی  
خوش خبری اور فال نیک حاصل کرے۔ اس سے زیادہ ان کی کوئی اہمیت نہیں۔

تیسری یہ کہ ظلی اور بروری نبوت کی اصطلاحات بالکل شیطانی ہیں۔ اگر ان کی کوئی حقیقت ہوتی تو اس  
موقع پر لوگوں کو اطمینان دلانے کے لیے حضور ضرور یہ فرماتے کہ لوگ نبوت کے ختم ہونے سے زیادہ ہراساں نہ  
ہوں، میرے بعد ظلی اور بروری انبیاء آتے رہیں گے۔

۴۔ قرآن مجید کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو انتظام فرمایا وہ بھی درحقیقت ختم نبوت ہی کا ایک  
لازمی تقاضا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام آئے ان کی تعلیمات کی حفاظت  
کے لیے وہ انتظام نہیں کیا گیا جو قرآن کی حفاظت کے لیے کیا گیا اس کا وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
سے پہلے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ جاری تھا۔ اگر سابق نبی کی تعلیم کو اس کی قوم فراموش کر دیتی یا اس میں تحریف  
کر دیتی تو بعد میں آنے والا نبی اس کی بھی تجدید کر دیتا اور اس میں اللہ تعالیٰ جو اضافہ فرماتا اس سے بھی لوگوں کو  
آگاہ کر دیتا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو تکہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور دین بھی کامل ہو گیا اس  
وجہ سے ضروری ہوا کہ قرآن مجید کو اس طرح محفوظ کر دیا جائے کہ قیامت تک شیا لیں جن و انس اس میں  
کوئی دراندازی نہ کر سکیں۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو اس طرح محفوظ کر دیا ہے کہ اس میں  
کسی زبردبر کے فرق ہونے کا بھی کوئی امکان نہیں رہا۔ حق و باطل کے امتیاز کے لیے اصل خدائی کسوٹی قرآن  
ہے۔ اگر وہ محفوظ ہے تو اب کسی وحی والہام اور کسی مخاطبہ و مکالمہ کی حاجت باقی نہیں رہی اور نبی کی اصل  
ہو تکہ اسی پہلو سے ہوتی ہے اس وجہ سے اب نبی کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی۔ رہا شہادت علی ان



کافر بغیرہ اور لوگوں میں پیدا ہونے والی خرابیوں کی اصلاح تو یہ ذمہ داری اصلاً اس امت پر بحیثیت مجموعی عائد ہوتی ہے اور اس کے لیے عند اللہ مسئول علماء ہوں گے۔ اور احادیث میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اس امت میں ایسے علماء و مصلحین برابر پیدا ہوتے رہیں گے جو مفسدین کی پیدا کی ہوئی خرابیوں کی اصلاح کرتے رہیں گے اگرچہ ان کی تعداد کتنی ہی کم ہو۔

۵۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اب قیامت تک کسی نبی کے آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ یہ بات قرآن و حدیث کے نصوص سے بھی ثابت ہے اور عقل و فطرت کی شہادت بھی یہی ہے۔ اگر روایات آثار میں کوئی ایسی چیز آپ کے سامنے آئے جو ان قطعی نصوص کے خلاف نظر آئے تو اس پر غور کیجیے۔ اگر تاویل کی راہ سے باہم توفیق و تطبیق ہو جائے تو نبیہا، اگر توفیق و تطبیق نہ ہو سکے تو ترجیح بہر حال قرآن کے نصوص اور دین کے مقدمات کو حاصل ہوگی۔ میں نے اس پہلو سے تمام روایات و آثار کو جانچا ہے۔ میرے نزدیک ان کی تطبیق اس بنیادی اصول کے ساتھ نہایت عمدہ طریقے پر ہو جاتی ہے لیکن یہاں اس بحث کی تفصیلات میں جانے کا محل نہیں ہے۔

## ۹۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۴۹-۵۲

آیات ۴۹-۵۲ اس مجموعہ آیات کے پس منظر کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے اس لیے کہ اس میں بھی بڑا ایجاز ہے جس کے سبب سے مفسرین کو بڑی الجھنیں پیش آئی ہیں۔

یہ آیات درحقیقت سورہ نساء کی آیت ۳ پر جس میں عام مسلمانوں کے لیے تحدید ازدواج کا حکم بیان ہوا ہے، استدراک کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نساء کی مذکورہ آیت کے نزول کے بعد جن مسلمانوں کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں تھیں انھوں نے زائد بیویوں کو طلاق دے دی لیکن حضور سے متعلق کسی بیوی کو طلاق دینا ثابت نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت حضور کے نکاح میں چار ہی بیویاں تھیں۔ بعد میں جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے حفرت زینب کے ساتھ نکاح کیا تو منافقین نے اس پہلو سے بھی اس پر اعتراض کیا کہ انھوں نے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے اور، شریعت بنا رکھی ہے۔ ان منافقین کا منہ بند کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس خاص اجازت کی وضاحت فرمائی جو ازدواج کے معاملے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی۔ اس اجازت خاص کے نمایاں پہلو یہ ہیں:

- آپ کی وہ ازدواج جن کے ہر آپ ادا کر چکے ہیں، بلا استثنا آپ کے لیے جائز کی گئیں۔
- ملک بین جو بطور فہ آپ کو حاصل ہوں، اگر آپ ان میں سے کسی کو آزاد کر کے ان سے نکاح کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

- آپ کے قریبی رشتہ کی خواتین میں سے اگر کسی نے دین کی خاطر اپنے عزیزوں، رشتہ داروں کو چھوڑ کر آپ



کے ساتھ ہجرت کی ہے، آپ ان میں سے بھی کسی سے نکاح کر سکتے ہیں۔  
 • اگر کوئی مومن اپنے آپ کو یہ کہے اور آپ اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں تو اس کی بھی آپ کو اجازت ہے۔

• یہ نکاح چونکہ تمام تر مصلحتِ دین و ملت کی خاطر ہیں اس وجہ سے حقوقِ زوجیت کے معاملے میں آپ پر سے وہ پابندیاں اٹھالی گئیں جو دوسروں پر تھیں۔

• ان آزادیوں کے ساتھ حضور پر وہ پابندیاں بھی عائد کی گئیں جو دوسروں پر نہیں تھیں۔  
 • ایک یہ کہ اس دائرہ سے باہر آپ کوئی نکاح نہیں کر سکتے۔

• دوسری یہ کہ ان ازواج کو دوسری ازواج سے بدل نہیں سکتے۔

یہ آزادی اور پابندی جن مصالح پر مبنی ہے چند اصولی باتیں ان سے متعلق بھی سمجھ لیجیے۔

حضور نے جتنے نکاح بھی کیے حفظِ نفس کے لیے نہیں بلکہ دعوتِ دین، تالیفِ قلب، امدادِ داری اور مصالحِ ملت کی خاطر کیے۔ آیت ۲۴ کے تحت آپ پڑھ آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس مشن کی ذمہ داری آپ پر ڈالی تھی اس میں ازواجِ مطہرات بھی شریک کی گئی ہیں گو یا یہی وہ اصل مقصد تھا جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی معیت کے لیے منتخب فرمایا۔ اس فرض کو ازواجِ مطہرات نے جس اہتمام اور جس خوبی کے ساتھ انجام دیا اس پر ہماری حدیث و سیرت کی کتابیں شاہد ہیں۔ خاص طور پر حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت حفصہؓ اور حضرت میمونہؓ کا حصہ اس خدمت میں اگر مردوں سے زیادہ نہیں تو ان سے کم بھی نہیں ہے۔ عورتوں سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات زیادہ تر انہی سیدات کے ذریعے سے پھیلی ہیں اور انہی کے ذریعے سے پھیل سکتی تھیں۔

حضرت زینبؓ سے آپ نے جن حالات میں اور جن مصالح کے تحت نکاح کیا ان کی تفصیلات آپ پڑھ آئے ہیں۔ انھوں نے ایک اہم معاشرتی اصلاح کی خاطر اپنے بھائی اور دوسرے عزیزوں کی رائے کے خلاف اپنے آپ کو ہدفِ مطاع بنانا گوارا کیا لیکن حضور کی بات نہیں ٹالی۔ ان کی اس قربانی کا اگر کوئی صلہ ہو سکتا تھا تو یہی ہو سکتا تھا کہ حضرت زینبؓ کے طلاق دینے کے بعد حضور خود ان کو اپنے رشتہ زوجیت کا شرف بخشیں۔ پھر حضرت زینبؓ کی طرح حضور کے ساتھ بھی ان کا نکاح ایک عظیم معاشرتی اصلاح کا ذریعہ بنا اور اس میں بھی ان کو منافقین و منافقات کی یادہ گوئیوں کا ہدف بننا پڑا لیکن انھوں نے اللہ اور رسول کی خاطر یہ تمام باتیں برداشت کیں۔

ازواجِ مطہرات میں سے حضرت ام حبیبہؓ کے نکاح کا واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے قریش کے ظلم و ستم سے تنگ آکر اپنے شوہر عبید اللہ کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی۔ وہاں ان کو یہ افتاد پیش آئی کہ کچھ عرصہ بعد ان کے شوہر نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ اس عالم غربت میں انھوں نے اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کر کے



تنہائی دے کسی کی زندگی بسر کرنا گوارا کی لیکن اپنے ایمان پر ثابت قدم رہیں۔ ان کی اس عزیمت و استقامت کے صلہ میں حضورؐ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا۔ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ اس استقامت کا کوئی صلہ کس دنیا میں اگر ہو سکتا تھا تو یہی ہو سکتا تھا کہ حضورؐ ان کو یہ عزت بخشیں۔

حضرت جویریہؓ اور حضرت صفیہؓ کے ساتھ آپؐ کے نکاح کی نوعیت یہ ہے کہ غزوہ بنی معطلق اور غزوہ خیبر میں یہ بطور فے حضورؐ کے حصہ میں آئیں۔ یہ سرداروں کی بیٹیاں تھیں۔ ان کی خاندانی وجاہت کو ملحوظ رکھ کر حضورؐ نے ان کو لونڈیوں کی حیثیت سے رکھنا پسند نہیں فرمایا بلکہ ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ ان نکاحوں کی دینی و سیاسی مسلمات بالکل واضح ہے۔

بعض صحابیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف شرف نسبت کی خواہشمند تھیں اور وہ اپنے تئیں حضورؐ کو مہر کر دینا چاہتی تھیں۔ اس قسم کی خواتین میں سے حضرت میمونہؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضورؐ نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اس درخواست کی منظوری میں زیادہ دخل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کی سفارش کو تھا۔

اس سے ملتا جلتا حال حضرت سودہؓ کا بھی ہے۔ ان کے حالات شاید ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت کے سوا اور کوئی خواہش ان کے اندر نہیں تھی۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ حضورؐ کے معاملہ کی نوعیت ایسی نہیں تھی کہ درباب نکاح و طلاق آپ کو اس تحدید کا پابند کر دیا جائے جو عام مسلمانوں کے لیے تھی۔ ایسا کرنے میں بہت سے مصالح کے فوت ہونے کا اندیشہ تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ایک ایسا منابطہ نازل فرمایا جس میں فی الجملہ وسعت بھی ہے تاکہ وہ دینی مصالح ملحوظ رکھے جا سکیں جن کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا اور ساتھ ہی اس میں حضورؐ پر بعض پابندیاں بھی ہیں جو دوسرے مسلمانوں پر نہیں ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ حضورؐ کو جو آزادی بخشی گئی وہ تمام تر مصالح پر مبنی تھی۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا فَمِنْ تَعَوُّهُنَّ وَسَرَّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ (۴۹) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي آتَيْتَ أَجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِنْ أَمَّاؤَ اللَّهِ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمَتِكَ وَ

آیات

۵۲-۴۹



بَنَتِ خَالِكَ وَبَنَتِ خُلَّتِكَ الَّتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ: وَامْرَأَةً  
 مُؤْمِنَةً إِنْ دَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا  
 خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ  
 فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِيَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ  
 وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ⑤ تَرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي  
 إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمِنْ ابْتِغَايَتِ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ  
 ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ تَقْرَءَ عَيْنَهُنَّ وَلَا يُحْزَنَ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ  
 كُلُّهُنَّ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا ⑥  
 لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ  
 وَلَوْ أَحْبَبْتَ حُسْنَهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى  
 كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا ⑦

۶  
ع  
۳

ترجمہ آیات  
۵۲-۵۹

اے ایمان والو، جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو ہاتھ لگانے سے  
 پہلے ہی طلاق دے دو تو ان کے بارے میں تم پر کوئی عذت واجب نہیں ہے جس کا تمہیں  
 لحاظ کرنا ہو۔ پس ان کو کچھ دے دلا دو اور خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دو۔ ۴۹  
 اے نبی، ہم نے تمہاری ان بیویوں کو تمہارے لیے جائز کیا جن کے ہر تم دے  
 چکے ہو اور تمہاری ان مملوکات کو بھی تمہارے لیے حلال کیا جو اللہ نے تم کو بطور غنیمت  
 عطا فرمائیں اور تمہارے چچا کی بیٹیوں اور تمہاری پھوپھیوں کی بیٹیوں اور تمہارے ماموں کی  
 بیٹیوں اور تمہاری خالائوں کی بیٹیوں میں سے بھی ان کو حلال ٹھہرایا جنہوں نے تمہارے



ساتھ ہجرت کی ہے اور اس مومنہ کو بھی جو اپنے تئیں نبی کو ہمہ کردے بشرطیکہ پیغمبر اس کو اپنے نکاح میں لانا چاہیں۔ یہ خاص تمھارے لیے ہے، مسلمانوں سے الگ۔ ہم کو اچھی طرح معلوم ہے جو کچھ ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے باب میں فرض کیا ہے تاکہ تم پر کوئی تنگی نہ رہے اور اللہ غفور رحیم ہے۔ تم ان میں سے جن کو چاہو دور رکھو اور ان میں سے جن کو چاہو اپنے پاس رکھو اور اگر تم ان میں سے کسی کے طالب بنو جن کو تم نے دور کیا تو اس میں بھی کوئی ہرج نہیں۔ یہ اس بات کے قرین ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمگین نہ ہوں اور وہ اس پر فتاعت کریں جو تم ان سب کو دور اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے اور اللہ علم رکھنے والا اور بردبار ہے۔ ان کے علاوہ جو عورتیں ہیں وہ تمھارے لیے جائز نہیں ہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کی جگہ دوسری بیویاں کر لو اگرچہ ان کا حسن تمھارے لیے دل پسند ہو۔ بجز ان کے جو تمھاری مملوکہ ہوں اور اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے۔ ۵۰-۵۲

## ۱۰۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عَدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا ۚ فَمَتَّعُوهُنَّ وَسِرَّوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا (۴۹)

ایک ضمنی  
سوال کا جواب

آگے آیت ۵۰ سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہاں جو وضاحت فرمائی گئی ہے اس کی نوعیت درحقیقت اس حکم پر استدراک کی ہے جو سورہ نسا میں عام مسلمانوں کو تحدید ازواج سے متعلق دیا گیا ہے اصل استدراک سے پہلے یہ آیت بطور تمہید ہے جس میں ایک ضمنی سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر کسی نے ایک عورت سے نکاح کیا لیکن رخصتی اور طاقات کی نوبت آنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دے دی تو اس کے معاملے میں عدت کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہ سوال خاص طور پر اس زمانے میں اس وجہ سے پیدا ہوا ہوگا کہ تحدید ازواج کے حکم کی تعمیل میں طلاق کے واقعات بکثرت پیش آئے ہوں گے اور طلاق







جہالت کے نزول کے وقت آپ کے نکاح میں تھیں۔ فرمایا کہ ہم نے تمہاری ان بیویوں کو جن کے ہر قسم ادا کر چکے ہو، تمہارے لیے جائز ٹھہرایا۔ جائز ٹھہرایا، کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی پہلو سے ان کو حورست لائق ہو گئی تھی، وہ دور کردی گئی بلکہ یہ بات منافقین و عتر ضیہ کا منہ بند کرنے کے لیے فرمائی گئی ہے کہ وہ جو نژاد خانی چاہیں کرتے رہیں تم ان کی پروا نہ کرو۔ قرآن دلیل ہیں کہ یہ آیات شہہ میں نازل ہوئی ہیں۔ مکی زندگی سے لے کر مدینہ تک جو بیبات حضور کے عقد نکاح میں آئیں ان میں سے حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینب بنت خزیمہؓ کا تو جیسا کہ اوپر اشارہ گزرا، انتقال ہو چکا تھا البتہ حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت سودہؓ اور حضرت ام سلمہؓ حیات تھیں۔ اور ان میں نیا اضافہ حضرت زینب بنت جحشؓ کا ہوا تھا۔ گویا ان سب کے باب میں ارشاد ہوا کہ اللہ نے ان کو تمہارے لیے جائز کیا۔ اَتَيْتُ اَجُورَہُنَّ کے الفاظ سے ان کا تعارف اس لیے فرمایا ہے کہ اس کے بعد ان خواتین کا ذکر آ رہا ہے جو بطریقے آپ کو حاصل ہوں۔ ان الفاظ نے آپ کی ان ازواج مطہرات کو ان سے فی الجملہ ممتاز کر دیا اس لیے کہ ملوکات کے معاملے میں مہر کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔

بطریقے  
مائل شدہ  
خواتین حکم

’وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ‘ مِمَّا آتَاكَ اللَّهُ عَيْدُكَ یعنی غنیمت کی راہ سے آپ کو جو ملک میں حاصل ہوں ان کو بھی اللہ نے آپ کے لیے جائز کیا۔ یہاں ’وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ‘ کے بعد ’مِمَّا آتَاكَ اللَّهُ عَيْدُكَ‘ کے الفاظ خاص طور پر نگاہ میں رکھنے کے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عام لونڈیاں ملد نہیں ہیں بلکہ جنگ و جہاد میں جو عورتیں قید ہو کر آئیں وہ مراد ہیں۔ ان اسیرات میں لبا اوقات شریف خاندانوں اور سرداروں کی بہوئیں اور بیٹیاں بھی ہوتی تھیں۔ ان کے ساتھ فی الجملہ امتیازی سلوک کی روایت زمانہ مجاہدیت میں بھی تھی اور اسلام نے بھی اس کو باقی رکھا چنانچہ اس طرح کی عورتیں تقسیم کے وقت عموماً سرداروں ہی کو دی جاتی تھیں۔ حضرت جریرؓ اور حضرت صفیہؓ اسی طریقہ سے علی المرتضیٰؓ غزوہ بنی مطلق اور غزوہ خیبر کے موقع پر حضور کے حصہ میں آئیں۔ آپ ان کو لونڈیوں کی حیثیت سے بھی رکھ سکتے تھے لیکن آپ نے ان کی خاندانی و جاہت کا لحاظ فرمایا اور آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ یہ نکاح آپ نے اسی اجازت خاص کے تحت کیے جو اس آیت میں آپ کو دی گئی۔ اگر یہ اجازت آپ کو حاصل نہ ہوتی تو آپ ان دونوں بیبات کو لونڈیوں کی حیثیت سے تو رکھ سکتے تھے لیکن بیویوں کی حیثیت سے نہیں رکھ سکتے تھے اس لیے کہ اس صورت میں ازواج کی تعداد اسلام کے عام ضابطہ سے متجاوز ہو جاتی۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک قسم کی تنگی ہوتی جو آپ کے منصب کے اعتبار سے بعض اخلاقی و سیاسی مصالح میں مغل ہوتی اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس طرح کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دے دی۔ یہ دونوں نکاح بالترتیب شہہ اور شہہ میں ہوئے۔ اس طرح شہہ تک آپ کی ازواج کی تعداد سات ہو گئی۔

بیانات کی بنا پر ثابت ہو رہی

’وَكُنْتَ عَمَلُكَ وَبَنَتْ خَالِدُكَ وَبَنَتْ خَالِدُكَ الْبَنَاتِ حَاوُونَ مَعْلُومٌ یہ حضور کے



نہایت قریبی رشتہ کی خواتین کی تفصیل ہے کہ تمہارے چچا اور بھوپھیوں، ماماؤں اور خالاؤں کی بیٹیوں میں سے اگر کسی نے دین کی خاطر اپنے خویش و اقارب اور خاندان و قبیلہ کو چھوڑا اور تمہارے ساتھ ہجرت کی ہو اور تم اس قربانی کی تدروانی اور حوصلہ افزائی کے طور پر ان میں سے کسی کو اپنے عقد نکاح میں لینا چاہو تو لے سکتے ہو۔ حضرت زینبؓ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو نکاح کا حکم دیا اس میں جہاں جاہلیت کی ایک رسم بد کی اصلاح مد نظر تھی وہیں یہ بات بھی مد نظر تھی کہ وہ آپ کی بھوپھی کی لڑکی اور دین کی راہ میں اپنی قربانیوں کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلداری کی منتھی تھیں۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ کے ساتھ بھی آپ نے اسی اجازت کے تحت نکاح کیا۔ وہ آپ کے رشتہ کے چچا کی صاحبزادی تھیں اور دین کی راہ میں ان کی قربانیوں اور جانبازیوں کا جو مال تھا اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

نہیلی رشتوں میں اگرچہ حضورؐ کا کوئی نکاح ثابت نہیں لیکن ان کے اندر بھی اگر حضرت زینبؓ اور حضرت ام حبیبہؓ جیسی کوئی مثال موجود ہوتی تو اس آیت کے تحت آپ اس رشتہ کے اندر بھی نکاح کر سکتے تھے۔

’مَا مَرَأَةٌ مِّمَّنْ اِنْ قَضَيْتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَسْتَنْكِحَهَا‘ کسی خاتون کا اثبات نفس اپنے آپ کو کسی کے لیے ہمہ کردینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ہر حق سے دست بردار ہو کر اپنے پیسے اس کے حوالہ افزائی کے حوالہ کر دے اور حقوق زوجیت میں سے جو کچھ وہ بخش دے وہ اس پر قانع و راضی رہے۔ یہ ایک انتہائی اثبات نفس کی صورت ہے جس کا جذبہ، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محض شرف نسبت حاصل کرنے کے لیے متعدد صحابیات کے اندر موجود تھا اور انہوں نے حضورؐ سے اس کا اظہار بھی کیا۔ حضورؐ کی گھر بیوزندگی ہر شخص کو معلوم ہے کہ فقر و فاقہ کی زندگی تھی۔ ادھر آپ پڑھ آئے ہیں کہ امہات المومنین کی غریبانہ زندگی ہی کی بنا پر منافقات ان کے اندر دوسوہ اندازی کرتی رہتی تھیں کہ اگر وہ طلاق حاصل کر لیں تو وقت کے بڑے بڑے سرداران کو نکاح کے پیغام دیں گے اور ان کی یہ فقر و فاقہ کی زندگی عیش و عشرت کی زندگی سے بدل جائے گی۔ اس طرح کی غریبانہ زندگی کے لیے ظاہر ہے کہ کوئی عورت دنیا کی کوئی طمع بیش نظر رکھ کر یہ بازی نہیں کھیل سکتی تھی کہ وہ اپنے آپ کو ہمہ کر دے! یہ قربانی تو وہی خواتین کر سکتی تھیں جن کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عقیدت و فدویت کا ایسا جذبہ ہو کہ وہ حضورؐ کی خدمت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے اپنی زندگی کا ہر ارمان قربان کر دینے کے لیے تیار ہوں۔ یہ جذبہ ایک نہایت پاکیزہ اور پاکیزہ تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کا لحاظ فرمایا اور حضورؐ کو یہ اجازت دی کہ اگر کوئی مومنہ اپنے آپ کو اس طرح ہمہ کر دے اور حضورؐ اس کو اپنے عقد نکاح میں لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَسْتَنْكِحَهَا کی قید سے یہ بات نکلتی ہے کہ ہر چند یہ جذبہ نہایت محمود اور پاکیزہ ہے لیکن اس کی حوصلہ افزائی



پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زیادہ ممکن نہیں ہے اس وجہ سے یہ معاملہ کلیتہً آپ کی صوابدید پر منحصر ہے کہ کسی کی اس طرح کی پیشکش کو آپ قبول کریں یا نہ کریں۔ اور پر ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ اس طرح کی صرف ایک پیشکش، حضرت میمونہؓ کی آپ نے قبول فرمائی۔ یہ نکاح عمرۃ القضا کے موقع پر مشہور ہوا۔ اس کے بعد آپ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔

’خَايَصَةً لَّكَ مِنْ دُوتِ الْمُؤْمِنِينَ‘ یعنی یہ چار سے زیادہ بیویوں کی اجازت خاص تھا کہ لیے ہے دوسرے مسلمانوں کے لیے اس کی اجازت نہیں ہے۔

’قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنُ عَلَيْكَ حَرْجٌ‘  
یہ سورہ نسا کی آیت ۳ کی طرف اشارہ ہے جس میں مسلمانوں کو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتے۔ فرمایا کہ ہم نے عام مسلمانوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے باب میں جو کچھ فرض کیا ہے وہ ہمارے پیش نظر ہے۔ اس کے باوجود ہم تم کو یہ خاص اجازت اس لیے دے رہے ہیں کہ تم پر اس باب میں کوئی تنگی باقی نہ رہے یعنی اللہ نے جن دینی و ملی مصالح کی خاطر یہ اجازت آپ کو عطا فرمائی ہے ان مصالح کو آپ بغیر کسی رحمت کے پورا کر سکیں۔ ان مصالح کی طرف ہم اوپر اشارہ کرتے آئے ہیں۔  
’كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا‘ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگرچہ اس اجازت نے آپ کے اوپر حقوق و فرائض سے متعلق بہت بھاری ذمہ داریاں عائد کر دی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، وہ ان تقصیرات سے درگزر فرماتا ہے جو بلا قصد واردہ صادر ہو جائیں کرتی ہیں۔

اس آیت کے متعلق بعض روایات کی بنا پر لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ حضور کے تمام نکاحوں کے بعد نازل ہوئی اور اس کے ذریعہ سے گویا آپ کو میرا طمینان دلا دیا گیا کہ آپ نے جتنے نکاح کیے سب جائز ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے۔

پہلی قابل توجہ بات یہ ہے کہ تنجید ازواج کا صریح حکم نازل ہو جانے کے بعد حضور کے لیے یہ ممکن کس طرح تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر آپ کوئی نکاح اس ضابطہ کے خلاف کرتے۔ آپ کے شایان شان بات تو یہ تھی کہ آپ اس حکم پر سب سے بڑھ کر عمل کرنے والے بنتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اتنی ہی بات کہنی تھی کہ آپ کے سب نکاح جائز ہیں تو یہ رشتوں اور عورتوں کی اقسام کی تفصیل کی کیا ضرورت تھی۔ پھر تو یہ مختصر سا فقرہ بالکل کافی ہوتا کہ اب تک آپ نے جتنے نکاح کیے سب اللہ نے جائز کر دیے۔ اس پر کسی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔

بہر حال یہ رائے نہایت کمزور ہے۔ ہمارے نزدیک اصل صورت واقعہ وہی ہے جس کی طرف ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں کہ جس وقت تنجید ازواج والی آیت نازل ہوئی ہے اس وقت تو آپ کے نکاح میں چار ہی بیویاں تھیں، اس وجہ سے کسی کو طلاق دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا، البتہ بعد میں جب آپ نے



حضرت زینبؓ سے نکاح کیا تو یہ چیز معتزنین کے لیے وجہ اعتراض بنی ہوگی اور اس اعتراض سے دوسرے نیک نیت لوگوں کے اندر بھی شبہات پیدا ہونے کا امکان تھا۔ اس امکان کے سدباب کے لیے اللہ تعالیٰ نے نہایت تفصیل سے واضح فرمادیا کہ حضرت زینبؓ سے نکاح اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے کرایا ہے اور اس معاملے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عام مسلمانوں سے الگ ضابطہ ہے۔ وہ فلاں فلاں اقسام کی خواتین سے آئندہ بھی نکاح کر سکتے ہیں۔ اس طرح حضرت زینبؓ کے نکاح کو بھی جائز فرمادیا اور آئندہ کے لیے ایک ضابطہ بھی مقرر کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ ہمارے نزدیک یہ آیت سہ ماہی حضرت زینبؓ کے نکاح کے بعد نازل ہوئی ہے۔

تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤَيِّ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ ۚ وَمِنْ ابْتِغَاءِ مَنِّ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ تَقْرَأَ عَيْنَهُنَّ ۚ وَلَا يُحِزْنَ ۚ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلَّهُنَّ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا (۱۵۱)

اوپر تفصیل سے یہ بات گزر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ سارے نکاح املا مصلحتِ حق و جنت کے لیے تھے اس وجہ سے جس طرح ازواج کی تعداد کے معاملے میں آپ کو عام ضابطہ سے مستثنیٰ رکھا اسی طرح حقوقِ زوجیت کے معاملے میں بھی آپ کو آزادی دے دی کہ یہ چیز تمام تر آپ کی صوابدید پر ہے۔ آپ جس کو چاہیں اپنے پاس بلائیں، جس کو چاہیں نہ بلائیں۔ اگرچہ بیویوں کے درمیان عدل کا معاملہ بڑی اہمیت رکھنے والا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پابندی سے بھی آزاد کر دیا اور اس کی دو وجہیں تھیں۔ اول تو وہی جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاحوں میں نکاح کے عام مقصد کی حیثیت بالکل منہی اور ثانوی تھی۔ اصل مقصد دین تھا اور اس مقصد کے لیے ان حدود و قیود کی پابندی کی ضرورت نہیں ہے جو عام میاں بیوی کے لیے مقرر ہیں۔

دوسری یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ اندیشہ نہیں تھا کہ آپ اس آزادی سے کوئی غلط فائدہ اٹھائیں گے۔ چنانچہ آپ کے تمام سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ اس آزادی کے باوجود آپ نے اپنے اوپر عدل کی پوری پابندی قائم رکھی اور آخر عمر تک کبھی اس کی خلاف ورزی نہیں کی۔

وَمِنْ ابْتِغَاءِ مَنِّ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۚ یعنی آپ کو اس کی بھی اجازت ہے کہ آپ اپنی ازواج میں سے کسی کو چاہیں تو ازواجِ حبی تعلق سے بالکل معزول رکھنے کے بعد پھر ان سے تعلق کو بحال کر لیں۔ اس معاملے میں بھی نہ آپ پر کوئی پابندی ہے اور نہ آپ کی ازواج میں سے کسی کو اس پر اعتراض کا حق ہوگا۔

ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ تَقْرَأَ عَيْنَهُنَّ ۚ وَلَا يُحِزْنَ ۚ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلَّهُنَّ ۚ یہ ازواجِ مطہرات کو تشویق و ازواجِ نبیؐ ترغیب ہے کہ وہ اپنے اوپر پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تعلق کو عام میاں بیوی کے تعلق کی کسوٹی پر نہ پرکھیں۔ کو تشویش



بلکہ پیغمبر کی اصل ذمہ داری اور اپنی اصل حیثیت کو سامنے رکھ کر جانچیں۔ اصل چیز زاویہ نگاہ ہے۔ اگر اس میں تبدیلی ہو جائے گی اور وہ یہ سمجھ جائیں گی کہ پیغمبر کے ساتھ ان کا اصل تعلق صرف میاں بیوی کا نہیں بلکہ خدمت دین کا ہے تو پھر حقوق کے معاملے میں نہ باہم ازدواج میں کوئی رقابت ہوگی اور نہ پیغمبر ہی سے کوئی گلہ و شکوہ رہے گا بلکہ اپنے مصروف لمحات میں سے پیغمبر جو کچھ جس کو بخش دیں گے وہ اسی پر قناعت کریں گی۔ زاویہ نگاہ کی تبدیلی کے بعد دینی خدمت کے اعتبار سے جس کا مرتبہ بلند ہوگا اس کی تدرج جس طرح نبی کی نظروں میں ہوگی اسی طرح آپ کی ازدواج کی نگاہوں میں بھی ہوگی اور باہمی رشک و رقابت کی تمام تمنیاں کا فرہ ہو جائیں گی۔

”قَالَ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا“ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازدواج کو یاد دہانی ہے کہ ہر ایک کو یہ حقیقت مستحضر رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں سے بھی واقف ہے لیکن وہ واقف ہونے کے ساتھ حلیم اور بردبار بھی ہے اس وجہ سے وہ درگزر بھی فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس علم و حکم کو مستحضر رکھنے ہی سے خدا کی خشیت اور اس کے غم کو دو صحیح تصور انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے جو امید و بیم دونوں کے اندر توازن پیدا کر کے انسان کی زندگی کو صحیح منہاج پر قائم رکھتا ہے۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا (۵۲)

ذکورہ بالا اصناف کی خواتین کے سوا دوسری تمام عورتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حرام کر دی گئیں۔ ابن کثیر نے ایک پرے گروہ کی، جس میں ابی بن کعب، مجاہد، عکرمہ، ضحاک، البوزرین، ابو صالح، حسن، قتادہ اور سمری رحمہم اللہ جیسے اکابر تفسیر شامل ہیں، یہ رائے نقل کی ہے کہ ”وَمَا سَوَى ذَلِكَ مِنْ اصْنَافِ النِّسَاءِ فَلَا يَحِلُّ لَكَ“ (اور ان کے سوا دوسری اقسام کی جو خواتین ہیں وہ تمہارے لیے جائز نہیں ہیں) گویا آنحضرت کے لیے ایک خاص دائرہ جو آیت ۵۰ میں مذکور ہے، مخصوص کر دیا گیا اس سے باہر کوئی نکاح آپ نہیں کر سکتے تھے۔

”وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ“ اور اس کی اجازت بھی آپ کو نہیں تھی کہ اپنی ان ازدواج میں سے کسی کو الگ کر کے ان کی جگہ دوسری بیوی آپ لائیں، اگرچہ وہ آپ کی نظروں میں کتنی ہی پسندیدہ ہوں۔ اس کے بعد صرف ملک یمن کی اجازت باقی رہ گئی چنانچہ اسی اجازت کے تحت حضرت ماریہؓ آپ کے قبضہ میں آئیں جن کے بطن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی ولادت ہوئی۔

”وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا“ یہ آیت ظاہر ہے کہ بطور تذکر و تنبیہ ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مخاطب یہاں حضور ہیں۔ اوپر والی آیت میں آپ نے دیکھا کہ اسی نوع کی تذکیر ازدواج مطہرات کو کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں ہر ایک مسئول ہے اور جو جتنا ہی بڑا ہے اتنا ہی زیادہ مسئول ہے۔ اس



وجہ سے ہر ایک کے لیے ضروری ہوا کہ خدا کے مواخذہ سے پہلے اپنا محاسبہ کرتا رہے اور یہ اس یقین کے ساتھ محاسبہ کرتا رہے کہ اس کی زندگی کا کوئی گوشہ بھی خدا کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔

اس آزادی اور اس پابندی پر، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور ہر کی آیات میں بیان ہوئی ہے، غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ ازواج کے معاملے میں چار کی قید سے آزاد کر دیا گیا لیکن دوسری طرف آپ پر جو پابندیاں عائد کر دی گئیں وہ ایسی ہیں کہ نکاح و طلاق دونوں ہی کے معاملے میں حضور دوسرے مسلمانوں کے مقابل میں کہیں زیادہ پابند تھے۔

ایک عام مسلمان کو تو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ چار کی حد کو ملحوظ رکھتے ہوئے محرمات کے دائرے سے باہر، جس عورت سے چاہے نکاح کرے اور اپنی منکوحات میں سے جس کو چاہے طلاق دے کر اس کی جگہ کوئی دوسری بیوی اپنی پسند کی بیاہ لائے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آزادی حاصل نہیں تھی۔ آپ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد اگر نکاح کر سکتے تھے تو صرف تین قسم کی عورتوں سے۔

- اپنے نہایت قریبی رشتہ کی کسی ایسی خاتون سے جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو۔
- کسی جہاد کے نتیجہ میں بطور غنیمت حاصل شدہ کسی خاتون سے۔
- کسی ایسی خاتون سے جو اپنے آپ کو حضور کو ہبہ کر دیں اور حضور ان سے نکاح کرنا پسند فرمائیں۔

اس دائرے سے باہر نہ آپ کوئی نکاح کر سکتے تھے اور نہ ان ازواج میں، مجرد پسند و ناپسند کی بنا پر کوئی رد و بدل فرما سکتے تھے۔ یہ اجازت جن دینی مصالح کی بنا پر آپ کو دی گئی ان کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

## ۱۱۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۵۳-۶۲

آگے منافقین کی ریشہ دوانیوں اور ایذا رسانیوں کے سبب باب کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو بھی اور عام مسلمانوں کی بہوؤں بیٹیوں کو بھی پردے سے متعلق بعض ہدایات دی گئی ہیں۔ کچھ احکام سورہ نور میں بھی پردے سے متعلق بیان ہو چکے ہیں۔ اس سورہ میں اس باب کی تکمیل کر دی گئی ہے تاکہ اشرار و منافقین کی دراندازی کے لیے کوئی رخ نہ باقی نہ رہے۔ آخر میں منافقین کو یہ دھمکی دی گئی ہے کہ اگر اب بھی وہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو ان کے بائے میں ایسے احکام دے دیے جائیں گے کہ ان کے لیے اس سرزمین میں سر چھپانا ناممکن ہو جائے گا۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ  
لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرِ نَبْظٍ إِنَّهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا



فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مَسْتَأْذِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ  
 يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا  
 سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ  
 لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ  
 تُنْكِحُوا زَوَاجَهُ مِنْ بَعْدِ إِبْدَائِهِ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ  
 عَظِيمًا ٥٣ إِنْ تَبَدُّوا شَيْئًا أَوْ تَخَفُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ  
 عَلِيمًا ٥٤ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ  
 وَلَا أَبْنَاءَ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءَ أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ وَلَا مَا  
 مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ وَالتَّقِيُّنَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ  
 شَهِيدًا ٥٥ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ  
 آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ٥٦ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ  
 وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا  
 مُهِينًا ٥٧ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغْيًا ظَالِمًا  
 فَعَدَا حَتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا ٥٨ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ  
 لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ  
 جَلَاسِيئِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذِينَ وَكَانَ اللَّهُ  
 غَفُورًا رَحِيمًا ٥٩ لَيْسَ لِمَنْ يَنْتَهِي الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ  
 مَرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ



فِيهَا الْأَقْلِيلَ ۖ ۞ مَلْعُونِينَ ۖ أَيُّهَا ثِقُفُوا اخذُوا وَقْتَكُمْ سَاعَةً  
تَقْتِيلًا ۖ ۞ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ  
لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ ۞

الربع

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ داخل ہو مگر یہ کہ تم کو کسی کھانے پر آنے کی اجازت  
دی جائے۔ نہ انتظار کرتے ہوئے کھانے کی تیاری کا۔ ہاں جب تم کو بلا یا جائے تو داخل ہو،  
پھر جب کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں لگے ہوئے بیٹھے نہ رہو۔ یہ باتیں نبی کے لیے  
باعث اذیت تھیں لیکن وہ تمہارا لحاظ کرتے تھے اور اللہ حق کے اظہار میں کسی کا لحاظ  
نہیں کرتا۔ اور جب تم کو ازواج نبی سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگو، یہ طریقہ  
تمہارے دلوں کے لیے بھی زیادہ پاکیزہ ہے اور ان کے دلوں کے لیے بھی اور تمہارے  
لیے جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم اس کی بیویوں سے  
بھی اس کے بعد نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑی سنگین باتیں ہیں۔ تم کسی چیز کو ظاہر کرو  
خواہ چھپاؤ، اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ ۵۲-۵۴

ان پر ان کے باپوں کے معاملے میں کوئی گناہ نہیں ہے اور نہ ان کے بیٹوں کے  
بارے میں اور نہ ان کے بھائیوں کے بارے میں اور نہ ان کے بھتیجوں کے بارے میں اور نہ  
ان کے بھانجوں کے بارے میں اور نہ اپنے میل کی عورتوں کے بارے میں اور نہ ان کی لونڈیوں  
کے باب میں ہی اور اللہ سے ڈرتی رہو۔ بے شک اللہ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے۔ ۵۵

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اس  
پر درود و سلام بھیجو اچھی طرح۔ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں



اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت کی اور ان کے لیے اس نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ مومنین اور مومنات کو ان چیزوں کے باب میں ایذا دیتے ہیں جن کا انھوں نے ارتکاب نہیں کیا انھوں نے اپنے سر صریح بہتان اور گناہ کا بار لیا۔ ۵۶-۵۸

اے نبی! اپنی بیویوں، اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو ہدایت کر دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی بڑی چادروں کے گھونگٹ لٹکا لیا کریں۔ یہ اس بات کے قرین ہے کہ ان کا امتیاز ہو جائے پس ان کو کوئی ایذا نہ پہنچائی جائے۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔ ۵۹

یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روک ہے اور جو مدینہ میں سنسنی پھیلانے والے ہیں اگر باز نہ رہے تو ہم تم کو ان پر اکسا دیں گے، پھر وہ تمھارے ساتھ رہنے کا بہت ہی کم موقع پائیں گے۔ ان پر پھٹکار ہوگی، جہاں ملیں گے پکڑے جائیں گے اور بے دریغ قتل کیے جائیں گے۔ یہی اللہ کی سنت رہی ہے ان لوگوں کے بارے میں جو پہلے ہو گزرے ہیں اور تم اللہ کی سنت میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ ۶۰-۶۲

## ۱۲۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرِ نَبِيٍّ رَاتِهٖ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مَسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذَى السَّبِيحَ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ ذُو اللَّهِ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْغَيْبِ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَلُّوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِرُوا آيَاتِهِ مِنْ بَعْدِ مَا أَبَدَّ آيَاتٍ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا (۵۳)

مسلمانوں کے لیے ایک دوسرے کے گھروں میں آنے جانے سے متعلق ضروری آداب سورہ نور میں بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں سے متعلق انہی آداب کی مزید وضاحت ہو رہی ہے اور اس وضاحت مزید کی ضرورت انہی منافقین کی وجہ سے پیش آئی جن کا رویہ اس سورہ میں زیر بحث ہے۔







میں مغمم ہے۔ یعنی صرف اس صورت میں جانا چاہیے جب بلایا جائے، بن بلائے مہمان بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ وَلَا تَأْنِسِينَ بِغَدِثٍ أَلَكُلٍ اسی طرح کی ہدایت ہے جس طرح کی ہدایت اِدْرِغْتَ فِیْهِ نَافِلًا دالے ٹکڑے میں دی گئی ہے۔ یعنی جس طرح یہ بات ناپسندیدہ ہے کہ کھانے کی تیاری کے انتظار میں پہلے سے جا بیٹھو اسی طرح یہ بات بھی ناپسندیدہ ہے کہ کھانا کھا چکنے کے بعد کسی بات میں لگس کر دیں جیسے رہو۔ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَعِیْ بِكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَعِیْ بِمَنْ اَلَقَ ذٰلِكُمْ سے اشارہ ان ساری ہی باتوں کی طرف ہے جو اوپر مذکور ہوئیں۔ فرمایا کہ یہ باتیں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے باعثِ رحمت و اذیت تھیں لیکن وہ شرم و لحاظ کے سبب سے تم کو ٹوکتے نہیں تھے لیکن اللہ کو حق کے معاملے میں کسی کا لحاظ نہیں ہے اس وجہ سے وہ تم کو ان باتوں سے آگاہ فرما رہا ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کسی کمزوری کا ذکر نہیں فرمایا ہے بلکہ آپ کی ایک پسندیدہ خصلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ آپ نہایت کریم النفس و ذی مروت ہیں اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان غلطیوں پر متنبہ فرما دیا ہے اور لحاظ و مروت کو بالائے طاق رکھ کے نبی کو بھی ان کا اعلان کرنا ضروری ہوا۔

دل کی صحت

کے لیے اہتمام

وَ اِذَا مَا لَأْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَلُّوهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ضمیر کا مرجع ازواجِ نبی (رضی اللہ عنہم) ہیں۔ اوپر بیوٹِ انبی کی ذکر ہو چکا ہے اس وجہ سے ازواجِ نبی (رضی اللہ عنہم) کے ذکر کے لیے نہایت واضح قرینہ موجود تھا۔ فرمایا کہ اگر کسی کو ان سے کوئی چیز مانگنے کی ضرورت پیش آئے تو یہ نہ کہے کہ دندنا تا ہوا ان کے سامنے چلا جائے بلکہ پردے کی اوٹ سے مانگے ذٰلِكُمْ اَخْبَرُ يَقْضُوْكُمْ وُقُوتِهِمْ (یہی طریقہ تمہارے دلوں کو بھی زیادہ پاکیزہ رکھنے والا ہے اور ان کے دلوں کو بھی) یہ ایک دفع و غل متقدر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بظاہر یہ بات ایک غیر ضروری تکلف محسوس ہوتی ہے کہ کسی کو ان سے ایک گلاس پانی مانگنے کی بھی ضرورت پیش آئے تو اس کے لیے بھی پردہ کا اہتمام کرے لیکن یہ کوئی تکلف نہیں بلکہ دل کو آفات سے محفوظ رکھنے کی ایک نہایت ضروری تدبیر ہے۔ انسان کا دل جس نے بنایا ہے وہ اس کی کمزوریوں سے اچھی طرح واقف ہے، وہ جانتا ہے کہ کن کن مخفی راستوں سے یہ دل برے اثرات قبول کرتا ہے اور دل ہی وہ چیز ہے جس پر انسان کی تمام اخلاقی صحت کا انحصار ہے اس وجہ سے ضروری ہے کہ جن کو اپنے دل کی صحت مطلوب ہو وہ اس کو ان تمام چیزوں سے محفوظ رکھیں جو اس کو غبار آلود کر سکتی ہیں۔ اس زمانے کے مدعیانِ تہذیب اپنے کپڑوں کی صفائی کا تو بڑا اہتمام رکھتے ہیں۔ مجال نہیں ہے کہ ان پر ایک ٹسکن یا ایک دھبہ بھی پڑنے دیں لیکن ان کے دل جس گندگی سے بھی لت پت رہیں ان کی انھیں کوئی پروا نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اخلاقی و روحانی صحت کی ان کے ہاں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ حالانکہ اصلی اہمیت رکھنے والی چیز یہی ہے۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسی حقیقت کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے: مُضْغَةٌ فِی الْجَسَدِ اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ (القلب) انسان کے جسم میں ایک ٹکڑا گوشت کا ہے، اگر وہ ندرست ہے تو سارا جسم ندرست



ہے اور جب اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے، آگاہ ہو کر سن لو کہ وہ دل ہے! انسان کے جسم میں جو چیزیں جتنی ہی نازک اور قدر و قیمت رکھنے والی ہیں اتنی ہی زیادہ ان کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ دل سب سے زیادہ قدر و قیمت رکھنے والا اور سب سے زیادہ حساس ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا سب سے زیادہ اہتمام فرمایا۔

’وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِحُوا زَوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا‘ منافقین کو فرمایا کہ تمھارے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ اپنی اس قسم کی حرکتوں سے، جو اوپر بیان ہوئیں، اللہ کے رسول کو اذیت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد کبھی بھی ان کی ازواج سے نکاح کرو۔

اس ٹکڑے نے تدریجی انکشاف کے اصول پر ان لوگوں کے چہروں سے نقاب اٹھا دی جن کو پیش نظر رکھ کر یہ احکام دیے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ منافقین ہی تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے کے لیے اس طرح کی حرکتیں کرتے تھے اور وہی تھے جو اپنے دلوں میں یہ ارمان بھی رکھتے تھے کہ آپ کی ازواج سے نکاح کریں تاکہ اس کو اللہ اور رسول کے خلاف فتنہ انگیزوں کا ذریعہ بنائیں۔ اس آیت کا انداز، تنبیہ کا ہے اس وجہ سے اس میں حضور کا ذکر رسول اللہ کے لفظ سے ہوا ہے حالانکہ اوپر کی آیات میں بار بار آپ کا ذکر نبی کے لفظ سے ہوا ہے۔ اس کی وجہ اس تنبیہ کی شدت کو ظاہر کرنا ہے۔ اس لیے کہ رسول، جیسا کہ ہم اس کتاب میں بار بار واضح کر چکے ہیں، اپنی قوم کے لیے خدا کی عدالت ہوتا ہے۔ وہ جب آتا ہے تو مہر و عطا سنانے کے لیے نہیں آتا، بلکہ قوم کے نیکیوں اور بدوں کے درمیان فیصلہ کر دینے کے لیے آتا ہے۔ اس وجہ سے اس کے ساتھ مذاق یا اس کو اذیت پہنچانا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ یہ کھیل کھیل رہے ہیں وہ آگ سے کھیل رہے ہیں۔ اس کے اس انجام کو وہ سامنے رکھیں۔

’وَلَا أَنْ تُنْكِحُوا زَوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا‘ یہ ان کے اس ارمان پر بھی آخری ضرب لگا دی ہے جو ازواجِ نبی (رضی اللہ عنہم) سے نکاح کے لیے وہ اپنے دلوں میں رکھتے تھے۔ فرمایا کہ تمھارے لیے یہ بات بھی جائز نہیں ہے کہ تم نبی کی بیویوں سے آج یا کبھی بھی نکاح کرو۔ اوپر آیت ۶ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی حیثیت امت کی ماؤں کی ہے اور ان کے ساتھ تعلق کی یہی نوعیت فطری بھی ہے اور عقلی بھی۔ فطری اس وجہ سے کہ حضور کی ازواج کے لیے ہر امتی کے دل کے اندر اگر اس کے اندر ایمان کی رمتی ہے، احترام و عقیدت کا جذبہ اپنی ماں کے مقابل میں بھی بدرجہا زیادہ ہوتا ہے۔ اس جذبے کے ہوتے کوئی امتی ان کے ساتھ نکاح کے تصور کو اپنی ماں کے ساتھ نکاح کے تصور سے بھی بدرجہا گراں اور فہم انگیز محسوس کرتا ہے۔ اگر کسی کے اندر ان کے ساتھ نکاح کا جذبہ ابھرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے ایمان میں فتور اور اس کی فطرت میں بگاڑ پیدا ہو چکا ہے۔

عقلی اس وجہ سے کہ ازواجِ نبی (رضی اللہ عنہم) کی حیثیت، جیسا کہ آیت ۳۴ میں گزر چکا ہے، اس



## ایک تنبیہ

یہ بھی تنبیہ ہے جو اوپر والی تنبیہ کو مزید نوکدار کر رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا چونکہ دلوں کے بھید سے بھی واقف ہے اس وجہ سے اس سے کوئی بات چھپائی نہیں جاسکے گی۔ اس دنیا میں تو اپنی کسی نازیبا سے نازیبا حرکت کے لیے بھی نہایت جبین غدر تراشے جاسکتے ہیں لیکن یہ عزرات خدا کے ہاں نہیں کام آئیں گے۔ وہ دلوں کے مخفی کھوٹ بھی سب کے سامنے رکھ دے گا۔

ان لوگوں کا ذکر جن کے لیے میں الفاظ بھی اکثر مشترک ہیں۔ اوپر والی آیت میں ازواجِ نبی درمنی اللہ عنہم کے گھروں میں دوسروں کے داخل ہونے پر جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں، ان پابندیوں سے جو لوگ مستثنیٰ ہیں یہ ان کی تفصیل ہے۔ خاصاً ہم رشتہوں کا ذکر کر دیا ہے اور مقصود یہ ہے کہ جو رشتہ دار ان کے حکم میں داخل ہیں وہ سب اس پابندی سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کے اوپر صرف وہی پابندیاں ہوں گی جو سورہ نور میں مذکور ہوئی ہیں۔

’وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا اللَّهَ مَثَلًا لَّيْسَ بِهِ شَيْءٌ ۚ يَاجِزُّونَ ۚ‘ یہ آخر میں ازواجِ نبیؐ کو بھی اسی طرح کی تنبیہ ہے جس طرح کی تنبیہات دوسروں کے لیے اور پر گزر چکی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان احکام و ہدایات کی صرف خانہ پُری مقصود نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ ان کی تعمیل پوری خدا ترسی اور تقویٰ کے ساتھ کی جائے اور یہ حقیقت ہمیشہ دل میں مستحضر رہے کہ اللہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ کوئی جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں انسان خدا سے چھپ سکتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (٥٦)



نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا و آزار پہنچانے کے بجائے اہل ایمان کو حضور کے معاملے میں جو رویہ درود کی اختیار کرنا چاہیے، یہ اس کی ہدایت ہے۔ فرمایا کہ اللہ اپنے نبی پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اہل ایمان کے لیے بھی صحیح روش، خدا اور اس کے فرشتوں سے ہم آہنگ و ہم رنگ، یہی ہے کہ وہ بھی نبی پر زیادہ سے زیادہ درود و سلام بھیجیں نہ کہ اس کو ایذا پہنچانے کی تدبیریں سوچیں۔

اس آیت سے کئی حقیقتیں سامنے آتی ہیں جو نگاہ میں رکھنے کی ہیں۔

ایک یہ کہ جس نبی کا مرتبہ اللہ اور اس کے فرشتوں کی نظروں میں یہ ہے کہ اللہ اس پر رحمت نازل فرماتا ہے اور فرشتے اس پر رحمت کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں، حیف ہے اگر انسانوں میں سے کچھ لوگ اس کے درپے آزار ہوں در آسنا لیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی احسان انسانوں ہی پر ہے نہ کہ خدا اور اس کے فرشتوں پر۔

دوسری یہ کہ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے ہیں وہ نبی صلعم پر کوئی احسان نہیں کرتے۔ بلکہ خدا اور اس کے فرشتوں کی ہم نوائی کر کے وہ اپنے کو سزاوار رحمت بنا لیتے ہیں۔ جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے جب آپ کو اللہ کی رحمت اور فرشتوں کی دعائیں حاصل ہیں تو وہ دوسروں کی دعاؤں کے محتاج نہیں ہیں۔

تیسری یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا مرضِ نفاق کا علاج ہے۔ اس لیے کہ یہاں جس محل میں اس کی ہدایت فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ منافقوں کی طرح نبی کو ایذا پہنچانے کے بجائے اہل ایمان کو نبی پر درود بھیجنا چاہیے۔ اس سے یہ بات واضح طور پر نکلتی ہے کہ جو لوگ درود کا اہتمام رکھتے ہیں ان کے اندر نفاق راہ نہیں پاتا۔

چوتھی یہ کہ مقصود درود و سلام کی تکثیر ہے۔ موقع و محل بھی اس مفہوم کا متقاضی ہے اور آیت کے الفاظ بھی اسی کے شاہد ہیں۔ اس لیے کہ *تَسْلِمُوا تَسْلِيمًا* میں مصدر تاکید و تکثیر کے مفہوم پر دلیل ہے اس وجہ سے ہم ان فقہاء کی رائے کو صحیح نہیں سمجھتے جو کہتے ہیں کہ اگر عمر بھر میں ایک مرتبہ بھی کوئی درود پڑھے تو اس آیت کا حق ادا ہو جائے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ  
عَذَابًا مُّهِينًا (۵)

یہ ان لوگوں کا انجام بیان فرمایا جو اللہ کے رسول کی دل آزاری اور توہین کے مرتکب ہو رہے رسول کو ایذا  
رکھتے۔ فرمایا کہ رسول کو ایذا پہنچانا خود اللہ کو ایذا پہنچانا ہے۔ رسول خدا کا محبوب اور اس کا نمائندہ  
پہنچانے والا  
ہوتا ہے اور خدا اور اس کے فرشتے اس پر رحمت بھیجتے ہیں تو جن کا رویہ اس کے خلاف ہو گا وہ لازماً  
کا انجام



خدا اور اس کے فرشتوں کے مخالف اور خدا کو ایذا پہنچانے والے ٹھہرے۔ ان کی اس حرکت کی پاداش میں ان پر دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ کی لعنت ہے۔ یہ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوں گے اور آخرت میں بھی ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار ہے۔ یہ امر یہاں خاص طور پر ملحوظ رہے کہ ان کو آخرت کے عذاب سے پہلے اس دنیا میں بھی عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ یہ اس سنت اللہ کی طرف اشارہ ہے جو رسولوں کے مخالفین کے لیے بیان ہو چکی ہے اس کی وضاحت آگے آیات ۶۰-۶۱ میں آرہی ہے یہ بعینہ وہی ستر ہے جو یہود کو دی گئی اور ان کا بھی اصلی جرم یہی تھا کہ انھوں نے اللہ کے رسولوں کو ایذا پہنچائی۔ اس کی مزید وضاحت ان شاء اللہ سورہ صف کی تفسیر میں آئے گی۔

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا ذَا اِثْمٍ مُّبِينٍ (۵۸)

اوپر کی آیات میں منافقین کا وہ رویہ زیر بحث آیا ہے جو انھوں نے خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اختیار کر رکھا تھا۔ اب یہ عام مومنین و مومنات کو متنبہ کرنے کے لیے جو ستر اتریں کر رہے تھے وہ ان کی طرف اشارہ ہے۔ سورہ نور کی تفسیر میں ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ ان منافقین کے دلوں پر یہ بات بہت شاق تھی کہ مسلمانوں کو دوسرے تمام گروہوں کے مقابل میں غیر معمولی اخلاقی برتری حاصل ہے جو ان کی دعوت کی مقبولیت میں بڑے اہم عامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ انھوں نے حسد کے جنون میں اس کا توڑیہ نکالا کہ مسلمان مردوں اور عورتوں کے خلاف بے سر و پا الزامات تراشیں اور لوگوں میں ان کو پھیلا دیں تاکہ مسلمانوں کی اخلاقی ساکھ مجروح اور ان کا کلیجہ ٹھنڈا ہو۔ واقعہ انک کی تفصیلات سورہ نور کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہیں۔ وہ قتل بھی اسی مقصد سے اٹھایا گیا تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی سعی نامراد کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جو لوگ مسلمان مردوں اور عورتوں کو جھوٹے الزامات میں ملوث کر رہے ہیں وہ صریح بہتان اور کھلے گناہ کے مرکب ہو رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی اس روش سے اگر یہ باز نہ آئے تو اس کا انجام دیکھیں گے!

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِئِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يَعْرِفْنَ فَلَآ يُوْذِيْنَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۵۹)

منافقین و اشراک ایذا رسانوں سے محفوظ کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کو بھی او عام مسلمان خواتین کو بھی یہ ہدایت کر دی گئی کہ جب انھیں کسی ضرورت سے گھروں سے باہر قدم نکالنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ اپنی بڑی چادروں کا کچھ حصہ اپنے چہروں پر لٹکا لیا کریں۔ اس طرح ان کے اور دوسری غیر مسلم عورتوں اور لونڈیوں کے درمیان امتیاز ہو جائے گا اور کسی کو ان سے تعرض کے لیے بہانہ ہاتھ نہیں آئے گا۔

سورہ نور میں، یاد ہوگا، اعتراف و اقرار سے متعلق یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب وہ اجازت کے بعد گھروں میں داخل ہوں گے تو گھر کی خواتین سمٹ سمٹ کر رہیں، اپنی زینت کی چیزوں کا اظہار نہ کریں اور اپنے

مسلمانوں کی  
اخلاقی ساکھ  
مجروح کرتے  
یہ منافقین  
کی ہم

گھروں سے  
باہر نکلنے کی  
صورت میں  
پردے کے  
آداب



سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بٹکل مار لیا کریں۔ یہاں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اپنی بڑی چادروں (جلباب) کا کچھ حصہ اپنے اوپر لٹکایا کریں۔ اس کو اپنے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان بڑی چادروں سے گھونگٹ نکال لیا کریں۔ یہ واضح قرینہ اس بات کا ہے کہ یہ ہدایت اس صورت سے متعلق ہے جب عورتوں کو کسی ضرورت سے باہر نکلنے کی ضرورت پیش آئے۔ اس قرینہ کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ اس کا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ 'ذَلِكَ اَدْنٰی اَنْ تُعْرِفَنَّ فَلَا يُوْذَنُ' یہ اس بات کے قرین ہے کہ ان کا امتیاز ہو جائے اور ان سے تعرض نہ کیا جائے (ظاہر ہے کہ یہ مقصد باہر نکلنے ہی کی صورت میں مد نظر ہو سکتا ہے۔ اس کا دوسرا واضح قرینہ یہ ہے کہ یہاں لفظ 'خمار' نہیں بلکہ 'جلباب' استعمال ہوا ہے۔ 'جلباب' کی تشریح اہل لغت نے یوں کی ہے کہ 'هو الرداء فوق الخمار'۔ 'جلباب' اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو اوڑھنی کے اوپر لی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس بڑی چادر کے لینے کی ضرورت گھروں کے اندر نہیں پیش آتی تھی بلکہ شرفائے عرب کی خواتین اس وقت اس کو لیتی تھیں جب انھیں گھروں سے باہر نکلنے کی ضرورت پیش آتی۔ شعرائے جاہلیت کے کلام سے یہ بات ثابت ہے کہ شرفائے عرب میں 'جلباب' کا رواج تھا۔ یہاں بہت سے اشعار نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ قبیلہ ہذیل کی ایک شاعرہ کا ایک شعر ہمارے دعوے کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ وہ اپنے کسی مقتول کے مرثیہ میں کہتی ہے :

تمشی السنور الیہ دہی لاهیة مشی العذاری علیہن الجلابیب

اس شعر میں جو نادر تشبیہ ہے اس پر گفتگو کا تو یہاں محل نہیں ہے، بات دوسرے گوشوں میں نکل جائے گی۔ بس اتنی بات یاد رکھیے کہ زمانہ جاہلیت میں سب 'متبجات' اور بیگات ہی نہیں تھیں بلکہ شرفاء کے خاندانوں کی بہوئیں بیٹیاں بھی تھیں جو باہر نکلنے کی صورت میں اپنی اوڑھنیوں کے اوپر 'جلباب' ڈالا کرتی تھیں۔ قرآن نے اس 'جلباب' سے متعلق یہ ہدایت فرمائی کہ مسلمان خواتین گھروں سے باہر نکلیں تو اس کا کچھ حصہ اپنے اوپر لٹکایا کریں تاکہ چہرہ بھی فی الجملہ ڈھک جائے اور انھیں چلنے پھرنے میں بھی زحمت پیش نہ آئے۔ یہی 'جلباب' ہے جو ہمارے دیہاتوں کی شریف بڑی بوڑھیوں میں اب بھی رائج ہے اور اسی نے فیشن کی ترقی سے اب برقع کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اس برقع کو اس زمانے کے لدا لگا تہذیب اگر تہذیب کے خلاف قرار دیتے ہیں تو دیں لیکن قرآن مجید میں اس کا حکم نہایت واضح الفاظ میں موجود ہے جس کا انکار صرف وہی بر خود لوگ کر سکتے ہیں جو خدا اور رسول سے زیادہ مہذب ہونے کے مدعی ہوں۔

مسلمان خواتین کے لیے ایک علامت امتیاز

'ذَلِكَ اَدْنٰی اَنْ تُعْرِفَنَّ فَلَا يُوْذَنُ' یہ مسلمان خواتین کے لیے ایک علامت امتیاز مقرر کر دی



گئی تاکہ جہاں کہیں بھی وہ نکلیں ہر شخص ان کو دور ہی سے پہچان لے کہ یہ مسلمان خواتین ہیں اور تعرض کی جرأت نہ کرے اور اگر کرے تو اس کے عواقب دوزخک سوچ کر کرے۔ اس زمانہ میں مدینہ میں غیر مسلم عورتیں بھی تھیں جن کے ہاں پردہ کی پابندیاں نہیں تھیں نیز لونڈیاں بھی تھیں جن کا معیار زندگی اور معیار اخلاق دونوں پست تھا اس وجہ سے شریکوں کے لیے عذر کے مواقع بہت تھے۔ اگر وہ کسی مسلمان عاتون پر راہ چلتے کوئی فقرہ چیت کرتے یا اس سے کوئی بات کرنے کی کوشش کرتے اور ان پر گرفت ہوتی تو وہ یہ جواب دے دیتے کہ ہم نے سمجھا کہ یہ فلاں کی لڑکی ہے، اور اس سے فلاں بات ہم نے معلوم کرنی چاہی تھی۔ اس علامت امتیاز کے قائم ہو جانے کے بعد اس قسم کے بہانوں کی راہ مسدود ہو گئی۔

ایک غلط فہمی

اس ٹکڑے سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ ایک وقتی تدبیر تھی جو ان شرار کے شر سے مسلمان خواتین کو محفوظ رکھنے کے لیے اختیار کی گئی اور اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اول تو احکام جتنے بھی نازل ہوئے ہیں سب محرکات کے تحت ہی نازل ہوئے ہیں لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ محرکات نہ ہوں تو وہ احکام کا عدم ہو جائیں، دوسرے یہ کہ جن حالات میں یہ حکم دیا گیا تھا کیا کوئی ذی ہوش یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس زمانے میں حالات کل کی نسبت ہزار درجہ زیادہ خراب ہیں الیہ حیا اور عفت کے وہ تصورات معدوم ہو گئے جن کی تعلیم قرآن نے دی تھی۔

وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا۔ یہ فقرہ اس حکم تہییل کے لیے ارشاد ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خواتین اپنی حد تک یہ احتیاط ملحوظ رکھیں۔ اگر اس کے باوجود کوئی بھول چوک ہو گئی تو اللہ غفور رحیم ہے۔

لَئِنْ تَمِيتْنَهُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الدِّينِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَادِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا مَلْعُونِينَ اَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ اِنَّمَا تُقْبَلُ الْاِحْزَانُ وَادْعُوا قَتْلًا (۶۰-۶۱)

منافقین کو

آخری تنبیہ

یہ ان شرار و منافقین کو دھمکی دی ہے کہ اگر یہ اپنی ان شرارتوں سے باز نہ آئے تو ان کے باب میں چشم پوشی و مسامحت کا جو رویہ اب تک رہا ہے وہ یکسر بدل جائے گا اور ہم تم کو (خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے) ہر قدم پر ان کے محاسبہ و تعاقب کا حکم دے دیں گے۔ پھر ان کو اس شہر میں بہت کم رہنا نصیب ہوگا۔ اس کے بعد جتنے دن بھی یہ یہاں جیئیں گے ملعون ہو کر زندگی گزاریں گے۔ ہر قدم پر ان کی دار و گیر ہوگی۔ یہ پکڑے جائیں گے اور نہایت عبرت انگیز طریقوں سے قتل ہوں گے۔

وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ میں 'مرض' سے، جیسا کہ دوسرے محل میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے، حسد، کینہ اور بغض و عناد مراد ہے۔ منافقین کا یہ کردہ صرف صنفِ عزم و ارادہ ہی کا مریض نہیں تھا بلکہ اس کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام اور مسلمانوں پر سخت حسد تھا۔ لیکن بزدلی کے سبب سے اس نے کفار کی طرح کھلم کھلا منافقت کرنے کے بجائے مسلمانوں کے اندر گھس کر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کیں۔



‘الْمُرْجُفُونَ فِي الْمَدِينَةِ’ سے اشارہ منافقین کے اس گروہ کی طرف ہے جو مدینہ میں سنسنی پھیلانے اور بُری افواہیں اڑانے میں نہایت شاطر تھا۔ ان افواہوں سے اس کا مقصد مسلمانوں کا حوصلہ پست کرنا اور ان کی اخلاقی ساکھ کو گرانا ہوتا تھا۔ پیچھے جنگِ احزاب اور حضرت زید و حضرت زینبؓ کے معاملے میں اس گروہ کا جو کردار بیان ہوا ہے وہ اس ارجاف کی نہایت واضح مثال ہے۔ لغت میں ارجاف، کے معنی لوگوں کے اندر اضطراب و بے چینی پھیلانے کے ارادے سے بُری اور فتنہ انگیز خبروں کا پروپیگنڈا کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ارجاف کے ماہرین صرف اسی دور کی پیداوار نہیں ہیں بلکہ اس کے بڑے بڑے ائمہ ماضی میں بھی گزر چکے ہیں۔

‘لَنُغَيِّرَنَّ بِهِنَّ’ کے لغوی معنی تو یہ ہوں گے کہ ہم تم کو ان کے خلاف اکسا دیں گے، بھڑکا دیں گے، ابھار دیں گے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اب تک تو ہم نے تم کو ان کے معاملے میں عفو و صفح کی روش اختیار کرنے کی ہدایت کر رکھی ہے لیکن یہ اس کی قدر کرنے کے بجائے دن پر دن دیر ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر یہ اپنی اس شرارت سے باز نہ آئے تو ہم تم کو ان کی دار و گیر کے احکام دے دیں گے جس کے بعد مدینہ کی سرزمین ان کے لیے تنگ ہو جائے گی۔ اول تو ان کو تھامے دامن امن میں پھرنے ہی بہت کم نصیب ہوگا اور اگر کچھ ہوگا بھی تو خدا کی لعنت اور پھٹکار کے ساتھ ہوگا۔ اَيُّسَا تَقْفُوا اِخْذُوا وَ قَاتِلُوا تَقْتِيلًا اُسی ملعونیت کی تصویر ہے۔ چنانچہ بعد کے ادوار میں ان منافقین کو اسی حشر سے سابقہ پیش آیا۔ ان میں سے جنہوں نے اپنی روش کی اصلاح نہیں کی ان کا انجام وہی ہوا جو قریش اور یہود کے اشرار کا ہوا۔ اس کی تفصیل سورہ انفال اور سورہ توبہ میں گزر چکی ہے۔

سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ بُدِيْلًا (۶۲)

یہ بعینہ وہی اسلوبِ کلام ہے جو آیت ۲۸ میں گزر چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انبیاء کی مخالفت کرنے والے اس سے پہلے جو منافقین و کفار گزر چکے ہیں ان کے ساتھ بھی اللہ نے یہی معاملہ کیا تو اللہ کی اس سنت کو تم پیش نظر رکھو، یہی معاملہ اللہ تمہارے ان دشمنوں کے ساتھ بھی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی سنت میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔

### ۱۳۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۶۳۔۶۴

آگے خاتمہ سورہ کی آیات ہیں جن میں پہلے قیامت کی یاد دہانی فرمائی ہے کہ مجھ کو اس بنا پر کہ اس کا وقت پیغمبر نہیں بنا سکتے یا لوگوں کے مطالبہ پر اس کو دکھا نہیں سکتے اس کو مذاق سمجھنا نہایت نامعقول و ناشائستہ ہے۔ وہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ اس کے ظہور کا وقت اگرچہ اللہ ہی کو معلوم ہے لیکن وہ آگے رہے گی اور اس دن کوئی کسی کا حامی و شفیع نہ بن سکے گا بلکہ ہر شخص اپنے اعمال اور اپنی ذمہ داریوں



سے متعلق خود مسئول ہو گا۔ اس دن کسی کا یہ عندنا فح نہیں ہو گا کہ اس نے اپنے لیڈروں اور بڑوں کی پیروی کی اور انھوں نے اس کو گمراہ کیا۔

اس کے بعد مسلمانوں بالخصوص منافقین کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اپنے رسول کے معاملے میں ایذا رسانی کی وہ روش نہ اختیار کرو جو یہود نے حضرت موسیٰ کو ایذا پہنچانے کے لیے اختیار کی ورنہ اس کا انجام وہی ہو گا جس سے یہود کو دوچار ہونا پڑا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو ہر الزام سے بری کیا اور ان کے مخالفین پر ہمیشہ کے لیے لعنت کر دی۔ مسلمانوں کے لیے صحیح روش، جو دنیا و آخرت دونوں کی کامرانیوں کی ضامن ہے، یہ ہے کہ وہ رسول کے ہر حکم پر سبعا و اطعنا کہیں۔

آخر میں یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے عظیم شرف سے نوازا ہے کہ اس کو اپنی اس امانت کا امین بنایا ہے جس کا اہل آسمان و زمین میں اس نے صرف اسی کو ٹھہرایا۔ اس امانت کی ذمہ داریاں ادا کرنے ہی پر اس کے تمام شرف کا انحصار ہے۔ اگر وہ اس کا حق ادا کرے تو وہ فرشتوں کا مسجود ہے اور اگر حق نہ پہچانے تو پھر وہ اسفل سافلین کا سزاوار ہے۔ اس امانت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ایک دن وہ اس کی بابت مسئول ہو وہ اس کی سزا بھگتیں اور جنھوں نے اس کی نگہداشت کی ہو وہ اس کا صلہ پائیں۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۶۳-۶۴

يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ۖ ﴿٦٣﴾ إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ۖ ﴿٦٤﴾ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۖ ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَلَيْتَنَّا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَ ۖ ﴿٦٦﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَ ۖ ﴿٦٧﴾ رَبَّنَا إِنْتَهُم ضَعُفُنَا مِنِ الْعَذَابِ وَالْعَنَاهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ۖ ﴿٦٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ أَذُوا مُوسَىٰ قَبْرًا ۚ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا ۖ ﴿٦٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۖ ﴿٧٠﴾

ع ۵



يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِغِ اللَّهُ وَ  
رَسُولُهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٤١﴾ إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا  
الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٤٢﴾ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ  
وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ  
وَالْمُؤْمِنَاتِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٤٣﴾

لوگ تم سے قیامت کے وقت کو پوچھتے ہیں۔ کہہ دو، اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ترجمہ آیات  
۶۳-۶۴ ہے۔ اور تمہیں کیا پتہ، شاید قیامت قریب ہی آگئی ہو۔ ۶۳

بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت کر چھوڑی ہے اور ان کے لیے اس نے آگ کا  
عذاب تیار کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں نہ ان کا کوئی کارساز ہوگا اور نہ  
کوئی مددگار۔ جس دن ان کے چہرے آگ میں اُلٹے پلٹے جائیں گے۔ وہ کہیں گے، اے  
کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی! اور کہیں گے،  
اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی بات مانی تو انھوں نے ہماری راہ ماری۔  
اے ہمارے رب! ان کو دونا عذاب دے اور ان پر بہت بھاری لعنت کر! ۶۴-۶۸

اے ایمان والو، ان لوگوں کے مانند نہ بنو جنھوں نے موسیٰ کو ایذا پہنچائی تو اللہ نے اس  
کو ان لوگوں کی تہمتوں سے بری کیا اور وہ اللہ کے نزدیک باوقار ٹھہرا۔ اے ایمان والو، اللہ  
سے ڈرو اور درست بات کہو، اللہ تمھارے اعمال سدھارے گا اور تمھارے گناہوں کو  
بخشتے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہیں گے تو انھوں نے بہت بڑی



کامیابی موصول کی۔ ۶۹-۷۱

اور ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تو انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈرے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ بے شک وہ ظلم کرنے والا اور جذبات سے مغلوب ہو جانے والا ہے۔ تاکہ اللہ منافقین و منافقات اور مشرکین و مشرکات کو سزا دے اور مومنین و مومنات کو اپنی رحمت سے نوازے اور اللہ غفور رحیم ہے۔ ۷۲-۷۳

## ۱۴۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةُ تَكُونُ قَرِيبًا (۷۳)

یعنی ان اشعار و مفسدین کو جب قیامت سے ڈرایا جاتا ہے تو یہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں کہ ہم نہ جانے کب سے اس کا ڈراوا سن رہے ہیں لیکن نہ وہ آئی، نہ کبھی آئے گی۔ اگر اس کو آنا ہے تو آخر وہ آکیوں نہیں جاتی؟ اس کے آنے کا وقت کب آئے گا! مطلب یہ ہے کہ یہ محض ایک دھونس ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور ہم اس دھونس میں آنے والے نہیں ہیں۔

”قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ“ فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ جہاں تک اس کے آنے کے وقت کا تعلق ہے اس کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے۔ کائنات کے اس بھید کو صرف خدا ہی جانتا ہے۔ نہ اس کو میں جانتا ہوں اور نہ کسی اور کو اس کا علم ہے۔ البتہ اس کا آنا یقینی ہے۔ جس سے میں تمہیں آگاہ کر رہا ہوں۔ اگر میں اس کا وقت نہیں بتا سکتا تو اس سے اس کی نفی نہیں ہو سکتی۔ دوسرے مقام میں اس بات کی وضاحت اس طرح فرمادی کہ کسی چیز کے ظہور کا وقت نہ معلوم ہونے سے نفس اس شے کا انکار ایک احتمال منطقی ہے۔ قیامت تو درکنار ہماری روزمرہ کی زندگی کی کتنی عامۃ الوجود حقیقتیں ہیں جن کا وقت اگرچہ معلوم نہیں ہوتا لیکن کوئی عاقل ان کا انکار نہیں کرتا۔ انسان کے علم کی رسائی بہت محدود ہے۔ وہ ہر چیز کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اتفاق و انفس اور عقل و فطرت کے اندر قیامت کی شہادت موجود ہے تو مجر د اس بنا پر اس کا مذاق اڑانا کہ اس کا وقت نہیں بتایا جاسکتا، محض ابلیہی و خود فریبی ہے۔

”وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةُ تَكُونُ قَرِيبًا“ یہ اسلوب کلام کسی شے کی عظمت، اہمیت اور اس کی



ہونا کی کو ظاہر کرتا ہے۔ مخالفین کے سوال میں جو طنز و استہزاء منہر ہے یہ اس کا جواب ہے کہ مجرد اس بنا پر کہ تم قیامت کا وقت نہیں بتا سکتے لوگ تمہارا مذاق اڑا رہے ہیں، تمہیں کیا خبر شاید وہ قریب ہی آگئی ہو! — اس فقرے میں یہی اشارہ فرما دیا گیا کہ اب اس کے ظہور میں زیادہ دیر نہیں ہے۔ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی اور قیامت کا مذاق اڑانے والوں کے لیے نہایت سخت انذار و تنبیہ ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آخری نبی ہیں اس وجہ سے آپ کی بعثت کے بعد دنیا کی عدالت کے لیے آخری مرحلہ اب قیامت ہی کا باقی رہ گیا۔ اس پر مفصل بحث اس کے محل میں ان شاء اللہ آئے گی۔

رَأَى اللَّهُ لَعَنَ الْكُفْرَيْنَ وَآعَنَ لَهُمُ سَعِيرًا خَلِدَ فِيهَا أَبَدًا لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا (۶۴-۶۵)

ادھر کی آیت میں جو انذار منہر تھا یہ اس کو کھول دیا کہ آج جو لوگ قیامت کا انکار کر رہے ہیں وہ کان کھول کر سن لیں کہ اللہ نے ان پر لعنت کر دی ہے اور ان کے لیے اس نے دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے جس میں ان کو ہمیشہ رہنا ہے اور اس میں کوئی ان کا کارواز و مددگار نہ بن سکے گا۔ نہ ان کے وہ شرکار و شفعاں ان کے کچھ کام آنے والے نہیں گے جن کے اعتماد پر وہ پختہ بیٹھے ہیں اور نہ ان کی یہ جماعت و جمعیت ہی ان کی کچھ مدد کر سکے گی جس پر اس دنیا میں ان کو بڑا ناز ہے۔

يَوْمَ تُعْطَبُ وُجُوهُهُمْ فِي امَّا رِيقُوتُونَ يَلْمِزْنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلًا وَقَالُوا رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا ذِكْ بَرَاءَنَا فَاَصْلَحْنَا السَّبِيْلَ رَبَّنَا اِنْتُمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنَافُ لَعْنَا كَبِيْرًا (۶۶-۶۸)

’تَقْلِيْبُ‘ کے معنی الٹنے پلٹنے کے ہیں۔ گوشت کو آگ پر بھونتے ہیں تو اس کو کبھی ایک جانب سے بھونتے ہیں کبھی دوسری جانب سے۔ فرمایا کہ یہی گت ان کی بننے والی ہے۔ یہ دوزخ کی آگ میں اپنے چہروں کے بل اس طرح گھسیٹے جائیں گے کہ دونوں طرف سے ان کے چہرے بھن جائیں گے۔ چہرے کا ذکر خاص طور پر اس وجہ سے فرمایا کہ اعترافِ حق سے اعراض و انکبار کی رعوت کا سب سے زیادہ نمایاں مظہر وہی ہوتا ہے جب اس کا حشر یہ ہونا ہے تو دوسری چیزیں اسی کے لواحق میں داخل ہیں۔ فرمایا کہ آج جس قیامت کا یہ مذاق اڑا رہے ہیں جب اس طرح اس کی حقیقت ان کے لیے بے نقاب ہوئی تب وہ نہایت حسرت کے ساتھ یہ تمنا کریں گے کہ اے کاش! ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی اور اپنے لیڈروں اور بڑوں کے چکے میں آکر اپنے لیے یہ شامت نہ بلائی ہوتی! اس دن یہ کھلم کھلا اپنی گمراہی کی ساری ذمہ داری اپنے لیڈروں اور بزرگوں پر ڈالیں گے کہ ہم نے ان کی بات مانی اور انہوں نے صحیح راہ سے ہم کو بھٹکایا اور خدا سے یہ درخواست کریں گے کہ اے رب! چونکہ یہی ہماری گمراہی کے باعث ہوئے ہیں اس وجہ سے تو ان کو ہمارے مقابل میں دونا عذاب دے اور جو لعنت ان کے سبب سے ہم پر ہوئی ہے اس سے بڑی



لعنت کر ان پر کر۔ یہاں صرف ان لوگوں کی درخواست کا حوالہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس درخواست کا جو جواب دے گا اس کا ذکر سورۃ اعراف آیت ۳۸ میں آیا ہے کہ یٰٰلَیْکَیْ جَنَّتْ قَمٌ اور تمہارے لیڈر دونوں ہی دُونِیٰ مذاب کے سزا دار ہو۔ اس کی وضاحت اس کے محل میں ہو چکی ہے۔

یہاں سَادَتْ تَا اور کِبَرَا دُنَا کے دو لفظ آئے ہیں۔ 'سَادَة' سے مراد تو ظاہر ہے کہ لیڈر اور سردار ہیں کسی کی تقلید اور کِبَرَا دُنَا سے مراد ان کے خاندانی و مذہبی پیشوا ہیں۔ ان میں سے کسی کی بھی آنکھ بند کر کے اطاعت کرنا ہائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کو حق و باطل میں امتیاز کے لیے عقل عطا فرمائی ہے۔ اس وجہ سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اس کوٹی سے کام لے۔ جو اس سے کام لے گا اگر وہ کہیں ٹھوکر بھی کھائے گا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو سہارا دے اور معاف فرمائے لیکن جو شخص آنکھیں بند کر کے اپنی باگ دوسروں کے ہاتھ میں پکڑا دے گا اس کا حشر وہی ہوگا جو اس آیت میں بیان ہوا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا كَاذِبِينَ اذْوَ مُوسَىٰ فَبَرَا ۚ اللَّهُ مَسَاقِلُوهَا وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا (۲۹)

قیامت کا ذکر بیچ میں تذکرہ و تنبیہ کے طور پر آگیا تھا اور اسے ذکر ان منافقین کا چل رہا تھا جو نبی انبیا کو ایذا پہنچا یا یہود صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین و مومنات کو اپنی ریشہ دوانیوں اور تمہمت تراشیوں سے رومانی و قلبی اذیتیں پہنچانے میں سرگرم تھے۔ اس تنبیہ کے بعد اسی مضمون کو ازبر نو لے لیا اور مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ ان یہودیوں کی روش کی تقلید نہ کرو جنہوں نے قدم قدم پر حضرت موسیٰؑ کو اپنی تہمتوں، شکایتوں اور درپردہ سازشوں سے اذیتیں پہنچائیں لیکن اللہ نے ان کو ہر الزام و تہمت سے بری، نہایت عزت و آبرو کے ساتھ، اس دنیا کے اٹھایا البتہ وہ لوگ دنیا و آخرت دونوں میں ذلیل و خوار ہوئے جنہوں نے ان کو ایذا پہنچانے کی کوشش کی۔ یہ خطاب اگرچہ عام ہے لیکن روئے سخن خاص طور پر منافقین کی طرف ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل نے جو اذیتیں پہنچائی ہیں اس کا شکوہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی بھی قرآن مجید میں مذکور ہے۔

وَ اذْ قَالِ مُوسٰی یٰٰقَوْمِہٖ یٰٰقَوْمِہٖمَ  
تُؤْذُوْنِیْ وَ قَدْ تَعْلَمُوْنَ اِنِّیْ رَسُوْلُ  
اللّٰہِ لَئِیْکُمْ (الصافات: ۵۰)

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، اے میری قوم کے لوگو، تم مجھے کیوں دکھ پہنچاتے ہو دراصل تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔

تورات کی کتاب تنبیہ باب میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے جب بنی اسرائیل کو فلسطین پر چڑھائی کے لیے ابھارا اور انہوں نے اپنی روایت کے مطابق بزدلی دکھائی تو حضرت موسیٰؑ نے ان کو ان الفاظ میں ملامت کی۔

”تو خطاب بنی اسرائیل سے ہے، اس بات کو یاد رکھو اور کبھی نہ بھولو کہ تو نے خداوند اپنے خدا کو بیابان

میں کس کس طرح غفہ دلایا بلکہ جب سے تم ملک مصر سے نکلے ہو تب سے اس جگہ پہنچنے تک تم برابر خداوند کے



بغوت ہی کرتے رہے ہو۔

تورات میں بار بار اس بات کا ذکر آتا ہے کہ بنی اسرائیل کو جب کوئی آزمائش پیش آتی تو وہ اس کا الزام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ڈال کر ان کو ہدفِ ملامت بناتے۔ مثال کے طور پر ہم یہاں بعض واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

مصر میں حضرت موسیٰ کی دعوت کے بعد جب بنی اسرائیل کو آزمائشوں سے سابقہ پیش آیا تو انھوں نے ان سب کا سبب حضرت موسیٰ کو بٹھرایا اور کہا کہ اس شخص کی بدولت ہم اس کی پیدائش سے پہلے بھی آفتوں میں مبتلا رہے اور اس کی پیدائش کے بعد بھی ہدفِ مصائب رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ان کو ملکِ مصر سے لے کر نکلے اور مصریوں نے ان کا تعاقب کیا تو ساری قوم نے بڑبڑانا شروع کیا کہ یہ دیکھو، اس شخص نے ہمیں کہاں لاکر ہمارے مردانے کا سامان کیا ہے۔

دور یا پار کرنے کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر تورات لینے گئے تو قوم کے ایک بہت بڑے حصہ نے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ شخص تو ہمیں یہاں چھوڑ کر معلوم نہیں کہاں غائب ہو گیا اور اب وہ آنے والا نہیں ہے۔ چنانچہ انھوں نے سامری سے ایک بچہ بنا لیا اور اس کی پرستش شروع کر دی۔

قارون نے اپنی ایک پارٹی بنائی اور لوگوں میں یہ فتنہ پھیلایا کہ یہ شخص (حضرت موسیٰ) تنہا سارے دین کے جاننے اور لوگوں کی پیشوائی کا اجارہ دار بن بیٹھا ہے حالانکہ خداوند کی نظر میں سب برابر ہیں۔ اس شخص کو ہم پر کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے۔

بیابان کی زندگی کے دور میں جب کھانے پینے کی تکلیف ہوئی تو انھوں نے علانیہ حضرت موسیٰ کو ملامت کی کہ کیا مصر میں ہمارے لیے قبروں کی جگہ نہیں تھی کہ تو نے ہمیں بھوک پیاس سے مرنے کے لیے یہاں بیابان میں لاکر ڈال دیا ہے۔

بیابان میں جب کھانے کے لیے منّ و سلویٰ اور پانی کے لیے اکٹھے بارہ چشموں کا انتظام ہو گیا تو انھوں نے پھر بڑبڑانا شروع کیا کہ اس منّ و سلویٰ سے تو ہماری جان سوکھ گئی، ہمیں تو مصر کے کھیرے، گلڑیاں اور لہسن پیاز یاد آتے ہیں۔

حضرت موسیٰ نے جب ان کو فلسطین پر حملہ کرنے کے لیے ابھارا تو انھوں نے کہا کہ تم وہاں کے زوردار اور جبار باشندوں کی تلواروں سے ہمارا قہر کرانا چاہتے ہو۔ ہم اس کے لیے تیار نہیں ہیں۔ لڑنا ہے تو تم اور تمہارا خدا دونوں جا کر لڑو۔ ہم تو یہیں بیٹھتے ہیں۔

بنی اسرائیل کی اس روش پر حضرت موسیٰ نے جی دردا نگیز الفاظ میں بار بار اپنے رنج و غم کا اظہار فرمایا ہے ان کو تورات میں پڑھیے تو کچھ اندازہ ہو گا کہ انھیں اپنی قوم کے ہاتھوں کیا کیا دکھ جھیلنے پڑے ہیں۔ بنی اسرائیل کی اسی طرح کی ایذا رسانیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہاں مسلمانوں کو نصیحت فرمائی ہے کہ تم اپنے



رسول کے ساتھ اس طرح کا معاملہ نہ کرو جس طرح کا معاملہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا رہے  
اسی انجام سے دوچار ہو گئے جس انجام سے وہ دوچار ہوئے۔

”قَبَلَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا مَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِبْتًا“ یعنی اللہ تعالیٰ نے بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام  
کو ہر الزام سے بری کیا۔ ہر تمّت کے مقابل میں ان کی سچائی، نیک نیتی اور راست بازی آشکارا ہوئی اور  
ان کے دشمن ذلیل و رسوا ہوئے۔ وہ اللہ کے نزدیک باوقار، باآبرو اور سرخ رو ٹھہرے۔ ان کی وجاہت  
دنیا میں بھی چمکی اور آخرت میں بھی روشن ہوگی۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بالواسطہ بشارت ہے۔  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۚ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ  
ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا (۷۱-۷۲)

یہود کی روش سے احتساب کرنے کی ہدایت کے بعد اس صحیح روش کے اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی جو  
اللہ اور رسول پر ایمان کا تقاضا ہے۔ فرمایا کہ اللہ سے ڈرو۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچانے والے  
نہ بنو۔ وہ مجرموں کو پکڑتا دیر میں ہے لیکن جب پکڑتا ہے تو کوئی اس کی پکڑ سے نہ بھاگ سکتا ہے، نہ  
کوئی اس سے رہائی دلا سکتا ہے۔

”وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا“ یعنی ایمان لانے کے مدعی بنے ہو تو وہ بات کہو جو اس ایمان کا براہ راست  
تقاضا ہے اور اس کا سیدھا سادہ لازمی مطالبہ ہے۔ یہ اشارہ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا کے اعتراف و اقرار  
کی طرف ہے۔ اس اقرار سے ایمان کی تصدیق ہوتی ہے اور آگے کے لیے ہدایت کی راہیں کھلتی ہیں۔  
اس میں یہود کے قول سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا پر ایک لطیف تعریف بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہود کی بات  
بالکل الٹی تھی۔ وہ ایمان کے مدعی تھے لیکن ان کا کلمہ گویا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ہم نے سنا اور نافرمانی کی  
تمہارے ایمان کی سیدھی روش اختیار کرنا چاہتے ہو تو اپنا کلمہ اور شعار سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ہم نے سنا اور  
مانا بناؤ۔

”يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ“ یہ اس قول سدید کا ثمرہ بتایا ہے کہ اگر تم اپنے قول  
عمل کے تضاد کو دور کر لو گے تو اللہ تمہارے اعمال کو بردمند کرے گا، تمہاری ہر کل سیدھی ہو جائے گی اور  
تمہارا ہر قدم صحیح سمت میں اٹھے گا۔ اس صورت میں اگر تم سے کوئی غلطی بھی صادر ہوگی تو اللہ تعالیٰ تمہاری  
غلطیوں سے درگزر فرمائے گا۔ اللہ ان لوگوں کو نفس اور شیطان کے حوالے نہیں کرتا جو سیدھی راہ اختیار  
کرنا چاہتے ہیں۔

”وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا“ اس ٹکڑے نے کلام کے تدریجی ارتقاء  
کے اصول پر واضح کر دیا کہ قول سدید سے مراد سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا کا اقرار ہی ہے۔ فرمایا کہ جو لوگ  
سمع و طاعت کا اقرار کرنے کے بعد زندگی کے ہر مرحلے میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں



وہ بہت بڑی کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کوئی خدائے کا سودا نہیں ہے بلکہ یہ ابدی بادشاہی کی کلید ہے تو جس کو رازی جیتنی ہو وہ جیتے۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (۷۲-۷۳)

اب یہ انسان کا اصلی شرف واضح فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عہد اطاعت کا امین ہے۔ یہ عہد اختیار انسان کا اہل ارادہ کی آزادی پر مبنی ہے اس وجہ سے وہی اس کا سزاوار ٹھہرا۔ اس لیے کہ عہد کا اہل وہی ہوتا ہے جس شرف کو اختیار و ارادہ کی آزادی حاصل ہو جو مخلوقات مجبور و متہور ہیں ان سے کسی عہد و میثاق کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے تمام ذریت آدم سے لیا ہے اور یہی عہد اس خلافت کی بنیاد ہے جو اس زمین میں آدم اور ذریت آدم کو حاصل ہوئی اور اسی خلافت کے متقنیات کو بردے کا دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے اپنی ہدایت اور کتاب و شریعت نازل کرنے کا وعدہ فرمایا اور ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی فرمائی کہ جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے وہ جنت کے وارث ٹھہریں گے اور جو اس کی خلاف ورزی کریں گے وہ سب جہنم میں جھونک دیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی وعدے کو پورا کرنے کے لیے اپنے نبی و رسول بھیجے جنہوں نے اپنی اپنی امتوں سے اس عہد اطاعت و بندگی کی تجدید کرائی اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو اس کے نتائج سے آگاہ کیا۔

اس عہد کی بنیاد چونکہ انسان کے ارادہ کی آزادی پر ہے اس وجہ سے اس کی حیثیت شمیر دوم کی ہے۔ اگر انسان اپنے ارادہ کی آزادی کے ساتھ اپنے رب کی بندگی کے عہد کو پورا کرے تو اللہ کے نزدیک اس سے کوئی ادنیٰ نہیں اور اگر وہ اس عہد کو پورا نہ کرے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے خدا کی بخشی ہوئی سب سے بڑی عزت کو اپنے لیے سب سے بڑی ذلت بنا لیا۔

• ہر عہد ایک امانت ہے اور ہر امانت کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ اس کی بابت امانت رکھنے والا ایک دن پرسش کرے کہ اس کی امانت کا حق ادا کیا گیا ہے یا اس میں خیانت کی گئی ہے۔ یہ چیز ایک روز جزاء و سزا کو مستلزم ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک دن سب کو اکٹھا کرے گا اور ان کے اعمال کے ریکارڈ ان کے سامنے رکھ کر فیصلہ فرمائے گا کہ کون کافر و منافق ہیں جو دوزخ کے سزاوار ہیں اور کون مومن و مخلص ہیں جو جنت کے حق دار ہیں۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا؛ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اطاعت بالاختیار کی یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے بھی پیش کی تھی لیکن وہ اس عظیم ذمہ داری کے اٹھانے سے ڈرے اور اپنی معذرت پیش کر دی کہ ان



کو اس بارگراں سے معاف رکھا جائے۔ آسمانوں وزمین اور پہاڑوں کی یہ معذرت زبانِ مال سے بھی ہو سکتی ہے اور زبانِ قال سے بھی۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کی زبانِ مال و قال دونوں سمجھتا ہے۔ قرآن میں اس بات کی تصریح ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے لیکن ان کی تسبیح کو صرف اللہ تعالیٰ ہی سمجھتا ہے، دوسرے اس کو نہیں سمجھتے۔

اسی طرح ہر ذمہ داری کے تحمل کے لیے ایک خاص صلاحیت درکار ہوتی ہے۔ اگر وہ صلاحیت موجود نہ ہو تو اس کا تحمل ممکن نہیں ہے۔ آپ ہر زمین میں ہر چیز کی کاشت نہیں کر سکتے۔ زمین کا ایک معمولی ٹکڑا آپ کے ایک تخم کا امین بن جاتا ہے اور وہ آپ کی امانت کو نہ صرف محفوظ رکھتا ہے بلکہ اس کو نشوونما اور فروغ دیتا ہے۔ لیکن وہی تخم اگر آپ ایک وسیع سمندر، ایک عظیم پہاڑ یا ایک لقمہ و دق صحرائیں ڈال دیں تو وہ اس کو نشوونما نہیں دے سکتے بلکہ وہ تخم ضائع ہوجائے گا۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر کسی چیز کے اندر ایک چیز کے قبول کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو وہ اس سے لازماً ابا کرے گی۔ مثلاً ہماری آنکھ ایک خاص درجے کی روشنی کا تحمل کر سکتی ہے، اگر روشنی کی مقدار اس سے بڑھ جائے تو نگاہ خیر ہو جائے گی۔ اسی طرح ہمارا جسم ایک خاص درجے کی حرارت یا برودت برداشت کر سکتا ہے، اگر حرارت یا برودت اس سے زیادہ ہو جائے تو ہمارا جسم اس کو قبول کرنے سے ابا بھی کرے گا اور اس سے ڈرے گا بھی۔ ہمارے معدے میں خاص طرح کی چیزوں کے قبول کرنے کی صلاحیت ہے، اگر ہم ان کے سوا کوئی دوسری چیز اس میں ڈالنے کی کوشش کریں تو خواہ بجائے خود وہ کتنی ہی قیمتی چیز ہو، معدہ اس کا تحمل نہیں ہو سکے گا۔ یہی حال آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کا، اس امانت کے معاملے میں ہوا۔ ان کے اندر اس کے اٹھانے کا ظرف نہیں تھا اس وجہ سے انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا۔

وَحَمَلَهَا إِلَّا الْإِنْسَانُ: یہ انسان کا شرف بیان ہوا ہے کہ جس بار امانت کو آسمان وزمین، دریا اور پہاڑ نے اٹھا سکے اس کو انسان نے اٹھا لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان اگرچہ اپنے وجود مادی کے اعتبار سے اس کائنات کی ایک نہایت حقیر ہستی ہے لیکن اپنی معنوی صلاحیتوں کے اعتبار سے آسمانوں سے اونچا، زمین سے وسیع اور پہاڑوں سے زیادہ مضبوط و سر بلند ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس دنیا کی ہر چیز اس کے لیے مسخر کی گئی لیکن وہ کسی کے لیے بھی مسخر نہیں کیا گیا، بلکہ رب کائنات کے سوا کسی کے آگے اس کا جھکنا اس کے لیے باعثِ ننگ قرار پایا۔

إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا: یہ انسان کی اس صلاحیت کی طرف اشارہ ہے جس کی بنا پر وہ اس امانت کا اہل قرار پایا۔ وہ یہ ہے کہ یہ امانت متقنی تھی کہ انسان کے اندر متضاد داعیے موجود ہوں تاکہ اس کی آزمائش ہو سکے کہ وہ ان متضاد داعیوں کی کشاکش کے اندر اپنے رب کی اطاعت بالاختیار کے عہد کو کس طرح نبھاتا اور اس کی ذمہ داریوں سے کس طرح عہدہ برآ ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ ظلوم و جہول بنایا گیا۔



نظم، عدل و حق کا ضد ہے اور جہل، علم اور علم کا ضد ہے۔ ظلم، اس کو کہیں گے جو عدل و حق کا شعور رکھتے ہوئے ظلم کا مرتکب ہونے والا ہو۔ اسی طرح جہول، اس کو کہیں گے جو علم و علم کی صلاحیت کے باوجود جہل اور جذبات سے مغلوب ہو جانے والا ہو۔ یہی کشمکش انسان کی آزمائش ہے اور یہی اس کے تمام شرف کی بنیاد ہے۔ اگر وہ ظلم کی راہ اختیار کرنے کی آزادی رکھنے کے باوجود محض اپنے رب کی رضا کی خاطر عدل کی راہ پر استوار رہتا ہے اور اپنے مغلی جذبات کے اتباع کی آزادی کے باوجود، محض اپنے رب کے خوف سے، اپنے جذبات پر قابو رکھتا ہے تو لاریب اس کا مرتبہ فرشتوں سے بھی اونچا ہوا۔ لیکن کہ ان کو خدا کی بندگی کی راہ میں کسی کشمکش سے دوچار ہونا نہیں پڑتا۔ ان کا راستہ بالکل ہموار اور ان کا مزاج ظلم و جہل کے دواعی سے بالکل نا آشنا ہے لیکن انسان اگر بندگی کرتا ہے تو ہر قدم پر وہ اپنے نفس اور شیطان سے لڑ کر کرتا ہے اس وجہ سے اس کی بندگی فرشتوں کی بندگی سے اونچی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس انسان اپنے اس اختیار کے سبب سے جس طرح سب سے زیادہ اونچا ہے اسی طرح وہ سب سے زیادہ نیچا بھی ہو جائے گا اگر وہ اپنے اس اختیار کی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر ادا نہ کر سکے۔ یہی حقیقت سورہ تین میں اس طرح واضح فرمائی گئی ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَفِيلِينَ ۚ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (۲-۶)

اور ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا، پھر اس کو اسفل سافلین میں گرا دیا البتہ وہ لوگ اس سے محفوظ رہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے۔

لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا۔ یہ نتیجہ بیان ہوا ہے اس امانت کا کہ اس کا لازمی اقتضاء یہ ہے کہ ایک ایسا دن آئے جس میں انسان اس امانت سے متعلق مسئول ہو کہ اس نے اس کا حق ادا کیا یا نہیں۔ تاکہ وہ لوگ جنہوں نے اس کے معاملے میں منافقت کی روش اختیار کی ہو یا شرک کے مرتکب ہوئے ہوں وہ اپنی اس خیانت و بد عہدی کی سزا بھگتیں، خواہ مرد ہوں یا عورتیں اور وہ لوگ جنہوں نے رسولِ خدایان کے ساتھ اس کا حق ادا کیا ہو وہ اپنے رب کی رحمت کے سزاوار ٹھہریں، عام اس سے کہ وہ مردوں میں سے ہوں یا عورتوں میں سے۔

ہم دوسرے مقام میں یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ توبہ کا صلہ جب 'علیٰ' کے ساتھ آتا ہے تو یہ 'رحم' کے مفہوم پر بھی متضمن ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے یہ اہل ایمان کے لیے بشارت ہے کہ ہر چند یہ ذمہ داری ہے تو بہت بھاری لیکن اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اس نے اپنے با ایمان بندوں اور بندیوں کے لیے توبہ کی راہ بھی کھلی رکھی ہے۔ اگر وہ اپنی کسی کمزوری کے سبب سے کسی ظلم یا جہل کے مرتکب ہوں گے



اور پھر تو بہ کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر کے ان پر رحم فرمائے گا۔  
 ان سطروں پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ یہ سورہ قرآن حکیم کی مشکل سورتوں میں سے ہے اور میں اس  
 پر قلم اٹھانے سے گھبراتا رہا ہوں۔ اگرچہ اس کی مشکلات، اپنے علم کے حد تک، میں نے بہت پہلے حل کر  
 لی تھیں لیکن یہ تیرہ دوسرا سردامن گیر رہا کہ دل و دماغ میں جو کچھ ہے قلم اس کو ادا بھی کر سکے گا یا نہیں۔ اب  
 یہ فیصلہ تو کتاب کے صاحب نظر قارئین کر سکیں گے کہ میں مشکلات سے عہدہ برا ہو سکا یا نہیں اور ہو سکا تو  
 کس حد تک لیکن میں نے کوشش بہت کی ہے۔ میری خواہش تھی کہ ابھی اس پر مزید غور و فکر جاری رکھوں  
 لیکن اب اس امانت کے ادا کرنے کا آخری وقت آچکا تھا اس وجہ سے جو کچھ ذہن میں تھا اس کو سیر قلم  
 کر دیا ہے۔ جو باتیں صحیح معلوم ہوں ان کو قبول کیجیے اور جہاں کوئی لغزش محسوس ہو اس کو نظر انداز فرمائیے۔  
 انسان بہر حال ظلوم و جہول ہے۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، اس سے اتجا ہے کہ غلطیوں سے درگزر  
 فرمائے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

رحمان آباد — ۷ ارشوال ۱۳۹۴ھ

۳ نومبر ۱۹۷۴ء

اتوار — ۹ بجے صبح



تذکرہ  
میرزا

۳۴

سب









## د سورتوں کا پانچواں گروپ

سورۃ سبا سے سورتوں کا پانچواں گروپ شروع ہو رہا ہے جو سورۃ حجرات پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں ۱۲ سورتیں  
 — از سبائتا الاحقاف — مکی ہیں۔ آخر میں تین سورتیں — محمد، الفتح، الحجرات — مدنی ہیں۔

### ب۔ گروپ کا جامع عمود

مطالب اگرچہ اس گروپ میں بھی مشترک ہیں یعنی قرآنی دعوت کی تینوں اساسات — توحید، قیامت،  
 رسالت — پر جس طرح پچھلے گروپوں میں بحث ہوئی ہے اسی طرح اس میں بھی یہ تمام مطالب زیر بحث آئے ہیں!  
 البتہ ہیج استدلال اور اسلوب بیان مختلف اور جامع عمود اس کا اثبات توحید ہے جو اس مجموعہ کی تمام سورتوں میں نمایاں نظر  
 آئے گا۔ دوسرے مطالب اسی کے تحت اور اسی کے تفصیلات کی وضاحت کے طور پر آئے ہیں۔

### ج۔ سورۃ سبا کا عمود اور اس کے مطالب کا تجزیہ

اس گروپ کی پہلی سورہ سورۃ سبا ہے۔ اس کا عمود اثبات توحید و قیامت ہے۔ بنیاد اس کی شکر اور اس کے  
 تقنیات پر ہے اور مخاطب مشرکین قریش ہیں۔ ذیل میں ہم بالاجمال اس کے مطالب کا تجزیہ پیش کرتے ہیں جس سے اس  
 کے تمام اجزاء کا ربط عمود کے ساتھ واضح ہو جائے گا۔

(۱-۹) تمہید جس میں اللہ تعالیٰ ہی کے سزاوار شکر ہونے کی دعوت ہے۔ اس لیے کہ آسمانوں اور زمین میں جو  
 کچھ ہے سب اسی کا ہے اور آخرت میں بھی تمام اختیار و اقتدار اسی کا ہوگا۔ اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے  
 اس وجہ سے نہ کسی کا کوئی عمل اس سے مخفی رہے گا، نہ کوئی کسی کو اپنی باطل سفارش سے چھڑائے گا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں  
 کہ آخرت نہیں ہے وہ سخت گمراہی میں ہیں۔ آخرت ایک حقیقت اور خدا کی صفات کا لازمی تقاضا ہے۔ جن کے اندر علم کی  
 رت ہے وہ جانتے ہیں کہ قرآن جس توحید و قیامت کی دعوت دے رہا ہے وہ بالکل حق ہے، صرف بے فکرے اور لالچاں  
 لوگ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ ان کی اصلی بیماری یہ ہے کہ انابت اور عبرت پذیری کی صلاحیت ان کے اندر مفقود



ہے۔ اگر یہ صلاحیت ان کے اندر ہوتی تو وہ دیکھ لیتے کہ خدا ان کو جب چاہے اور جہاں سے چاہے پکڑ سکتا ہے۔  
(۱۰-۱۴) ترفیع قریش کی تہنیت کے لیے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی مثال کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام نعمتیں عطا فرمائیں لیکن وہ غرور و استکبار میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ اپنے رب کے شکر گزار و فرمانبردار رہے۔ انہوں نے دنیا کے فتنہ میں مبتلا ہو کر شیاطین کی پیروی نہیں کی بلکہ شیاطین سے بھی اپنی پیروی کرائی۔ جو اپنے رب کی فرمانبرداری کرتے ہیں اللہ تعالیٰ شیاطین کو بھی ان کی غلامی میں دے دیتا ہے اور جو اپنے رب کی ناشکری کرتے ہیں شیاطین ان پر مسلط ہو جاتے ہیں اور ان کو شیاطین کی غلامی کرنی پڑتی ہے۔

(۱۵-۲۱) ملک سبا کی مثال جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خدا کی نعمتیں پاکر جو قومیں خدا کی ناشکر گزار رہی کے بجائے طغیان و فساد میں مبتلا ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو نہایت عبرت انگیز سزا دیا کرتا ہے۔ اہل بسلنے اپنے باپے میں ابلیس کے گمان کو سچا ثابت کر دیا جس کی پاداش میں اللہ نے ان کو اپنے تمام افضال سے محروم کر کے ایک افسانہ پارہ بنا دیا۔

(۲۲-۲۷) شرک، شرکاء اور شفاعتِ باطل کے عقیدے کی تردید اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت کہ اگر یہ مشرکین بے دلیل، محض اپنی انانیت کے غرور میں، اپنی ضد پر اڑے رہنا چاہتے ہیں تو ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کر دے تم نے اپنی دعوتِ پنیپادی۔ اب ان کا فیصلہ اللہ کرے گا۔ وہ ہر چیز سے باخبر اور ہر معاملے کا دو کو فیصلہ کرنے والا ہے۔  
(۲۸-۳۳) مخالفین کے اس معارضہ کا جواب کہ ہم اس وقت تک اس قرآن کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں جب تک وہ عذاب نہ دکھا دیا جائے جس کی تم کو دھکی دی جا رہی ہے۔

(۳۴-۳۹) مشرکین کے اسل سبب انکار کی طرف اشارہ کہ ان کو اس دنیا میں جو مال و جاہ حاصل ہے اس کو وہ خدا کے منظور نظر ہونے کی دلیل بنائے بیٹھے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جس طرح اس دنیا میں وہ کامیاب ہیں اسی طرح آخرت میں بھی (اگر وہ ہوئی) وہی فائز المرام رہیں گے۔ حالانکہ اس دنیا کی نعمتیں اللہ تعالیٰ جس کو دیتا ہے آزمائش کے لیے دیتا ہے کہ وہ اس کو پاکر خدا کا شکر گزار بندہ بنے یا ناشکر۔ آخرت میں اس کے ساتھ اللہ کا معاملہ اس کے عمل کے مطابق ہوگا۔

(۴۰-۴۳) یہ تہنیت کہ اپنے جن معبودوں کی حمایت میں یہ لوگ قرآن اور پیغمبر کی مخالفت کے لیے آج آتینیں چڑھائے ہوئے ہیں ان میں سے ملائکہ کا حال یہ ہوگا کہ جب خدا قیامت کے دن ان سے سوال کرے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری پوجا کرتے ہیں تو وہ اس سے فوراً اظہارِ برائت کریں گے اور جواب دیں گے کہ یہ جنوں کو پوجتے رہے ہیں۔ ہم اس سے بالکل بری ہیں۔

(۴۴-۵۴) خاتمہ سورہ جس میں پہلے تو اس عظیم احسان کی طرف توجہ دلائی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کن ب کی صورت میں ان لوگوں پر فرمایا جو اس سے پہلے قرآن و کتاب سے بالکل نا آشنا تھے۔ پھر نہایت نصیحتانہ انداز میں ان کو معاملے پر سنجیدگی کے ساتھ غور کر کے فیصلہ کرنے کی دعوت دی اور آخر میں یہ دھکی دی کہ اگر قیامت نکل گیا تو پھر ہمیشہ کے لیے پچھتاؤ گے لیکن گزرا ہوا وقت ہاتھ نہیں آئے گا۔



## سُورَةُ سَبَا (٣٢)

مَكِّيَّةٌ ٥٢ آيَاتُهَا ٥٢

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَهُ  
 الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ① يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي  
 الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا  
 وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ② وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِنَا السَّاعَةُ  
 قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عِلْمُ الْغَيْبِ لَا يُعْزِبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ  
 فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ  
 مُبِينٍ ③ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ  
 مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ④ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ  
 لَهُمْ عَذَابٌ مِنْ رِجْزِ الْإِيمِ ⑤ وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي  
 أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ هُوَ الْحَقُّ وَيَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ  
 الْحَمِيدِ ⑥ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنْبِئُكُمْ  
 إِذَا مَرَقْتُمْ كُلَّ مَسْرِقٍ أَنْكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ⑦ أَفَتَرَىٰ عَلَىٰ

آيَات  
٩-١



اللَّهُ كَذِبًا أَرَبِهِ جَنَّةٌ ۚ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي  
الْعَذَابِ وَالضَّلِيلِ الْبَعِيدِ ۝ أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَى مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا  
خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّ نَاشِئَانَا نَخْصِفُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ نَسْقِطُ  
عَلَيْهِمْ كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۝ ۹

الحج

ترجمہ آیات

۹-۱

شکر کا حقدار وہ اللہ ہی ہے جس کا وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی  
کی حمد آخرت میں بھی ہوگی اور وہی حقیقی حکیم و خیر ہے۔ وہ جانتا ہے ہر اس چیز کو جو زمین کے  
اندر داخل ہوتی ہے اور جو اس سے برآمد ہوتی ہے اور جو آسمان سے اترتی ہے اور جو اس  
میں پڑھتی ہے اور وہی رحم فرمانے والا اور بخشنے والا ہے۔ ۲-۱

اور جنہوں نے کفر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آنے کی۔ کہہ دو، ہاں میرے  
خداوند عالم الغیب کی قسم، وہ ضرور تم پر آکے رہے گی! اس سے ذرہ برا بربھ بھی کوئی چیز مخفی نہیں ہے،  
نہ آسمانوں اور نہ زمین میں، اور نہ اس سے کوئی چھوٹی چیز اور نہ بڑی۔ مگر وہ ایک واضح کتاب  
میں مرقوم ہے، تاکہ وہ ان لوگوں کو صدمے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے۔  
وہی لوگ ہیں جن کے لیے مغفرت اور رزق کریم ہے۔ اور جو ہماری آیات کو رک پہنچانے کی  
سعی میں سرگرم ہیں وہی ہیں جن کے لیے دردناک عذاب کا خاص حصہ ہوگا۔ ۵-۳

اور جن کو علم عطا ہوا ہے وہ، اس چیز کو جو تمہاری طرف تھا سے رب کی جانب سے اتاری  
گئی ہے، سمجھتے ہیں کہ یہی حق ہے اور وہ خدائے عزیز و حمید کے راستہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ۶-۱  
اور جنہوں نے کفر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تم کو ایک ایسا آدمی دکھائیں جو تم کو یہ خبر دے  
رہا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو از سر نو ایک نئی خلقت میں اٹھائے جاؤ گے کیا اس



نے اللہ پر جھوٹ باندھ لیا ہے یا اس کو کسی قسم کا جہنم ہے بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہی عذاب اور نہایت دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ۸-۷

کیا انھوں نے اپنے آگے اور پیچھے آسمان و زمین پر نظر نہیں ڈالی! اگر ہم چاہیں تو ان کے سمیت زمین کو دھنسا دیں یا ان پر آسمان سے ٹکڑے گرا دیں! بے شک اس کے اندر ہر اس بندے کے لیے بہت بڑی نشانی ہے جو متوجہ ہونے والا ہو!

## ۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ وَفُو  
الْحَكِيمِ الْخَبِيرِ (۱)

اوپر ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ اس سورہ کی بنیاد شکر اور اس کے لازم و مقتضیات پر ہے۔ ۱۰ سورہ فاتحہ کی تفسیر میں یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی ہے کہ شکر ہی پر توحید اور پھر پورے دین کی عمارت قائم ہے۔ منعم کے شکر بنیاد شکر اور کا واجب ہونا انسانی فطرت کی بدیہیات میں سے ہے۔ انسان پر جس کا بھی کوئی احسان ہوتا ہے وہ اس کا منور اس کے تقیہ شکر گزار ہوتا ہے۔ اگر کوئی اپنے محسن کا شکر گزار نہ ہو تو وہ ٹیم و کمینہ ہے۔ اسی اصل پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ آسمان و زمین کی تمام نعمتیں جن سے انسان ہر لمحہ متمتع ہو رہا ہے اور جن کے اوپر ہی اس کے بقا کا انحصار ہے، کس کی پیدا کردہ اور کس کے قبضہ قدرت میں ہیں؟ یہ سورج، یہ چاند، یہ ابر، یہ ہوا، یہ تارے اور تیارے کس کے بنائے ہوئے ہیں؟ یہ زمین، یہ دریا، یہ پہاڑ، یہ چرند و پرند، یہ اشجار و انہار اور یہ بہرہ و گل کہاں سے آئے ہیں؟ ظاہر ہے کہ ان سوالوں کا صحیح جواب یہی ہے کہ یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کردہ، اسی کی ملک اور اسی کے دستِ تصرف میں ہیں۔ پچھلی سورتوں میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ ان سوالوں کا یہی جواب قرآن کے کڑے کڑے کلمہ نمائین بھی دیتے تھے۔ اس آیت میں قرآن نے اسی بدیہی حقیقت کی یاد دہانی کی ہے کہ وہی اللہ جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا خالق و مالک ہے وہی ان تمام مخلوقات کے شکر کا حقیقی نذر اور بھی ہے جو اللہ کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں سے متمتع ہو رہی ہیں۔ ۱۰ اس شکر کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ سب اسی کی عبادت و اطاعت کریں اور اس عبادت و اطاعت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کریں اس لیے کہ کسی دوسرے کو ان چیزوں کے خلق یا ان کی تدبیر میں کوئی دخل نہیں ہے۔ دوسروں سے انسان کو کوئی فیض



پہنچتا ہے تو محض ایک واسطہ و ذریعہ کی حیثیت سے پہنچتا ہے۔ اس وجہ سے اگر ان کا کوئی حق انسان پر قائم بھی ہوتا ہے تو وہ خدا کے حق کے تحت ہوتا ہے نہ کہ خدا کے حق سے بالاتر یا اس کے برابر۔

شکر کے لوازم کا ظہور آخرت میں فرمایا کہ اسی کی حمد آخرت میں بھی ہوگی۔ اس ٹکڑے سے کئی باتیں واضح ہوئیں۔

ایک یہ کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ربوبیت کا جو اہتمام فرمایا ہے اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کے بعد آخرت کا ظہور ہو۔ اگر آخرت نہ ہو تو یہ تمام ربوبیت بالکل بے معنی و بے غایت ہو کے رہ جاتی ہے۔ اس نکتہ کی وضاحت متعدد مقامات میں ہو چکی ہے اس وجہ سے یہاں اشارے پر کفایت کیجیے۔

دوسری یہ کہ یہ اہل ایمان کے اس ترانہ حمد کی طرف اشارہ ہے جو آخرت میں تمام حقائق کے ظہور اور اللہ تعالیٰ کے مجملہ و غدوں کے ایفاء کے بعد ان کی زبانوں سے بلند ہوگا۔ اس کی طرف سورہ یونس میں اشارہ ہے:   
 'وَاٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (یونس: ۱۰) اور ان لوگوں کی آخری صدا یہ ہوگی کہ شکر کا حقیقی سزاوار اللہ، عالم کا خدا و خدا ہے۔

تیسری یہ کہ یہ شکر کا دو شفعار کی کلی نفی ہے کہ یہ تمام مزمومہ دیوی دیوتا جن کی شفاعت کی امید پر مشرکین پنہنت بیٹھے ہیں، آخرت میں سب ہوا ہو جائیں گے۔ ان میں سے کوئی کسی کے کام آنے والا نہیں بنے گا۔ اس دن مشرکین اپنے معبودوں پر لعنت کریں گے اور معبود اپنے پجاریوں سے اعلان برارت کریں گے۔ سب کی پیشی اللہ واحد کے حضور میں ہوگی۔ اسی کا فیصلہ ناطق ہوگا اور سب پر یہ حقیقت آشکارا ہو جائے گی کہ سزاوار حمد صرف اللہ رب العالمین ہے۔ اس حقیقت کی طرف سورہ قصص میں یوں اشارہ فرمایا گیا ہے:   
 'لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُولٰٓئِ وَالْاٰخِرَةِ ۚ ذٰلِكَ الْحُكْمُ ۚ وَاِلَيْهِ تُجْعَلُوْنَ (القصص: ۲۸) اور ہی حمد کا حق دار ہے دنیا میں اور اسی کی حمد ہوگی آخرت میں اور اسی کے اختیار میں تمام امور کا فیصلہ ہے اور اسی کے آگے تمھاری پیشی ہوتی ہے۔

دہوا الحکیم الخبیر: یہ اوپر کے تمام دعاوی کی دلیل اللہ تعالیٰ کی صفات سے پیش کی گئی ہے کہ وہ حکیم و خبیر ہے اس وجہ سے لازم ہے کہ وہ ایک ایسا دن لائے جس میں اپنے شکر گزار بندوں کو ان کی شکرگزاری کا صلہ دے اور ناشکرے اپنی ناپاسی کی سزا بھگتیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ دنیا ایک بازجہٗ اطفال بلکہ ایک نہایت ظالمانہ کھیل بن کے رہ جاتی ہے اور انبیاء باللہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس کا خالق حکیم نہیں بلکہ ایک کھنڈر ہے حالانکہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ یہ شہادت دے رہا ہے کہ اس کا خالق ایک حکیم ہے۔ اسی طرح اس کے حکیم ہونے کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اس کے بے لاگ عدل کو کسی کی سفارش باطل نہ کر سکے اس لیے کہ اس صورت میں بھی اس کے حکیم ہونے کی نفی ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ خبیر بھی ہے اس لیے کہ

مذکورہ بالا باتوں کی دلیل منشاء انہی سے



جب اس نے ہر چیز پیدا کی ہے تو ضروری ہے کہ وہ اس کے ایک ایک ذرہ اور ایک ایک حرکت و سکون سے باخبر بھی ہو چنانچہ فرمایا ہے 'اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَبَّرَ لَنَ' (المائدہ : ۱۴) دیکھا وہ نہیں جانے گا جس نے سب کچھ بنایا ہے) اس کے اس محیط کُل علم کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ کسی کے معاملے کا فیصلہ کرتے وقت نہ کسی دوسرے کے علم و خبر کا محتاج ہو اور نہ کوئی اس کو اپنی جھوٹی سفارش سے فریب دے سکے۔ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ ان تمام باتوں کو حصر کے اسلوب میں فرمایا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جب حقیقی عالم و مالک اور حقیقی حکیم و خبیر وہی ہے تو اس کے سوا کوئی دوسرا حمد و شکر کا مستزاوار کس طرح ہو سکتا ہے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ (۲)

یہ اسی صفت 'خَبِير' کی وضاحت ہے کہ اس کا علم اس کائنات کے ایک ایک ذرے اور ایک ایک حرکت و سکون کو محیط ہے۔ جو دائرہ زمین میں ڈالا جاتا ہے وہ اس سے بھی باخبر ہوتا ہے اور جو پورا اس سے برآمد ہوتا ہے اس کو بھی وہ جانتا ہے۔ اسی طرح آسمان سے جو خیر و شر نازل ہوتا ہے وہ بھی اس کے علم میں ہوتا ہے اور جو چیزیں اس میں صعود کرتی ہیں ان سے بھی وہ آگاہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کا علم تمام کلیات و جزئیات کو محیط ہے اور وہ ہر چیز کی نگرانی فرما رہا ہے۔ اس کی ملکیت میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی نہ تو اس کے دائرہ علم سے باہر ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ اس کے کسی رشتے میں اس کے علم و اذن کے بغیر کوئی کسی قسم کی نقل و حرکت یا دراندازی کر سکے۔ علم الہی کے اس احاطہ کی وضاحت اس مقصد سے کی گئی ہے کہ شرک کے عوائل میں سے ایک بہت بڑا عامل مشرکین کا یہ مغالطہ ہے کہ بھلا اتنی ناپیدائش کائنات کے ہر کونے اور گوشے، ہر ایک کے قول و عمل اور ہر ایک کے دکھ اور درد سے خدا ہر لمحہ کس طرح واقف رہ سکتا ہے! اس وجہ سے اپنے تصور کے مطابق اس کائنات کے مختلف حصوں کو انھوں نے الگ الگ دیوتاؤں میں تقسیم کیا۔ اس کا تقرب حاصل کرنے اور اس کو اپنی ضروریات سے آگاہ کرنے کے لیے وسائل و وسائط ایجاد کیے۔ جنوں کو آسمان کی خبریں لانے والا مان کر ان کی پرستش کی، فرشتوں کو شفاعت کرنے والا سمجھ کر ان کو دیوتاؤں کا درجہ دیا۔ اس آیت نے ان تمام توہمات پر ضرب لگائی کہ خدا کا علم ہر چیز کو محیط ہے اس وجہ سے کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ وہ اپنی پوری کائنات کے سارے نظام پر خود حاوی اور تنہا کافی ہے۔

وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ یعنی خدا کوئی عالم اور غیر مصف بھی نہیں ہے کہ اس کو راضی کرنے یا اس کی مشرکینے آفتوں سے اپنے کو بچانے کے لیے کسی دوسرے کی سعی و سفارش کی ضرورت پیش آئے بلکہ وہ نہایت مہربان اور نہایت بخشنے والا ہے۔ اس کی رحمت کو متوجہ کرنے اور اس کی مغفرت حاصل کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ بندہ اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور توبہ و اصلاح کرے۔ یہاں یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ شرک



کے حوالے میں سے ایک اہم عامل مشرکوں کا یہ مغالطہ بھی ہے کہ انھوں نے خدا کا تصور ایک نہایت ہونا کی ہستی کی حیثیت سے کیا اور پھر اس کو راضی رکھنے کے لیے انھوں نے اپنے تصور کے مطابق وسائل و ذرائع ایجاد کیے۔ اس ٹکڑے نے اسی داہمہ پر ضرب لگائی ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ ۖ عَلَيْهِمُ الْغُيُوبُ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (۳)

قیامت خدا کی  
منافات کا لازمہ  
تقاضا ہے

یعنی جب اللہ حکیم و خیر ہے، اس کا علم ہر چیز کا احاطہ بھی کیسے ہوئے ہے تو اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ قیامت ضرور آئے لیکن جو ہٹ دھرم ہیں وہ اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں اور بڑے غرور کے ساتھ انکار کرتے ہیں کہ قیامت ہرگز نہیں آئے گی۔

قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ ۚ جس طنطنہ کے ساتھ منکرین کا انکار تھا اسی زور کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یقید قسم، جواب دلوا یا کہ ان کو سنا دو کہ ہاں، میرے رب کی قسم! وہ تم پر ضرور آئے رہے گی۔

‘عَلَيْهِمُ الْغُيُوبُ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ الْآيَةُ’ ‘عَالَمُ الْغُيُوبِ’ ‘رَبِّي’ سے بدل واقع ہے یعنی میرے اس رب کی قسم جو تمام غیب سے واقف ہے، جس سے آسمانوں اور زمین میں، ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ بلکہ ہر چیز ایک نہایت واضح رجسٹر میں درج ہے۔

اس آیت میں علم الہی کی وسعت کا بیان منکرین کی تہدید کے مقصد سے ہے کہ وہ چوکنے ہوں کہ اس ڈھٹائی سے وہ قیامت کا جو انکار کر رہے ہیں تو یاد رکھیں کہ نہ صرف یہ کہ وہ آئے گی بلکہ ہر ایک کو اپنے ایک ایک قول و عمل کا، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، حساب بھی دینا ہے۔ ساتھ ہی اس میں ایک مغالطہ کا ازالہ بھی ہے وہ یہ کہ منکرین کے نزدیک قیامت کے استبعاد کی ایک بہت بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ اتنی وسیع دنیا کے ایک ایک شخص کے ہر قول و فعل کا علم کسے ہو سکتا ہے کہ وہ سب کا حساب کرنے بیٹھے گا! ان کے اس مغالطہ کو دور کرنے کے لیے یہاں بھی اللہ تعالیٰ کے محیط کل علم کا حوالہ دیا جس طرح اوپر توحید کے سلسلہ میں دیا ہے۔

يُعْزِي الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مَوْلَانِ ۚ إِنَّكَ لَكُنَّ عَذَابٌ قَرِيبٌ ۚ وَيَذِقُ الْكَرِيمُ ۚ وَالَّذِينَ يَسْتَوُونَ فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ ۚ إِنَّكَ لَكُنَّ عَذَابٌ قَرِيبٌ ۚ يَجْزِي أَلِيمٌ (۴-۵)

قیامت کا آنا  
کیوں ضروری  
ہے

یہ قیامت کی ضرورت واضح فرمائی کہ اس کا آنا کیوں ضروری ہے۔ فرمایا کہ اس لیے ضروری ہے کہ وہ نہ آئے تو اس کے معنی یہ ہونے کہ خدا کے نزدیک نیک و بد دونوں یکساں ہیں حالانکہ یہ بات بالبداهت غلط ہے۔ یہ دنیا کوئی اندھیر گمراہی نہیں ہے اس وجہ سے لازمی ہے کہ ایک ایسا دن آئے جس میں اللہ تعالیٰ ایمان و عمل صالح والوں کو ان کی نیکیوں کا صلہ اور جہنم والوں کو ان کی کوشش کی ان کو



ان کی اس سخی نامراد کی سزا دے۔

یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ قیامت کا اصل مقصد اہل ایمان کو صلہ دنیا بتایا گیا ہے۔ اس لیے کہ قیامت کا اصل مقصد اور حقیقت ہے ہی یہی۔ مجرمین کو سزا دینا اس کے مقاصد میں سے نہیں بلکہ اس کے لوازم و مقصد اہل ایمان کو نتائج میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا رحمت کے لیے بنائی ہے اور اس رحمت ہی کے لیے اس نے آخرت کا دن بھی رکھا ہے لیکن اس کا لازمی نتیجہ یہ بھی نکلتے گا کہ جو لوگ اپنے آپ کو اس رحمت کا سزاوار نہیں بنائیں گے وہ اس کی نعمت کے سزاوار ٹھہریں گے۔

اہل ایمان کے لیے دو چیزوں کا یہاں ذکر فرمایا ہے۔ ایک مغفرت، دوسری رزق کریم۔ 'مغفرت' سے مراد یہ ہے کہ ایمان و عمل صالح کی زندگی بسر کرتے ہوئے ان سے جو کوتاہیاں اور غلطیاں صادر ہوئی ہوں گی اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے گا۔ 'رزق کریم' ان تمام افعال و غنایات کی ایک جامع تعبیر ہے جن کے وہ جنت میں وارث ٹھہریں گے۔

کفار کا ذکر یہاں 'الَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ' کی صفت کے ساتھ فرمایا ہے۔ 'معاجزتہ' کے کفر کے سرغزوں معنی ایک دوسرے کو شکست دینے کے قصد سے باہم مسابقت کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کی ٹانگ دو رات دن اللہ کی آیات اور اس کی باتوں کو شکست دینے کے لیے وقف رہی ہے ان کو اللہ تعالیٰ 'رجز الیس' کے عذاب میں سے حصہ دے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ اشارہ کفر کے سرغزوں کی طرف ہے جن کے لیے عذاب بھی مخصوص ہوگا۔ اسی مخصوص عذاب کو 'عَذَابٌ قَرِيبٌ' سے تعبیر فرمایا۔ 'رجز' اس عذاب کو کہتے ہیں جو نہایت ہولناک ہے۔

وَبَرِّىَ السَّيِّئِينَ أَكْثَرُ أَلَيْسَ لِمَا نَزَّلْنَا إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ هَوَانٌ لِّأُولَئِكَ لَا يَهْدِي إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ (۶)

یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو علم حقیقی کی روشنی عطا ہوئی۔ عام اس سے کہ وہ ان اہل کتاب میں سے ہوں جنہوں نے اپنے نبیوں اور صحیفوں کے علم کو محفوظ رکھا یا ان سلیم الفطرت لوگوں میں سے ہوں جن کے قلوب ان کی سلامت رومی کے باعث قرآن کی روشنی میں مستنیر ہوئے۔ فرمایا کہ یہ لوگ اس چیز کو بالکل حق سمجھتے ہیں جو تمہاری طرف اتاری گئی ہے۔ یعنی تم جس توحید کی دعوت دے رہے ہو اور جس قیامت سے لوگوں کو ڈرا رہے ہو، وہ اس کی تائید کر رہے ہیں کہ یہی حق ہے اور جو لوگ اپنے مزعومہ مثلاً و شفاء کے بل پر بڑے طنطنہ کے ساتھ توحید اور قیامت کی تکذیب کر رہے ہیں وہ یکسر باطل پر ہیں۔ یہ بات یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے فرمائی گئی ہے کہ اگر بے فکرے اور اُلا ابالی لوگ تمہاری مخالفت کر رہے ہیں تو اس کی پروا نہ کرو، تمہارے اطمینان کے لیے یہ چیز بس کافی ہے کہ جن کے اندر علم و معرفت کی روشنی



ہے وہ تمہارے موید ہیں۔ آدمی کو پروا عاتلوں کی ہونی چاہیے نہ کہ احمقوں اور لائخروں کی۔

’وَيَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُّغِزٍ الْحَمِيدِ‘ یعنی یہ اہل علم اس حقیقت کو بر ملا تسلیم کرتے ہیں کہ یہ کتاب لاریب خدائے عزیز و حمید کے راستہ کی طرف رہنمائی کرنے والی ہے۔ یعنی دوسروں نے جو دین گم کر رکھے ہیں وہ تو تمام تر ضلالت اور ہلاکت کے کھڈ میں گرانے والے ہیں البتہ یہ کتاب خدا کی راہ دکھانے والی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں مذکور ہوئی ہیں، ایک ’عَزِيزٌ‘ دوسری ’حَمِيدٌ‘۔ ’عَزِيزٌ‘ سے اس کی عزت و قدرت کا اظہار ہو رہا ہے اور ’حَمِيدٌ‘ سے دنیا اور آخرت دونوں میں اسی کا سزاوارِ حمد ہونا اور یہ دونوں صفتیں توحید اور قیامت کو متلزم ہیں، جیسا کہ اوپر کے مباحث سے واضح ہو چکا ہے۔

قرآن کی اصطلاح میں حقیقت بھی واضح ہوئی کہ حقیقی علم قرآن کی اصطلاح میں صرف خدا کی معرفت اور آخرت کا علم ہے۔ اگر یہ علم کسی کے اندر نہ ہو تو دوسرے کتنے ہی علوم وہ پڑھ ڈالے اس کا یہ سارا علم اس کے لیے بار آور دوسروں کے لیے خطرہ ہے۔ اسی وجہ سے قرآن نے علماء صرف انہی کو کہا ہے جن کو خدا اور آخرت کی معرفت حاصل ہو:

اِنَّمَا يَخُشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ  
الْعُلَمَاءُ اِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ  
غَفُوْرٌ (فاطر: ۲۸)

اللہ سے اس کے بندوں میں سے بس وہی ڈرتے ہیں جو  
علم رکھنے والے ہیں اور بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت  
رکھنے والا، بخشنے والا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَسْتَكْفِرُ عَلَىٰ رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ ذَا مُنَاقَاةٍ ۚ اِنَّكُمْ لَنُفِيْ  
خَلْقٍ جَدِيْدٍ (۱۰)

کفار کا رویہ

انہیں نہ مسم

کی مخالفت میں

اہل ایمان کی روش کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اب یہ ان لوگوں کی روش بیان ہو رہی ہے جو علم کی روشنی سے محروم، کفر کے اندھیرے میں، ٹھٹھک رہے ہیں۔ فرمایا کہ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ تمہارا اور تمہاری دعوت کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ لوگوں سے کہتے ہیں کہ آؤ ہم تمہیں ایک ایسا سر پھرا دکھائیں جو خدا کا رسول بن کر یہ منادی کرتا پھر رہا ہے کہ لوگ مگر حیب بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو وہ از سر نو زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے! — گویا ان کے نزدیک یہ بات اس قابل بھی نہیں کہ اس کی تردید میں کوئی دلیل دی جائے۔

اَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا اَمْ يَكُنْ لَهُ جِثَّةٌ ۚ بَلِ الْاٰذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ  
وَالنَّصْلِ الْبَعِيْدِ (۸)

یہ ان کے اسی استہزاء کی مزید تفصیل اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا برمحل جواب ہے۔

’اَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا اَمْ يَكُنْ لَهُ جِثَّةٌ‘ یعنی وہ کہتے ہیں کہ اس شخص کا معاملہ دو مال سے خالی نہیں۔ یا تو یہ مانا جائے کہ اس نے یہ خدا پر جھوٹ باندھا ہے کہ خدا نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس کی طرف سے کہہ رہا ہے یا پھر یہ مانا جائے کہ یہ بھی جنوں کی ایک قسم ہے جس میں



یہ شخص مبتلا ہو گیا ہے! مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں بیک وقت اس شخص میں موجود ہیں۔ یہ مفتری بھی ہے اور مجنون بھی!

نَبِلَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ الْآيَةُ: ان متمردين کے اس استہزاء کا جواب قرآن نے فوراً دیا اور دیکھیے کتنا با وقار اور موثر جواب دیا ہے۔

متمردين کے  
کے استہزاء کا  
بادقار جواب

فرمایا کہ ان لال بھکڑوں نے تشنیں بہت غلط کی۔ خرابی نہ داعی میں ہے نہ دعوت میں بلکہ ساری خرابی خود ان لوگوں کے اندر ہے جو آخرت پر ایمان نہیں لارہے ہیں۔ وہ عذاب اور نہایت دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ یعنی ایک گمراہی تو وہ ہوتی ہے جس سے پلٹ کر آنے اور اصلاح کا امکان باقی رہتا ہے، ہزار خرابی کے بعد بھی۔ لیکن جو آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوا اس کی بازگشت کا پھر کوئی امکان باقی نہیں رہ جاتا۔ اس کے لیے امید کے تمام دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے اس انجام کو مستقبل کے صیغہ سے بیان کرنے کے بجائے حال کے اسلوب میں بیان فرمایا اس لیے کہ ان کا یہ انجام ان کے رویہ کے اندر ہی منفر ہے۔ گویا آج ہی وہ اپنی رعوت کے سبب سے اس سے دوچار ہیں۔

أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَى مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ نَا خُفُّ بِهِمْ لَارِثٌ أَوْ نَنْقُطُ عَلَيْهِمْ كَقَافٍ مِنَ السَّمَاءِ ذَاتٍ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةٌ لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ (۹)

اس مجموعہ آیات کی پہلی آیت میں جو مضمون بیان ہوا ہے مجموعہ کے آخر میں اسی مضمون کا ایک نئے اسلوب سے اعادہ ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب خدا ہی کا ہے اس وجہ سے دنیا میں بھی شکر کا حقیقی نذرانہ وہی ہے اور آخرت میں بھی اسی کی حمد ہوگی۔ یہاں فرمایا کہ کیا ان مشکرتوں نے اس حقیقت پر کبھی غور نہیں کیا کہ یہ آسمان جو ان کے سروں پر شامیانے کی طرح بنا ہوا ہے اور یہ زمین جو ان کے قدموں کے نیچے فرش کی طرح بچھی ہوئی ہے اور جن کے فوائد و برکات سے یہ متمتع ہو رہے ہیں، یہ ان کے تھامے ہوئے نہیں تھمے ہیں بلکہ ان کو اللہ ہی نے تھام رکھا ہے؟ اگر اللہ نے ان کو نہ تھام رکھا ہوتا تو یہ دونوں ان کے لیے نعمتوں کے بجائے نعمتوں کا ذریعہ بن جاتے۔ فرمایا کہ ہم جب چاہیں ان کے سمیت زمین کو دھسا دیں اور جب چاہیں اسی آسمان سے ابر رحمت برسانے کے بجائے ان پر پتھر برسادیں! اس کامیابی کی کوئی چیز بھی انسان کو بلا مضطر و نفع نہیں پہنچا رہی ہے بلکہ خدا کے حکم سے پہنچا رہی ہے اور کوئی چیز بھی براہ راست انسان کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ خدا کے حکم سے وہ اس کی نفع رسانی میں سرگرم ہے یہ ایک واضح حقیقت ہے جو انسان پر واجب کرتی ہے کہ وہ کسی نعمت پر اترائے نہیں بلکہ اپنے اس رب کا شکر گزار رہے جس نے اس کو یہ نعمت بخشی ہے اور اس کو خدا کی نافرمانی اور اس سے بغاوت کا ذریعہ بنانے کے بجائے اس کو اسی کی خوشنودی اور فرمانبرداری میں استعمال کرے۔

یہی مضمون آگے والی سورہ ————— سورہ فاطر ————— میں، جو اس کا مثنی ہے، یوں



ارشاد ہوا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُبْدِلُ الْأَرْضَ أَنْ تَزُولَ وَتَكُنْ زَالِيَةً  
إِنَّ أَمْسَكُهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِمَّنْ  
بَعْدَهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا  
عَفُورًا رَافِقًا (۴۱)

بے شک اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے  
کہ وہ اڑھک نہ جائیں اور اگر وہ دونوں اڑھک جائیں  
تو کسی کی تاب نہیں کہ وہ خدا کے مجبور دینے کے بعد  
ان کو تھام سکے۔ بے شک وہ نہایت بردبار اور  
بخشنے والا ہے۔

رُائِنَا فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً يُكَلِّمُ بَدِيْءٍ مُّبِيْنٍ  
اندر اس بات کی بہت بڑی دلیل موجود ہے جس کی قرآن ان کو دعوت دے رہا ہے لیکن اس دلیل تک  
رسائی کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر حقیقت کی طلب، عبرت پذیری کی صلاحیت اور متوجہ ہونے والوں  
جس کے اندر یہ اوصاف نہ ہوں ان کے لیے کوئی نشانی بھی کارگر نہیں ہو سکتی۔

## ۲۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۱۰-۲۱

آگے تاریخ سے دو مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ پہلی مثال حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کی ہے جن کو  
اللہ تعالیٰ نے عظیم بادشاہی، عظیم علم و حکمت اور آسمان و زمین کی بے شمار نعمتوں سے نوازا اور وہ ان نعمتوں  
کو پاکر طغیان و فساد میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ برابر اپنے رب کے شکر گزار اور فرماں بردار رہے۔ ان کی اس  
شکرگزاری کا صلہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ دیا کہ ان کے لیے نعمتوں میں برابر اضافہ پراضافہ ہوتا رہا۔  
دوسری مثال اہل سبا کی ہے۔ ان کو بھی ایک نہایت آباد و زرخیز ملک کی حکومت ملی لیکن وہ اس  
کو پاکر طغیان و فساد میں مبتلا ہو گئے بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک سیلاب بھیج کر اس طرح ان کو تباہ کر دیا  
کہ وہ ایک داستانِ پارینہ بن کر رہ گئے۔

یہ دونوں مثالیں قریش کے مترفین و متکبرین کے سامنے پیش کی گئی ہیں کہ ان کے سامنے بھی یہ دونوں  
راہیں کھلی ہوئی ہیں۔ وہ چاہیں تو حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح خدا کے شکر گزار  
رہ کر اپنے آپ کو خدا کی نعمتوں کا حقدار بنا سکتے ہیں اور چاہیں تو اہل سبا کی روش اختیار کر کے اس کے قہر کو  
بھی دعوت دے سکتے ہیں۔ ساتھ ہی اس میں یہ تذکیر بھی ہے کہ جب اس دنیا میں خدا کے قانونِ مجازات  
کے ظہور کی یہ مثالیں موجود ہیں تو آخرت میں اس کے ظہور کو کیوں متعجب خیال کرتے ہو! — اس روشنی  
میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يٰجِبَالُ اَرِيْنِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ ۚ وَالنَّارُ  
لَهُ الْحَدِيْدُ ۝ اِنْ اَعْمَلُ سَبِيْعَتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا

آیات ۲۱-۱۰



صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ⑪ وَلَسْلَيْتُ مِنَ الرِّيحِ غَدُوًّا  
شَهُورًا وَرَوَاحَهَا شَهْرًا وَأَسْلَتُ لَهَا عَيْنَ الْقَطْرِ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ  
يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَمَنْ يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نَذَرُهُ  
مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ⑫ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبٍ  
وَتَمَاشِيلٍ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيَةٍ ⑬ ارْجِعُوا آلَ دَاوُدَ تَشْكُرًا  
وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ ⑭ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا  
دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ فَلَمَّا  
خَرَبَتِ بَنَاتُ الْجِنِّ أَنْ كُنَّ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ  
الْمُهِينِ ⑮ لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكِنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتِ عَنْ  
يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ  
وَرَبُّ غَفُورٌ ⑯ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ  
بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَىٰ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ  
قَلِيلٍ ⑰ ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا ۖ وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ ⑱  
وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم وَبَيْنَ الْقُرَىٰ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا قُرَىٰ ظَاهِرَةً  
وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لِيَاءٍ ۖ أَيَّامًا مَّهِينًا ⑲  
فَقَالُوا دَبَابِنَا بَعْدَ بَيْنِ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ  
أَجَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مَسْرِقٍ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ  
شَكُورٍ ⑳ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا  
مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ㉑ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا لَنَعْلَمَ



مَنْ يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ ۚ وَرَبُّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيفٌ ﴿٢١﴾

ع ۲۱

ترجمہ آیات

۱۰-۲۱

اور ہم نے دائد کو اپنے خاص فضل سے نوازا۔ اے پہاڑو، تم بھی اس کے ساتھ تسبیح میں شرکت کرو اور یہی حکم ہم نے پرندوں کو بھی دیا۔ اور ہم نے اس کے لیے لوہے کو نرم کر دیا کہ ڈھیلی ڈھالی زرہیں بنا دے اور ان کے جوڑے پیوستہ رکھو اور سب نیک عمل کو دبائے تک تم جو کچھ کرتے ہو میں اس کو اچھی طرح دیکھ رہا ہوں۔ ۱۰-۱۱

اور ہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو مستخر کر دیا۔ اس کا جانا بھی مہینہ بھر کا ہوتا اور آنا بھی مہینہ بھر کا ہوتا اور ہم نے اس کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور حیات میں سے بھی اس کے لیے مستخر کر دیے جو اس کے رب کے حکم سے اس کے حضور خدمت کرتے (اور ان کے لیے ہمارا حکم یہ تھا کہ) جو ان میں سے ہمارے حکم سے سترابی کرے گا تو ہم اس کو دوزخ کا عذاب چکھائیں گے، وہ اس کے لیے بناتے جو وہ چاہتا، مہرابیں، محبتیں، حوضوں کے مانند لگن، اور لشکر اندازہ دیگیں — اے آل دائد، لشکر گزاری کے ساتھ عمل کرو اور میرے بندوں میں لشکر گزار تھوڑے ہی ہیں۔ ۱۲-۱۳

پس جب ہم نے اس پر موت کا فیصلہ نافذ کیا تو ان کو اس کی موت سے نہیں آگاہ کیا مگر زمین کے کیڑے نے جو اس کے عصا کو کھاتا تھا پس جب وہ گریڑا تب جنوں پر واضح ہوا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں نہ پڑے رہتے۔ ۱۴

اور اہل سبا کے لیے بھی ان کے مسکن میں بہت بڑی نشانی موجود تھی۔ دہنے بائیں دونوں جانب باغوں کی دو قطاریں۔ اپنے رب کے بخشے ہوئے رزق سے متمتع ہوا اور اس کے لشکر گزار زمین شاداب و زرخیز اور پروردگار بخشنے والا ہے!! تو انھوں نے سترابی



کی توہم نے ان پر بند کا سیلاب بھیج دیا اور ان کے باغوں کو در ایسے باغوں سے بدل دیا جن میں  
بد مزہ پھل والے درخت اور جھاڑ اور پیری کی کچھ جھاڑیاں رہ گئیں۔ یہ ہم نے ان کی ناشکری کا بدلہ  
دیا اور ہم برا بدلہ ناسپاسوں ہی کو دیا کرتے ہیں! ۱۵-۱۷

اور ہم نے ان کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان، جن میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں ہر راہ  
بستیاں بھی آباد کیں اور ان کے درمیان سفر کی منزلیں بٹھرا دیں۔ ان میں رات دن بے خوف و خطر  
سفر کرواپس انھوں نے کہا، اے رب ہمارے سفروں میں دوری پیدا کر دے اور انھوں نے اپنی  
جانوں پر ظلم ڈھائے تو ہم نے ان کو افسانہ پارسیہ بنا دیا اور ان کو بالکل تتر بتر کر چھوڑا۔ بے شک  
اس کے اندر نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے، شکر کرنے والے کے لیے۔ ۱۸-۱۹

اور ابلیس نے ان کے اوپر اپنا گمان سچ کر دکھایا۔ سوا انھوں نے اس کی پیروی کی۔ صرف  
اہل ایمان کا ایک گروہ اس سے بچ سکا۔ اور اس کو ان کے اوپر کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔ بس  
یہ کہ ہم تمیز کر دیں ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے جو اس کی بابت شک  
میں ہیں اور تمھارا رب ہر چیز کا نگران ہے۔ ۲۰-۲۱

### ۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا - يُجِبَالُ اَوْبِي مَعَهُ وَالطَّيْرُ وَالنَّارُ وَالْحَدِيدُ (۱۰)

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان پر اللہ تعالیٰ نے جو فضل خاص فرمایا اس کی تفصیل سورہ انبیاء اور

سورہ نمل میں گزر چکی ہے۔ یہاں ہم اپنی بحث صرف مزوری حد تک محدود رکھیں گے۔

يُجِبَالُ اَوْبِي مَعَهُ وَالطَّيْرُ۔ یہ اشارہ ہے اس سوز و گداز کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے حضرت

داؤد کو عطا فرمایا تھا کہ جب وہ پہاڑوں کے دامن میں بیٹھ کر اپنے خاص لاہوتی نعم میں اپنے رب کی حمد کا

ترانہ پھیڑتے اور اپنی منظوم مناجاتیں پڑھتے تو شجر و سحر اور چرند پرند سب جھوم اٹھتے اور ان کی ہم نوائی کرتے۔



تَاوُیْبَ کے اصل معنی 'ترجیع' کے ہیں یعنی کسی کے ستر میں اپنا ستر ملانا، اس کی آواز کو دہرانا، اس کی ہم آہنگی اور ہم نوائی کرنا۔ یوں تو اس کائنات کی ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے اور جب وہ تسبیح کرتی ہے تو لازماً تسبیح کرنے والوں کی ہم نوائی بھی کرتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جس طرح حضرت داؤد کو خاص نوع کا لکڑہٹا اور خاص قسم کا لہن عطا فرمایا تھا اسی طرح اپنے خاص حکم سے پہاڑوں اور پرندوں کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ جس وقت حضرت داؤد اپنے رب کی حمد و تسبیح کریں، وہ بھی ان کے ساتھ اس میں شریک ہوں۔ سورہ انبیاء میں یہی مضمون یوں ادا ہوا ہے: **وَبَشِّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْيَحْيَىٰ وَالْإِسْحَاقَ** (اور ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا اور پرندوں کو بھی)۔

پہاڑوں اور  
پرندوں کی طرف  
سے ہم نوائی

وَالنَّاسُ الْعَبِيدُ ان کی رزم کا حال بیان کرنے کے بعد یہ ان کی رزم کا حال بیان ہو رہا ہے کہ ہم نے اس کے لیے لوہے کو رزم کر دیا۔ اس کی وضاحت سورہ انبیاء میں ہو چکی ہے کہ انھوں نے لوہے کو گھیمپے اور اس سے نہایت باریک ٹریوں کی زربیں بنانے کے فن کو اتنی ترقی دی کہ لوہے کی زربیں ایسی ڈھیلی ڈھالی بننے لگیں کہ معلوم ہوتا کہ کسی پتھر سے بٹائی گئی ہیں جن کا پہننا نہایت آسان ہوتا اور حفاظت کر پلو سے وہ لوہے کا کام دیتیں۔

رزم کے بعد  
ان کی رزم  
کا حال

اِنْ اَعْمَدُ نَسِیْمٍ ذُو ذُرٍّ فِی السَّرْدِ وَاسْمَاوُا صُلِحًا رِّقًۢی بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (۱۱)

'نَسِیْمٌ' ڈھیلے ڈھالے لباس کو کہتے ہیں جو پورے جسم کو ڈھانک لے۔ یہاں یہ ڈھیلی ڈھالی زربوں کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ 'ذُو ذُرٍّ فِی السَّرْدِ' میں 'سَرْد' کے معنی بناوٹ کے اور 'قَدِیْر' کے معنی بناوٹ میں پورے تناسب کو ملحوظ رکھنے کے ہیں۔

لوہے کی صفت  
میں ادبیت  
کا امتیاز

لوہے سے ایسا لباس تیار کر لینا جو ڈھیلہ ڈھالا بھی ہو اور اس کی کڑیوں میں پورا تناسب بھی ملحوظ رہ سکے بغیر اس کے ممکن نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد پر لوہے کے گچھلنے کی ایسی اعلیٰ سائنس کا انکشاف فرمایا، جس کی اولیت کا سہرا انہی کے سر ہے۔ اپنی اس ایجاد سے انھوں نے دفاعی اسلحہ میں ایک نہایت بیش قیمت اضافہ کیا جس سے ان کی فوجی قوت ان کے حریفوں کے مقابل میں بہت بڑھ گئی۔

وَاعْمَلُوا صِلَةً مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ اور پرکے ٹکڑے میں اس فن کو زیادہ سے زیادہ ترقی دینے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے حوصلہ افزائی فرمائی گئی ہے اس ٹکڑے میں اس فن کا اخلاقی نقصان بیان ہوا ہے کہ اس کو پاکر ہلک نہ جانا اور اس کو زمین میں فساد کا ذریعہ نہ بنانا بلکہ اس بات کو برابر یاد رکھنا کہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ یہ ہدایت اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد اور ان کے تمام آل و تابع کو فرمائی۔ اس کا ذکر بار بار زبور اور انجیل میں بھی آیا ہے۔

اس فن کا  
نقصان

اس زمانے میں انسان نے سائنس میں جو ترقی کی ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس سے بڑے بڑے فائدے پہنچے ہیں اور پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن دو باتیں

موجودہ دور کے سائنس دانوں  
کی بے چارگی اور انہی کی



انسان بھول گیا ہے۔ ایک یہ کہ سائنس کا ہر انکشاف جو ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے ہوا ہے۔ دوسری یہ کہ ہر نعمت اور ہر قوت کا یہ بدیہی تقاضا ہے کہ انسان اس کو خدا کی امانت سمجھے اور یہ یاد رکھتا ہو اس کو استعمال کرے کہ جس خدا نے یہ بخشی ہے وہ دیکھ رہا ہے کہ میں اس کو کہاں استعمال کرتا ہوں۔ ان دو حقیقتوں کے فراموش کر دینے کی وجہ سے اب سائنس انسان کے لیے ایک عظیم خطرہ بن گئی ہے اور نہیں کہا جاسکتا کہ انسان اپنے ہی ایجاد کیے ہوئے اسلحہ سے کب خودکشی کرے۔

وَسُلْبَيْنِ الرِّيحِ غُدُوًّا شَرُّهُ وَبَدَا حَمَّا شَرُّهُ وَاسْلَنَّا لَهُ عَيْنَ الْقَيْطِ وَ مِنْ الْجَنِّ مَنْ قَيْمَلُ  
بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَمَنْ يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نَذِقْهُ مِنْ عَذَابِ الشَّعِيرِ (۱۲)

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح لہجے کے استعمال کا نہایت اعلیٰ فن تعلیم فرمایا جس سے حضرت یمان انھوں نے اپنی بڑی قوت میں بے مثال اضافہ فرمایا اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا کے کنٹرول کرنے کی بھری قوت کا فن عطا فرمایا جس سے انھوں نے اپنے بھری بڑے کو اس قدر ترقی دی کہ ان کے جہازات مہینوں کا سفر بے روک ٹوک جاری رکھتے۔ سورہ انبیاء کی آیت ۸۱ کے تحت ہم ذکر کرتے ہیں کہ ان کے بادبانی جہازات نہایت دور دور کے سواحل تک سفر کرتے اور ان کے بادبان ایسے سائنٹیفک طریقہ پر بنائے گئے تھے کہ ہوا کی قلت یا شدت یا مخالفت سے ان کے سفر میں کوئی خلل واقع نہ ہوتا۔ سورہ ص میں ہے فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ (۳۶) پس ہم نے ہوا کو اس کی خدمت میں لگا دیا تھا وہ نہایت سازگاری کے ساتھ اس کے حکم سے چلتی جہاں وہ پہنچتا۔ سورہ انبیاء میں ہے وَسُلْيَمٰنَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكَاتُهَا (۸۱) اور ہم نے سلیمان کے لیے بادِ تند کو بھی مسخر کر دیا تھا جو چلتی تھی اس کے حکم سے اس سرزمین کی طرف جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں)۔

آیت زیر بحث میں انہی جہازوں کے طویل سفر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ان کی ایک ایک ٹرپ مہینہ مہینہ بھری طویل مدت پر مستند ہوتی۔ ذکر اگرچہ ہوا کا ہے لیکن مقصود جہازوں ہی کا جانا اور آنا ہے۔ گویا اصل عامل کا ذکر بزرگ کے معمول کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس لیے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اصل تصرف ہواؤں ہی میں ظاہر ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ لمبے لمبے سفر اسی صورت میں ممکن تھے جب یہ جہازات نہایت بڑے بڑے بھی ہوں اور ان کے ساتھ ہوا کے کنٹرول کرنے کا نظام اتنا اعلیٰ اور مستحکم ہو کہ وہ ہر قسم کے کمندروں کے اندر ہر نوع کی ہواؤں کا نہایت خون کے ساتھ مقابلہ کر سکیں۔ یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ صبحِ عربی میں غدا اور دواح کے الفاظ صبح اور شام کی تیسرے مجرہ ہو کر صرف جلنے اور آنے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً ذُو عَدُوَّتٍ مِنْ أَهْلِ تَبَوُّيٍّ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ يُلْقَتَالِ (ال عمران: ۱۱۱) اور جب کہ تم نکلے اپنے گھر سے مسلمانوں کو جنگ کے مورچوں میں مامور کرنے) اسی طرح لفظ دواح پر صاحبِ اقرب الموارد نے لکھا ہے کہ دُوْدٌ يَسْتَعْمِلُ لِمَطْلَقِ الْمَعْنَى وَالذَّهَابُ رِيَّةُ نَفْظٍ مُطْلَقٍ آتِيٍّ أَوْ جَانِيٍّ كَالْمَعْنَى يَسِي



استعمال ہوتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ ہوا کی تسخیر سے مراد مجرد ہوا کی تسخیر نہیں بلکہ جس طرح ادا پر حضرت داؤد کے لیے لوہے کو نرم کرنے سے مقصود ان کی اسلحہ سازی اور جنگی قوت کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ دوسرے مقام میں اس کی وضاحت بھی فرمادی ہے: **وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكَ لَمَّا تَحْضِيكَمْ قَتُّ بَاسِكُهُ (الانبیاء: ۸۰)** (اور ہم نے اس کو ایسے لباسوں کی صنعت سکھائی جو تمہاری جنگوں میں تمہیں محفوظ رکھے)، اسی طرح حضرت سلیمان کے لیے ہوا کی تسخیر سے مقصود ان کے بحری بیڑے کی قوت و شوکت کی طرف اشارہ مقصود ہے اور ان کے بحری بیڑے کی وسعت کا جو مال تھا اس کی طرف ہم سورہ انبیاء کی تفسیر میں اشارہ کر چکے ہیں۔

تانبے کی

صنعت

**وَأَسْلَمْنَا لَهُ بَيْتَ الْبَقَرِ**۔ 'قطر' تانبے کو کہتے ہیں۔ تانبے کو تمدنی ترقی میں جو دخل حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اس عہد کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں تانبے کی بھی بہت بڑی مقدار برآمد ہوئی اور اس کو انھوں نے اپنی تمدنی و تعمیری ترقیوں میں نہایت خوبی کے ساتھ استعمال کیا۔ آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تانبہ سیال شکل میں برآمد ہوتا اور پھر منجمد ہو کر مختلف ضرورتوں میں استعمال ہوتا۔ آگے بڑی بڑی دیگیوں اور لگنوں کا ذکر آ رہا ہے، ظاہر ہے کہ وہ اسی کی بنتی تھیں۔ ہیکل کی تعمیر میں بھی، جیسا کہ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس دھات کا بہت استعمال کیا۔ آج عربوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے تیل کے چشمے جاری کر دیے ہیں، حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اس نے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا تھا۔ زمین کے جتنے خزانے بھی ماضی میں دریافت ہوئے یا آج دریافت ہو رہے ہیں یا مستقبل میں دریافت ہوں گے وہ سب اللہ ہی کی بخشی ہوئی رہنمائی سے دریافت ہوئے اور ہوں گے جن کی نگاہیں حقیقت میں ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہر چیز کا منبع اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن جن کی نگاہوں کو سامنے نہ خیر و کر رکھا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ ان کی اپنی کارستانی ہے۔

تسخیر نبات

ہاں

**وَمِنْ آيَاتِهِ مَن يَجْعَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ رِجْلًا**۔ سورہ نمل کی تفسیر میں ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا علم بھی عطا فرمایا تھا جس کے ذریعے سے وہ شہر و جنوں کو قابو میں کر کے ان کو اپنے مختلف کاموں میں استعمال کرتے تھے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جن براہ راست حضرت سلیمان علیہ السلام کے تصرف میں نہیں ہوتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ ان کی اطاعت کرتے تھے۔ اور اگر ان سے کوئی عدول حکمی صادر ہوتی تو اللہ تعالیٰ ہی ان کو سزا دیتا تھا: **وَمَنْ يَرْغَبْ مِنْهُمْ عَنْ آمُرْنَا نَذِقْهُ مِنْ عَذَابِ الشَّعِيرِ** (ان میں سے جو ہمارے حکم کی سرطانی کرے گا تو ہم اس کو آگ کا عذاب چکھائیں گے) بعض لوگوں نے جنوں سے دیوبیکل اور طاقتور آدمی مراد لیے ہیں لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ سورہ نمل میں صاف تصریح ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں سب پر مشتمل تھا: **وَجُشُرُ سُلَيْمَانَ جُودُهُ مِنَ الْجِبِّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ** (اور سلیمان کے ملاحظہ کے لیے اس کا لشکر۔ جنوں، انسانوں



اور پرندوں پر شتمل۔ اکٹھا کیا گیا، اگر جن سے مراد انسان ہی ہوتے تو یہاں بیٹوں کے الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُونَ مِنْ مَحْرِيْبٍ دُخَانًا مِثْلَ نَبُخٍ وَجِثَانٍ كَالْجَوَابِ وَقَدُورٍ رِيشَتٍ مِثْلَ الدُّرِّ  
الْأَدَاوَةِ سُكَّرًا وَدَقِيقًا مِّنْ عِبَادِي الشُّكُورِ (١٣)

یہ ان کاموں کی تفصیل ہے جن میں حضرت سلیمانؑ ان مستحرجوں کو استعمال کرتے تھے۔ یہ سارے کام تعمیری، تمدنی اور اصلاحی ہیں۔ یہودی اپنے دورِ زوال میں جب علوم سفلیہ میں مبتلا ہوئے تو ان خرافات کو انھوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کیا۔ یہاں قرآن نے واضح فرمایا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے جنات کو جس علم سے مسخر کیا وہ اللہ تعالیٰ نے خاص اپنے فضل سے ان کو بخشا تھا، اس کو سفلی علوم سے کوئی تعلق نہیں تھا اور جنات سے جو کام انھوں نے لیے وہ سب تعمیری اور تمدنی کام تھے۔ ان کو انھوں نے فاسد اغراض کے لیے استعمال نہیں کیا۔ اس مضمون کی تفصیل سورہ بقرہ میں آیت 'وَمَا كَفَرُوسُلَيْمَاتُ'۔۔۔ الایۃ کے تحت گزر چکی ہے۔

محراب  
اندراٹیل

۱۔ مَحْرَابٌ وَتَمَازُیْدُ : یعنی ان جنوں سے حضرت سلیمان علیہ السلام محراب میں اور مجھے بھی بتواتے تھے ۔ 'محراب' میرے نزدیک اپنے معروف معنی ہی میں یہاں استعمال ہوا ہے اس کے خاص طور پر ذکر کی وجہ یہ ہے کہ کسی عمارت کا سب سے زیادہ نمایاں حصہ اس کی محرابیں ہی ہوتی ہیں جو دیکھنے والوں کو سب سے پہلے نظر آتی ہیں۔ اس وجہ سے تعمیری آرٹ کا سب سے زیادہ مظاہرہ انہی پر ہوتا ہے۔ حضرت سلیمان کی تعمیر کرائی ہوئی عمارتوں میں سے بیکل اور ان کے محل کی تعمیر کی تفصیل کتاب سلاطین میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی محرابوں پر تعمیری آرٹ کا پورا کمال صرف کیا گیا تھا۔ ان پر نہایت خوبصورت پھولوں کے نقش ابھارے لگائے تھے۔

تَشَابُہٗ تَشَابُہٗ کی جمع ہے :- تَشَابُہٗ کسی چیز کی صورت یا کاندہ کی ہوئی صورت، شبیہ یا اس کے پیکر اور مجسمہ کو کہتے ہیں۔ یہ صورت بے جان چیزوں کی بھی ہو سکتی ہے، مثلاً کسی دریا، پہاڑ، درخت، جھاڑی پھول وغیرہ کی اور حقیقی یا فرضی جاندار چیزوں کی بھی ہو سکتی ہے، مثلاً انسان، فرشتے، جنات اور حیوانات وغیرہ کی۔ تو رات کی کتاب سلاطین سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ان دونوں ہی قسموں کی تماثل بنوائیں۔ مثلاً ان کے محل کے ذکر کے سلسلہ میں ہے :-

”اور ان عاشیوں پر جو پٹروں کے درمیان تھے شیر اور بیل اور کر دی بنے تھے: سلاطین: ا ب - ۲۹  
اسی طرح ہیکل کی تعمیر کے بیان میں ہے۔

۱۰۔ راہم گاہ میں اس نے زیتون کی لکڑی کے دو کڑی دس دس ہاتھ اونچے بناٹے اور کڑیوں کا ایک

باز دپانچ ہاتھ کا اور دوسرا باز دھبی پانچ ہی ہاتھ کا تھا۔



”اور اس گھر کے اندر دیوار تھا جس پر لٹوا اور کھلے ہوئے پھول کندہ کیے گئے تھے“ سلاطین: باب ۱۸۔  
 ”اس گھر کی سب دیواروں پر گردا گرد، اندر اور باہر کردیموں اور کھجور کے درختوں اور کھلے ہوئے  
 پھولوں کی صورتیں کندہ کیں“ سلاطین: باب ۲۰۔

جہاں تک بے جان چیزوں کی صورتوں اور صورتوں کا تعلق ہے ان کے جواز میں تو کوئی اختلاف رائے  
 نہیں ہے لیکن جاندار چیزوں، بالخصوص فرشتوں کی صورتوں کا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے  
 اس کو کس طرح جائز سمجھا۔ اگر اس کا جواب یہ دیا جائے، جیسا کہ عام طور پر ہمارے مفسرین نے دیا ہے، کہ  
 بنی اسرائیل کی شریعت میں یہ چیزیں حرام نہیں تھیں تو یہ جواب تورات سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ تورات  
 میں ان چیزوں کی حرمت نہایت واضح الفاظ میں وارد ہوئی ہے۔ خروج - ۲۰: ۲ - ۵ میں ہے:-

”خداوند تیرا خدا جو تجھے زمین مصر سے، غلامی کے گھر سے، نکال لایا، میں ہوں۔ میرے حضور  
 تیرے لیے دس را خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لیے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت، جو اوپر آسمان پر  
 یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے سے مت بنا۔ تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ ان  
 کی عبادت کر کیونکہ میں تیرا خدا غیر تو خدا ہوں۔“

دیکھ لیجیے اس میں نہایت واضح الفاظ میں صورت یا مورت بنانے کی ممانعت ہے۔ اس وجہ سے  
 یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ کچھلی شریعتوں میں یہ چیزیں جائز تھیں، صرف اسلام میں یہ حرام قرار دی گئی ہیں۔ یہ  
 چیزیں پہلے بھی ناجائز تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے  
 تورات کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی۔ اس وجہ سے ہمارا خیال یہ ہے کہ انھوں نے اسی قسم کی تماشیل بنوائی  
 ہوں گی جن کا تعلق فجر وارٹ سے ہے اور مذہبی تقدس کا جن کے اندر کوئی شائبہ نہیں تھا۔ لیکن جب یہودی  
 مورت پرستی کا رواج ہوا ہوگا تو اس قسم کی چیزیں ان کے بادشاہوں نے بنوائی ہوں گی اور ان کو سب جواز دینے  
 کے لیے ان کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا گیا ہوگا۔ آخر تمام علوم سفلیہ بھی تو حضرت سلیمان  
 علیہ السلام ہی کی طرف یہود نے منسوب کیے جس کی تردید سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ اسی طرح کی خرافات  
 ان کی طرف کتاب سلاطین میں بھی منسوب کر دی گئی ہیں یہ امر واضح رہے کہ یہود نے حضرت سلیمان کو ایک پیغمبر  
 کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک بالکل دنیا دار بادشاہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور ان کی میرت ہر پہلو سے  
 انھوں نے داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔

”وَجَفَانِ كَالْجَوَابِ وَقَدْ وَدَّ رَسِيَّتِ“ - ”جفان“ ’جفنة‘ کی جمع ہے جس کے معنی تھاں اور لگن کے  
 ہیں اور ’جوابی‘ ’جبابۃ‘ کی جس کے معنی حوض کے ہیں۔ ’راسیات‘ پہاڑوں کی صفت کے لیے آتا ہے۔  
 یہاں یہ ان بڑی بڑی دیگیوں کے لیے آیا ہے جو اتنی بھاری بھر کم ہوتیں کہ آسانی سے ایک جگہ سے دوسری  
 جگہ منتقل نہیں کی جاسکتی تھیں۔ وہ ایک ہی جگہ چرہوں پر نصب رہتیں اور بیک وقت منوں کے حجاب سے

ایک شکل

کا جواب

حضرت سلیمان

کا جو ذکر



ان میں کھانا پکتا۔

اوپر کے ٹکڑے میں سلیمانی تمدن کے آرٹ کے پہلو کو نمایاں کیا گیا تھا۔ اس ٹکڑے میں ان کے جو دو کرم کو نمایاں کیا گیا ہے کہ جنات حضرت سلیمان کے لیے بڑے بڑے لگن بناتے جو حوضوں کے مانند ہوتے اور بھاری بھر کم دیگیں بناتے جو ایک ہی جگہ لنگر انداز رہتی تھیں۔ یہ حوضوں کے مانند لگن اور بھاری کم دیگیں کا ذکر حضرت سلیمان کے جو دو کرم کی تعبیر کے لیے ہے۔ اگر آپ کو یہ کہنا ہو کہ فلاں شخص بڑا فیاض ہے، اس کے خوان کرم سے ایک خلقِ عظیم کی پرورش ہو رہی ہے تو فصیح عربی میں اس کی تعبیر کے لیے یہ دو حرف کافی ہوں گے کہ **لَهُ قُدُوٌّ وَبَسِیْتُ** عرب شعرائے ماقم اور اپنے دوسرے فیاضوں کے لیے یہی ستعارہ استعمال کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان کے ہاتھوں جو تمدن وجود میں آیا اس میں صرف سائنس، آرٹ اور شوکت کی نمائش ہی نہیں تھی بلکہ اس کے پہلو بہ پہلو اس میں غربا پروری کا نہایت وسیع اور فیاضانہ اہتمام بھی تھا۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس تمدن کی تحسین فرمائی۔ جس تمدن میں یہ دونوں پہلو، پورے توازن کے ساتھ موجود ہوں وہ مبارک تمدن ہے۔ اس کے برعکس جس تمدن میں آرٹ اور طمطراق کی نمائش تو ہو لیکن غربا پروری نہ ملے وہ تمدن شیطانی ہے۔

**اعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا**۔ یہ اس فضل و انعام کا حق بیان ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان پر فرمایا۔ ان کو ہدایت ہوئی کہ اس علم و سائنس اور ان ارضی و سماوی برکات کو پا کر بہک نہ جانا بلکہ اپنے رب کی شکرگزاری کے ساتھ ہر چیز اس کے صحیح محل میں برتنا اور ہر قدم صحیح سمت میں اٹھانا۔ یہ نصیحت یوں تو اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت زبانِ مال سے بھی کرتی ہے لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام پیغمبر تھے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے بھی ان کو اس کی ہدایت فرمائی۔ اس کا ذکر زبور اور امثال دونوں میں بار بار آتا ہے۔ یہاں آل دَاوُد سے خطاب کے اندر حضرت سلیمان علیہ السلام، ان کے آل و اولاد اور ان کے تمام اتباع کے لیے یہ یاد دہانی ہے کہ خدا کی شکرگزاری میں اپنے باپ کے نقش قدم کی پیروی کرنا اس لیے کہ یہ تمام عظمت و شہرت تم نے انہی سے وراثت میں پائی ہے اور ان کو اللہ نے یہ سب کچھ ان کی شکرگزاری کے صلہ میں عطا فرمایا تھا۔

**وَقِيلَ لِمَنْ عِبَادِي الشُّكْرُ**۔ یہ ایک مزید تنبیہ اور نہایت اہم تنبیہ ہے کہ شکر کی راہ کوئی آسان راہ نہیں ہے بلکہ نہایت کٹھن راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں بخشا بہتوں کو ہے لیکن ان کو پا کر ان کا حق ادا کرنے والے بہت تھوڑے نکلتے ہیں۔ زیادہ ایسے ہی نکلتے ہیں جو خدا کے باغی و نافرمان بن جاتے ہیں۔ اس سے حکمتِ دین کا یہ نکتہ واضح ہوا کہ صبر اور شکر میں سے زیادہ مشکل امتحان شکر کا امتحان ہے۔ حضرت مسیح کے ارشادات سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ انھوں نے اسی حقیقت کو یوں واضح فرمایا



کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا آسان ہے پر دولت مند خدا کی بادشاہی میں نہیں داخل ہو سکتا۔  
 فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْهُ فَأَنزَلْنَاهُ فِي جَنَّتِ  
 أَلَيْسَ إِنَّ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثْنَا فِي الْعَذَابِ الْمُبِينِ (۱۴)

جنت کے  
 باس علم غیب  
 کا کوئی ذریعہ  
 نہیں ہے

ادھر کی آیات سے ان لوگوں کی پوری پوری تردید ہو گئی جو اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ حضرت سلیمان کی ساری کار فرمائیاں نمودار جنت کی رہیں احسان تھیں۔ اب آخر میں یہ اشارہ بھی فرما دیا کہ جنت کے پاس غیب کے جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ وہ اس سے اسی طرح بے خبر ہیں جس طرح دوسری مخلوقات بے خبر ہیں۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے حضرت سلیمان کی وفات کے واقعہ کا حوالہ دیا ہے کہ جس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات ہوئی وہ اپنے مستخرجوں کے کام کی نگرانی کر رہے تھے لیکن جنت کو ان کی موت کی خبر نہیں ہوئی۔ وہ بدستور اپنی بیگاریں جتے رہے۔ بالآخر ایک طویل وقفہ کے بعد ان کو پتہ چل سکا کہ حضرت سلیمان کی وفات ہو چکی ہے تب وہ ان کی غلامی سے رہائی حاصل کر سکے۔

واقعہ کی صورت  
 صورت

واقعہ کی صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت سلیمان اپنے اہم کاموں کی نگرانی، خصوصاً جو جنت کے ہاتھوں انجام پاتے، بنفس نفیس فرماتے۔ چنانچہ وہ اپنی عصا کی ٹیک لگائے ہوئے کسی تعمیری کام کی نگرانی کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں ان کی موت کا وقت آگیا اور فرشتہ اہل نے ان کی روح قبض کر لی لیکن وہ جس طرح عصا کے سہارے کھڑے تھے اسی طرح بدستور قائم رہے اور جنت اس ڈر سے اپنے کام میں لگے رہے کہ حضرت سلیمان موجود ہیں۔ بالآخر ان پر ایک عرصہ گزر گیا اور اس اثنا میں دیکھنے سے کھانسی سے کھالیا، جس کے بعد ان کا جسد مبارک زمین پر گرا۔ تب جنت کو یہ احساس ہوا کہ اگر ان کو غیب کا علم ہوتا تو وہ اتنی دیر تک اس بیگاری کی ذلت میں گرفتار نہ رہتے۔

’دَابَّةُ الْأَرْضِ‘ کا ذکر یہاں جن قرائن کے ساتھ ہوا ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد دیک ہے، ’مَنَاقَا‘ عصا کو کہتے ہیں۔ یہ تصریح تو یہاں نہیں ہے کہ حضرت سلیمان اس حالت میں کتنی دیر کھڑے رہے لیکن نہ اس طرح جسم کا قائم رہنا ذرا مستبعد ہے اور نہ دیک کا اس طرح عصا کو کھانا ذرا متعجب ہے۔ دیک بڑی ظالم چیز ہے۔ اگر یہ کسی چیز کو لگ جائے تو بہت جلد اس کو ختم کر کے رکھ دیتی ہے، عصا تو ایک معمولی چیز ہے، بالخصوص ایسی جگہوں میں جہاں یہ زیادہ ہو۔ پھر یہاں تو معاملے کی نوعیت بھی بالکل مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ حضرت سلیمان کی موت اس طرح واقع ہو کہ لوگوں پر یہ واضح ہو جائے کہ حضرت سلیمان جو ہوا اور جنت پر تصرف رکھتے تھے، وہ بھی اپنے تئیں مرگ ناگہانی سے نہ بچا سکے اور جنت کے دماغ سے بھی یہ ضبط نکل جائے کہ وہ غیب جانتے یا جان سکتے ہیں۔ ان حقائق کو واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کو یہ شکل دی اور اللہ تعالیٰ جس کام کو کرنا چاہا ہے وہ اس کو جس طرح چاہا ہے کر سکتا ہے۔



”تَبَيَّنَتْ الْآيَةُ“ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اشرار جن، غیب کی ٹوہ میں ہمیشہ رہے ہیں جہات پر اور اس مقصد کے لیے وہ آسمانوں میں بھی، جیسا کہ سورہ جن اور قرآن کے دوسرے مقامات سے واضح کشفِ حقیقت ہے، استراقِ سمع کے لیے بیٹھے رہے ہیں۔ اور اپنے دامِ فریب میں آئے ہوئے انسانوں پر انھوں نے یہ عیس بھی جاری رکھی تھی کہ ان کے پاس غیب کے اسرار سے واقف ہونے کے ذرائع موجود ہیں لیکن اس واقعہ نے ان کی آنکھیں کھول دیں اور ان پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ آسمان تو بہت دور ہے، انھیں تو اپنے سر پر کے اتنے بڑے واقعہ کی بھی خبر نہ ہو سکی جس کے باعث انھیں غلامی کے رسوا کن عذاب میں کچھ عرصہ مزید گرفتار رہنا پڑا۔ اس ٹکڑے سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی بیگاری میں صرف شریر جنوں کو لگایا تھا اور ان کے علمِ تسخیر کا تعلق صرف انہی سے تھا۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَا فِي مَسْكِنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّاتٍ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ  
وَاشْكُرُوا لَهُ ۖ سَبْدًا ۖ هَٰذَا حَتِيبَةٌ ۖ ذَرَبٌ ۖ عَفُورٌ (۱۵)

سبا کا ذکر سورہ نمل کی آیت ۲۲ کے تحت گزر چکا ہے۔ جو علاقہ اب یمن کہلاتا ہے وہی پہلے سبا نامکروں کا کردار اور ان کا انجم کا علاقہ تھا۔ یہ نہایت زرخیز و شاداب خطہ تھا۔ اس کی اصل شاہراہ کے دونوں جانب نہایت شاداب باغوں کا سلسلہ تھا جو پورے علاقہ پر پھیلا ہوا تھا لیکن اس کے باشندوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فضل کی قدر نہیں کی، جس کی پاداش میں اللہ نے ان پر ایک سیلاب بھیجا جس سے پورا ملک تباہ ہو کر رہ گیا۔ اور حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کا کردار و تسکیر گزار بندوں کے کردار کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ اب یہ نامکروں کا کردار اور ان کا انجام پیش کیا جا رہا ہے۔ سورہ نمل کی آیات ۱۱۲-۱۱۳ میں بھی ان کی مثال سے قریش کو عبرت دلائی گئی ہے۔

”لَقَدْ كَانَ لِسَبَا فِي مَسْكِنِهِمْ آيَةٌ“۔ سبا سے مراد یہاں اہل سبا ہیں۔ اور مسکن یہاں خطہ اور علاقہ کے مفہوم میں ہے۔ لفظ آیت کی تفسیر تفہیم شان کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل سبا کے لیے ان کے علاقے میں خدا کی رحمت و ربوبیت اور اس کے فضل و انعام کی بہت بڑی نشانی موجود تھی لیکن انھوں نے اس کی قدر نہیں کی۔ اس سے ان کو جو سبق حاصل کرنا تھا وہ سبق انھوں نے حاصل نہیں کیا۔

”جَنَّاتٍ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ“۔ یہ اس نشانی کی وضاحت ہے کہ ان کے دونوں جانب، دہنے اور بائیں باغوں کی دو قطاریں تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ کے وسط سے ان کی مرکزی شاہراہ گزرتی تھی اور اس شاہراہ کے دونوں جانب باغوں کی قطاریں تھیں۔ ”جَنَّاتٍ“ یہاں دو باغوں کے مفہوم میں نہیں بلکہ باغوں کی دو قطاروں کے مفہوم میں ہے۔ مثالی کے اس طریق استعمال کی مثالیں عربی میں موجود ہیں اور یہاں اس کا قرینہ واضح ہے۔

”كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ“۔ خدا کی اس عظیم نشانی سے جو درس حاصل ہوتا ہے۔



اور جو اہل سبا کو حاصل کرتا تھا یہ اس کا بیان ہے کہ یہ عظیم رحمت و رفاہیت اپنی زبانِ مال سے ان کو درس دے رہی ہے کہ اپنے رب کے اس عظیم خوانِ کرم سے بہرہ مند ہوں اور اس کے شکر گزار رہیں۔

نعت کا حق  
منعم کی  
شکرگزاری ہے

’بَلَدَةٌ طَيِّبَةٌ وَدَبُّ غَفُورٌ طَيِّبٌ‘ یہاں زرغورِ شاداب کے معنی میں ہے۔ اس معنی میں یہ لفظ قرآن میں جگہ جگہ استعمال ہوا ہے۔ یہ اسی درس کی مزید توضیح ہے کہ اگر وہ کھلی آنکھوں سے اپنے ملک کو دیکھتے تو اس وسیع خوانِ کرم کو، جس پر اس نیا ضی کے ساتھ ان کے لیے نعمتیں چنی گئی تھیں، دیکھ کر ان پر یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی کہ جس نے یہ خوانِ کرم بچھایا ہے وہ بڑا ہی غفار و ستار آتا ہے جس نے بلا کسی استحقاق کے، ان کی نادر یوں اور ناشکریوں کے باوجود، ان کے لیے اپنی نعمتوں کے یہ انبار لگادیے ہیں۔ یہ حقیقت اس کتاب میں ہم جگہ جگہ و مخ کو تے آ رہے ہیں کہ نعمت پاکر منعم کی شکرگزاری کا شعور انسانی فطرت کا ایک بدیہی تقاضا ہے۔ یہ چیز حیوانات کی جبلت میں بھی داخل ہے۔ اگر کوئی انسان اس شعور سے عاری ہے تو وہ حیوانات سے بھی بدتر ہے۔

’فَاعْرِضْهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْغَمْرِ وَبَدَّلْنَاهُمْ لِحْمِمْ جَنَّاتٍ ذَوَاتِ أَكْلٍ خَطِطٌ  
أَسِيلٌ وَشَيْءٌ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ‘ (۱۶)

سدا رب

’غمر‘ کے معنی بعض اہل لغت نے زوردار بارش کے لکھے ہیں اور بعض نے اس کو عزمۃ کی جمع بتایا ہے، جو تہ بہ تہ اکٹھا کیے ہوئے پتھروں کے لیے آتا ہے۔ پھر یہیں سے یہ اس سدا یا بند کے لیے بھی استعمال ہونے لگا جو کسی وادی کے درمیان پانی کو روکنے کے لیے بنایا جاتے۔ اقرب الموارد میں ہے ’سد یستعمل به الوادی (وہ بند جو وادی کے بیچ میں بنایا جائے) جس طرح ہمارے منگلا اور تربیلا ڈیم ہیں۔ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح کا ایک کئی میل لمبا چوڑا ڈیم اہل سبا کا بھی تھا جو ان کو سیلاب کے خطرات سے محفوظ بھی کیے ہوئے تھا اور آب پاشی کے لیے بھی بقدر ضرورت اس سے ان کو پانی حاصل ہوتا تھا۔ تاریخوں میں اس کا ذکر سدا رب کے نام سے آتا ہے۔ ’مارب‘ سبا کا دارالسلطنت تھا۔ یہ بند غالباً ۵۴۲ھ میں ٹوٹا اور اس کے ٹوٹنے سے سارا ملک تباہ ہو گیا۔

ناشکری کا  
انجام

’فَاعْرِضْهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْغَمْرِ‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ نعمتیں دیں تو ان کو پا کر وہ خدا کے شکر گزار ہونے کے بجائے طغیان و فساد میں مبتلا ہوئے۔ سورہ نحل کی آیت ۱۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو انذار کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک رسول بھیجا لیکن انھوں نے اس کی پروا نہ کی بالآخر ان پر خدا کا عذاب اس شکل میں آیا کہ ایک عظیم سیلاب نے ان کے بند کو توڑ دیا جس سے ان کا سارا ملک تاراج ہو کر رہ گیا۔

’وَبَدَّلْنَاهُمْ الْأَيَّةَ‘۔ ’خط‘ بد مزہ، کڑوے کیلے پھلوں کو کہتے ہیں۔ یعنی اس سیلاب نے ان کے ملک کو اس طرح تباہ کر کے رکھ دیا کہ شاداب باغوں کی جگہ کڑوے کیلے پھلوں کے کچھ درخت اور کچھ جھاڑ اور بیر کی جھاڑیاں رہ گئیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیلاب نے صرف ان کے باغ ہی ویران نہیں کیے



بلکہ ان کے پورے علاقے پر کسی ایسی مٹی یا ریت کی تہ جمادی جس نے بچے کچے درختوں کے مزاج بھی بدل دیے اور پورا علاقہ صرف جنگلی جھاڑیوں ہی کے لیے موزوں رہ گیا۔  
ذَلِكَ جَزَيْنَهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَلَوْ هَلَّ نَجِيزِي إِلَّا الْكَفُورُ (۱۰۷)

’مجازات‘ کے معنی بدلہ دینے کے ہیں۔ بدلہ برابر بھی ہوتا ہے اور اچھا بھی۔ اس وجہ سے اس کے صحیح مفہوم کا تعین موقع و محل سے ہوتا ہے۔ یہاں موقع برے بدلہ کا ہے اس وجہ سے یہاں یہ لفظ اسی معنی میں لیا جائے گا۔ فرمایا کہ ہم نے ان کو یہ سزا ان کے کفرانِ نعمت کی پاداش میں دی اور اس قسم کی سزائیں ہم ناشکروں کے سوا کسی اور کو نہیں دیتے۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا خُرَى ظَهْرَةً وَقَدَرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَايَّامًا مِّنِيْن (۱۰۸)

’الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا‘ سے ملک شام وغیرہ کی طرف اشارہ ہے جن کے ساتھ اہلِ سبا کے تجارتی تعلقات تھے۔ یہ ملک بہت زرخیز تھے اس وجہ سے ان کی صفت ’بَارَكْنَا فِيهَا‘ آئی ہے۔ زرخیز ملک سے رہائشیت کی تجارتی تعلقات بجانے خود آمدنی اور رہائشیت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

مزید تفصیل

’قُرَى ظَهْرَةً‘ سے مراد وہ شہر اور قصبات ہیں جو اس شاہراہ پر واقع تھے جس کے دونوں جانب باغوں کی قطاریں تھیں۔ یعنی ان بستیوں کے علاوہ جو اندرونِ ملک واقع تھیں موزوں فاصلوں سے اس شاہراہ پر بھی بستیاں آباد تھیں جو ان کے لیے منزلوں کا کام دیتی تھیں۔ وہ ان میں بے خوف و خطر ٹہرتے، آرام کرتے اور پھر آگے کی منزل کے لیے سفر کرتے۔

’وَقَدَرْنَا فِيهَا السَّيْرَ‘ یعنی یہ بستیاں ایسے مناسب فاصلوں پر واقع تھیں کہ گویا قدرت نے خود اپنے اہتمام سے ان کے لیے منزلیں مقرر کر دی تھیں۔

’سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَايَّامًا مِّنِيْن‘۔ یہ ان آسائشوں کی زبانِ حال کی تعبیر ہے کہ قدرت نے یہ سارا اہتمام کر کے گویا ان کے لیے ہر منزل پر یہ کتبہ لگا دیا کہ تمہاری خاطر یہ اہتمام ہم نے اس لیے کیا ہے کہ تم راتوں میں بھی اور دنوں میں بھی بے خوف و خطر سفر کر سکو۔ یہاں اتنی بات حذف ہے کہ اور اپنے اس رب کے شکر گزار رہو جس نے تمہارے لیے یہ سارا اہتمام کیا ہے۔ اس کو حذف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہر انعام کا یہ فطری تقاضا ہے اور اوپر آیت ۱۰۵ میں اس کا بیان ہو چکا ہے۔ اس وجہ سے اس کو دہرانے کے بجائے بعد والی آیت میں ان کے اس رویہ کی طرف اشارہ فرمادیا جو انھوں نے اختیار کیا اور جس کے نتیجے میں وہ ان تمام نعمتوں سے محروم ہوئے۔

یہاں یہ حقیقت ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام آسائشوں اور رہائشیتوں کے اہتمام کو براہِ راست اس زمانے کی اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ یہ حقیقت نفسِ الامری کا بیان ہے کہ اس دنیا میں انسان کو جو نعمات بھی حاصل ہوں گی ان کا اصل سبب



ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن انسان اپنی ناشکری کے باعث ہر چیز کو اپنی سعی و تدبیر کا کرشمہ سمجھنے لگتا ہے۔ اس زمانے کی عام گمراہی کا اصلی سبب انسان کی یہی بے بصیرتی ہے اور مانس کی ایجادات نے اس غرور میں اتنا اضافہ کر دیا ہے کہ اب اللہ ہی اس کو دور کر سکتا ہے۔

فَقَالُوا رَبَّنَا بَعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَبَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مَسْزِقٍ ۚ  
إِنِّي ذَٰلِكَ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَتَعَالَىٰ عَنِ الْإِلَٰهِ (۱۹)

ربانِ حال

کی تعبیر

یہ ان کے زبانِ حال کی نہیں بلکہ زبانِ حال کی تعبیر ہے کہ انھوں نے یہ رناہیتیں پاکر رویہ جو اختیار کیا اس سے بظاہر کر دیا کہ وہ ان آسائشوں کے حقدار نہیں ہیں بلکہ اس بات کے سزاوار ہیں کہ ان کی بستیاں ویران ہو جائیں، ان کی منزلیں کٹھن ہو جائیں اور ان کی یہ ساری رناہیتیں ان سے چھین لی جائیں۔ زبانِ حال کی تعبیرات کی مثالوں کا حوالہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی نظیریں پیچھے گزر چکی ہیں اور یہ حقیقت بھی ہم واضح کر چکے ہیں کہ اصل شہادت زبانِ حال ہی کی ہوتی ہے نہ کہ زبانِ قول کی۔ یہود کا قول 'سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا' بھی ان کے حال ہی کی تعبیر ہے۔

وَذَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ۚ یعنی انھوں نے خدا کی ناشکری و نافرمانی کی اور اس طرح خود اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھائے کہ خدا کے قہر و غضب کو دعوت دی۔ خدا کا انھوں نے کچھ نہیں بگاڑا۔  
فَبَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مَسْزِقٍ ۚ یہ ان کی ناشکری کا انجام بیان ہوا ہے کہ بالآخر وہ اس طرح پامال ہوئے کہ حاضر کے صفحہ سے مٹ کر صرف ماضی کی ایک داستانِ پارینہ بن کے رہ گئے۔  
مَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مَسْزِقٍ ۚ یعنی جو سیلاب کی آنت سے بچے بھی وہ بھی ملک کی معیشت برباد ہو جانے کے باعث بالکل پراگندہ ہو گئے۔ کوئی کہیں گیا کوئی کہیں۔

ایک تاج

غور مکتہ

إِنِّي ذَٰلِكَ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَتَعَالَىٰ عَنِ الْإِلَٰهِ ۚ اور پر آیت، امیں جس طرح اس سرگزشت کے اصل سبق کی طرف، وَهَلْ نُجِزِيكَ إِلَّا الْكَفُورُ سے توجہ دلائی ہے اسی طرح یہاں اسی حقیقت کی طرف لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَتَعَالَىٰ عَنِ الْإِلَٰهِ کے الفاظ سے توجہ دلائی ہے۔ غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اہلِ سبا کی سرگزشت یہاں دو مرتبہ دہرائی گئی ہے اور دونوں مرتبہ ان کے عبرت انگیز انجام کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ پہلے ان کے علاقے کی زرخیزی و شادابی کے ذکر کے بعد ان کی ناشکری اور اس کے انجام کی طرف اشارہ فرمایا پھر ان کی تمدنی و تجارتی ترقیوں کے ذکر کے بعد ان کے کفرانِ نعمت کے نتیجہ میں ان کے انتشار کی طرف۔ یہ اسلوب بیان اس لیے اختیار فرمایا گیا ہے کہ اصل مقصود جس کے لیے یہ سرگزشت سنائی جا رہی ہے نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ قرآن میں اس اسلوب بیان کی متعدد نہایت بلیغ مثالیں موجود ہیں۔

صبر و شکر

کاشانیاں

'صبر و شکر' دونوں تو اہم ہیں۔ یہ دونوں بیک وقت مطلوب ہیں۔ جس کے اندر صبر نہ ہو وہ شکر کا حق ادا نہیں کر سکتا اور جس کے اندر شکر نہ ہو وہ صبر نہیں کر سکتا اور اس دنیا کے دارالامتحان میں ہر قدم پر بندے کا



امتحان ان دونوں ہی چیزوں میں ہوتا رہتا ہے اور اسی امتحان پر اس کی اُخروی کامیابی و ناکامی کا انحصار ہے۔ فرمایا کہ اس سرگزشت میں صبر و شکر کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ مثلاً

• اس دنیا میں جو نعمتیں بھی حاصل ہوتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہوتی ہیں اس وجہ سے ان کو پا کر غرور میں مبتلا ہونے کے بجائے انسان کو اپنے رب کا شکر گزار اور اس کا فرمانبردار رہنا چاہیے۔

• جو نعمتیں بھی ملتی ہیں وہ کسی استحقاق کی بنا پر نہیں بلکہ امتحان کے طور پر ملتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دے کر دیکھتا ہے کہ اس کے بندے اس کے شکر گزار رہتے ہیں یا ناشکری کرتے ہیں۔

• اس امتحان میں جو قومیں ناکام ہو جاتی ہیں وہ قومی حیثیت سے اس دنیا میں اس کا انجام دیکھ لیتی ہیں۔ آخرت میں ہر شخص کے سامنے انفرادی حیثیت سے اس کا انجام آئے گا۔

دَلَّعَدُ مَدَنَی عَلَیْہِم اِیْلَیْسُ ظَنُّہٗ فَا تَبَعُوْہٗ اِلَّا قَوٰیْقَاطٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (۲۰)

یہ ابلیس کے اس گمان کی طرف اشارہ ہے جس کا اظہار اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اس وقت کیا تھا جب آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا اس کو حکم دیا گیا اور اس نے اس کی تعمیل سے انکار کیا۔ اس وقت اس نے یہ کہا تھا کہ میں اولادِ آدم پر اس طرح گھیرے ڈالوں گا کہ ان کی اکثریت تیری جگہ میری پیروی کرے گی قَسَنُ تَجِدَ اَکْثَرَهُمْ شَکِرِیْنَ (الاعراف: ۱۷) (اور تو ان میں سے اکثر کو اپنا شکر گزار نہیں پائے گا)۔ یہاں اس کا حوالہ دینے سے مقصود اس کے انجام کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ جب انھوں نے اپنے بارے میں ابلیس کے گمان کو سچا ثابت کر دیا تو لازماً ان کے سامنے اس کا انجام بھی آیا اور آئے گا۔ یعنی اس دنیا میں یہ سیلاب کے غلاب سے دو چار ہوئے اور آخرت میں یہ جہنم کے غلاب میں جھونک دیے جائیں گے۔ قرآن میں جہاں ابلیس کی مذکورہ بالا دھمکی کا ذکر ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ جواب بھی مذکور ہے کہ جو تیری پیروی کریں گے خواہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے، میں ان سب کو جہنم میں بھر دوں گا۔

اِلَّا فَرِیْقَاطٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ پیچھے سورہ نمل کی آیت ۱۳ کے حوالہ سے ہم ذکر کر آئے ہیں کہ اہلِ سبا کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک رسول بھیجا تھا۔ اس آیت سے واضح ہوا کہ ان کی اکثریت نے اس رسول کی تکذیب کر دی۔ صرف تھوڑے سے لوگ ان پر ایمان لائے اور وہی اس غلاب سے محفوظ رہے جو ان کی قوم پر آیا۔ وَمَا كَانَ لَہٗ عَلَیْہِم مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یُّؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُمْ فِیْ شَکٍّ وَّیُثَبِّتُ عَلٰی کُلِّ نَبْوٍ حَفِیْظٌ (۲۱)

یہ ایک دفعِ دخلِ مقدر یعنی برسرِ موقع ایک شبہ کا ازالہ ہے کہ کوئی اس غلط فہمی میں نہ مبتلا رہے کہ شیطان ایک شبہ کو لوگوں پر کوئی اختیار حاصل ہے کہ وہ جس کو چاہے گمراہ کر دے۔ فرمایا کہ شیطان کو اس طرح کا کوئی اختیار اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر نہیں دیا ہے۔ اس کو صرف اس بات کی مہلت ملی ہے کہ وہ لوگوں کو بدی کے راستہ کی دعوت دے سکتا ہے اور یہ مہلت اس کو اس لیے دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا امتحان کرنا



چاہتا ہے کہ کون آخرت پر ایسا مضبوط ایمان رکھتا ہے کہ شیطان کی ترغیبات کے باوجود جادہ حق پر استوار رہتا ہے اور کون شک میں مبتلا ہے کہ شیطان کے بہکانے سے اس کی راہ پر لگ جاتا ہے۔ 'لِنَعْلَمَ' سے پہلے کوئی فعل 'انظروا' یا 'امهلناہ' کے معنی میں محذوف ہے اور اس قسم کے حذف کی مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔ 'وَدَبُّكَ عَلَىٰ شَيْءٍ حَفِيفٍ' یعنی اللہ تعالیٰ اس رزم گاہ امتحان میں شیطان اور انسان کو آمار کر خود الگ تھلگ ہو کر نہیں بیٹھ رہا ہے بلکہ ہر چیز کی نگرانی کر رہا ہے۔ مجال نہیں ہے کہ شیطان اپنے حدود سے متجاوز ہو سکے اور ممکن نہیں ہے کہ انسان اپنی کسی دادرسی سے محروم رہ جائے۔ اگر انسان اپنا فرض اپنے امکان کی مدت تک ادا کرنے کی کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی اس دنیا میں بھی مدد فرمائے گا اور آخرت میں بھی اس کی ہر سعی کا بھرپور صلہ دے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان اور اس کی ذریات کے غلبہ سے یابوس ہو کر ادائے فرض سے دستکش ہونا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مدت تو ضرور دی ہے لیکن اپنی دنیا اس کے حوالے نہیں کر دی ہے۔ بلکہ ہر چیز کی نگرانی وہ خود فرما رہا ہے۔

## ۴۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۲۲ - ۲۷

اوپر کی آیات میں یہ حقیقت واضح فرمائی کہ تمام رحمت و نعمت اللہ ہی کے اختیار میں ہے اس وجہ سے شکر گزاری اور بندگی کا حقیقی سزاوار وہی ہے۔ اب آگے مشرکین کو چیلنج کیا ہے کہ تم اپنے جن معبودوں کو خدا کا شریک بنائے بیٹھے اور ان کی سفارش کی امید پر خدا کی پکڑ سے بے فکر ہو، ان کے حق میں کوئی دلیل اپنے پاس رکھتے ہو تو اس کو پیش کرو۔ ساتھ ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ اعلان کرایا ہے کہ اگر تمھارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، محض خدا اور مکابرت کی وجہ سے اپنی بات پراڑے ہوئے ہو تو تمھارے ساتھ بحث میں ہم اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے بلکہ معاملہ اللہ کے حوالہ کرتے ہیں۔ وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۲۲ - ۲۷

قُلْ اَدْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شَرِّكَ  
وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِّنْ ظٰهِرٍ ۝۲۲ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَ الَّذِیْ لَا  
مِنْ اِذْنٍ لَّهِ حَتّٰی اِذَا فُرِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ  
رَبُّکُمْ قَالُوْا الْحَقُّ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ ۝۲۳ قُلْ مَنْ یَّرْزُقُکُمْ مِّنْ



السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ وَإِنَّا أَوْ أَكْثَرُكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِى ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝۲۴ قُلِ لَا تَسْأَلُونَنَا عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نَسْأَلُكُمْ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝۲۵ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ۝۲۶ قُلِ أَرُونِى الَّذِينَ أَلْحَقْتُمْ بِهِ شُرَكَاءَ كَلَّا بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝۲۷

بلاؤان کو جن کو تم نے خدا کے سوا معبود گمان کر رکھا ہے! وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر ترجیحات

۲۴-۲۵

کوئی اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں۔ اور نہ ان دونوں میں ان کا کوئی ساجھا ہے اور نہ ان میں سے کوئی اس کا مددگار ہے۔ اور اس کے ہاں کوئی شفاعت کا رگہ نہیں ہوگی مگر اس کے لیے جس کے لیے وہ اجازت دے۔ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے دہشت دور ہوگی وہ پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا حکم فرمایا؟ وہ جواب دیں گے کہ بالکل حق ارشاد ہوا! اور وہ نہایت عالی مقام اور عظیم ہے! ۲۳

ان سے پوچھو، تم کو آسمانوں اور زمین سے کون رزق بہم پہنچاتا ہے؟ کہو، اللہ! اور ہم میں اور تم میں سے کوئی ایک ہدایت پر ہے یا کھلی ہوئی گمراہی میں! کہہ دو، نہ ہم نے جو جرم کیے ان کی بابت تم سے پریش ہونی ہے اور نہ تمہارے اعمال سے متعلق ہم سے سوال ہوگا۔ کہہ دو، ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان بالکل انصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا اور وہی فیصلہ فرمانے والا اور علم والا ہے۔ ۲۴-۲۵

کہو، خدا مجھے ان کو دکھاؤ تو جن کو تم نے شریک بنا کر اس کے ساتھ جوڑ رکھا ہے! ہرگز نہیں! بلکہ وہ اللہ عز ویز و حکیم ہے! ۲۷



## ۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شَرْكٍَ ذَمَّ لَهُ مِنْهُمْ مَنْ طَهَّرَ (۲۱)

یہ مشرکین کو کھلا ہوا چیلنج ہے کہ جن کو تم نے خدا کا شریک گمان کر رکھا ہے ذرا ان کو بلاؤ، ہم بھی ان کی صورت دیکھیں وہ کیسے اور کہاں ہیں! اس قسم کا چیلنج مخاطب کو اس وقت دیا جاتا ہے جب اس کا دعویٰ بالکل ہی بے سرو پایا ہوا اور ہر پہلو سے اس پر حجت تمام کی جا چکی ہو۔ یہی انداز خطاب آگے آیت ۲۱ میں ہے: قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ بِهِ شُرَكَاءَ كَلَّا بَلْ هُوَ اللَّهُ الْمَعِزُّ الْمُنِيرُ (۲۲) ان سے کہو، ذرا مجھے ان کو دکھاؤ جن کو تم نے شریک بنا کر خدا کے ساتھ جوڑ رکھا ہے! ہرگز نہیں! بلکہ وہ اللہ عز و جل ہی ہے۔

لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ۔ یہ اسی چیلنج کی مزید وضاحت ہے کہ تم نے ان کو شریک خدا گمان کر رکھا ہے حالانکہ نہ وہ آسمانوں میں ذرہ برابر کوئی اختیار رکھتے نہ زمین میں۔ یہی بات اسی سورہ کی پہلی ہی آیت میں اس طرح واضح فرمائی گئی ہے: لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے)۔

ذَمَّ لَهُ مِنْهُمْ مَنْ طَهَّرَ۔ یعنی ان دونوں کی خلقت میں ان کا کوئی بھی صاحب نہیں ہے۔ دوسرے مقام میں فرمایا ہے: مَا أَشْهَدُ لَهُمْ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (۱۸) میں نے آسمانوں اور زمین کی خلقت کے وقت ان میں سے کسی کو نہیں بلایا کہ ذرہ برابر وہ میرا ہاتھ بٹائیں۔

ذَمَّ لَهُ مِنْهُمْ مَنْ طَهَّرَ۔ یعنی زمین و آسمان کے انتظام و انصرام میں بھی خدا نے ان میں سے کسی کو اپنا معین و مددگار نہیں بنایا ہے بلکہ اپنی ساری خدائی کا انتظام تنہا وہ خود ہی سنبھالے ہوئے ہے اور یہ چیز ذرا بھی اس پر بار نہیں ہے۔ یہ مشرکین کے اس وہم کی تردید ہے کہ زمین چونکہ خدا کی ملکیت کا نہایت دور دراز علاقہ ہے اس وجہ سے اس کا انتظام اس نے اپنے دوسرے شریکوں کے سپرد کر رکھا ہے۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّىٰ إِذَا فُزِعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقُّ ۖ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ (۲۲)

مشرکین کے مزعومہ تصور شفاعت کی بھی نفی کر دی۔ فرمایا کہ اگر ان کی شفاعت کی امید پر نجات ملیٹے ہو تو یاد رکھو کہ خدا کے حضور میں کسی کی شفاعت کسی کے لیے نافع نہیں ہوگی مگر اس کے لیے جس کے لیے خدا اجازت دے یعنی اول تو خدا کے اذن کے بدون کوئی کسی کی شفاعت کی جرات



ہی نہیں کرے گا، پھر اجازت کے بعد بھی وہ شفاعت صرف اسی کے لیے کرے گا جس کے لیے اس کو اجازت مرحمت ہوئی ہوگی۔ کسی ایسے کے بارے میں وہ زبان نہیں کھول سکے گا جس کے لیے اس کو اجازت نہ ملی ہو۔ دوسرے مقامات میں یہ دفاحت بھی فرمادی گئی ہے کہ وہ وہی بات کہے گا جو حق ہوگی۔ خدائے علام الغیوب کے آگے نہ کوئی کسی باطل کو حق بنا سکے گا اور نہ کوئی بات حق کے خلاف زبان سے نکال سکے گا۔

یہ مشرکین کے اس گمان کی تردید ہے جو وہ اپنے معبود فرشتوں سے متعلق رکھتے تھے کہ وہ خدا کی چھپتی بیٹیاں ہیں اس وجہ سے وہ اپنے باپ سے جوابات چاہیں منوا سکتی ہیں اور خدا کو ان کی ناز برداری میں ان کی ہر بات ماننی پڑتی ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا فُزِعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ ۖ  
'تفزع' کے اصل معنی توڑا دینے اور دہشت زدہ کر دینے کے ہیں لیکن جب اس کا ملہ عن کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی دہشت دور کر دینے کے ہو جاتے ہیں۔ 'فُزِعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ' کے معنی ہوں گے 'جب ان کے دلوں سے دہشت دور کر دی جائے گی'۔

یہ حال بیان ہوا ہے قیامت کے دن فرشتوں کا کہ اس دن آگے بڑھ کر ناز و تدلل کے ساتھ کسی کی شفاعت کرنا تو انگ رہا تمام خلق کی طرح ان پر بھی اس دن ایسا ہول طاری ہوگا کہ انہیں کچھ خبر نہیں ہوگی کہ لوگوں کے باب میں رب العزت کی بارگاہ سے کیا حکم صادر ہوا۔ جب ان کی دہشت دور ہوگی تو وہ دوسروں سے سوال کریں گے کہ تمہارے رب کی طرف سے کیا حکم صادر ہوا؟ وہ جواب دیں گے کہ بالکل بجا حکم صادر ہوا ہے۔

فرشتوں سے متعلق مشرکین کے اسی تصور کی تردید کرتے ہوئے سورۃ زمر میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا تَدْرِي اللَّهُ حَقَّ قَدْرِهِ فِی  
الْأَرْضِ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ یَوْمَ الْقِیَمَةِ  
وَالسَّمَوَاتِ مَطْوِيَّتٌ بَیْمِنِهِ ۚ سُبْحَٰنَهُ  
وَتَعَالَىٰ عَمَّا یُشْرِكُونَ ۚ وَنُفِخَ  
فِی السُّورِ فَصِیقٌ مِّنَ السَّمَوَاتِ  
وَمِنَ الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ ۚ  
لَعَلَّ نُفِخَ فِیْهِ أَخْرٰی فَاِذَا هُمْ  
قِيَامٌ یَّتَنظَرُونَ ۚ (المزمرہ: ۶۷-۶۸)

اور انھوں نے اللہ کی صحیح شان نہیں پہچانی! اور وہ  
زمین کو قیامت کے دن مٹھی میں لے لے گا اور آسمانوں  
کی بساط بھی اس کے ہاتھ میں پیٹی ہوئی ہوگی۔ وہ پاک  
اور برتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ اس کا شریک  
ٹھہرتے ہیں۔ اور سور پھونکا جائے گا تو جو بھی آسمانوں اور  
زمین میں ہیں بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے، مگر جن کو اللہ محفوظ  
رکھنا چاہے۔ پھر دوبارہ سور پھونکا جائے گا تو سب اٹھ  
کھڑے ہوں گے تاکہ تے ہوئے۔

یہ باتیں احوال قیامت سے تعلق رکھنے والی ہیں۔ ان کا صحیح تصور اس دنیا میں ممکن نہیں ہے لیکن یہ دونوں



آیتیں ایک ہی موقع و محل کی ہیں اس وجہ سے اگر آیت زیر بحث کا مفہوم سورہ زمر کی مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یہ بات نکلنے سے کہ جب پہلی دفعہ صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات بے ہوش ہو کر گر پڑیں گی۔ صرف وہی لوگ اس سے محفوظ رہ سکیں گے جن کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ انہی لوگوں کا ذکر دوسرے مقام میں یوں آیا ہے: لَا يَخْذُ لَهُمُ الْفِتْنَةُ الْاَكْبَرُ (الانبیاء: ۱۰۳) ان کو سب سے بڑے ہول کا غم لاحق نہیں ہوگا، پھر جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور حیرت و دہشت کے ساتھ دیکھیں گے کہ یہ کیا ہو گیا اور کیا ہونے والا ہے! معلوم ہوتا ہے اسی مرحلے میں فرشتے وہ سوال کریں گے جو 'مَاذَا قَالَ رَبُّكَ' کے الفاظ سے یہاں مذکور ہے۔ اس سوال سے ان کی سرابمگی اور دہشت زدگی کا اظہار ہو رہا ہے کہ ناز و اعتماد کے ساتھ آگے بڑھ کر کسی کی سفارش کرنا تو درکنار صورتِ مال ایسی ہوگی کہ خود ان کے اپنے اوسان بجا نہیں رہیں گے۔ وہ دوسروں سے پوچھیں گے کہ بارگاہِ الہی سے کیا حکم صادر ہوا ہے؟ دوسرے جواب میں صرف یہ کہیں گے کہ جو حکم ہوا ہے وہ بالکل حق ہے۔ 'الحق' فعل مخذوف سے منصوب ہے۔ یہ جواب ان لوگوں کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے جن کے معاملات کا اس دن فیصلہ ہوگا اس لیے کہ اس دن حق اس طرح واضح ہو جائے گا کہ کوئی بھی یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکے گا کہ اس کے ساتھ کوئی نا انصافی ہوئی ہے اور امکان اس کا بھی ہے کہ یہ جواب ان لوگوں کی طرف سے ہو جو اس دن کے ہول سے محفوظ رکھے جائیں گے اور جن کی طرف سورہ زمر کی مذکورہ بالا آیت میں 'اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ' کے الفاظ سے اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اگر یہ جواب ان لوگوں کی طرف سے مانا جائے تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ اس دن اکثریت کا حال تو یہ ہوگا کہ ان کو خود اپنی پڑی ہوگی وہ دوسروں کی سفارش کیا کریں گے اور جو اس دن کے ہول سے امان میں رکھے جائیں گے ان کا حال یہ ہوگا کہ وہ پکاریں گے کہ ربِّ عادل و کریم نے جو فیصلہ فرمایا ہے وہ بالکل حق فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اصل حقیقت حال یہ ہے تو وہ کون لوگ ہیں جن کی شفاعت پر مشرکین تکیہ کیے ہوئے ہیں!

'وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی ہی بلند و ارفع اور بڑی با عظمت و با جبروت ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے آگے اس کے اذن کے بغیر زبان کھول سکے اور نہ کسی کی یہ شان ہے کہ اس تک اس کی رسائی ہو سکے۔

فرشتوں میں سب سے زیادہ عالی مقام حضرت جبریل امین ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک رسائی کے معاملے میں ان کی بے بسی کا بھی یہ حال ہے کہ

اگر یک ہر مومے برتر پر م

فروغ تجلی بسوزد پر م

اس منہ پر مزید بحث ان شاء اللہ اگلی سورہ میں آئے گی۔



قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ ۖ قَرَأْنَا أَوَّلًا لَكُمْ تَعَالَى ۚ وَفِي

صُلْبِ مُبْسِينَ (۲۴)

یعنی ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین سے کون تم کو روزی دیتا ہے؟ کون آسمانوں سے پانی برساتا؟ ایک مسلم سورج چمکاتا اور موسمی تغیرات پیدا کرتا ہے اور کون زمین سے بیجوں کو اگاتا، سبزیوں کو نشوونما دیتا اور فصلوں کو بار آور کرتا ہے؟

قُلِ اللَّهُ ۖ فرمایا کہ ان کو بتا دو کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے اور آسمانوں اور زمین کی یہ سازگاری کہا بات کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ ان دونوں کے اندر ایک ہی خدا ہے قادر و قیوم کا ارادہ کار فرما ہے۔ یہاں سوال کرنے کے بعد اس کا جواب بھی خود ہی دے دیا ہے۔ یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ اس جواب سے مخاطب کے لیے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ اہل عرب کے عقائد سے متعلق یہ بات ہم اس کے محل میں واضح کر چکے ہیں کہ وہ اپنی دیوہیوں و بتوں میں سے کسی کو خالق یا رازق نہیں مانتے تھے بلکہ صرف سفارشی اور ذریعہ تقرب مانتے تھے۔ قرآن میں یہ تصریح موجود ہے کہ اگر ان سے پوچھو کہ تم کو آسمانوں اور زمین سے کون روزی دیتا ہے تو جھٹ جواب دیں گے کہ اللہ! چونکہ یہ بات مخاطب کو تسلیم تھی اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے وہی مسلمہ حقیقت یہاں ان کے سامنے رکھ دی ہے۔

وَلَا تَأْكُلْ أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ مَبْسِينَ ۖ مطلب یہ ہے کہ اسی مسلمہ حقیقت پر ہماری دعوت کی بنیاد ہے۔ اگر تم اس پر ہم سے جھگڑ رہے ہو تو مزید کسی بحث و جدال کی ضرورت نہیں ہے۔ یا تو ہم ہدایت پر ہیں اور تم گمراہی میں ہو یا تم ہدایت پر ہو اور ہم ضلالت پر ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم قدم خدا میں اس حد تک دھاندلی پر اتر آئے ہو کہ ایک ہی سانس میں ایک حقیقت کو مانتے ہو، پھر اسی کو جھٹلاتے ہو تو تم سے مزید بحث جاری رکھنا بے سود ہے۔ اب تمہارا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ وہی فیصلہ فرمائے گا کہ کون ہدایت پر ہے اور کون ضلالت پر! ہمارے نزدیک یہ ٹکڑا مواد دعوت کے مفہوم میں ہے کہ ملاطفت کے مفہوم میں، جیسا کہ عام طور لوگوں نے سمجھا ہے۔

قُلْ لَا تَسْأَلُونَنَا أَجْرًا مِّنَّا وَلَا نَسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ (۲۵)

یہ وہی قطع محبت کا مضمون، جو اوپر والی آیت میں ہے، دوسرے الفاظ میں ہے۔ فرمایا کہ اگر تمہارے نزدیک ہم تمہارے معبودوں اور تمہارے آبائی رسوم کی مخالفت کے مجرم ہیں تو عند اللہ اس جسم کی مسئولیت ہمارے ہی اوپر ہے، تمہارے اوپر نہیں ہے۔ اسی طرح تم جو کچھ کر رہے ہو اس کی پریشانی ہم سے نہیں ہونی ہے، تمہی سے ہونی ہے۔ ہمارے اوپر حق کو پہنچا دینے کی ذمہ داری تھی، یہ فرض ہم نے ادا کر دیا۔ اب مزید بحث و جدال سے کچھ حاصل نہیں۔ تم اپنی راہ چلو، ہم اپنی راہ چلتے ہیں۔ کل کو اللہ تعالیٰ کے حضور فیصلہ ہو جائے گا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔ یہی مضمون سورہ شوریٰ کی آیت ذیل میں



یوں آیا ہے:

لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ  
أَعْمَالُكُمْ وَلَا حِجَبَ بَيْنَنَا  
وَبَيْنَكُمْ (۱۵)

ہمارے ساتھ ہمارے اعمال ہوں گے اور تمہارے ساتھ  
تمہارے اعمال اب ہمارے اور تمہارے درمیان کسی  
بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

یہی قطع بحث کا مضمون سورہ کافرون میں ہے بَلْکُمْ دِیْنُکُمْ دِیْنِ دِیْتُمْ (۲۱) (تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین)۔ قرآن مجید میں یہ مضمون، مختلف اسلوبوں سے، جگہ جگہ آیا ہے اور اس کا ایک خاص محل ہے۔ وہ یہ کہ جب مخاطب نے اپنی ضد اور مکاربت سے بالکل واضح حقائق کو جھٹلا دینے کا کوشش کی ہے تو اس سے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ اب بحث و مناظرہ سے کچھ حاصل نہیں، تم اپنا کام کرو، ہم اپنا کام کرتے ہیں اس طرح کی آیات کو عام طور پر لوگوں نے مخاطب کے ساتھ اظہارِ رواداری کے مفہوم میں لیا ہے لیکن یہ اظہارِ رواداری کے مفہوم میں نہیں بلکہ اظہارِ بیزاری کے مفہوم میں ہیں۔ سیاق و سباق پر نگاہ نہ رکھنے کے سبب سے لوگوں کو غلط فہمی ہوئی۔

قُلْ یَجِیعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ لَفِیْتُمْ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتْحُ الْعَلِیْمُ (۲۶)

یعنی ان سے کہہ دو کہ اگر یہاں تم ہماری بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہو تو نہ مارو، ایک ایسا دن آنے والا ہے جس میں ہمارا رب ہم کو اور تم کو، دونوں کو، جمع کرے گا اور پھر بالکل ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرمائے گا کہ کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔ وہ بہت بڑا فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس کے فیصلہ کے خلاف کوئی دھاندلی یا کسی کے بس میں نہ ہوگا اور وہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھنے والا ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے۔

قُلْ اَدُوْنِ الَّذِیْنَ اَلْعَنْتُمْ بِہٖ شُرَکَآءُ کَلَّا بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ (۲۷)

وہی مضمون جو اس مجموعہ آیات کی پہلی آیت میں آیا ہے آخر میں دوسرے اسلوب سے پھر ارشاد ہوا ہے۔ اس کا انداز طنز و تحقیر اور تہدید و وعید کا ہے۔ فرمایا کہ ان سے کہو کہ ذرا مجھے ان کو دکھاؤ تو سہی جن کو تم نے شرکیوں کی حیثیت سے خدا کے ساتھ چپکا رکھا ہے! آخر وہ کون اور کہاں ہیں جو ایسے عالی مقام ہیں کہ وہ خدا کی خدائی میں سا جھی بنا دیے گئے ہیں!

’کَلَّا بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْخَبِیْرُ‘ سوال کے بعد خود ہی اس کا جواب دے دیا کہ ہرگز نہیں! کسی کا بھی یہ درجہ و مرتبہ نہیں ہے کہ اس کو خدا کا شریک قرار دیا جا سکے۔ اس کے بعد اس نفی کی دلیل اللہ تعالیٰ کی مسلمہ صفات سے دی ہے۔ فرمایا کہ وہ ’عزیز‘ و ’حکیم‘ ہے۔ ’عزیز‘ یعنی سب کی رسائی سے بالاتر اور ہر چیز پر غالب و مقدر۔ ’حکیم‘ یعنی اس کا ہر فعل غایت و حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ ان صفات کا ذکر صریح اسلوب میں فرمایا ہے یعنی وہ ان صفات سے کمال درجہ متصف ہے اور جب وہ ان سے کمال درجہ متصف ہے تو ان کے ساتھ شرک کا کوئی جوڑ نہیں ہے اس لیے کہ اگر کسی کو اس کا شریک

ایک طنزیہ

سوال اور

اس کا جواب



اس پہلو سے مانا جائے کہ اس کائنات کے خلق و تدبیر میں خدا اس کا متحد ہے تو یہ اس کے عزیز ہونے کی نفی ہے اور اگر اس پہلو سے مانا جائے کہ کوئی اپنی رسائی و تقریب سے اس کے بے لاگ عدل پر اثر انداز ہو سکتا ہے تو یہ اس کے حکیم ہونے کی نفی ہوئی۔ یہ امر یہاں واضح رہے کہ مشرکین کے شرک میں اصلی عامل کی حیثیت انہی دونوں غلط فہمیوں کو حاصل تھی۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی ان دونوں صفتوں کا حوالہ دے کر ان دونوں غلط فہمیوں کی بنیاد ڈھا دی۔

#### ۴۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۲۸-۳۹

آگے کی آیات میں مخالفین کے ان مطالبات و اعتراضات سے تعرض فرمایا ہے جو وہ قرآن کی دعوت اور اس کے انذار کی تکذیب کے لیے پیش کر رہے تھے۔ اعتراضات و مطالبات کے جواب بھی دیے ہیں اور اس انجام کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے جس سے وہ لوگ لازماً دوچار ہوں گے جو ان لاطائل اعتراضات و شبہات کی آڑے کر حقیقت کو جھٹلائیں گے۔ آیات کی تلواریں فرمائیے۔

آیات  
۲۸-۲۹

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ

النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۚ (۲۸) وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۚ (۲۹)

۲۹  
۲۸

قُلْ لَّكُمْ مِيعَادُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ۚ (۳۰)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنُؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ

إِلَىٰ بَعْضِ الْقَوْلِ ۖ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِّلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا

كَوْلَا أَنَّا كُنَّا مُؤْمِنِينَ ۚ (۳۱) قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا

لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صِدْدٌ ۖ كُنتُمْ هَٰؤُلَاءِ عِندَ رَبِّكُم

جَاءَكُم بَلٌّ كُنتُمْ مُّجْرِمِينَ ۚ (۳۲) وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِّلَّذِينَ

اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُالَيْلٍ ۖ وَالنَّهَارُ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَن نَّكْفُرَ بِاللَّهِ

وَنَجْعَلَ لَكَ نَذْرًا ۖ وَأَسْرُوا النَّدَامَةَ كَمَا رَأَوْا الْعَذَابَ ۖ



وَجَعَلْنَا الْأَغْلَىٰ فِي أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا  
كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۷﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ  
مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿۳۸﴾ وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ  
أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿۳۹﴾ قُلْ إِن رَّبِّي يَبْسُطُ  
الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَكِنَّ أَكْثَر النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۰﴾  
وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِندَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَن  
أَمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضَّعْفِ بِمَا عَمِلُوا  
وَهُمْ فِي الْعُرْفِ أَمِنُونَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ  
أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴿۴۲﴾ قُلْ إِن رَّبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ  
لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ  
شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۴۳﴾

سجہ آیات

۲۸-۲۹

اور ہم نے تو تم کو سب لوگوں کے واسطے بس بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ  
اس حقیقت کو نہیں جان رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ دھمکی کب ظاہر ہوگی، اگر تم لوگ سچے  
ہو! ان کو بتا دو کہ تمہارے لیے ایک خاص دن کی ميعاد مقرر ہے جس سے نہ ذرا پیچھے ہٹو گے  
اور نہ آگے بڑھو گے۔ ۲۸-۳۰

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں نہ تو ہم اس قرآن پر ایمان لانے کے اور نہ اس چیز  
ہی پر جس کی وہ آگے کو خبر دے رہا ہے اور اگر تم اس وقت کو دیکھ پاتے جب کہ یہ ظالم اپنے  
رب کے حضور کھڑے کیے جائیں گے! ان کے آپس میں تو ٹکار ہو رہی ہوگی۔ جو لوگ دبا کے  
رکھے گئے وہ ان لوگوں سے جھنوں نے تکبر کیا، کہیں گے کہ اگر تم لوگ نہ ہوتے تو ہم ضرور



ایمان لانے والوں میں سے ہوتے۔ وہ لوگ جو بڑے بنے ان لوگوں کو جو دبا کے رکھے گئے، جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تم کو ہدایت سے روکا جب کہ وہ تمہارے پاس آچکی تھی! بلکہ تم خود ہی مجرم ہو۔ اور بے ہوشے لوگ متکبرین سے کہیں گے بلکہ تمہاری رات دن کی سازشیں تھیں (جو قبول حق میں مانع ہوئیں) جب کہ تم ہمیں سمجھاتے تھے کہ ہم اللہ کا کفر کریں اور اس کے شریک ٹھہرائیں۔ امددہ دلوں میں نادم ہوں گے جب دیکھیں گے عذاب کو۔ اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈالیں گے۔ یہ وہی بدلہ میں پائیں گے جو وہ کرتے رہے تھے۔ ۳۱-۳۳

اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی نذیر بھیجا تو اس کے اغنیاء نے یہی کہا کہ ہم تو اس پیغام کے منکر ہیں جو دے کر تم بھیجے گئے ہو۔ اور انھوں نے کہا کہ ہم تو تم سے مال و اولاد میں بڑھ کر ہیں اور ہم کبھی مبتلائے عذاب ہونے والے نہیں ہیں۔ ان سے کہہ دو۔ میرا رب ہی ہے جو رزق کا تادہ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔ اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ چیز نہیں ہے جو تم کو ہمارا مقرب بنا دینے والی ہو۔ البتہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے وہ لوگ ہیں کہ ان کے لیے ان کے اعمال کا مضاعف صلہ ہوگا اور وہ بالا خانوں میں چین سے براجمال ہوں گے۔ ۳۴-۳۷

اور جو رک دینے کے لیے ہماری آیات کے ابطال کی راہ میں سرگرم ہیں وہ لوگ عذاب میں داخل کیے جائیں گے۔ ۳۸

کہہ دو، میرا رب ہی ہے جو رزق کو کشادہ کرتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے اس کے لیے (اگر چاہتا ہے) اور جو کوئی چیز بھی تم خرچ



کر دے گا اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ ۳۹

## ۴۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

ذَمَّا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (۳۸)

یہ اظہارِ افسوس ہے ان لوگوں کی حالت پر جو قرآن کی دعوتِ توحید اور اس کے انذار و عذاب و قیامت کی تکذیب کے لیے عذاب کا مطالبہ کرتے تھے تاکہ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زچ کر سکیں۔ فرمایا کہ ہم نے تم کو عذاب لانے والا نہیں بلکہ لوگوں کے لیے بشارت و نذیر بنا کر بھیجا ہے کہ تم ان لوگوں کو نجات اور رحمت کی بشارت دے دو جو تمہاری دعوت پر ایمان لا کر ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کر لیں گے۔ اور ان لوگوں کو خدا کے اس قہر و غضب سے آگاہ کر دو جس سے تمہاری تکذیب کی صورت میں ان کو لازماً سابقہ پیش آئے گا۔ تمہاری ذمہ داری اس انذار و بشارت کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ عذاب لانے یا نہ لانے کا معاملہ ہم سے متعلق ہے۔ جب اس کا وقت آجائے گا تو ہم یہ چیز بھی ان کو دکھا دیں گے۔

”وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ“۔ یہ لوگوں کی بدبختی پر اظہارِ افسوس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو عذاب سے پہلے ایک آگاہ کرنے والا بھیج دیا کہ لوگ چاہیں تو ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کر کے اپنے لیے ابدی رحمت کی ضمانت حاصل کر لیں لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ رحمت کی جگہ عذاب ہی کے طالب ہیں۔ ان کو اس حقیقت کی خبر نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی طرف رسول بھیج دیتا ہے تو اس پر اللہ کی حجت تمام ہو جاتی ہے۔ اگر وہ قوم رسول کی تکذیب کر دیتی ہے تو سنت الہی کے بموجب وہ لازماً تباہ کر دی جاتی ہے۔ آگے والی سورہ، سورہ فاطر میں اس حقیقت کی وضاحت یوں فرمائی گئی ہے:

إِنَّ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ۚ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ  
بِالْبَيِّنَاتِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ  
إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۚ وَقَدْ كَذَّبَ  
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَاءَتْهُمْ  
دُسُلُهُمْ يَافِيْنَةً ۚ وَالْزَّبِيرُ  
وَأَنكِسَابُ الْمُسِيرِ ۚ ثُمَّ أَخَذْتُ  
الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ

تم تو بس ایک آگاہ کر دینے والے ہو۔ ہم نے  
تو تم کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور آگاہ  
کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی  
نہیں ہوئی ہے جس میں ایک نذیر نہ آیا ہو۔ اور اگر  
یہ تم کو جھٹلاتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ان  
سے پہلے جو تو میں گزری ہیں انہوں نے بھی جھٹلایا۔  
ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں، پیغمبر اور  
روشن کتاب لے کر آئے۔ پھر میں نے ان لوگوں کو پکڑا



نکیر ۵ (۲۲-۲۰)

جنہوں نے کفر کیا تو دیکھو کیسی ہوئی میری پشکار۔

اس آیت میں 'كَافَّةً يَنْتَابِينَ' کے الفاظ بھی قابل غور ہیں۔ آنحضرتؐ سے پہلے جو رسول آئے وہ صرف اپنی اپنی قوموں ہی کے لیے نذیر بن کر آئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ قائم الانبیاء و خاتم الرسل ہیں اس وجہ سے آپ کی بعثت تمام خلق کی طرف ہوئی۔ یہ حقیقت قرآن میں بھی مختلف پہلوؤں سے واضح فرمائی گئی ہے اور سابق صحیفوں میں آپ کی نسبت جو پیشین گوئیاں وارد ہیں، ان میں بھی آپ کی یہ حیثیت نمایاں ہے۔ ان کے حوالے سورہ بقرہ کی تفسیر میں ہم نقل کر آئے ہیں۔ یہاں اس بات کی یاد دہانی سے مقصود اہل کتاب کو متنبہ کرنا ہے۔ دعوت کے اس دور میں انھوں نے بھی درپردہ قریش کی پشت پناہی شروع کر دی تھی، اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صفت کا حوالہ دے کر ان کو بھی آگاہ کر دیا گیا کہ جس رسول کی مخالفت میں وہ اپنی ذمانت و قابلیت صرف کر رہے ہیں وہ صرف قریش ہی کے لیے منذر مبشّر بن کر نہیں آیا ہے بلکہ اس کے ذریعے سے خود ان کی قسمت کا بھی فیصلہ ہونا ہے اس وجہ سے اگر وہ یہ خطرناک کھیل کھیلنا چاہتے ہیں تو اس کے نتائج بہت دور تک سوچ لیں۔

وَيَقْرَأُونَ مَتْنِي هَذَا الْوَعْدِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (۲۹)

یعنی وہ رسول کے انذار بالعداب سے متنبہ ہونے اور اس سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرنے کے بجائے رسول اور اس کے ساتھیوں کا استخفاف کرتے اور بانڈاز طرز سوال کرتے ہیں کہ اگر تم لوگ اپنے انذار میں سچے ہو تو یہ تباؤ کہ یہ دھکی کب ظہور میں آئے گی؟ مطلب یہ ہے کہ یا تو اس کو دکھاؤ یا اس کا وقت متعین کر دو ورنہ ہم اس کو محض لاف زنی سمجھتے ہیں۔

قُلْ تَكْفُرُ مِيعَادُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ (۳۰)

فرمایا کہ ان کو جواب دے دو کہ اس چیز کے لیے جلدی نہ مچاؤ۔ اس کے ظہور کے لیے ایک خاص وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آجائے گا تو پھر نہ تو اس سے پیچھے ہٹ سکو گے اور نہ آگے ہی بڑھ سکو گے یہ حقیقت ہم جگہ جگہ واضح کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں اور باغیوں کو بھی اتنی مہلت دیتا ہے کہ وہ اپنا پیمانہ اچھی طرح بھر لیں تاکہ ان کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہ جائے اور یہ بات صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کسی قوم کا پیمانہ کب بھرنا ہوگا۔ اس بھید سے اللہ کا رسول بھی واقف نہیں ہوتا۔ لفظ 'یوم' یہاں وقت کے مفہوم میں ہے اور لفظ 'ساعة' لمحہ، پل اور وقت قلیل کے مفہوم میں۔

اس اسلوب بیان کے اندر سوال کرنے والوں کے طرز کے جواب میں یہ طرز بھی مندر ہے کہ آخر کس برتنے پر اس عذاب کا وقت معلوم کرنا چاہتے ہو، وہ اٹل وقت جب آجائے گا تو پھر کسی کے ٹلے نہ مل سکے گا! وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تَأْتِيَنَا الْقُرْآنُ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَوْ تَرَى اِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلَى بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتَضَرُّوا

اہل کتاب  
کو ایک بریل  
تنبیہ

استہزا کرنے  
والوں کو جواب



لَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا تَوَلَّوْا اَنْتُمْ تَكُنَّا مُؤْمِنِينَ (۳۱)

الذین کین دیکھنے کی دوا دلیں لوگوں نے کی ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد قرآن سے پہلے نازل ہونے والے آسمانی صحیفے ہیں، دوسری یہ کہ یہ اس عذاب اور قیامت کی طرف اشارہ ہے جس سے قرآن ان کو آگاہ کر رہا تھا۔ ہم سے نزدیک یہ دوسرا قول سیاق و سباق سے زیادہ اذنی ہے۔ یعنی یہ کفار نہایت ڈھٹائی کے ساتھ قرآن کے انذار کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نہ تو ہم اس قرآن ہی پر ایمان لانے والے ہیں اور نہ اس عذاب اور قیامت ہی کو ماننے کے لیے تیار ہیں جس کی وہ آگے کو خبر دے رہا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم سے یہ بات منافی ہے تو ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ یہ چیز ہمیں دکھادی جائے۔ اگر یہ دکھانی نہیں جاتی تو پھر ہم اس دھونس میں آنے والے نہیں ہیں!

حذف ۲  
ایک سبب  
لوگ ہیں جو خدا کی رحمت کو ٹھکرا کر اس کی نعمت کا مطالبہ کر رہے تھے۔ جواب شرط یہاں عربیت کے معروف اسلوب کے مطابق محذوف ہے۔ حذف کا یہ طریقہ ان مواقع میں اختیار کیا جاتا ہے جہاں صورت حال تبصیر و تصویر سے ماورا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ آج تو یہ شامت زدہ لوگ قرآن اور اس کے بعد آنے والی قیامت کا نہایت جسارت سے انکار کر رہے ہیں لیکن اگر تم کہیں ان کی اس حالت کو دیکھ پاتے جب کہ یہ اپنے رب کے حضور میں کھڑے کیے جائیں گے تو..... اس تو کے بعد اس منظر کا ذکر حذف کر دیا ہے جس سے یہ بات نکلی کہ اس کی ہولناکی تبصیر و تصویر کے حدود سے باہر ہے۔

لیڈروں اور اس کے پیروں کی تفصیل آگے کی آیات میں آرہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آج تو ان کے لیڈر اور پیرو دونوں قرآن اور قیامت کی مخالفت پر متفق ہیں۔ لیڈر مخالفت کے لیے پیش پیش ہیں اور عوام ان کی تائید کرتے ہوئے ان کے جھنڈے اٹھائے پھر رہے ہیں لیکن جب خدا کے حضور میں ان کی پیشی ہوگی تو پیر لیڈروں کو اپنی گمراہی کا ذمہ دار ٹھہرائیں گے اور لیڈر پیروؤں کو ملامت کریں گے کہ تم اپنی شامت کے خود ذمہ دار ہو کہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد تم نے حق کے سبائے ہماری پیروی کی۔ مطلب یہ ہے کہ آج تو لیڈر عوام کو یہ باور کرا رہے ہیں کہ وہ ان کی صوابدید پر اعتماد کریں، خیر و شر کی ذمہ داری ان پر ہے اور عوام آنکھ بند کر کے ان کے پیچھے چل رہے ہیں کہ کوئی خطرہ پیش آیا تو ان کے لیڈر اس سے ان کو بچالیں گے لیکن جب اصل مرحلہ سامنے آئے گا تب معلوم ہوگا کہ ہر ایک اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے، کوئی دوسرا کسی کا بوجھ اٹھانے والا نہیں بنے گا۔

یَقُولُ الَّذِينَ اسْتَضَعُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا تَوَلَّوْا اَنْتُمْ تَكُنَّا مُؤْمِنِينَ یہ اوپر والی بات کی وضاحت ہو رہی ہے۔ اسْتَضَعُوا سے مراد وہ غرباء اور عوام ہیں جو اپنی غربت اور بے مالگی



کے سبب سے بڑوں اور سرمایہ داروں کے زیر دست اور ان کے آلہ کار بنے رہے۔ 'الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا' سے ان کے سرمایہ دار لیڈر اور سردار مراد ہیں جنہوں نے اپنی ذات کو حق و باطل کا معیار بنا کر لوگوں کو اپنے پیچھے پلایا یہاں تک کہ اللہ و رسول کی مخالفت کے لیے بھی ان کو استعمال کیا۔ فرمایا کہ اس دن غرباور عوام اپنے لیڈروں اور سرمایہ داروں کو الزام دیں گے کہ یہ تم ہو کہ تمہاری بدولت ہم اس بدمنی سے دوچار ہوئے، تم نے ہماری راہ نہ ماری ہوتی تو ہم ضرور ایمان لانے والوں میں سے بنتے۔ مطلب یہ ہے کہ حق تو ہم سے مخفی نہیں رہا تھا اور ہمارے اندر اس کے اختیار کرنے کا جذبہ بھی ابھرتا تھا لیکن تمہارا دباؤ ہمارے اس جذبے کو دبا دیتا تھا اور ہم اپنی خواہش کے خلاف ایمان کی سعادت سے محروم رہ گئے اور بالآخر اس انجام کو پہنچے۔

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتَضَعُوا اَنَحْنُ صَدَدُكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَاؤْكُمْ بِالْمُجْرِمِيْنَ (۳۲)

لیڈر اپنے پیروؤں کو جھٹ جواب دیں گے کہ تمہارا الزام بالکل غلط ہے کہ تم کو ہم نے اللہ کی ہدایت سے روکا بلکہ مجرم تم خود ہو کہ نہایت واضح ہدایت آجائے کے بعد بھی تم ہمارے پیرو بنے رہے۔ مطلب یہ ہے کہ حق نہ تو ہم پر مخفی تھا نہ تم پر۔ اللہ کے رسول نے محبت تمام کر دی تھی۔ یہ بات نہ ہوتی ہوتی تب تو کسی حد تک ہم کو الزام دینے میں تم بجانب حق ہوتے لیکن جب تم نے پورے دن کی روشنی میں اٹھو کر کھائی تو ہم کو مجرم ٹھہرانے کے بجائے اپنے سر پیٹو۔ ہم بھی مجرم ہیں اور ہماری ہی طرح تم بھی مجرم ہو۔ یہ بات ہے تو کفار کی لیکن قرآن نے یہ ایک سچی بات کی حیثیت سے نقل کی ہے اور اس میں ہر دور کے عوام کے لیے درس عبرت ہے کہ حق و ہدایت کے معاملے میں کوئی شخص مجرم اس غدر پر عند اللہ بری نہیں ہو سکتا کہ اس کو دوسروں نے گمراہ کیا بلکہ حق کی جستجو ہر شخص کی اپنی ذمہ داری ہے اور اس کے واضح ہونے کے بعد اس کی پیروی تا عدا مکان ہر فرد پر لازم ہے۔ اس کے بغیر کوئی عند اللہ بری نہیں ہو سکتا۔

وَقَالَ السِّدِّیْنَ اسْتَضَعُوا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ الْيَلِّ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَ نَا اَنْ تَكْفُرُوْا بِاللّٰهِ وَتَجْعَلَ لَهُ اَنْدَادًا وَاَسْئَلُ النَّاْمَةَ لِمَا دَا الْعَذَابُ وَجَعَلْنَا الْاَعْمٰلَ فِیْ اَعْنَاقِ السِّدِّیْنَ كَفَرُوْا هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۳۳)

عوام لیڈروں کے جواب میں کہیں گے کہ یہ تمہاری رات دن کی سازشیں تھیں کہ ہم حق کی پیروی سے محروم رہے۔ تم نے رسول کی ہدایت سے برگشتہ کرنے کے لیے پروپیگنڈے کی ہم چلا رکھی تھی اور ہمیں تم یہ سمجھاتے اور سکھاتے تھے کہ ہم برابر کفر و شرک پر جمے رہیں۔ اس جواب سے یہ بات نکلی کہ ان کو اس امر کا تو اعتراف ہو گا کہ حق ان پر واضح تھا لیکن وہ اس وجہ سے اس کی پیروی نہ کر سکے کہ ان کے لیڈروں



کی رات دن کی سازشوں نے انھیں اس کی پیروی سے محروم رکھا۔

”وَاسْتَفْلَتْ اُمَّةٌ نَّمَارًا وَاَلْعَذَابُ“۔ ”اَسْتَدَا اَلْعَذَابُ“ اسی طرح کا محاورہ ہے جس طرح  
 ”ابطن العداوة“ ہے۔ ”تَدَامَتْ“ ایک کیفیت قلبی و باطنی ہے اس وجہ سے اس کے لیے ”اَسْتَدَا“  
 استعمال ہوا ہے۔ مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس سوال و جواب کے بعد جب وہ دیکھیں گے کہ  
 سامنے عذاب کھڑا ہے تو وہ اپنی بدبختی پر سخت پشیمان ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے  
 ہاں ان کا یہ عذر مسموع نہیں ہوگا کہ وہ اپنے لیڈروں کی سازشوں کے سبب سے ہدایت کی پیروی سے محروم  
 رہے بلکہ ان کو لازماً عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ان کی پشیمانی کی وجہ یہ ہوگی کہ اس وقت ان کے  
 سامنے یہ بات بالکل کھل کر آجائے گی کہ فی الحقیقت انھوں نے بالکل اپنے ضمیر کے خلاف اپنے لیڈروں  
 کی پیروی کی۔ جو آدمی اپنے ضمیر کے خلاف کسی باطل کی پیروی کرتا ہے جب اس کا نتیجہ اس کے سامنے  
 آتا ہے تو اس کو صرف نتیجہ کی تلخی ہی سے سابقہ نہیں پڑتا بلکہ اپنے ضمیر کی لعنت سے بھی اس کو دوچا  
 ہونا پڑتا ہے اور یہ چیز اس کی مصیبت کو دوچند کر دیتی ہے۔ یہ مضمون احزاب کی آیات ۶۶-۶۸  
 میں گزر چکا ہے۔ مزید وضاحت مطلوب ہو تو اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

”وَجَعَلْنَا الْاَغْلَالَ فِيْ اَعْنَاقِ الْكَافِرِيْنَ“۔ فرمایا کہ ہم ان کافروں کی گردنوں میں طوق  
 ڈال دیں گے۔ یہ عمل اور ہزار میں مطابقت کی طرف اشارہ ہے۔ جو لوگ اپنی عقل اور اپنے ضمیر  
 کو بالکل معطل کر کے اپنی باگ دوسروں کے ہاتھ میں پکڑا دیں گے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو اس  
 کی سزا یہ دے گا کہ ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے جائیں گے جن کو پکڑ کر دوزخ کے واردے ان  
 کو دوزخ میں گھسیٹیں گے۔

عمل اور جزا  
 میں شبہ نہ

”هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ“۔ یعنی ان کی گردنوں میں یہ طوق جو ڈالے جائیں گے  
 تو یہ ان کے ساتھ کوئی نا انصافی نہیں ہوگی بلکہ دنیا میں جو کچھ انھوں نے کیا اسی کی اصل حقیقت ان کے  
 سامنے اس شکل میں آئے گی۔ انھوں نے دوسروں کی غلامی کا قلمداد اپنی گردنوں میں ڈال کر اپنے رب کی  
 نافرمانی کی جس کے نتیجہ میں ان کو دوزخ کے یہ اغلال اپنی گردنوں میں ڈالنے پڑیں گے۔

”وَمَا ارْسَلْنَا فِيْ قَدِيْبَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا مَا لَمْ تُثِقُوْهُ اِنَّا بِمَا ارْسَلْتُمْ بِهِ كٰفِرُوْنَ“ (۴۴)

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ تمہارے زمانے کے امرا و اعدیاء جو کچھ تمہارے ساتھ  
 کو تسلی کہہ رہے ہیں یہی کچھ ہرزانے کے متغلبین نے اپنے اپنے زمانوں کے رسولوں کے ساتھ کیا ہے۔ انھوں نے بھی  
 نہایت رعوت کے ساتھ اپنے رسولوں کو یہ جواب دیا کہ جو پیغام تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس سانسے  
 کے منکر ہیں۔ یعنی نہ تو تمہاری دعوت توحید و ایمان کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں اور نہ تمہاری اس دعوت  
 ہی میں آنے والے ہیں کہ اگر ہم نے تمہاری بات نہ مانی تو ہم پر کوئی عذاب آجائے گا۔



”اُرْسِلْتُمْ بِهٖ“ کے اسلوب میں یہ بات بھی مختصر ہے کہ جس رسالت کے تم مدعی ہو یہ بھی محض تمہارا زعم ہے جس کی ہمارے نزدیک کوئی حقیقت نہیں ہے۔

”وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَآوِلَادًا“ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ (۳۵)

یعنی رسولوں کے انذار کی تکذیب کے حق میں جو دلیل انھوں نے پیش کی وہ یہی تھی جو تمہارے زمانے کے مترفین پیش کر رہے ہیں۔ انھوں نے رسول اقدس کے ساتھیوں کو جواب دیا کہ تم ہمیں ڈراتے ہو کہ ہمارا عقیدہ و عمل باطل ہے اور ہم خدا کے عذاب کے سزاوار ہیں اور مال یہ ہے کہ ہم مال و اولاد میں تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں۔ اگر تمہاری بات سچی ہوتی تو اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ مال و اولاد میں تم ہم سے بڑھ چڑھ کر ہوتے۔ ”وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ“ یعنی جب صورت حال علانیہ تمہاری تکذیب کر رہی ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ تم محض لاف زنی کر رہے ہو، ہم پر نہ اس دنیا میں کوئی عذاب آنے والا ہے اور نہ آخرت میں اگر تمہارے زعم کے مطابق وہ ہوتی، ہمیں کسی عذاب کا کوئی اندیشہ ہے۔

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيُعْدِلُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (۳۶)

فرمایا کہ ان کا یہ منالطہ رفع کرنے کے لیے ان کو بتادو کہ اس دنیا میں مال و اولاد کی زیادتی نہ تو خدا کے منظور نظر ہونے کی دلیل ہے اور نہ اس کی کمی خدا کی نظروں میں حقیر ہونے کی۔ بلکہ یہ کمی و زیادتی تمام تر ازالہ اللہ تعالیٰ کے اختیار اور اس کی حکمت پر منحصر ہے۔ وہ کسی کے رزق میں کشادگی دیتا ہے تو اس کے شکر کا امتحان کرتا ہے اور کسی کے رزق کو تنگ کرتا ہے تو اس کے صبر کو جانچتا ہے اور اصل کامیابی کا انحصار درحقیقت اس امتحان کے نتیجہ پر ہے جو آخرت میں سامنے آئے گا۔

”وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ“ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے نا آشنا ہیں۔ وہ اس حماقت میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ان کو جو مال و جہ حاصل ہے یہ ان کی قابلیت و استحقاق کا کرشمہ اور خدا کے ہاں ان کے مقرب و منظور نظر ہونے کی دلیل ہے اس طرح وہ شیطان کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کو اپنے لیے عذاب بن لیتے ہیں۔

”وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِآتِي تَقَرِّبِكُمْ عِندَنَا ذُلْفَى إِلَّا مَن أَمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا“ فَذَٰلِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الْفَقِيفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ (۳۷)

”ذُلْفَى“ مصدر ہے جس سے مقصود فعل کی تاکید ہے یعنی ”تقربیکم“ قریۃ مطلب یہ ہے کہ مال و اولاد ان چیزوں میں سے نہیں ہیں جو خدا کے ہاں ذرا بھی وجہ قربت ہو سکیں۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ امتحان کے لیے دیتا ہے کہ ان کو پاکر بندہ اس کی ناشکری کرتا ہے یا ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کرتا ہے اس وجہ سے خدا کے ہاں تقرب کا ذریعہ مال و اولاد نہیں بلکہ ایمان و عمل صالح ہے۔ اگر کسی نے ایمان و عمل صالح کی کمائی نہیں کی تو اس کے لیے مال و اولاد کی زیادتی صرف اس کے وبال میں



امانہ کرے گی۔

’جَزَاءُ‘  
’الضعف‘  
’کا مفہوم‘  
’فَاُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءٌ اَوْفَعُ لِمَا عَمِلُوا‘ لفظ ’ضعف‘ عربی میں کسی شے کے مثل کے لیے بھی آتا ہے اور اس کے امثال کے لیے بھی، خواہ وہ امثال کتنے ہی غیر محدود ہوں۔ اس وجہ سے اس ٹکڑے کا مفہوم یہ ہوگا کہ البتہ وہ لوگ جو ایمان و عمل صالح کی روش اختیار کریں گے ان کے لیے ان کے اعمال کا مضاعف صلہ ہوگا۔ اس مضاعف صلہ کی وضاحت قرآن مجید کے دوسرے مقامات میں ہوئی ہے۔ اس کی وضاحت اس کے محل میں ہم کر چکے ہیں۔ اس کو دُگنے اجر کے محدود مفہوم میں نہ لیجیے۔

’وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ اَمْنُونَ‘ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس دنیا میں تو مال و اولاد کے لیے ہر وقت خطرات ہیں اور کوئی بھی ان خطرات سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں کر سکتا لیکن جو لوگ مال و اولاد کو آخرت کی فلاح کا ذریعہ بناتے ہیں ان کو اس کا جو صلہ ملے گا وہ ابدی اور لازوال ہوگا۔ اس باب میں پھر ان کو کبھی کوئی تشویش لاحق نہیں ہوگی۔

وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ اُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ (۳۸)  
یہ ان لوگوں کے انجام کا بیان ہے جنہوں نے مال و اولاد کی زیادتی کو اللہ کی آیات کو جھٹلانے اور رسول کو زچ کرنے کے لیے دیل کے طور پر استعمال کیا۔ فرمایا کہ یہ لوگ پکا کر خدا کے عذاب میں لائے جائیں گے تاکہ اپنے کبر و غرور کی سزا بھگتیں۔ لفظ ’مُحْضَرُونَ‘ میں ان کی ذلت اور بے بسی کی جو تصویر ہے وہ ظاہر ہے۔  
قُلْ اِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ مَا يَنْفَقُ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (۳۹)

رزق و فضل  
کامیج و صرف  
اس آیت کی تمہید اور اوپر کی آیت ۳۶ کی تمہید بعینہ ایک ہی ہے لیکن دونوں جگہ مدعا الگ الگ ہے۔ اوپر کی آیت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ رزق کی کشادگی و تنگی تمام تر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اس وجہ سے نہ اس کی کشادگی پر کسی کو اتارنے کا حق ہے اور نہ اس کی تنگی سے کسی کو مایوس ہونا جائز ہے، بلکہ ہر شخص کو یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیے کہ یہ دونوں حالتیں اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت پیش آتی ہیں اور دونوں سے وہ اپنے بندوں کے شکر یا صبر کا امتحان کرتا ہے۔ اس آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی کہ ان مترفین کو یہ بتا دو کہ اللہ کے بخشے ہوئے رزق و فضل پر اکرٹنے کے بجائے اس کو

نہ صاحب اقرب الوارد نے اس نفی کی تشریح یوں کی ہے:

وجاء في كلام العرب ان يكون الضعف المثل الواحد وما زاد عليه من الامثال يقال لك ضعفه ۱۱

مثلاً وثلاثة امثاله لانه في الاصل زيادة غير محصورة.



خدا کی خوشنودی کے کاموں میں صرف کریں کہ یہی شکر کا تقاضا ہے اور وہ اطمینان رکھیں کہ جو کچھ بھی وہ خدا کی راہ میں خرچ کریں گے وہ ضائع جانے والا نہیں ہے، بلکہ وہ چھوٹے سے چھوٹے انفاق کا بھی بھرپور صلہ دے گا۔ اوپر صلہ کے معاملے میں 'جَزَاءُ لِفْعَالٍ' کا اصول بیان ہو چکا ہے اور اس کی وضاحت بھی ہو چکی ہے۔ آیت میں 'وَمَا أَنْفَقْتُمْ' کے بعد 'فِي سَبِيلِ اللَّهِ' کے الفاظ وضاحت قرینہ کی بنا پر حذف ہیں۔ 'أَخْلَفَ اللَّهُ عَلَيْكَ' کے معنی ہوں گے 'رَدَّ عَلَيْكَ مَا ذَهَبَ' (تمہاری گئی ہوئی چیز خدا نے تمہیں لوٹا دی)۔

'ذَهُوَ خَيْرٌ لِّرِزْقَيْنِ' یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے اطمینان رکھیں کہ اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے۔ آج وہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ان کے خرچ کیے ہوئے خزانے پرزوں کے عوض میں کل وہ ان کو کیا کچھ بخش سکتا ہے اور کیا کچھ بخش دے گا۔ لفظ 'خَيْرٌ' یہاں ترجیح و تفضیل کے مفہوم میں نہیں بلکہ مطلق بیان صفت کے لیے ہے۔ اس اسلوب کی وضاحت اس کے محل میں ہو چکی ہے۔

## ۸۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۲۰ - ۲۵

آگے مترین کو متنبہ کیا ہے کہ تم فرشتوں کو مبدونہا کر ان کی پرستش کر رہے ہو اور سمجھتے ہو کہ آخرت کا مرحلہ پیش آیا تو وہ تم کو سچائیں گے حالانکہ آخرت میں وہ تم سے اعلان برارت کریں گے اور خدا کے عذاب سے تم کو کوئی بچانے والا نہیں بنے گا۔ یہ اللہ نے تم پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے کہ تمہیں آگاہ کرنے کے لیے رسول بھیجا ہے لیکن تم بدبختی کے سلب سے اس کے کلام کو سحر قرار دے رہے ہو۔ بہتر ہے کہ ماضی کا تمہیں کے انجام سے سبق لو۔ ان کو جو کچھ حاصل ہوا اس کا عشر عشر بھی تم حاصل نہیں کر پائے ہو لیکن جب وہ اللہ کی پکڑ میں آ گئے تو پھر کوئی بھی ان کو پناہ دینے والا نہ بن سکا۔ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَؤُلَاءِ أَمْ يَأْكُمُ كَانُوا  
يَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا سُبْحَنَكَ أَنْتَ وَلِيْنَا مِنْ دُونِهِمْ ؕ بَلْ كَانُوا  
يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ؕ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ۝ قَالُوا لَا يَمْلِكُ  
بَعْضُكُم لِبَعْضٍ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ۚ وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا  
عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ۝ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا  
بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا أَرَجُ لُبٍّ يُرِيدُونَ أَنْ يَصُدَّكُمْ عَنْ مَا كَانُوا

آیات

۲۵-۲۰



يَعْبُدُ آبَاءَكُمْ وَقَالُوا مَا هَذَا إِلَّا فُكٌّ مُفْتَرًى وَقَالَ  
الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿٢٣﴾  
وَمَا آتَيْنَهُمْ مِنْ كُتُبٍ يَدُرُّسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ  
مِنْ نَذِيرٍ ﴿٢٤﴾ وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِثْرًا  
أَتَيْنَهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٢٥﴾

۵  
ع  
۱۱

ترجمہ آیات

۴۵-۴۰

اور اس دن کو یاد رکھو جس دن وہ ان سب کو اکٹھا کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا  
کہ کیا یہ لوگ تمہاری پرستش کرتے رہے ہیں! وہ جواب دیں گے کہ تو پاکی ہے۔ ان سے  
بالمقابل تو ہمارا کارساز ہے! بلکہ یہ جنوں کی پرستش کرتے رہے ہیں، ان کی اکثریت انہی پر  
ایمان رکھتی تھی۔ ۴۱

پس آج تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو نہ تو کوئی نفع پہنچا سکے گا اور نہ نقصان۔ اور  
ہم ان ظالموں سے کہیں گے کہ اب اس دوزخ کے عذاب کا مزہ اچکھو جس کو جھٹلاتے  
رہے ہو۔ ۴۲

اور جب ان کو ہماری روشن آیات سنائی جاتی ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ تو محض ایک شخص  
سے جو چاہتا ہے کہ تم کو ان چیزوں سے روک دے جن کو تمہارے باپ دادا پوجتے آئے اور  
انہوں نے کہا کہ یہ تو بس ایک من گھڑت جھوٹ ہے! اور ان کافروں نے حق کی بابت جب  
کہ وہ ان کے پاس آگیا، کہا کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے! اور ہم نے ان کو کتابیں نہیں دی  
تھیں جن کو وہ پڑھتے ہوں اور نہ ان کی طرف تم سے پہلے کوئی آگاہ کرنے والا بھیجا۔ ۴۴

اور ان سے پہلے والوں نے بھی جھٹلایا۔ اور یہ تو اس کے عشرِ عشر کو بھی نہ پہنچے جو ہم



نے ان کو دیا۔ تو انھوں نے میرے رسولوں کی تکذیب کی تو دیکھو، کیسی ہوئی ان پر میری پشیمانی!

## ۹۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَيَوْمَ يُخْشَرُهُمْ جَمِيعًا أَنَّهُ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهْلُوا لِي يَا كُمْ كَأَنَّا نَعْبُدُونَ (۴۰)

’جَمِيعًا‘ کی تاکید اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ قیامت کے دن کفار و مشرکین بھی اکٹھے کیے جائیں گے۔ اور ان کے خلاف گواہی دلوانے کے لیے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی اکٹھا کرے گا جن کی عبادت کے وہ مدعی رہے ہوں گے یا جن کی طرف انھوں نے اپنی بدعات منسوب کی ہوں گی۔ سورہ مائدہ میں حضرت انبیاء علیہم السلام کی شہادت کا ذکر گزر چکا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ان تمام بدعات سے اپنی براءت کا اعلان کریں گے جو ان کے اجدان کے مبتدع پیروؤں نے ایجاد کی ہوں گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھی اکٹھا کرے گا ان سے سوال کرے گا کہ یہ مشرکین (اشارہ مشرکین عرب کی طرف ہے) مدعی ہیں کہ یہ تمہاری عبادت کرتے رہے ہیں تو کیا ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے؟ اس سوال کا مقصد ظاہر ہے کہ مشرکین پر تمام حجت ہو گا کہ جن کو وہ شریک و شیخ سمجھ کر زندگی بھر پوجتے رہے ان کو نہ تو ان کی اس عبادت کی خبر ہے نہ انھوں نے اس کا ان کو حکم دیا اور نہ وہ ایک لمحہ کے لیے یہی گوارا کرنے کے لیے تیار ہیں کہ کوئی ان کو پروردگارِ عالم کا شریک بنا کر ان کی عبادت کرے۔

تَمَّازُوا مَبْعَدًا أَنْتَ وَبَيْنَا مِنْ دُونِهِمْ، بَلْ كَأَنَّا نَعْبُدُونَ إِلَٰهًا غَيْرَهُمْ  
بِهِمْ مُّشْرِكُونَ (۴۱)

فرشتے اس سوال کا فوراً یہ جواب دیں گے کہ ’مَبْعَدًا‘ تو اس سے پاک اور ارفع ہے کہ تیسرا شریک و سہیم ہو!

فرشتوں کے اس جواب سے ایک حقیقت تو یہ واضح ہوئی کہ شرک ایک ایسی گھناؤنی چیز ہے کہ اس کا ذکر سنتے ہی وہ اس سے اپنی نفرت کا اظہار کریں گے اور اللہ جل شانہ کو اس سے ارفع قرار دیں گے کہ کوئی اس کا شریک و سہیم ہو۔

دوسری یہ بات واضح ہوئی کہ وہ اپنے اوپر اس کو ایک سنگین تہمت خیال کریں گے کہ کچھ ظالموں نے ان کو شرک کی گندگی میں ملوث کرنے کی کوشش کی۔

تیسری یہ بات نکلی کہ جن احمقوں نے ایسا کیا ہے اس کی ذمہ داری تمام تراہنی پر ہے۔ فرشتے اس سے بری ہیں کہ وہ کسی کو اپنی عبادت کا حکم دیں۔



’أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ‘ یہ فرشتوں کا اپنے رب سے استغاثہ ہوگا کہ ان ظالموں کے مقابل میں، جنہوں نے ہمیں اس جرم میں ملوث کرنے کی کوشش کی، تو ہمارا یاورد ناصر اور مولیٰ و مرجع ہے۔ ہم ان سے بری ہیں تو ہمیں ان کی تہمت سے بری فرما۔ دُونِهِمْ یہاں مقابل کے مفہوم میں ہے۔

مشرکین کی جنات پرستی ہے کہ یہ ہماری پرستش کرتے رہے ہیں البتہ یہ امر واقعی ہے کہ یہ لوگ جنوں کی پرستش کرتے رہے ہیں اس لیے کہ ان کی اکثریت انہی پر ایمان رکھنے والی تھی۔

فرشتوں کا یہ جواب بالکل حقیقت کے مطابق ہوگا۔ اس لیے کہ فرشتوں کے نام سے انہوں نے جو بت بنائے — مثلاً لات، منات اور عزی وغیرہ — یہ تو محض ان کے اپنے فرض کیے ہوئے نام تھے جن کا کوئی مستی موجود نہیں تھا۔ البتہ اپنے کاہنوں کے توسط سے انہوں نے جنوں سے رابطہ قائم کیا تھا اور چونکہ ان کو وہ علم غیب کا ذریعہ سمجھتے تھے اس وجہ سے ان کے لیے چڑھاوے اور قربانیاں بھی پیش کرتے اور ان کی بجھے بھی پکارتے۔ ’اَلْاَئِهَہُمْ یَعِیْمُ الْمُؤْمِنُونَ‘ یعنی یہ ان پر اس حیثیت سے ایمان رکھتے رہے ہیں کہ وہ غیب کی خبروں کے لانے والے اور بذاتِ خود نافع و ضار ہیں۔

فَالْيَوْمَ لَا یَمْلِکُ بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا وَنَقُولُ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِیْ کُنْتُمْ بِہَا تُکَذِّبُونَ (۴۲)

یعنی فرشتوں کے اس جواب کے بعد ان کے پیجاریوں سے کہہ دیا جائے گا کہ تمہارا سارا اعتماد جن فرشتوں پر تھا ان کی گواہی تم نے علیٰ رؤوس الاشہاد دے لی۔ پس آج کے دن کوئی بھی ایک دوسرے کے کام آنے والا نہ بن سکے گا۔ نہ وہ تمہیں کوئی نفع یا ضرر پہنچا سکتے اور نہ تم ان کو۔

’وَنَقُولُ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوا ذُوقُوا...‘ میں اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوا سے مشرکین مراد ہیں جنہوں نے بے دلیل خدا کے شریک بنا کر ظلم عظیم، کا ارتکاب کیا اور جب پیغمبر نے ان کو خدا کے عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اس کی تکذیب کی۔ فرمایا کہ اس آخری اتمامِ حجت کے بعد ہم ان سے کہیں گے کہ اب اس دوزخ کا مزہ چکھو جس کو جھٹلاتے رہے ہو۔

وَإِذَا تُتْلٰی عَلَیْہُمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٌ قَالُوْا مَا هٰذَا اِلَّا اَرَجُلٌ یُّرِیْدُ اَنْ یَّصْنَعَ کُمْ عَمَّا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَاؤُکُمْ ؕ وَقَالُوْا مَا هٰذَا اِلَّا فُلٌ مُّفْتَرٰی ؕ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ؕ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (۴۳)

یہ ان لوگوں کی ہٹ دھرمی اور مکاربت پر اظہارِ تعجب اور ان کی محرومی و بدبختی پر اظہارِ افسوس ہے کہ یہ ہٹ دھرمی پر آفتاب پر خاک ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جب ان کو ہماری نہایت روشن، محکم اور عقل و دل کو منور اظہارِ تعجب کر دینے والی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ اپنے عوام کو ان کے خلاف یہ کہہ کر بھڑکاتے ہیں کہ یہ شخص



تھارے ان مبعودوں سے تم کو برگشتہ کرنا چاہتا ہے جن کو تمہارے بزرگ اسلاف برابر پوجتے آئے۔  
حقائق کے خلاف عوام کو متعل کرنے کے لیے اسلاف کا حالہ ہمیشہ سے مفیدین کے ہاتھ میں ایک کارگر  
حریر رہا ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو کہ یہ واحد دلیل ہے جو ضلالت کے علمبردار لیڈروں نے  
اپنی ضلالتوں کے حق میں پیش کی ہے۔ 'مَا هَذَا إِلَّا رَجُلٌ' کی تکبیر میں بھی ایک زہر چھپا ہوا ہے۔ یعنی وہ  
اپنے عوام کو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ شخص جو اپنے آپ  
کو ایک فرستادہ الہی کی حیثیت سے تمہارے سامنے پیش کر رہا ہے تم اس کے اس چکے میں نہ آؤ۔ یہ محض  
ایک عام قسم کا آدمی ہے جس نے محض تمہارے دین آبائی سے تم کو منحرف کرنے کے لیے یہ روپ دھار رہا ہے  
کہ اس کو خدا نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔

'وَقَالُوا مَا هَذَا إِلَّا آفَكٌ مَّقْشُورٌ' یہ قرآن کے خلاف ان کے پروپیگنڈے کا حوالہ ہے  
کہ وہ اپنے عوام کو یہ باور کراتے ہیں کہ اس قرآن کے متعلق یہ دعویٰ جو کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس  
کو اتارا ہے، یہ دعویٰ بالکل جھوٹ ہے جو محض تمہیں دُعوٰی کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ اصل حقیقت  
یہ ہے کہ یہ ایک خود تراشیدہ کتاب ہے جو بالکل جھوٹ ہوٹ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کی جا رہی ہے،  
'وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ' یہ ان لوگوں کی  
اس تراش خانی پر اظہارِ حیرت ہے کہ یہ لوگ حق کی مخالفت میں اس وقت یہ سخن سازیاں کر رہے ہیں جب  
حق ان کے سامنے ظاہر ہو چکا ہے۔ اگر سورج اتنی سے غائب ہو اور کوئی ہٹ دھرم اس کے متعلق کوئی  
سوال اٹھائے تو یہ ہٹ دھرمی چنداں حیرت انگیز نہیں، لیکن جب سورج نصف النہار پر چمک رہا ہو  
اور کوئی اس کو باد و قرار دے تو یہ محض خرد باختگی ہے۔

'لِلْحَقِّ' میں 'حق' سے مراد قرآن ہے اور 'ل' یہاں 'لِ' کے مفہوم میں ہے۔ اس معنی میں  
اس کا استعمال معروف ہے۔ اس کتاب میں اس کی مثالیں گزر چکی ہیں۔

'إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ' یہ ان کے قول کی تفصیل ہے کہ اس قرآن کو وہ جادو قرار دیتے ہیں۔  
قرآن کو جادو قرار دینے کی فصاحت اس کے محل میں ہم کر چکے ہیں کہ اس کی معجزانہ فصاحت و بلاغت اور  
تاثیر و تسخیر کے قائل تو اس کے کٹر سے کٹر مخالفین بھی تھے لیکن وہ اپنے عوام کو یہ باور کرانا چاہتے تھے  
کہ یہ تاثیر و تسخیر محض اس کے پیش کرنے والے کی باد و بیانی کا کرشمہ ہے، اس کو خدا اور فرشتوں سے کوئی  
تعلق نہیں ہے۔

'وَمَا أَقْبَلْنَاهُمْ مِنْ كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَذِيرٍ' (۴۲)

یہ ان مخالفین پر اظہارِ احسان اور ان کی اس ناقدری و محرومی پر اظہارِ افسوس ہے۔ فرمایا کہ یہ اُمی  
اور قرآن و کتاب سے نا آشنا لوگ رہے ہیں۔ اس سے پہلے نہ اللہ نے ان کو کوئی کتاب دی تھی جو



ان کے لیے تعلیم و تعلم اور ارشاد و ہدایت کا ذریعہ نبی امد نہ تم سے پہلے ان کے پاس کوئی نذیر آیا تھا جو ان کو اس غفلت کی نیند سے جگاتا اور آگے کے خطرات سے آگاہ کرتا۔ اس صورت حال کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس عظیم نعمت کی یہ دل و جان سے قدر کرتے، آگے بڑھ کر اس کو ہاتھوں ہاتھ لیتے اور اس سے اپنی دنیا بھی سنوارتے اور آخرت کی بادشاہی بھی حاصل کرتے لیکن یہ اس کی مخالفت کر رہے ہیں اور اس طرح خدا کے اس قہر کو دعوت دے رہے ہیں جو سنت الہی کے مطابق اس قوم پر آگے رہنا ہے جو اس کے بھیجے ہوئے نذیر کو جھٹلا دیتی ہے۔

کُتِبَ کے بعد یَذَارُ سُوْنَهَا کی صفت سے اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اب تک ان کو اس طرح کے آسمانی صحیفے نہیں عطا ہوئے تھے جس طرح کے صحیفے بنی اسرائیل کو عطا ہوئے کہ یہ ان کو پڑھتے پڑھاتے حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کے ذریعے سے ان کو جو تعلیم ملی تھی اس کی نوعیت دیا کی تھی جو امتدادِ زمانہ سے تقریباً فراموش بھی ہو چکی تھیں اور بدعات کے غلبہ نے ان کا حلیہ بھی بالکل بگاڑ کے رکھ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ ان کو اپنی کتاب دے کر ان پر اپنی نعمت تمام کر دے لیکن ان کا حال ہے کہ یہ اس کو سحر اور انحراف قرار دے رہے ہیں۔

وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَمَا بَلَّغُوا مَعْشَارَ مَا آتَيْنَهُمْ فَاكْذَبُوا رُسُلَهُمْ فَاكْثَفَ كَانُ تَكْثِيرِهِ ۚ

یہ ان لوگوں کو تنبیہ ہے کہ خدا کے رسول اور اس کے نذیر کی تکذیب کا لازمی نتیجہ اس قوم کی تباہی ہے اور پوری تاریخ انسانی اس سنت الہی کی شاہد ہے۔

نذیر کی

تکذیب کا

لازمی نتیجہ

وَمَا بَلَّغُوا مَعْشَارَ مَا آتَيْنَهُمْ کلام کے بیچ میں ایک برخل تنبیہ ہے کہ یہ ان قوموں کا حوالہ دیا جا رہا ہے جو کدفر، نشان و شوکت اور اسباب و وسائل کی فراوانی کے اعتبار سے اس مقام پر پہنچ چکی تھیں کہ قریش کے یہ متمدن ان کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچے۔ لیکن جب انھوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی تو ان پر خدا کی پھٹکار جس طرح ہوئی اس کی تفصیلات قرآن میں بیان ہو چکی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ان کو اپنے اسباب و وسائل کا غرہ ہے تو یہ غرہ بالکل بے بنیاد ہے۔ بڑی صولت و شوکت کی تو میں خدا کی ایک پھونک میں اڑ گئیں تو ان کی کیا حقیقت ہے۔ ان کو تو ان کا عشر عشر بھی حاصل نہیں ہوا۔ یہ تو اپنی تنگ ظرفی کے سبب سے بہت حقوڑے میں بہک گئے ہیں۔

## ۱۰۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۲۶-۵۲

آگے خاتمہ سورہ کی آیات ہیں جن میں مخالفین کو نہایت درد مندی کے ساتھ نصیحت بھی ہے اور نہایت پُر زور وعید بھی کہ ابھی موقع ہے کہ سنبھل جاؤ۔ اگر یہ وقت نکل گیا تو پھر کیا وقت ہاتھ نہیں



آئے گا۔ اس وقت پھٹاؤ گے لیکن یہ پھٹنا بالکل بے سود ہوگا۔ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۖ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مَشْنُوًا وَفُرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا ۚ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ جِنَّةٍ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۝ (۴۶) قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ (۴۷) قُلْ إِنْ رَبِّي يَتَذَكَّرُ بِالْحَقِّ ۖ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ (۴۸) قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِيُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ۝ (۴۹) قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَا أَضِلُّ عَلَىٰ نَفْسٍ ۖ وَإِنِ اهْتَدَيْتُ فِيمَا يُوحِي إِلَيَّ رَبِّي إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ ۝ (۵۰) وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فَرَغُوا فَلَا قُوَّةَ وَأُخِذُوا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۝ (۵۱) وَقَالُوا آمَنَّا بِهِ وَأَنَّىٰ لَهُمُ التَّنَاقُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۝ (۵۲) وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ۖ وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۝ (۵۳) وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِّن قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُّرِيبٍ ۝ (۵۴)

ان سے کہو، میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں، وہ یہ کہ تم اللہ کی خاطر دوردور  
اور ایک ایک کر کے اٹھو پھر غور کرو۔ تمہارے ساتھی کو کوئی جہنم نہیں ہے۔ وہ تو ایک  
شدید عذاب سے پہلے تم کو آگاہ کرنے والا ہے۔ کہو، میں نے تم سے کوئی اجر مانگا ہے  
تو تمہارے ہی لیے مانگا ہے۔ میرا اجر تو بس اللہ پر ہے اور وہ ہر چیز پر حاضر و ناظر

ہے۔ ۴۶-۴۷

میرا رب حق کو (باطل پر) مارے گا۔ وہ تمام بھیدوں کو خوب جاننے والا ہے۔



کہہ دو کہ حق آگیا اور باطل نہ آغاز کرتا ہے اور نہ اعادہ۔ ۴۸-۴۹

کہہ دو اگر میں گمراہی پر ہوں تو میری گمراہی کا وبال مجھی پر ہے اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو یہ اس وحی کی بدولت ہے جو میرا رب میری طرف بھیج رہا ہے۔ وہ سننے والا اور نہایت قریب ہے۔ ۵۰

اور اگر تم دیکھ پلتے جب ان پر گھبراہٹ طاری ہوگی پس وہ کہیں بھاگ نہ سکیں گے اور پاس ہی سے دھریے جائیں گے اور وہ کہیں گے ہم اس پر ایمان لائے۔ اور اتنی دُور سے ان کے لیے اس کا پانا کہاں! اور اس سے پہلے انھوں نے اس کا انکار کیا اور دور سے اٹکل کے تیر تکے چلاتے رہے اور ان کے اور ان کی چاہتوں کے درمیان دیوار حائل ہو جائے گی جس طرح اس سے پہلے ان کے ہم مشربوں کے ساتھ معاملہ ہوا۔ بے شک وہ بھی الجھن میں ڈالنے والے شک میں پڑے رہے۔ ۵۱-۵۲

## ۱۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۖ أَن تَقُومُوا لِلَّهِ مَشْئِي ۖ وَخَرَّادِي ۖ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا ۚ وَمَا بِصَاحِبِكُمْ  
مِّنْ جَنَّةٍ مَّارٍ ۚ هَٰذَا لَنُذِيقَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۙ (۴۹)

ایک سال و در  
نیست

مجھے آیات، ۸ میں گزر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی قوم کے متمردين کو عذابِ قیامت سے ڈراتے تو وہ آپ کی اس بات کو ایک قسم کے خبط پر محمول کرتے۔ کہتے کہ اس شخص کو ایک قسم کا مایوس کیا ہے جس کے سبب سے آگے پیچھے اس کو عذاب ہی عذاب نظر آتا ہے۔ اسی کا جواب دیتے ہوئے نہایت نامحانہ انداز میں فرمایا کہ ان سے کہو کہ میں تم سے ایک بات کہتا ہوں، خدا اس پر عمل کرو۔ وہ یہ کہ اپنے ذہن کو ضد، تعصب اور غور سے پاک کر کے، دود، ایک ایک کی صورت میں اٹھو، میری باتیں سنو اور معاملے پر سنجیدگی سے غور کرو۔ 'اللہ' سے مقصود اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا ہے کہ اب تک تو تمہاری روش تمام تر نفس اور شیطان کے تابع رہی ہے اس وجہ سے تم معاملے پر غیر جانبدار ہو کر غور نہ کر سکتے لیکن آدمی پر سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے اور اللہ کو تم بھی مانتے ہو تو اس کی خاطر اپنے دوسرے



واحیات و محرکات سے آزاد ہو کر، اصل حقیقت پر غور کرنے کے لیے از سر نو اٹھو۔ اٹھو، یعنی اس کا ارادہ کرو اور اس کے لیے کمر ہمت باندھو۔ تعصبات کی اس فضا میں یہ بات ہوگی تو تمہارے دلوں پر شاق، لیکن اللہ کے لیے اس شاق چیز کو گوارا کر دو۔ یہی راہ سعادت کی راہ ہے۔

’مَنْ شِئْ دَفْعًا ذِي‘ کی قید سے اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ بھیڑ کا زہن خفائی کو سوچنے سمجھنے کا اہل نہیں ہوتا۔ اب تک تو تمہاری روش یہ رہی ہے کہ جہاں میری زبان سے کوئی بات نکلی تمہارے اشارے اس کے خلاف ہنگامہ برپا کرنے کی کوشش کی کہ کوئی میری بات سننے سمجھنے نہ پائے۔ یہ طریقہ چھوڑو اور اس کی جگہ یہ طریقہ اختیار کرو کہ دو دو ایک ایک کر کے میرے پاس آؤ، میری باتیں توجہ سے سنو، میرے دلائل پر غور کرو، اپنے شبہات پیش کر کے مجھ سے ان کے جواب معلوم کرو اور پھر غور کرو کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں جنون میں کہہ رہا ہوں یا تمہارے سامنے وہ انجام رکھ رہا ہوں جس سے کل تمہیں اندازہ چار ہونا ہے۔

’مَا بِصَا جِبْكَ مِنْ حَسْبَةٍ‘ یعنی اس طرح سنجیدگی کے ساتھ غور کرو گے تو تم پر یہ حقیقت خود واضح ہو جائے گی کہ تمہارے ساتھی کو کوئی جنون نہیں ہے بلکہ خود تمہاری اپنی غفلتوں پر پردہ پڑا ہوا ہے کہ تم اس کے خلاف جتنہ بندی کر کے اس کو زچ کرنے کے درپے ہو۔

لفظ ’مُصَاحِب‘ یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جس شخص کو تم خطی اور دیوانہ قرار دے رہے ہو اس سے تمہیں کوئی نیا نیا رافعہ پیش نہیں آیا ہے بلکہ یہ تمہارے ہی اندر پیدا ہوا، تمہارے ہی سامنے پلا اور بڑھا اور تمہارے ہی آگے یہ اپنی اس عمر کو پہنچا۔ اس پورے زمانے میں تم نے دیکھا کہ یہ تمہارے ہر خیر میں شریک اور تمہارے ہر شر سے مجتنب رہا ہے۔ تم نے ہر آزمائش میں اس کو صادق اور امین پایا۔ اس کی سوجھ بوجھ اور اس کی عقل و بصیرت پر تم نے اعتماد کیا اور اس کو اپنے اندر سب سے بڑا عاقل و فزانہ مانتے رہے لیکن آج اسی فزانہ کو دیوانہ قرار دے رہے ہو! غور کرو، دیوانہ وہ ہے یا تم!

یہاں ’تَفَكُّرًا‘ کے بعد وقف ہے اور یہ وقف نہایت بلیغ ہے۔ گویا غور و فکر کی دعوت کے ایک بلیغ بعد لوگوں کو غور و فکر کے لیے تھوڑا سا وقت بھی دے دیا۔ اس کے بعد اس غور و فکر کا جو صحیح نتیجہ نکلنا چاہیے وہ ان کے سامنے رکھ دیا۔ اس قسم کے وقف کی متعدد مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔

’اِنَّ هُوَ لَا يَذِيْدُ نَفْسًا بِسَبِّكَ مِثْلًا لِّمَا يَذِيْبُ سَبِّكَ‘ یہ بات بھی یہاں نہایت بر محل ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ جو تم دیکھتے ہو کہ اس کے دل و دماغ پر ایک ہی فکر، عذاب اور آخرت کی اہر وقت سوار ہے۔ اٹھتے بیٹھتے ہر لمحہ وہ تم کو اسی سے ڈراتا اور اسی کے لیے تیاری کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔ تمہاری تمام ناقدیوں، دل آزاریوں اور ستم رانیوں کے باوجود تمہارے پیچھے پھرتا ہے تو اس کی یہ بے قراری



بھی اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس کو کوئی جنون لاحق ہے بلکہ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ جو عذاب تھامے سروں پر منڈلا رہا ہے وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے لیکن تمہیں وہ نظر نہیں آ رہا ہے۔ اس کی یہ ساری بے چینی و بے قراری تمہاری ہمدردی میں ہے لیکن تم اپنے اندھے پن کے سبب سے اس کی ان بے چینیوں اور بے قراریوں کو غلط و جنون پر محمول کرتے ہو۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ ایک رسول کو اپنی قوم پر آنے والے عذاب کا نظر آنا کوئی مجاز نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ رسول اپنی قوم کے لیے رحمت کی گھٹا بن کر آتا ہے لیکن اس رحمت کی گھٹا کے اندر ہی اس کی قوم کے لیے صاعقہ عذاب بھی پوشیدہ ہوتا ہے اگر قوم اس کی تکذیب کر دیتی ہے۔ یہی عذاب آخرت کے عذاب کا دیا چہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ہر رسول نے اپنی قوم کو ان دونوں عذابوں سے ڈرایا ہے اور اس یقین کے ساتھ ڈرایا ہے کہ گویا وہ اپنی دونوں آنکھوں سے اس عذاب کو دیکھ رہا ہو۔ لیکن عقل کے اندھوں نے اس کے اس یقین کو جنون پر محمول کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر وادیا صبا صبا کا جو نعرہ لگایا وہ اسی یقین کا منہ ہر تھا لیکن قریش کے لیڈروں نے اس سے متنبہ ہونے کے بجائے اس کا مذاق اڑایا۔

قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ نَكُمْ ۖ إِنِ اجْتَبَيْتُمُوهُ فَلَا عَلَى اللَّهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (۴۰)

ایک حقیقت یہ مضمون قرآن میں دو اسلوبوں سے آیا ہے اور دونوں کا مفاد ایک ہی ہے۔  
ایک اسلوب یہ ہے کہ میں نے اپنی خدمت پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگا ہے کہ تم مجھ سے بدک رہے ہو، میرا اجر تو بس میرے رب ہی کے ذمہ ہے۔  
دو غٹف اسلوبوں سے

دوسرا یہ کہ اگر میں نے تم سے کوئی بات چاہی ہے جس کو تم اجر سمجھتے اور بار محسوس کرتے ہو تو وہ اپنے لیے نہیں بلکہ تمہاری ہی دنیا و آخرت کی بہبود کے لیے چاہی ہے۔

پہلے اسلوب کی مثالیں بکثرت ہیں۔ ان کے حوالے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں یہ مضمون اس دو سراسر اسلوب میں بیان ہوا ہے جس کی بعض نظیریں ہم نقل کرتے ہیں۔ سورہ فرقان میں ہے :

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنِّي لَا مَنَّ

تَسَاءَلُونَ يَتَّخِذَ إِلَىٰ نَفْسِهِ سَبِيلًا (۵۰) مگر یہ کہ جو چاہے اپنے رب کی راہ اختیار کرے۔

اگرچہ اس آیت کی تائیل پہلے اسلوب کے مفہوم میں بھی ہو سکتی ہے اور وہ بھی عربیت کے خلاف نہیں ہوگی لیکن اس کا یہ مطلب بھی بالکل واضح ہے کہ میں نے اپنی اس خدمت پر تم سے اپنے لیے کچھ نہیں چاہا ہے۔ اگر چاہا ہے تو تمہارے ہی لیے چاہا ہے کہ تم میں سے جو خدا کی راہ کا طالب ہو میں اس کو خدا کی مراہ مستقیم دکھا دوں۔



اسی طرح سورہ شوریٰ میں ہے :

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ

کہہ دو کہ میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا مگر یہ

فِي الْقُرْبَىٰ (۲۳)

کہ قربت مندوں کے معاملے میں حسن سلوک کی روش اختیار کرو۔

اگرچہ اس آیت کی تاویل بھی پہلے اسلوب کی روشنی میں ہو سکتی ہے، اس پر اس کے محل میں ہم بحث کریں گے، لیکن اس کا یہ مطلب بھی بالکل واضح ہے کہ اگر تم میری دعوت انفاق و صلہ رحم کو بار سمجھتے ہو تو یہ بھی میں اپنے لیے نہیں بلکہ تمہارے ہی لیے اور تمہارے رشتہ داروں و قربت مندوں ہی کے لیے چاہتا ہوں۔

اسی اسلوب پر آیت زیر بحث میں فرمایا کہ اول تو میں نے اپنی اس دعوت و تعلیم پر تم سے کسی اجر کا مطالبہ کیا نہیں، میرا اجر میرے رب کے ذمہ ہے، لیکن اگر تم میرے کسی مطالبے کو اپنے اوپر بار اور اس کو میرا اجر تصور کرتے ہو تو یہ تمہاری غلط فہمی و کج اندیشی ہے۔ میں نے تم سے جو کچھ بھی یا ہا ہے اپنے لیے نہیں بلکہ تمہارے ہی لیے چاہا ہے۔ میں تمہیں خدا اور آخرت سے جو ڈراتا ہوں، نیکی کی تلقین کرتا ہوں، انفاق فی سبیل اللہ، اطعام فقراء و یتامیٰ اور غلاموں کو آزاد کرنے پر ابھارتا ہوں تو ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جس میں میرا کوئی ذاتی مفاد ہو بلکہ ان کا فائدہ، انفرادی و اجتماعی دونوں پہلوؤں سے، تمہی کو حاصل ہوگا۔ تم ان باتوں پر عمل کر کے اپنی دنیا بھی سنوارو گے اور اپنی آخرت بھی بناؤ گے۔

یہ بات قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی فرمائی گئی ہے مخاطبوں کو ملامت اور ان سے اظہارِ بے نیازی کے سیاق ہی میں فرمائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان ناقدروں سے کہہ دو کہ میں نے اپنی دعوت پر کوئی ٹکٹ یا چندہ تو نہیں لگا رکھا ہے کہ وہ تمہارے لیے میرے پاس آنے اور میری بات سننے میں مانع ہو رہا ہو، تم ہر وقت میرے پاس آ سکتے ہو اور بے جھجک آ سکتے ہو۔ میری مجلس میں کسی پر کوئی قدغن نہیں۔ تمہارے امیر و غریب سب کے لیے میرا دروازہ کھلا ہوا اور میرا سینہ کشادہ ہے۔ اور اگر نہیں آتے تو یاد رکھو کہ میرا کچھ نہیں بگاڑو گے، اپنا ہی بگاڑو گے۔ میں نے کوئی دکان نہیں کھولی ہے کہ تمہاری بے انتہائی سے میری دکان بیٹھ جائے گی۔ میں نے تو اپنے رب سے مفت پایا ہے، مفت بانٹ رہا ہوں۔

”وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ“ یعنی میرا اجر جس اللہ کے ذمہ ہے وہ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے۔ مجھے یہ اندیشہ نہیں ہے کہ میری کوئی حقیر سے حقیر خدمت بھی اس سے پوشیدہ رہے گی۔ وہ میری سرگرمیاں بھی دیکھ رہا ہے اور تمہاری ناقدریاں بھی اس کی دکانوں میں ہیں۔ میں پورا بھروسہ رکھتا ہوں کہ وہ مجھے میری خدمات کا بھرپور صلہ دے گا۔

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْذِئُ بِالْحَقِّ عِلْمَ الْغُيُوبِ (۲۸)

”بِیْزِیْ بِالْحَقِّ“ کے بعد علی الباطل کے الفاظ بر بنائے قرینہ مخدوت ہیں، جیسا کہ دوسرے مقام میں ایک تینہ:



فرمایا ہے: **وَبَدَّلْ نَقِيدٌ بِاَلْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ قَيْدًا مَّخْتًا (الانبیاء: ۱۸)** (ہم حق کو باطل پر ماریں گے پس وہ اس کا بھیجا نکال کے رکھ دے گا)۔

یعنی ان نادانوں کو بتا دو کہ اس غلط فہمی میں نہ رہو کہ یہ دنیا یوں ہی پیدا ہوئی، یوں ہی تمام ہو جائے گی بلکہ ایک ایسا دن لازماً آنے والا ہے جس دن اس کا خالق اس کے حق و باطل میں فیصلہ فرمائے گا اور حق کو باطل پر مارے گا جس سے باطل پاش پاش ہو کے رہ جائے گا۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اصلاً تو یہ بات آخرت کی عدالت کبریٰ سے متعلق ہے لیکن یہی نتیجہ اس عدالت صغریٰ کا بھی برآمد ہوتا ہے جو ایک رسول کی بعثت کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ ہم جگہ جگہ اس سنت الہی کی وضاحت کر چکے ہیں کہ جس قوم کی طرف رسول کی بعثت ہوئی اس قوم کے حق و باطل کا فیصلہ لازماً ہو گیا۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر حضورؐ نے اعلان فرمایا کہ **جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْتًا** (حق آگیا اور باطل نابود ہوا، بے شک باطل نابود رہی ہونے والی چیز ہے)۔

**عَلَّمَ الْغُيُوبَ**۔ ہمارے نزدیک یہ مستقل جملہ ہے اور مبتداء یہاں محذوف ہے۔ یہ حق و باطل کے درمیان عدالت کی دلیل صفات الہی سے پیش کی گئی ہے کہ اس کائنات کا رب تمام غیب کی باتوں کو جانتا ہے، کوئی چیز بھی اس سے مخفی نہیں ہے، اس وجہ سے کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ اس کو کسی چیز کا فیصلہ کرنے میں کوئی زحمت پیش آئے گی۔ وہ ہر ایک کا پورا اعمال نامہ اس کے آگے رکھ دے گا جس میں اس کا ہر عمل درج ہوگا خواہ وہ کتنے ہی پوشیدہ گوشوں میں انجام دیا گیا ہو۔

**قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ۝۴۰**

جس طرح اوپر کی آیت میں **يَقْدِفُ بِالْحَقِّ** کے بعد **زَهَقَ الْبَاطِلُ** کے الفاظ حذف ہیں اسی طرح یہاں **جَاءَ الْحَقُّ** کے بعد **زَهَقَ الْبَاطِلُ** کے الفاظ حذف ہیں اور اس خلا کو **مَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ** کے الفاظ نے بھر دیا ہے۔

باطل ایک  
بے ثبات  
پتھر ہے

فرمایا کہ ان نادانوں کو بتا دو کہ اب حق قرآن کی شکل میں آگیا اور جب حق آگیا تو اس باطل کا نابود ہونا لازمی ہے جس کی وہ پرستش کرتے رہے ہیں۔ اب اگر وہ اس باطل کے ساتھ چپٹے رہے تو اس کے ساتھ وہ بھی پس جائیں گے۔

جن کا اس کائنات  
کے ابداء میں دخل  
نہیں ان کا اس  
کے اعادہ میں بھی  
کوئی دخل نہیں

**وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ**۔ یہ باطل کی بے ثباتی کی دلیل بیان ہوئی ہے کہ اس کا رخانہ کائنات کے ابداء میں دخل کا آغاز اس کے خالق نے حق کے ساتھ فرمایا ہے اس وجہ سے لازم ہے کہ اس کی انتہا بھی حق پر ہو۔ جب باطل کا کوئی دخل اس کے ابداء میں نہیں ہے تو اس کے اعادہ میں اس کا دخل کس طرح ہو جائے گا؟ پس جو لوگ فرضی دیوتاؤں کی سفارشوں پر تکیہ کیے ہوئے زندگی گزار رہے ہیں یاد رکھیں کہ ان کے دیوتاؤں کے اختیار میں نہ کسی چیز کا ابداء ہے نہ اعادہ۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ مشرکین عرب اس کائنات



کے ابداء میں کسی کو شریک نہیں مانتے تھے لیکن وہ اس بات کے قائل تھے کہ اگر آخرت کا مرحلہ پیش آیا تو ان کی واپسی ان کے معبودوں کی طرف ہوگی جو اپنی سفارشوں سے ان کو وہاں بھی اعلیٰ مراتب دلوں میں گئے قرآن نے ان کی اسی غلط فہمی کے ازالہ کے لیے جگہ جگہ ان کے اس منالطہ پر گرفت کی ہے کہ جب تم اس کائنات کے ابداء میں کسی کو شریک نہیں مانتے تو اس کے اعادہ میں کیوں شریک مانتے ہو؟

سورہ یونس میں یہی مضمون اس طرح بیان فرمایا ہے:

إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا طَائِفَةٌ مِّنْ آلِ الْفُلِ  
أَن يَكُونُوا لِرَبِّهِمْ إِذْ يُبْدِئُ الْخَلْقَ  
ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ  
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ  
اسی کی طرف تم سب کی واپسی ہوتی ہے۔ یہ اللہ کا ثننی وعدہ ہے۔ بے شک وہی خلق کا آغاز فرماتا ہے پھر وہ اس کا اعادہ فرمائے گا تاکہ وہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے۔ (یونس: ۴۰)

پھر یہی مضمون دوسرے اسلوب سے یوں بیان ہوا ہے:

قُلْ مَلِكٌ مِّنْ شُرَكَائِكُمْ مَن  
يَّبْعَثُ الْغَاقِقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ  
فَإِنِّي تَوَفَّاكُونَ  
ان سے پوچھو تمہارے شرکاء میں سے کوئی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہے پھر وہ اس کا مادہ کرے گا؛ کہہ دو، اللہ ہی خلق کا آغاز کرتا ہے پھر وہ اس کا

(یونس: ۳۴)

قُلْ إِن مَّالِكٌ فَإِنَّمَا أَضِلُّ عَلَىٰ نَفْسِي ۚ وَإِنِ اهْتَدَيْتُمْ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مِنِّي لَأَنَّهُ سَبِيحٌ قَرِيبٌ (۵۰)

اب یہ ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی کہ ان سے کہہ دو کہ اگر میں گمراہ ہوں، جیسا کہ تم سمجھتے ہو تو اس گمراہی کا خمیازہ وحی الہی کی بہر حال مجھ ہی کو بھگتنا ہے، تم اس کے وبال سے محفوظ ہو اس لیے کہ تم اس میں میرا ساتھ نہیں دے رہے۔ تم کذب کا ہو۔ لیکن اس مسئلہ کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اس پر بھی اچھی طرح غور کر لو۔ وہ یہ کہ اگر میں ہدایت پر ہوں تو یہ انجام ہدایت اس وحی کی بدولت مجھے حاصل ہوتی ہے جو میرا پروردگار مجھ پر نازل فرما رہا ہے۔ اس صورت میں میری تکذیب تمہارے لیے کوئی سہل چیز نہیں ہے بلکہ تم وحی الہی کے جھٹلانے والے ٹھہرتے ہو اور وحی الہی کی تکذیب کرنے والوں کا جو انجام ہونا چاہیے اور ہوگا وہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے نتائج و عواقب کو بہت دوزخ سوچ لو!!

إِنَّهُ سَبِيحٌ قَرِيبٌ ۚ يَتَفَوَّضُ إِلَى اللَّهِ كَلِمَةً ۚ مَطْلَبُ يَهْدِيهِ إِلَى اللَّهِ تَفَوُّضٌ  
بے سود ہے۔ میں یہ آخری بات کہہ کے تمہارا معاملہ اپنے رب کے حوالے کرتا ہوں۔ تم نہ تو میری بات سننے کے لیے تیار ہو، نہ قریب آنے کے روادار ہو لیکن میرا رب میری باتیں سننے والا بھی ہے اور قریب بھی ہے۔ تو اب تمہارے پیچھے سرکھپانے کے بجائے اسی سے عرض معروض کروں گا جو سنتا اور قبول فرماتا ہے۔



وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فُتِحُوا فَلَا قُوَّةَ وَاتَّخَذُوا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ (۵۱)

نیکو کن گڑی

یہاں جواب شرط محذوف ہے۔ اس کی مثال آیت ۳۱ میں گزر چکی ہے۔ اس طرح جواب شرط کا محذوف ہونا اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ جواب تعبیر و تصویر سے مافوق ہے۔ فرمایا کہ آج تو ان کے استکبار کا یہ حال ہے کہ کپٹھے پر ہاتھ نہیں دھرنے دے رہے ہیں لیکن اگر کہیں تم ان کے اس وقت کو دیکھ پاتے جب کہ وہ خدا کی اس گرفت میں آجائیں گے جس کو آج جھٹلا رہے ہیں تب تم کو ان کی بے بسی کا کچھ اندازہ ہوتا کہ کس طرح یہ ناک رگڑتے اور حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں۔ فرمایا کہ جب یہ خدا کے عذاب کی پکڑ میں آئیں گے تو گھبرا کر بھاگنے اور بچنے کی کوشش کریں گے لیکن خدا کی گرفت سے کون بچ سکتا ہے جو یہ اس سے بھاگ سکیں گے۔ وَاتَّخَذُوا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ یعنی یہ بھاگنا چاہیں گے لیکن پاس ہی سے دھریے جائیں گے۔ ان کے پاؤں کے نیچے یا ان کے سر کے اوپر سے اس طرح خدا کا عذاب ان کو اپنے نابو میں کرے گا کہ کسی طرف بھی ان کو راہ فرار سجھائی نہیں دے گی۔

وَقَالُوا آمَنَّا بِهِ جَدَّاتِي لَنُكْفِيَهُنَّ اَللّٰهُمَّ اَلتَّنَادُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ (۵۳)

یعنی اس وقت ان کا سارا نشہ ہرن ہو جائے گا اور وہ پکاراٹھیں گے کہ اب ہم اس قرآن پر ایمان لائے۔ ضمیر کا مرجع یہاں قرآن ہے جس کا ذکر اوپر کی آیات میں گزر چکا ہے۔ قرآن کو پیش کرنے والے یعنی آنحضرت از خود اس میں شامل ہیں۔

بعد از وقت

ایمان

وَقَالُوا آمَنَّا بِهِ جَدَّاتِي لَنُكْفِيَهُنَّ اَللّٰهُمَّ اَلتَّنَادُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ یعنی ایمان کا محل تو یہ دنیا ہے اور وہ بھی عذاب الہی کے ظہور سے پہلے تو جب عذاب الہی ظاہر ہو جائے گا اس وقت تو یہ ایمان کی منزل سے اتنی دور نکل جائیں گے کہ وہاں سے ان کے لیے اس کے پاسکنے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ جائے گا۔ عذاب الہی کی گرفت میں آجائے کے بعد تو فرعون جیسا سرکش بھی پکاراٹھا تھا کہ میں موسیٰ و ہارون کے رب پر ایمان لایا! لیکن اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ملا کہ اَللّٰهُمَّ اَلتَّنَادُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ (اب ایمان لائے! حالانکہ جب ایمان لانے کا وقت تھا تو تم نے نافرمانی کی)۔

’تنادش‘ کے معنی پالینے کے ہیں اور اَللّٰهُمَّ کا مفہوم یہ ہے کہ بھلا اس وقت اس کے پانے کا کیا امکان ہوگا!

دست کوتاہ است و خسرا بر نحیل

وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ (۵۴)

’قذف بالحجارة‘ کے معنی ہیں پتھر پھینکا۔ قذف بالقول تکلم بلا تدبر و لاتامل۔ یعنی بے سوچے سمجھے بات پھینک ماری۔ یہیں سے یہ رجحان بالغیب یعنی اٹکل پتچو بات کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عذاب دیکھنے کے بعد وہ ایمان کا اقرار کریں گے حالانکہ اس سے پہلے وہ دور سے



بیٹھے ہوئے اٹکل کے تیرتکے چلتے رہے تھے کہ یہ کتاب من گھڑت ہے، اس کا پیش کرنے والا (العیاذ باللہ) بر خود غلط ہے، عذاب کی دھمکی محض دھونس ہے، قیامت کا ڈراوا محض خلل و ماغ کا نتیجہ ہے اور اگر قیامت کا کوئی مرحلہ پیش آیا تو ہمارے شرکاء کے طفیل ہمارا تفوق وہاں بھی قائم رہے گا۔ الغرض عقل کو بلائے طاق رکھ کے قرآن اور پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب کے جنون میں جو کچھ زبان پر آیا جکتے رہے لیکن جب حقیقت سامنے آجائے گی تو اس کا اقرار کریں گے لیکن یہ اقرار بعد از وقت اور بالکل بے سود ہوگا۔

وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِّن قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مَُّرِيبٍ (۵۴)

یعنی جب فیصلہ کن عذاب نمودار ہو جائے گا تو ان کے اور ان کی تمام چاہتوں کے مابین دیوارِ حائل ہو جائے گی۔ وہ ایمان لانا چاہیں گے لیکن ان کا یہ چاہنا بے سود ہوگا۔ وہ مہلت کی درخواست کریں گے لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوگی۔ وہ اپنے شرکیوں کو پکاریں گے لیکن ان کی طرف سے بھی ان کی کوئی فریاد رسی نہیں ہوگی۔ غرض امید کے تمام دروازے ان پر بند ہو جائیں گے اور ایک ابدی مایوسی سے ان کو سابقہ پیش آئے گا۔  
 كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ یعنی ان کو بھی اسی صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑے گا جس سے ان کے پیشرو ہم مشرکوں کو دوچار ہونا پڑا۔ یہ اشارہ عاد، ثمود، اہل مدین اور فرعون وغیرہ کی طرف ہے جن کی سرگزشتیں تفصیل کے ساتھ قرآن میں سنائی جا چکی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس سے پہلے پیش نہ آچکی ہو۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان تمام قوموں کو اسی افتاد سے سابقہ پیش آیا جنہوں نے ان کی طرح اپنے رسولوں کے انذار کی تکذیب کی۔ اگر یہ ان کے حالات سے سبق نہیں لیتے تو لازماً انہی کے انجام سے دوچار ہوں گے۔  
 إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مَُّرِيبٍ۔ یعنی وہ بھی انہی کی طرح الجھن میں ڈالنے والے شک میں پڑے رہے یہاں تک کہ بالآخر فیصلہ کن گھڑی سر پر آہی گئی۔ 'شکّ مریب' کی نوعیت پر ہود ۶۲-۱۱۰ میں ہم گفتگو کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے، ان سطروں پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فَاَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

رحمان آباد : ۳ جنوری ۱۹۶۵ء

جمعہ - ۹ بجے دن







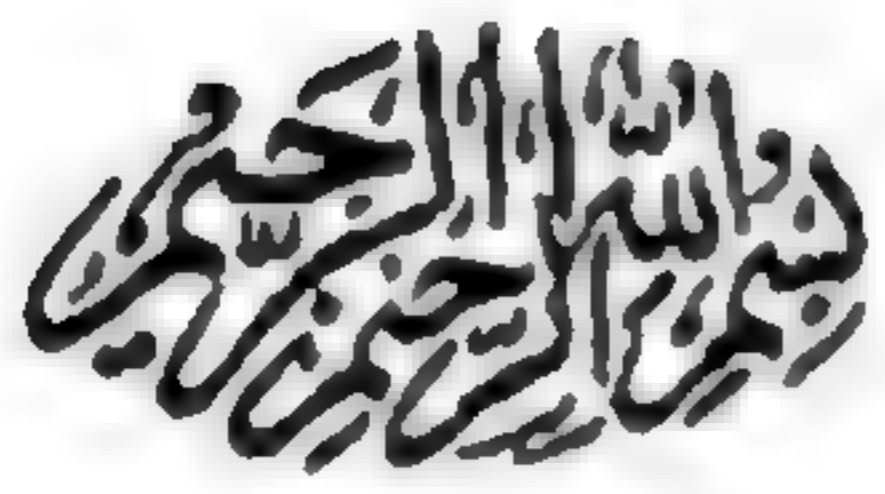
تذکرہ قرآن

۳۵  
فاطر









## د۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ ————— سورہ سبا ————— کی توام سورہ ہے اس وجہ سے دونوں کے عمود میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ اس کا بھی اصل مضمون توحید ہی ہے۔ اس کا آغاز خدا کی حمد کے اثبات اور فرشتوں کی الوہیت کے تصور کے ابطال سے ہوا ہے۔ پھر توحید ہی کے تحت رسالت و معاد سے متعلق وہ باتیں بیان ہوئی ہیں جو مقصد انذار کے پہلو سے ضروری اور سورہ کے مزاج اور اس کے زمانہ نزول سے مناسبت رکھنے والی ہیں۔ پچھلی سورہ میں یاد ہوگا، جنوں اور ملائکہ کی الوہیت کے تصور کا ابطال فرمایا ہے۔ اس سورہ میں ملائکہ کی الوہیت کے تصور کی تردید نسبت زیادہ واضح الفاظ میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین عرب کے مزعمہ معبودوں میں سب سے زیادہ اہمیت فرشتوں ہی کو حاصل تھی۔

## ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱۲۱) شکر کا حقیقی منہ دار اللہ ہے۔ وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اسی نے فرشتوں کو بھی وجود بخشا ہے اور ان کو، اپنی حکمت کے مطابق، جن صلاحیتوں اور قوتوں سے چاہا ہے بہرہ مند کیا ہے۔ ان کو بذاتِ خود کوئی اختیار و اقتدار حاصل نہیں ہے۔ تمام رزق و فضل خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ وہ بخشا چاہے تو کوئی اس کی بخشش کو روک نہیں سکتا اور روکنا چاہے تو کوئی اس سے دلو نہیں سکتا۔ پس عبادت کا اصلی حقدار وہی ہے۔ اس کے سوا دوسروں کی پوجا محض جہالت و حماقت ہے۔

(۱۲۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ اگر تمہاری قوم کے لوگ تمہاری تکذیب کر رہے ہیں تو اپنی پیشرو قوموں کے نقش قدم کی پیروی کر رہے ہیں اور وہ لازماً اسی انجام سے دوچار ہوں گے جس سے وہ دوچار ہوئیں۔ ان کے اعمال ان کی نگاہوں میں کھبادیے گئے ہیں اور یہ اللہ کے قانون کی زد میں آچکے ہیں تو ان کے غم میں اپنے کو گھلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کر دو۔



قریش کو انذار کہ پیغمبر جس چیز سے تم کو ڈرا رہا ہے وہ ایک امرِ شرفی ہے تو اپنی موجودہ دنیوی کامیابیوں سے کسی دھوکے میں نہ رہو اور شیطان کے پھندوں میں نہ پھنسو، وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے تو اپنے دشمن کو دشمن ہی سمجھو۔ بڑا ہی نادان ہے وہ جو اپنے دشمن کو دوست بنا بیٹھے۔

(۹-۱۰) شر و نشر کی ایک واضح دلیل کی طرف اشارہ اور یہ تنبیہ کہ جو شر کے دن خدا کے ہاں تقرب کا طالب ہو وہ جھوٹے سہاروں پر زندگی نہ گزارے۔ اس دن فرضی دیویوں دیوتاؤں کے بل پر کسی کو تقرب حاصل نہیں ہوگا۔ خدا کے ہاں کام آنے والی چیز کلمہ طیبہ — کلمہ توحید — ہے اور اس کلمہ طیبہ کو بلندی عمل صالح سے حاصل ہوتی ہے۔ جس کو آخرت کی عزت مطلوب ہو وہ ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کرے۔ اس سے ہٹ کر جو راہیں نکالی گئی ہیں وہ سب فریبِ نفس کی راہیں ہیں اور ان کا انجام ابدی تباہی ہے۔

(۱۱-۱۸) مال و اولاد اور رزق و فضلِ خدا کا عطیہ ہیں۔ عمر کی زیادتی و کمی خدا کے اختیار میں ہے۔ ان میں سے کسی چیز میں بھی کسی دوسرے کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کائنات کے اعداد میں جو توافق ہے وہ اس بات کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ اس میں ایک ہی خدا ہے قادر و قیوم کا ارادہ کار فرما ہے۔ اس کے سوا جن کو معبود بنایا گیا ہے نہ ان کو کوئی اختیار حاصل ہے اور نہ وہ قیامت کے روز کسی کے کچھ کام آنے والے بنیں گے۔

لوگوں کو یہ تنبیہ کہ تمہیں اصل حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اگر تم نے اس کی قدر نہ کی تو اپنا ہی بگاڑو گے خدا کا کچھ نہیں بگاڑو گے۔ خدا تمہارا محتاج نہیں ہے بلکہ تمہی خدا کے محتاج ہو۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ تمہاری دعوت انہی لوگوں پر اثر انداز ہو سکتی ہے جن کے اندر زندگی کی کچھ رمق ہے جو بالکل مردہ ہیں ان کو ان کے حال پر چھوڑو۔ ان کے لیے جو انجام مقدر ہو چکا ہے وہ اسی سے دوچار ہوں گے۔

(۱۹-۲۸) ایمان لانے اور نہ لانے والوں کی تفصیل اور اس کائنات میں جو اختلاف و تضاد پایا جاتا ہے اس کی حکمت کی طرف اشارہ کہ جس طرح اس میں اللہ نے نور و ظلمت کو پیدا کیا ہے اور ان دونوں کی خلقت و حکمت و مصلحت پر مبنی ہے اسی طرح ایمان و کفر کا یہ تضاد بھی خدا کی حکمت پر مبنی ہے۔ اس وجہ سے یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ سب ایمان سے بہرہ مند ہو جائیں گے۔ ایمان صرف وہی لائیں گے جن کے اندر علم و معرفت کی روشنی اور اس کی قدر ہے۔

(۲۹-۳۸) ان علمائے اہل کتاب کی تحسین و حوصلہ افزائی جو تمام بگاڑ اور فساد کے باوجود اللہ کی کتاب پر قائم ہیں اور اس بات کی طرف اشارہ کہ جس طرح ان کو تورات پر قائم رہنے کی سعادت حاصل ہوئی اسی طرح قرآن پر بھی ایمان لانے کی ان کو سعادت حاصل ہوگی اس لیے کہ یہ انہی پیشین گوئیوں کا مصداق ہے جو اس کی بابت تورات اور دوسرے صحیفوں میں وارد ہوئی ہیں۔ تورات کے بعد اس قرآن کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ائمہ پر عظیم احسان فرمایا ہے کہ اس کے ذریعہ سے اس نے ان کو دنیا کی امامت بخشی ہے بشرطیکہ وہ اس کی قدر کریں۔ پھر فرمایا کہ اگرچہ ان میں ناقدرے اور ناشکرے بھی ہیں لیکن ساتھ ہی ان میں معقولیت پسند اور نیکی کی راہوں میں سبقت کرنے والے بھی ہیں۔ اس طرح کے لوگ اس پر ایمان لائیں گے رہے وہ لوگ جو اس نعمت کی ناقدری کریں گے تو وہ اس انجام سے دوچار ہوں گے جو اس طرح کے لوگوں کے لیے اللہ کے



ہاں متعذر ہے۔

(۳۹-۴۱) قریش کو تہدید و وعید کہ تم دنیا میں پہلی قوم نہیں ہو بلکہ پچھلی قوموں کے جانشین ہو اس وجہ سے خدا نے جس میزانِ عدل سے ان کو تو لا کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس سے تم کو نہ تو لے۔ خدا کے ہاں الگ الگ ترازو اور الگ الگ باٹ نہیں ہیں بلکہ سب کے لیے ایک ہی میزان ہے۔ تمہاری سرکشی کے باوجود خدا جو ڈھیل تمہیں دے رہا ہے اس کو اپنی کامیابی نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے خسارہ میں اضافہ ہے۔ خدا حلیم و غفور ہے اس وجہ سے تمہیں مہلت دے رہا ہے لیکن جب وہ پکڑے گا تو تمہارے یہ فرضی دیوی دیوتا تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ آسمان و زمین خدا کے ہاتھ میں تھامے ان دیوتاؤں نے ان کو نہیں تھام رکھا ہے۔

(۴۲-۴۵) قریش کو یہ یاد دہانی کہ رسول کی بعثت سے پہلے تو تم اس دلولہ کا اظہار کرتے تھے کہ اگر تمہارے اندر کسی رسول کی بعثت ہوئی تو تم دنیا کی سب سے زیادہ ہدایت یافتہ قوم بنو گے لیکن جب رسول آیا تو رات دن اس کے خلاف سازشوں میں مگرم ہوا اور خدا کے اسی قہر کو دعوت دے رہے ہو جو رسولوں کی کذیب کرنے والوں پر ہمیشہ نازل ہوا۔ یاد رکھو کہ اگر خدا کسی قوم کو فوراً پکڑنا چاہے تو کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا لیکن اس نے ہر قوم کے فیصلہ کے لیے ایک خاص وقت مقرر کر رکھا ہے۔

مطالب کے اس تجزیہ پر ایک مرمی نظر ڈالنے سے بھی اس سورہ کا اندرونی نظام اور سابقہ سورہ سے اس کا تعلق بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اب اللہ کا نام لے کر ہم سورہ کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔ و بید اللہ التوفیق و ہوا بہ دی الی الصواب۔







مَكِّيَّةٌ ..... آيَاتُهَا ٢٥

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلِكَةِ رُسُلًا  
أُولَىٰ أَجْنَحَةٍ مَّتَنَّى وَثُلُثٌ وَرُبْعٌ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ  
إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ① مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ  
فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ  
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ② يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ  
مِنْ خَارِقٍ غَيْرِ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ  
فَإِنِّي تُوفِّكُونَ ③ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ  
طَالَى اللَّهُ تُرْجِعُ الْأُمُورَ ④ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ  
الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ ⑤ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ  
فَاتَّخِذُوا لَهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يِدْعُو أَحْزَابَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ  
السَّعِيرِ ⑥ الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَ  
عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ غُفْرَةٌ وَجَزَاءٌ كَبِيرٌ ⑦ أَفَمِنْ زِينَةِ لَكُمْ سُوءٌ



عَمَلِهِ قَرَأَهُ حَسَنًا فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ  
يَشَاءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا  
يَصْنَعُونَ ﴿٥﴾

ترجمہ آیات ۸-۱  
شکر کا سزاوارحقیقی اللہ ہے۔ آسمانوں اور زمین کا خالق، فرشتوں کو دودو، تین تین الہ  
چار چار پروں والے پیغام رساں بنانے والا۔ وہ خلق میں جو چاہے اضافہ کر دیتا ہے۔  
بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۱

اللہ لوگوں کے لیے جس رحمت کا فتح باب کرے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس  
کو روک لے تو اس کے بعد کوئی اس کو کھولنے والا نہیں اور وہی حقیقی عزیز و حکیم ہے۔ ۲  
اے لوگو! تمھارے اوپر اللہ کا جو انعام ہے اس کا دھیان کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور  
خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق بہم پہنچاتا ہو! اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو  
تم کہاں ادندھے ہوئے جاتے ہو! ۳

اور اگر یہ تمھیں جھٹلاتے ہیں تو کچھ غم نہ کرو، تم سے پہلے بھی کتنے رسولوں کی تکذیب کی گئی  
ہے اور اللہ ہی کے سامنے سارے امور پیش کیے جائیں گے۔ ۴

اے لوگو! اللہ کا وعدہ شدنی ہے تو تم کو یہ دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ  
اللہ کے باب میں تم کو فریب کا رشیطان فریب میں رکھے۔ بے شک شیطان تمھارا دشمن ہے  
تو تم اس کو دشمن ہی سمجھو۔ وہ تو اپنی پارٹی کو صرف جہنم کا ایندھن بنانے کے لیے بلاتا ہے۔  
جہنم نے کفر کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک  
اعمال کیے ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔ ۵



کیا وہ جس کی نگاہوں میں اس کا بُرا عمل کھبا دیا گیا ہے، پس وہ اس کو اچھا خیال کرنے لگا ہے (ایمان لانے والا بن سکتا ہے) پس اللہ ہی جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے تو ان کے غم میں تم اپنے کو ہلکان نہ کرو، اللہ یا خبر ہے ان کاموں سے جو وہ کر رہے ہیں۔ ۸۔

## ۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

أَنعَمُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَكِةِ رُسُلًا أُولَئِكَ أَجْنَعَةُ مَثْنَى وَثُلْتُ وَرُبْعٌ  
يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۱)

یاد ہوگا، پچھلی سورہ کا آغاز بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہی سے ہوا ہے۔ اس سے دونوں سورتوں کے مزاج کی مناسبت واضح ہوتی ہے۔ دین کی بنیاد توحید پر ہے اور توحید کی حقیقت اللہ ہی کی شکرگزاری ہے اس لیے کہ آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا اللہ ہی ہے اور بندوں کو جو ظاہری و باطنی نعمتیں بھی حاصل ہوئی ہیں سب اللہ ہی کا عطیہ ہیں۔

جَاعِلِ الْمَلَكِةِ رُسُلًا أُولَئِكَ أَجْنَعَةُ مَثْنَى وَثُلْتُ وَرُبْعٌ جَاعِلِ الْمَلَكِةِ بدل ہے فرشتوں کی حیثیت 'فَاطِرِ السَّمَوَاتِ' سے زیر عام کے بعد خاص کا ذکر اس کی اہمیت کے پہلو سے فرمایا کہ جو اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے اسی نے فرشتوں کو بھی پیغام رسانی کے مقصد سے وجود بخشا ہے۔ فرشتوں کے خاص طور پر ذکر کی وجہ یہ ہے کہ عربوں کی میتھالوجی (MYTHOLOGY) میں سب سے زیادہ اہمیت فرشتوں ہی کو حاصل تھی۔ وہ ان کو خدا کی چہیتی بیٹیوں کا درجہ دیتے اور اسی حیثیت سے ان کی عبادت کرتے تھے۔ ان کا تصور یہ تھا کہ اگر یہ خوش رہیں تو ان کے واسطے سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ اس عقیدے نے ان کے ہاں خدا کے وجود کو بالکل معطل کر دیا تھا۔ وہ خدا کو رسمی طور پر مانتے تو تھے لیکن ان کی تمام شکرگزاری اور عبادت کے مرکز ان کے وہ اصنام ہی تھے جو انھوں نے اپنے زعم کے مطابق فرشتوں کے نام پر بنا رکھے تھے۔ یہاں ان کے اسی زعم باطل کی تردید کے لیے ارشاد ہوا کہ شکر کا سزاوار اللہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔ اسی نے فرشتوں کو بھی پیغام بری کی ڈیوٹی پر مقرر فرمایا ہے یعنی یہ فرشتے نہ آسمان و زمین کی تخلیق میں کسی نوع سے شریک ہیں اور نہ الوہیت میں ان کا کوئی حصہ ہے بلکہ یہ صرف خدا کے پیغام رساں ہیں جن کے ذریعے سے خدا اپنے رسولوں کو اپنے احکام سے آگاہ کرتا ہے۔







قوتوں میں اس نے افزونی عطا فرمائی ہے تو اس کے بھی معین حدود ہیں اس کی بنا پر نہ کسی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ خدا کی خدائی میں شریک ہونے کا مدعی بن جائے نہ یہ جائز ہے کہ دوسرے اس کو خدائی میں شریک بنادیں۔

مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا، وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۲)

یہ دلیل بیان ہوئی ہے اس بات کی کہ کیوں خدا ہی شکر کا سزاوار ہے۔ فرمایا کہ اللہ تمہارے لیے جس فضل و رحمت کا بھی دروازہ کھولنا چاہے وہ اس کو کھول سکتا ہے، کوئی اس کے فضل و رحمت کو روک نہیں سکتا۔ اسی طرح اگر وہ کسی رحمت سے محروم کرنا چاہے تو کسی کی طاقت نہیں کہ وہ تمہیں اس سے بہرہ مند کر سکے۔ یہی مضمون سورہ زمر میں یوں بیان ہوا ہے۔

قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ شِفَاءُ صُورَةٍ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتٌ يُخَسِّتُهُ (الزمر: ۲۸)

اللہ کے سوا جن مبودوں کو تو پکارتے ہو کبھی تم نے ان پر غور کیا ہے۔ اگر اللہ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو کیا وہ اس کے دفع کرنے والے بن سکتے ہیں! یا اللہ مجھے کسی رحمت سے نوازنا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں!

مقتدر یہ ہے کہ جب اصل حقیقت یہ ہے تو فرشتوں اور جنوں کو تم نافع و ضار سمجھ کر ان کی عبادت جو کرتے ہو یہ محض تمہاری حماقت ہے۔ نفع و ضرر تمام تر خدا ہی کے اختیار میں ہے اس وجہ سے شکر اور عبادت کا حق دار تنہا وہی ہے۔

آیت میں ایک ہی چیز (رحمت) کے لیے ضمیر پہلے ٹوٹ آئی، پھر اسی کے لیے مذکر آئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک جگہ لفظ کا لحاظ ہے دوسری جگہ مضمون کا۔ اس کی متعدد نظیریں اس کتاب میں پیچھے گزر چکی ہیں۔

مِنْ بَعْدِهِ یعنی 'مِنْ بَعْدِ امْسَاكِهِ'۔ آگے اسی سورہ میں فرمایا ہے: 'وَلَيُنْزِلَنَّ السَّيْلَانِ أَتَمَسْكُهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ' (۴۱) (اگر وہ دونوں (آسمان و زمین) اپنی جگہ سے مل جائیں تو خدا کے بعد کوئی ان کو تھامنے والا نہیں بن سکتا)۔

'وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ' یعنی اصل غالب و مقتدر وہی ہے۔ وہ کھولتا اور دہی رکتا ہے اور یہ کھولنا اور باندھنا تمام تر اس کی حکمت کے تقاضوں کے تحت ہوتا ہے اس لیے کہ وہ حکیم بھی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَائِفٍ عَيْبُ اللَّهِ يَزُولُ فُكْرُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ طَلَا إِلَهُ الْآلِهَاتِ فَآثِي تَوْفُكُونَ (۴۲)



اتمام حجت کے لیے ایک سوال اور پر کی آیات میں جو مضمون اصولی طور پر بیان ہوا ہے اسی مضمون کو اتمام حجت کے انداز میں، لوگوں کو مخاطب کر کے، فرمایا کہ لوگو، اللہ کی جو نعمتیں تم کو حاصل ہیں ان میں سے ایک ایک کا دھیان کرو اور ان پر غور کرو۔ لفظ نعمت، یہاں جنس نعمت کے مفہوم میں ہے۔ غور کرنے کے لیے ان کے سامنے مسئلہ کو سوال کی صورت میں رکھا کہ یہ آسمان و زمین میں سے جو تمہیں روزی مل رہی ہے، آسمان سے پانی برتا ہے اور زمین سے تمہاری معاش و معیشت کی گونا گوں چیزیں پیدا ہوتی ہیں، کیا تم کہہ سکتے ہو کہ خدا کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں یہ چیزیں بخشتا ہے۔

سوال کا جواب کے سوا کوئی مبدود نہیں ہے۔ خود جواب دینے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس سوال کا صحیح جواب اس کے سوا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا، دوسری یہ کہ مشرکین عرب، جو یہاں مخاطب ہیں، اس سوال کا یہی جواب، عیساکہ قرآن کے دوسرے مقامات سے واضح ہے، دیتے بھی تھے۔ فرمایا کہ جب اصل حقیقت یہ ہے اور تم کو بھی اس سے انکار نہیں ہے تو پھر کہاں تمہاری عقل الٹ گئی ہے کہ دوسری چیزوں کو تم مبدود بنائے بیٹھے ہو؟

وَإِنْ تُكَذِّبُوا لَكُمْ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَاللَّهُ يُرْجِعُ الْأُمُورَ (۴)

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر ایسے سر پھرے لوگ تمہاری تکذیب کر رہے ہیں تو یہ کوئی تعجب یا غم کی بات نہیں ہے، تم سے پہلے جو رسول آئے اس طرح کے لوگوں نے ان کی بھی تکذیب کی۔ مطلب یہ ہے کہ اس میں تمہاری کسی تقصیر کو دخل نہیں ہے بلکہ تمام تر دخل اس میں ان کذب کی مخصوص ذہنیت کو ہے۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ یہ اپنی پیش زد قوموں کی روش پر چل رہے ہیں تو اس روش کا جو انجام ان کے سامنے آیا وہی ان کے سامنے بھی آئے گا۔

’وَإِلَى اللَّهِ تُجْعُ الْأُمُورُ‘۔ سارے امور خدا کی طرف لوٹتے ہیں اور اسی کی طرف لوٹیں گے۔ یعنی خدا اس معاملہ میں غیر جانبدار یا غیر متعلق نہیں ہے بلکہ ہر چیز اس کے سامنے آرہی ہے اور آئے گی اور آخری فیصلہ اسی کا ہوگا تو اسی کے بھروسہ پر اپنے کام میں لگے رہو اور ان کے معاملے کو اللہ پر چھوڑ دو۔ اس میں اشارہ بھی ہے کہ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو مولیٰ و مرجع بناٹے بیٹھے ہیں ایک دن اپنی اس طبع خام کا انجام خود دیکھ لیں گے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ إِنَّهَا دَلِيلُ الْغُرُورِ (۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے بعد مخالفین کو دھمکی دی کہ تم کو کھپلی قوموں کے انجام سے جو ڈرایا جا رہا ہے اس کو ہوائی بات نہ سمجھو۔ اللہ کی یہ وعید شدنی ہے۔ اس وقت تمہیں دنیا کی زندگی کی



جو رفاہیت حاصل ہے وہ تمہیں دھوکے میں نہ رکھے۔ تم اپنی موجودہ رفاہیت کو اپنے رویہ کی صحت کی دلیل گمان کرنے ہو اور پیغمبر کی وعید کا مذاق اڑاتے ہو کہ بھلا تم پر عذاب کیوں اور کدھر سے آجائے گا لیکن جب اللہ کے وعدے کے ظہور کا وقت آئے گا تو تم دیکھ لو گے کہ جس چیز سے تمہیں ڈرایا جا رہا تھا وہ بالکل تمہارے سامنے ہی موجود تھی۔

وَلَا تَعْتَرِكُمْ بِاللّٰهِ الْغُرُورُ غُرُورُ کے معنی فریب کا رکے ہیں اور یہاں اس سے مراد شیطان ہے۔ اس لیے کہ سب سے بڑا فریب کار شیطان ہی ہے۔ فرمایا کہ خدا کے باب میں فریب کار شیطان تمہیں دھوکے میں نہ رکھے۔ خدا بڑا رحیم و کریم بھی ہے اور بڑا ہی منتقم و تہا رہی۔ تمہارے تمام طغیان و فساد کے باوجود اس نے تمہیں جو ڈھیل دے رکھی ہے تو اس سے اس غلط فہمی میں نہ رہو کہ تم اس کی گرفت سے باہر ہو یا تمہارے منعمہ شرکاء نے تم کو بچا رکھا ہے یا وہ تم کو اس کی پکڑ سے بچالیں گے۔ اللہ کا نہ کوئی شریک ہے نہ کوئی اس کی پکڑ سے بچانے والا بن سکتا۔ شیطان نے تم کو اس فریب نفس میں اس لیے مبتلا کیا ہے کہ اس طرح وہ تم کو سیدھے جہنم میں لے جاتا ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ خدا کی صفات کے باب میں گمراہی دراصل تمام گمراہیوں کی جڑ ہے اس وجہ سے شیطان یہیں سے انسان پر گھات لگاتا ہے۔ اسی خطرے سے آیت وَمَا غَوَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمُ (الانفطار : ۶) میں آگاہ فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۚ وَاِنَّكُمْ لَعُوَّا حِزْبَهُ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحَابِ السَّعِيرِ (یٰز)

یعنی شیطان تمہارا دشمن اور رکھلا ہوا دشمن ہے تو اپنے دشمن کو دشمن ہی سمجھو اور اس کی چالوں سے بچ کے رہو۔ یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ وہ تو تمہارا دشمن ہے لیکن تم نے اس کو اپنا مرشد سمجھ کر اپنی باگ اس کے ہاتھ میں پکڑا دی ہے! اگر اپنی باگ اس کے ہاتھ میں پکڑا دی ہے تو اس کا انجام سن لو کہ اس کی تمام سرگرمیوں کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اس کی پارٹی میں شامل ہو جائیں وہ ان سب کو جہنم کے گھاٹ پر لے جائے۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُعَذَّبُ اللّٰهُ شِدَّةً ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَخِرَةً ۚ (آجڈ کپیر)

یہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ شدنی کی وضاحت ہے جس کا ذکر اوپر آیت ۵ میں آیا ہے۔ مطلب یہ وعدہ شدنی ہے کہ اللہ کے باب میں کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ یہ دنیا نیکی اور بدی، خیر اور شر میں کسی امتیاز کے بغیر یوں ہی چلتی رہے گی جنہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے ان کو شیطان نے خدا کی صفات کے باب میں سخت دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ ایک ایسا دن لازماً آنے والا ہے جس دن وہ لوگ عذاب شدید سے دوچار ہوں گے جنہوں نے کفر کیا ہوگا اور جن لوگوں نے ایمان و عمل صالح کی زندگی گزار دی ہوگی وہ مغفرت اور اجر عظیم



کے حق دار ٹھہریں گے۔

اَفَمَنْ ذُنِبَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا ۚ فَاِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ فَلَا تَذْهَبُ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتٍ ۗ اِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ (۸)

جو لوگ خدا کے قانون کی زد میں آئے ہوں گے۔ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لائے ہیں تو اس میں تمہاری کسی تقصیر کو دخل نہیں ہے بلکہ یہ قانون الہی کی زد میں آئے ہوئے لوگ ہیں تو ان کے غم میں اپنے کو ہلکان نہ کرو۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے تو جب وہ باخبر ہے تو ان کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جس کے وہ مستحق ہوں گے۔

اَفَمَنْ ذُنِبَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا کے بعد جواب پر بنائے قرینہ محذوف ہے۔ اگر اس حذف کو کھول دیجیے تو پوری بات یوں ہوگی۔ کیا وہ جس کی لگا ہوں میں اس کی بد عملی کھادی گئی ہے اور وہ اپنی بدی کو نیکی سمجھنے لگا ہے، تم اس کو ہدایت دینے والے بن سکتے ہو؛ مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا ہدایت پانا سنت الہی کے خلاف ہے تو ایسے لوگوں کی فکر میں اپنے کو گھایانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کرنا چاہیے۔ سورہ زمر کی آیت ۹ میں یہی بات یوں ارشاد ہوئی ہے۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۖ اَفَاَنْتُ تُنْقِذُ مَنْ فِي الشَّارِعَةِ ۚ  
کیا وہ جس پر عذاب کی بات پوری ہو چکی ہے کیا تم اس کو بچاؤ گے جو دروغ میں پڑ چکا۔

اس ٹکڑے سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ کسی برائی کے ارتکاب کی ایک حالت تو وہ ہے کہ آدمی اس کا ارتکاب کرتا ہے لیکن اس کے اندر اس کے برائی ہونے کا احساس زندہ رہتا ہے، دوسری حالت یہ ہے کہ اس کی برائی اس کی نگاہوں میں اس طرح کھادی جاتی ہے کہ وہ اسی کو ٹھہرتا، اسی کو نشین، اسی کو ترقی کا زینہ اور اسی کو تہذیب و تعلیم کا متقنی سمجھنے لگتا ہے۔ پہلی حالت میں یہ توقع رہتی ہے کہ اس کو اگر تذکیر و تنبیہ کی جائے تو وہ سنبھل جائے گا لیکن دوسری حالت دل کے منہ اور عقل کے ماؤف ہو جانے کی علامت ہے جس کو قرآن نے ختم قلوب یا زین سے تعبیر فرمایا ہے۔ ہر اس بیماری میں مبتلا ہوا، وہ خدا کے قانون کی زد میں آ چکا۔ اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

فَاِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ فَاِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ  
جو ہدایت و ضلالت کے باب میں اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے اور جس کی وضاحت ہم جگہ جگہ کرتے آ رہے ہیں۔ آگے اسی سورہ میں اس کی مزید وضاحت آرہی ہے۔

فَلَا تَذْهَبُ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتٍ ۗ اِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ  
کہ ایسے لوگوں کے غم میں ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے خود عقلی و روحانی خود کشی کی ہے اگر یہ ایمان نہیں لائے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تمہاری دعوت میں کوئی کسر ہے بلکہ ان کے دلوں پر



مہر ہو چکی ہے تو ان کا غم کھانے کے بجائے ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کر دو۔ وہ ان کی ساری کارستانیوں دیکھ رہا ہے، ان کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جس کے یہ سزاوار ہوں گے۔  
'خَسْرَتِ' حال بھی ہو سکتا ہے اور مفعول لہ بھی۔ کلام عرب میں دونوں کی نظیریں ملتی ہیں۔ اور  
'عَلَيْهِمْ' کا تعلق میرے نزدیک 'خَسْرَتِ' سے ہے جس طرح 'يَخْسِرُونَ عَلَى الْعِبَادِ' میں ہے۔ اس کا جمع کی صورت میں آنا فطر غم کے اظہار کے لیے ہے۔

## ۲۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۱۸۰-۹

آگے اس وعدہ شدنی کی، جس کا ذکر اوپر آیت ۵ میں ہوا ہے، بطور تمہید پہلے دلیل بیان فرمائی ہے، پھر بتایا ہے کہ جس کو خدا کا تقرب اور اس کی بارگاہ میں سرخ روئی مطلوب ہو وہ جھوٹے معبودوں کو تقرب کا ذریعہ بنانے کے بجائے اس کا صحیح طریقہ اختیار کرے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی ایمان اور عمل صالح کی راہ پر چلے۔ ایمان خدا کی طرف صعود کرنے والی چیز ہے اور عمل صالح اس کو سہارا دیتا اور رفت بخشتا ہے۔ اس کے سوا خدا کے تقرب کی کوئی اور راہ نہیں ہے۔ جن لوگوں نے یہ راہ چھوڑ کر دوسری راہیں نکالی ہیں اور اصل راہ سے لوگوں کو ہٹانے کے لیے رات دن طرح طرح کی سازشوں میں سرگرم ہیں ان کی ساری سازشوں کے تار و پود ایک دن بکھر جائیں گے۔

پھر یہ واضح فرمایا کہ مال و اولاد میں بڑھوتری، عمر میں کمی بیشی اور اس طرح کی تمام باتیں اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں، فرشتوں یا جنوں یا دوسرے فرضی معبودوں کو ان میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کائنات کے اعداد میں جو توازن ہے وہ اس بات کی نہایت واضح دلیل ہے کہ اس کے اندر صرف ایک ہی خدائے قادر و قیوم کا ارادہ کار فرما ہے۔ اس کے سوا کسی کو ذرہ برابر بھی کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

اس کے بعد لوگوں کو متنبہ فرمایا کہ یہ دعوت جو تمہیں دی جا رہی ہے تمہارے ہی نفع کے لیے دی جا رہی ہے۔ خدا کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ تمہیں خدا کے محتاج ہو۔ یہ دعوت قبول کرو گے تو اپنی دنیا و عاقبت سنوارو گے اور اگر نہ کرو گے تو اپنے ہی کو تباہ کرو گے۔ ساتھ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ کس مزاج کے لوگ اس دعوت کو قبول کریں گے اور کس طرح کے لوگ اس سے محروم رہیں گے۔ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فُتُنْفِئُهُ إِلَىٰ بَلَدٍ مَّيِّتٍ ۚ  
فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ كَذَٰلِكَ النُّشُورُ ۝۹  
آیات ۱۸۰-۹



يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ  
وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ  
شَدِيدٌ وَمَكْرُأُولِكَ هُوَ يَبُورُ ⑩ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ  
مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَى وَلَا تَضَعُ  
إِلَّا بِعِلْمِهِ وَمَا يُعَمِّرُهُنَّ وَمَا يُعَمِّرُهُنَّ مَعْمَرًا وَلَا يَنْقُصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ  
إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ⑪ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذَابٌ مُرْتَبَقٌ  
سَالِغٌ فِي شِرَابِهِ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَمَنْ كُلَّ تَاكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا  
وَتُسْتَخْرِجُونَ حُلِيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَازٍ خَلَّتْ بِتَبَعُوا  
مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ⑫ يُدْجِجُ اللَّيْلُ فِي النَّهَارِ وَيُوجِجُ  
النَّهَارُ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى  
ذَرِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ  
مِنْ قُطْمِيرٍ ⑬ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دَعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا  
اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ  
مِثْلُ خَبِيرٍ ⑭ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ  
الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ⑮ إِنْ يَشَاءُ يُدْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ⑯  
وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ⑰ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ وَ  
إِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَآ لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ  
ذَاقِرِي ۚ إِنَّهَا تُنْذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا



الصَّلَاةُ وَمَنْ تَزَكَّى فَإِنَّمَا يَتَزَكَّى لِنَفْسِهِ ۗ ذٰلِكُمْ اِلٰى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۸

اور اللہ ہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو پس وہ ابھارتی ہیں بادلوں کو پھر ہم ان کو ناکتے ہیں کسی خشک زمین کی طرف پس ہم اس سے اس زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد از سر نو زندگی بخش دیتے ہیں۔ اسی طرح لوگوں کا از سر نو زندہ ہو کر اٹھنا ہے۔ ۹

جو عزت کا طالب ہو تو یاد رکھے کہ عزت تمام تر اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس کی طرف صعود کرتا ہے پاکیزہ کلمہ اور عمل صالح اس کلمہ کو سہارا دیتا ہے۔ اور جو لوگ بری چالیں چل رہے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کی چال نابود ہو کے رہے گی۔ ۱۰

اور اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر پانی کی بوند سے اور پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا۔ اور کوئی عورت نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے۔ کسی عمر دالے کی عمر میں نہ زیادتی ہوتی نہ کمی مگر یہ ایک کتاب میں نوشتہ ہے۔ یہ سب اللہ کے لیے آسان ہے۔ ۱۱

اور دونوں دریا یکساں نہیں ہیں۔ ایک شیریں، پیاس بجھانے والا، پینے کے لیے خوش گوار ہے اور ایک کھاری کڑوا ہے۔ اور تم دونوں سے تازہ گوشت کھاتے اور زیت کی چیز نکالتے ہو جس کو پہنتے ہو۔ اور تم دیکھتے ہو کشتیوں کو اس میں پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اس کے فضل کے طالب بنو اور تاکہ تم شکر گزار بنو۔ وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے۔ ہر ایک گردش کرتا ہے ایک معین وقت کے لیے۔ وہی اللہ تمہارا رب ہے، اسی کی بادشاہی ہے۔ رہے وہ جن کو اس کے سوا تم پکارتے ہو تو وہ ذرہ برابر کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں رکھتے۔



اگر تم ان کو پکارو گے تو وہ تمہاری فریاد نہیں سنیں گے اور اگر نہیں گے بھی تو تمہاری فریاد رسی نہیں کریں گے اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کریں گے۔ اور ایک بانجھ کی طرح

کوئی دوسرا تمہیں آگاہ نہیں کر سکتا! ۱۲-۱۴

اے لوگو! تمہی اللہ کے محتاج ہو، اللہ تو بے نیاز و ستودہ صفات ہے۔ اگر وہ چاہے

تو تمہیں فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق لاکھڑی کرے اور یہ اللہ کے لیے ذرا مشکل نہیں۔ ۱۵-۱۷

اور کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ اٹھانے والی نہیں بنے گی اور اگر کوئی بوجھل جان

اپنے بوجھ کے اٹھانے میں کسی سے طالب مدد ہوگی تو اس میں ذرا بھی اس کا ہاتھ نہیں

بٹایا جائے گا اگرچہ وہ قرابت مندی کیوں نہ ہو۔ تم تو بس انہی لوگوں کو ڈرا سکتے ہو جو

غیب میں رہتے اپنے رب سے ڈرتے اور نماز کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور جو پاکی حاصل کرتا ہے

وہ اپنے لیے حاصل کرتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کی واپسی ہے۔ ۱۸

### ۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَّاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيُقْنِئُهُ إِلَىٰ بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَآخِثِينَ بِهِ  
الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ كَذَٰلِكَ النُّشُورُ (۹)

یہ دنیا اپنے

دربار میں ایک

تعلیم گاہ ہے۔

اور آیت ۵ میں جس وعدہ شدنی کی یاد دہانی فرمائی ہے کائنات کے شہادت سے یہ اس کی دلیل

پیش کی ہے کہ اس کو مستبعد نہ سمجھو۔ مرنے کے بعد لوگوں کو قبروں سے اٹھا کھڑا کرنا اللہ کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں

ہے۔ تم اس دنیا میں برابر دیکھتے ہو کہ زمین بالکل خشک پڑی ہوتی ہے، اس میں سبزہ اور روئیدگی کا کہیں نام و

نشان بھی نہیں ہوتا کہ اللہ کسی طرف سے ہواؤں کو بھیجتا ہے۔ وہ تمہارے دیکھتے دیکھتے بادلوں کو ابھارتی

اور جمع کرتی ہیں۔ پھر ہم ان کو اس مُردہ زمین کی طرف ہانک کے لے جاتے اور اس کو سیراب کر دیتے ہیں

جس سے اس کے ہر گوشے میں از سر نو زندگی نمودار ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ کَذَٰلِكَ النُّشُورُ اسی طرح

قیامت کے دن لوگوں کا از سر نو جی کر اٹھنا ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ مرنے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کا



مشاہدہ تو تم کو اس دنیا میں اللہ برابر کر رہا ہے تو تم قیامت کو ناممکن کیوں خیال کیے بیٹھے ہو! — یہ حقیقت اس کتاب میں جگہ جگہ ہم واضح کرتے آرہے ہیں کہ یہ دنیا اپنے وجود میں ان تمام حقائق کی تعلیم کے لیے ایک بہترین تعلیم گاہ ہے جن کی قرآن تعلیم دے رہا ہے۔ اگر انسان عقل و بصیرت سے کام لے تو قرآن کے ہر دعوے کی دلیل اس کو اپنے دہنے بائیں سے مل سکتی ہے۔

اس آیت میں اسلوب کلام بھی قابلِ توجہ ہے۔ پہلے ماضی کا صیغہ اَدْسَلَّ استعمال ہوا ہے۔ پھر مضارع تَشِيرُ آگیا۔ اس کے بعد سَقْنَا اور اَحْيَيْتَ مکمل کے صیغے آگئے۔ اسلوب کا یہ تنوع اپنے اندر گونا گوں خبریاں رکھتا ہے جن کی تفصیل کا یہ محل نہیں ہے۔ یہاں صرف اتنی بات یاد رکھیے کہ ماضی تو صرف بیانِ واقعہ کے لیے آتا ہے۔ مضارع میں تصویرِ حال کا پہلو بھی ہوتا ہے اور مکمل کا صیغہ انفات و عنایات خاص پر دلیل ہوتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ جَمِيعًا ۖ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۚ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ الشَّيَاطِئَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۚ ذَٰلِكُمْ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا مُخَلَّدُونَ (۱۰)

مطلب یہ ہے کہ قیامت تو بہر حال شہدائی ہے اور ہر ایک کو اللہ کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ رہا یہ خدا کے تقرب سوال کہ خدا کے ہاں کن کو عزت و مہرِ خدائی حاصل ہوگی اور کن کو ذلت و نامرادی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ کا و مدزعیہ تو جن کو اس سوال کا صحیح جواب مطلوب ہے وہ یاد رکھیں کہ عزت تمام نزد اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس ایمان اور وجہ سے جس کو بھی یہ حاصل ہوگی اسی کے تعلق اور اسی کی عزت بخشی سے حاصل ہوگی۔ عمل صالح ہے

إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۚ یہ اس عزت کے حاصل کرنے کا طریقہ ارشاد ہوا کہ بندوں کی طرف سے اللہ کی طرف صعود کرنے والی چیز کلمہ طیب، یعنی کلمہ ایمان ہے۔ اس کے سوا دوسری کوئی چیز نہیں جو خدا سے توسل اور قربت کا ذریعہ بن سکے۔ اس کلمہ ایمان کو جو چیز بہارِ دینی اور رفعتِ بخشی ہے وہ عمل صالح ہے۔ عمل صالح کے بغیر کلمہ ایمان مرجھا کے رہ جاتا ہے۔ گویا کلمہ ایمان کی مثال انگور کی بیل کی ہوئی جو ہے تو بجلتے خود نہایت ثمر بار، لیکن اس کی شادابی و ثمرباری کا تمام تر انحصار اس امر پر ہے کہ اس کو کوئی سہارا ملے جس پر وہ چڑھے، پھیلے اور پھوٹے پھلے۔ یہ سہارا اس کو عمل صالح سے حاصل ہوتا ہے۔ عمل صالح ہی اس کو پروان چڑھاتا اور ثمر و بار آور بناتا ہے۔ ورنہ جس طرح انگور کی بیل سہارے کے بغیر سکر کے رہ جاتی ہے اسی طرح ایمان بھی عمل صالح کے بدون مرجھا کے رہ جاتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے اَلْكَوْمُ الطَّيِّبُ سے کلمہ ایمان ہی مراد لیا ہے اور یہاں اس کے پہلو پہلو عمل صالح کا ذکر خود اس بات کی شہادت ہے کہ اس سے کلمہ ایمان ہی مراد ہے۔ لفظ طَّيِّب اس کلمہ کی زرخیزی و ثمرباری کی طرف اشارہ کر رہا ہے اس لیے کہ فلسفہ دین کے نقطہ نظر سے یہی کلمہ تمام علم و حکمت



کی جڑ ہے۔ جس نے اس کو پایا اس نے تمام علم و حکمت کے خزانے کی کلید پالی اور یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ ایمان اور عمل صالح دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ جس طرح ایمان کے بغیر عمل کی کوئی بنیاد نہیں اسی طرح عمل کے بغیر ایمان ایک بے جان شے ہے۔ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لیے سورہ ابراہیم کی آیات ۲۴-۲۶ کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں ایک نظر اس پر ڈال لیجیے۔

یہ بات یہاں مشرکین پر یہ حقیقت واضح کرنے کے لیے فرمائی گئی ہے کہ تم اپنے معبود ملائکہ کو خدا کے ہاں عزت و سرفرازی کا واسطہ سمجھے بیٹھے ہو حالانکہ عزت صرف اللہ کے لیے ہے اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کا واحد ذریعہ وہ ایمان ہے جس کے ساتھ عمل صالح کی تائید موجود ہو۔ قرآن میں مشرکین کی نسبت یہ بات جگہ جگہ نقل ہوئی ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو خدا کے ہاں عزت و سرفرازی کا ذریعہ خیال کرتے تھے مثلاً

مَا تَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (الزمر: ۲۴)

ہم ان کو صرف اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا سے قریب تر کر دیں۔

دوسری جگہ ہے۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً

اور انھوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا

لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا (مربہ: ۸۱)

رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے عزت کا ذریعہ بن سکیں۔

ان کے اسی واہمہ پر یہاں ضرب لگائی ہے کہ اس جنت المتقاء سے نکلوا اور خدا کے ہاں عزت کے طالب ہو تو اس کے لیے ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کرو۔

وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ یعنی جو لوگ اس حقیقت کا مواجر کرنے کے بجائے اپنے پندار کے تحفظ اور اللہ کے دین اور اس کے رسول کو زک پہنچانے کے لیے طرح طرح کی بری چالیں چل رہے ہیں وہ یاد رکھیں کہ اس طرح ان کو عزت نہیں حاصل ہوگی بلکہ وہ اپنے لیے ایک سخت عذاب کا سامان کر رہے ہیں۔

اس ٹکڑے میں 'سَيِّئَاتِ' کا نصب کچھ بیگانہ سا محسوس ہوتا ہے اس لیے کہ فعل 'مکروا' اس طرح متعدی نہیں ہوتا۔ صاحب کشف نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ 'سَيِّئَاتِ' یہاں مصدر کی صفت ہے۔

یعنی 'یَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ' یہ توجیہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ آگے آیت ۳۴ میں اس کی نظیر موجود ہے۔

وَمَكْرُؤٌ دُبُّهُ هُوَ يُبْوَءُ یعنی جو لوگ اس فریب نفس میں خود بھی مبتلا اور دوسروں کو بھی مبتلا رکھنے کے لیے رات دن جوڑ توڑ میں سرگرم ہیں وہ یاد رکھیں کہ ایک دن ان کی یہ ساری سازشیں اور سرگرمیاں نابود ہو جائیں گی۔ یہاں ابتدا کے اعادے سے کلام میں یہ زور پیدا ہو گیا ہے کہ ان لوگوں کی ان

ساری سازشوں سے کسی دوسرے کا کچھ نہیں بگڑے گا بلکہ تباہی ان کی سازشوں ہی پر آئے گی اور وہ انہی کی خرابی کا باعث ہوں گی۔ آگے اس مضمون کو کھول دیا ہے۔ فرمایا ہے وَلَا يَحِثُّ الْمَكْرُؤُ إِلَّا



بِأَصْلِهِ (اور بری چالیں انہی کو تباہ کرتی ہیں جو بری چالیں چلتے ہیں) اس لیے کہ حق ایک متاع مشترک اور سب کی فلاح کا ذریعہ ہے۔ اگر کوئی اس کی مخالفت کرتا ہے تو خود اپنی ہی آنکھیں پھوڑتا اور اپنے ہی پاؤں پر کھارسی مارتا ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَرْوَاجًا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَمَا يُعَمِّرُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَنْقُصُ مِنْ عُمُرِهِ ۗ إِلَٰهٌ فِي كِتَابٍ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ (۱۱)

یعنی اولاد اور عمر میں جو کمی بیشی بھی ہوتی ہے وہ اللہ کے علم اور اسی کے حکم سے ہوتی ہے۔ ان مشرکین کے ایک چیزوں میں بھی تمہارے ان دیویوں دیوتاؤں کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس وجہ سے ان کے لیے بھی تمہیں خدا ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کا سہارا نہیں ڈھونڈنا چاہیے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ مال و اولاد اور صحت و زندگی اور اس قبیل کی دوسری مطلوبات ہمیشہ شرک کے عوامل میں سے رہی ہیں جن کے ہاں اولاد نہیں ہوتی، یا ہوتی ہے لیکن زندہ نہیں رہتی یا صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں، اولاد نمربہ نہیں پیدا ہوتی، اس طرح کے لوگ اگر وہی ہوتے ہیں تو شیطان بڑی آسانی سے ان کا رُخ تھانوں، استھانوں، قبروں اور مزاروں کی طرف موڑ دیتا ہے۔ مشرکین عرب کے شرک میں بھی اس عامل کو بڑا دخل رہا ہے۔ وہ اپنے معبودوں کو آسمان و زمین کا خالق تو نہیں سمجھتے تھے لیکن رزق اور مال و اولاد وغیرہ کے معاملات میں ان کو — خاص طور پر فرشتوں کو — بہت دخل سمجھتے تھے۔ اسی طرح بیماری اور موت وغیرہ کے معاملے میں وہ جنوں کو متصرف خیال کر کے ان کی پوجا کرتے ہم سورہ انعام کی تفسیر میں ذکر کر آئے ہیں کہ بعض جنوں کو وہ اتنا خطرناک سمجھتے تھے کہ ان کے لیے اپنی اولاد تک کی قربانی کرتے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر کسی بیٹے یا بیٹی کی قربانی دے کر ان کو راضی نہ رکھا جائے تو یہ ساری اولاد چٹ کر جاتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ کسی بیماری میں مبتلا ہوتے وہ بھی ان دیویوں دیوتاؤں کی طرف رجوع کرتے اور ان سے صحت اور طول عمر کی دعا کرتے۔ اس آیت میں انہی اوہام پر ضرب لگائی ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَرْوَاجًا۔ یہ ٹکڑا آگے کے مضمون کے لیے ایک ستم حقیقت بطور تمہید ہے۔ اس میں اس ستم حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ یہ اللہ ہی ہے جس نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے ان کی نسل چلائی پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا۔ مطلب یہ ہے کہ سارا گھر بنایا اور بسایا تو خدا نے اور یہ ایسی حقیقت ہے جس سے تمہیں بھی انکار نہیں ہے تو اس گھر کو بسا کر آخر خدا کو کیا شکل پیش آئی کہ وہ اس کے رزق، اولاد اور عمر وغیرہ کے معاملات دوسروں کے سپرد کرنے پر مجبور ہو گیا؟ کیا جو تمہیں مٹی سے بنا سکتا ہے، پانی کی ایک بوند سے تمہاری نسل چلا سکتا ہے، تمہیں میاں بیوی کی صورت میں آباد کر سکتا ہے، وہ تمہارے رزق، تمہاری اولاد اور تمہاری عمر کے معاملات کو سرانجام دیتے سے قاصر ہے کہ ان کے لیے تمہیں دوسرے آستانوں کا محتاج بنائے!



ایک غلط فہمی

کا ازالہ

وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ۔ یہ اوپر والی تمہید کے لازمی نتیجہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ جس نے آدم علیہ السلام کا یہ کنبہ بسایا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ کون عورت کب حاملہ ہوئی اور اس کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ کب اس کو جنے گی اور کس شکل میں جنے گی! — یہاں علم کا حوالہ خاص طور پر اس وجہ سے دیا کہ مشرکین عرب خدا کے خالق ہونے کے منکر نہیں تھے، ان کو دہم تھا تو یہ تھا کہ اتنی وسیع و عریض دنیا کے ہر معاملے کی خبر خدا کو کس طرح ہو سکتی ہے اس وجہ سے بہت سے معاملات جو رزق و عمر اور اولاد وغیرہ سے متعلق ہیں اس نے اپنے شرکار کے حوالے کر دیے ہیں۔ قرآن نے اَلَا يَعْلَمُ کے لفظ سے ان کے اسی دابمہ پر ضرب لگائی ہے کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی اس دنیا میں ایسا نہیں ہوتا جو اس کے خالق کے دائرہ علم سے باہر ہو۔

وَمَا يَعْلَمُ مِنْ مُّعْتَبَرٍ وَلَا يُنْقِصُ مِنْ عُسْبَةٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ لِّفَظٍ مُّعْتَبَرٍ یہاں طویل العمر کے مفہوم میں نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کو کوئی عمر ملتی ہے خواہ طویل یا قصیر صاحب کثافت نے اس کا یہی مفہوم لیا ہے اور ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے۔

یہ اوپر والے مضمون ہی کی مزید وضاحت ہے کہ جس کو بھی کوئی عمر نصیب ہوتی ہے اور پھر اس عمر میں سے جو گھنٹے اور دن کم ہوتے ہیں وہ خدا کے علم اور علم سے ہوتے ہیں۔ اَلَا فِي كِتَابٍ یہ اوپر کے الفاظ اَلَا يَعْلَمُ کی جگہ پر ہے اور اس سے اوپر والا مضمون مزید محکم و متقن ہو گیا ہے۔ یعنی صرف یہی نہیں کہ خدا ان ساری باتوں کو جانتا ہے بلکہ ان میں سے ہر چیز ایک عظیم کتاب میں مندرج ہے۔ اس دہم میں نہ رہو کہ خدا کسی چیز کو بھول جائے گا۔

إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَىٰ اللَّهِ يَسِيرٌ۔ یہ اسی شبہ کا ازالہ ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے کہ اہل عرب اس دہم میں مبتلا تھے کہ بعد از خدا تین تنہا ان تمام جزئیات امور کا اعاطس طرح کر سکتا ہے اس دہم کے تحت انھوں نے خدا کی مدد کے لیے شرکار و اعوان ایجاد کیے اور پھر ان کی عبادت میں اس طرح لگے کہ خدا ان کے ہاں ایک وجود معطل ہو کے رہ گیا — یہ ان کے اسی دابمہ کی تردید ہے کہ خدا کے لیے ان کاموں میں سے کوئی کام بھی مشکل نہیں ہے کہ وہ کسی شریک و مددگار کا محتاج ہو۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ ۚ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ ۚ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۚ وَ مِنْ كُلِّ تَاوُونَ لَحْمًا طَرِيًّا وَ تَسْتَخْرِجُونَ حَبِيَّةً تَلْبَسُونَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاجِرَ تَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِهِ وَ تَعْلَمُونَ تَسْكُرُونَ ۚ يُولِجُ اللَّيْلُ فِي النَّهَارِ وَ يُولِجُ النَّهَارُ فِي اللَّيْلِ ۚ وَ تَسْحَرُونَ شَمْسًا وَ قَمَرًا ۚ كُلُّ يَوْمٍ يَكْفِي لِرَاجِلٍ مِّسْرًا ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ (۱۲-۱۳)

یہ ایک دوسرے پہلو سے شرک اور شرکار کی تردید فرماتی گئی۔ اس کائنات میں افراد کا جو تعداد ہے یہ بھی شرک کے نہایت اہم عوامل میں سے ہے۔ قرآن نے مختلف پہلوؤں سے اس کی تردید فرمائی ہے اور ہم

شرک اور شرکار کی تردید افراد میں سازگاری کے لیے ہے



اس کی وضاحت کرتے آرہے ہیں۔ یہاں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں افساد کا وجود اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کے اندر مختلف ارادے کا فرما میں اس لیے کہ اس کے افساد میں ظاہری تضاد کے ساتھ ساتھ نہایت گہری سازگاری بھی پائی جاتی ہے جس سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ کوئی بالاتر اور ہمہ گیر وجہ، قوتِ قاهرہ ان تمام افساد پر حاوی ہے جو ان کو اپنی حکمت کے تحت اس کائنات کی مجموعی بہبود کے لیے استعمال کر رہی ہے۔

’وَمَا يَسْتَرِي الْبُحْرَانِ - الْآيَةُ - یعنی دیکھو، دو سمندر ہیں اور دونوں اپنی ظاہری خصوصیات و صفات میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ایک کا پانی شیریں، پیاس بجھانے والا اور خوشگوار ہے، دوسرے کا کھاری، کڑوا۔ یہ دونوں آپس میں ٹکراتے ہیں لیکن یہ نہیں ہوتا کہ کھاری سمندر میٹھے سمندر پر غالب ہو کر اس کو کھاری بنادے یا شیریں سمندر کھاری کے مزاج کو بدل دے بلکہ ایک بالاتر قوت نے ان دونوں کو ٹکرنے کے باوجود ان کے حدود کا پابند کر رکھا ہے۔ سورہ رحمان میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ • بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ (الرحمان ۱۹ - ۲۰) (اس نے چھوڑے دو دریا، دونوں باہم دگر ٹکراتے ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان ایک اوٹ ہوتی ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے)۔

پھر یہ دیکھو کہ کس طرح یہ اپنے تضاد و اختلاف کے باوجود اپنے سے بالاتر مقصد کی خدمت بجالا رہے ہیں کہ تم دونوں ہی سے اپنے بے بے بھری سفروں میں جہاں تازہ گوشت حاصل کرنا ناممکن ہوتا، ان سے تازہ گوشت حاصل کر لیتے ہو اور غذا کے ساتھ اپنی زینت کے لیے ان سے قیمتی موتی بھی نکالتے ہو۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ یہ تمہارے لیے اس طرح مستحکم ہیں کہ تمہارے جہازات ان کے سینے پر سے موجوں کو پھاڑتے ہوئے چلتے ہیں تاکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر کر کے تم اللہ کے رزق و فضل کے طالب بنو اور اس کے شکر گزار رہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس کائنات کے ظاہری تضاد میں گم ہو کے نہ رہ جاؤ بلکہ ان افساد کے باہمی توافق پر بھی نگاہ ڈالو تو یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ ایک ہی خدا سے تاد و قیوم نے اس دنیا کو وجود بخشا ہے اور اسی نے اپنی قدرت و حکمت سے اس کے تمام اجزائے مختلفہ کو انسان کی خدمت میں لگا رکھا ہے تاکہ انسان اپنے پروردگار کا شکر گزار رہے۔

’يُولِجُ اللَّيْلُ فِي النَّهَارِ الْآيَةُ - یہ اسی حقیقت کی طرف ایک دوسری مثال سے توجہ دلاتی ہے کہ یہی حال تمہارے سامنے روز آنے والی رات اور روز ظاہر ہونے والے دن کا بھی ہے۔ وہ بھی بظاہر ضدین کی نسبت رکھتے ہیں لیکن ان کے درمیان بالکل زوجین کا توافق پایا جاتا ہے۔ دونوں ہی اس دنیا کے بقا اور تمہاری راحت و معیشت کے لیے ضروری ہیں۔ یہی حال سورج اور چاند کا بھی ہے۔ نادانوں نے ان کو معبود بنا کر پوجا حالانکہ وہ اپنے وجود سے شہادت دیتے ہیں کہ خدا نے ان کو اپنی خلق کی خدمت کے لیے مسخر کر رکھا ہے۔ چنانچہ دونوں اپنے معین نظامِ اوقات کے ساتھ برابر تمہاری خدمت میں سرگرم رہتے ہیں۔



ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ۔ یہ خلاصہ ہے اوپر کی ساری بحث کا کہ یہی اللہ جس کی شانیں  
قدیں اور حکمتیں دیکھتے ہو تمہارا رب ہے اور اسی کے قبضہ قدرت میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔  
وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ۔ قِطْمِيرٌ اس باریک غلاف  
کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے اوپر ہوتا ہے۔

یہ وہی بات منفی اسلوب سے فرمائی کہ رہے وہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے اور پوجتے ہو تو وہ  
اس دنیا کے خلق و تدبیر میں ذرہ برابر بھی دخل نہیں رکھتے۔

إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دَعَاءَكُمْ وَتَوَسَّعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكْفُرُونَ  
بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّتُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ (۱۲)

’اسْتَجَابَ لَهُ‘ کے معنی ہیں اس کا جواب دیا یا اس کی فریادری کی۔

یہ ان کے مزعوم دیوتاؤں کی بے بسی اور بے حقیقتی واضح فرمائی ہے کہ اگر تم اپنی کسی شکل میں ان  
کے لیے پکارو گے تو اول تو وہ تمہاری فریادیں گے نہیں اور سن بھی لیں تو وہ تمہاری کوئی فریادری  
دنیا اور آخرت نہیں کریں گے۔ ان کی یہ بے بسی اس دنیا میں بھی واضح ہے اور آخرت میں یہ مزید ہو جائے گی۔ مشرکین  
جن چیزوں کو پوجتے تھے اول تو ان کا کوئی سنی موجود ہی نہیں تھا اس وجہ سے ان کے سننے یا فریادری  
کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر کچھ ایسی ہستیوں کو پوجتے تھے جن کا کوئی وجود ہے تو اول تو وہ  
آخرت میں اپنی بے خبری کا اظہار کریں گی کہ ہمیں علم نہیں کہ کچھ لوگ ہماری عبادت کرتے رہے ہیں۔ ثانیاً  
ان میں سے جو صالحین ہوں گے مثلاً ملائکہ اور انبیاء وہ تو صاف الفاظ میں اعلان برادت کریں گے۔  
اور جو اشرار ہوں گے مثلاً جنات و شیاطین تو وہ ان فریاد کرنے والوں کو جواب دیں گے کہ یہ تمہاری بخبتی  
تھی کہ تم نے ہماری پرستش کی، اب اس کا انجام بھگتو۔ اب نہ تم ہمارے کچھ کام آ سکتے اور نہ ہم تمہاری کوئی  
فریادری کر سکتے ہیں۔

وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكْفُرُونَ بَشِرْكِكُمْ۔ یعنی اس دنیا میں تو وہ تمہاری فریاد سے بے خبر اور تمہاری  
فریادری سے بے بس ہیں اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کریں گے۔ چنانچہ فرشتوں کے انکار  
کی تفصیل سورہ سبا میں بدیں الفاظ گزر چکی ہے۔

وَيَوْمَ يُعْزِرُهُمْ جَبِيئَاتُهُ يَقُولُ  
لِلْمَلَائِكَةِ أَمُّوْا يَا كُفَّارُوا  
يَعْبُدُونَ ۚ قَالُوا سُبْحٰنَكَ أَنْتَ  
وَبَيْنَا مِنْ دُونِهِمْ ۚ بَدَا لَهُمْ  
يَعْبُدُونَ الْحَقَّ (سبا: ۴۰-۴۱)

اور اس دن کا دھیان کر جس دن وہ ان سب کو  
اکٹھا کرے گا، پھر فرشتوں سے پوچھے گا کہ کیا یہ لوگ  
تمہاری پرستش کرتے رہے ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ  
تو پاک ہے! ان کے مقابل میں تو ہمارا کما رسا نہ ہے بلکہ  
یہ لوگ جنوں کی پوجا کرتے رہے ہیں۔



وَلَا يَنْبَغُكَ مِثْلُ خَيْرٍ۔ یہ آخر میں تنبیہ اور نہایت ہی زوردار اور بلیغ تنبیہ ہے: خیر، نہایت بلیغ  
کی تفکر تغیر شکر کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان باتوں کو سن لو اور اچھی طرح سن لو، اس لیے کہ غیب کے  
پروردوں میں کیا ہے اور کل کیا کچھ تمہارے سامنے آنے والا ہے اس کو ایک حقیقی باخبر ہی جانتا ہے۔ اس سے  
بڑھ کر تمہیں ان حقائق سے کوئی دوسرا باخبر نہیں کر سکتا۔ تمہاری بد قسمتی ہوگی اگر تم نے اس کی قدر نہ کی اور جھوٹی  
آرزوؤں میں پھنسے رہ گئے!

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۚ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ  
وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۚ وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ (۱۵-۱۷)

یہ اسی تنبیہ پر اضافہ اور نہایت زوردار اضافہ ہے۔ خطاب بھی 'يَا أَيُّهَا النَّاسُ' کے الفاظ سے  
ہے کہ سب کان کھول کر سن لیں کہ تعلیم و تذکیر کا یہ سارا اہتمام جو کیا گیا ہے، اور خدا کا رسول لوگوں کو جگانے  
اور جھنجھوڑنے کے لیے اپنے رات دن جو ایک کیے ہوئے ہے تو اس لیے نہیں کہ لوگوں کے ایمان  
نہ لانے سے خدا کا کوئی کام اٹکا ہوا ہے، خدا تو بالکل بے نیاز اور اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے،  
البتہ تم لوگ خود خدا کے محتاج ہو، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ خدا کی بے نیازی کا تو یہ عالم ہے  
کہ وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور تمہاری جگہ ایک دوسری نئی مخلوق لا بسائے۔ اگر وہ یہ کرنا چاہے  
تو یہ کام ذرا بھی اس کے لیے مشکل نہیں ہے۔ یہ محض تمہارے اوپر اس کی رحمت و عنایت ہے کہ تمہاری  
ان ناقدریوں اور ناشکریوں کے باوجود تمہیں مہلت دیے جا رہا ہے۔ بہتر ہے کہ اس مہلت سے فائدہ  
اٹھاؤ ورنہ یاد رکھو کہ نہ خدا کا کچھ بگاڑو گے نہ اس کے رسول کا بلکہ اپنے ہی کو تباہ کر دو گے۔

هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ کی وضاحت ہم دوسرے مقام میں کر چکے ہیں کہ خدا اپنی ذات میں کامل ہے۔  
اس کا یہ کمال اس کی ذات سے خارج کی کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔ ساتھ ہی وہ حمید یعنی تمام صفات  
حمد سے متصف بھی ہے۔ خلق کے ساتھ اس کا تعلق کسی احتیاج پر نہیں بلکہ تمام تر اس کی رحمت و عنایت  
پر مبنی ہے۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم

بلکہ کردم خلق تا جودے کنم

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ۚ وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَآ لَا يَحْمِلُ مِنْهُ شَيْءٌ وَّوَلَوْ  
كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۚ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يُحْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ ۚ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۚ وَمَنْ تَزَكَّىٰ  
فَمَا يَسْتَرْزِي ۚ يَنْفَعُ ۚ وَإِنَّمَا إِلَهُ الْكَافِرِينَ (۱۸)

یہ اسی اوپر والے مضمون کی مزید وضاحت دوسرے پہلو سے ہے۔ فرمایا کہ اس دن کوئی جان کسی دوسرے  
کا بوجھ اٹھانے والی نہیں بنے گی بلکہ ہر ایک کو اپنا بوجھ خود اٹھانا پڑے گا۔



وَاِنْ تُدْعُ مُثْقَلَةٌ اِىْ حِمْلِهَا لَا يَجْعَلُ مِنْهُ شَيْءٌ وَكَوْكَانَ ذَا قُرْبٰى. "مُثْقَلَةٌ" سے پہلے موصوف محذوف ہے۔ یعنی "نفسِ مُثْقَلَةٌ" (اپنے بارگناہ کے نیچے دبی ہوئی جان)۔ اسی طرح "اِنْ حِمْلُهَا" میں "حِمْلٌ" سے پہلے مضاف محذوف ہے اور "كَانَ" کے بعد اس کا اسمُ المدعو محذوف ہے۔ یہ تمام محذوفات اعلیٰ عربیت کے معروف قواعد کے مطابق ہیں۔

انحضرت معلّم  
کو تسلی

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اپنے گناہوں سے بوجھل جان کسی کو پکارے گی کہ ذرا وہ اس کے بوجھ کے اٹھانے میں اس کو سہارا دے دے تو کوئی اس کا ہاتھ بٹلنے والا نہیں بنے گا اگرچہ جس کو وہ مدد کے لیے پکارے وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ نیک تو اس لیے اس کا ہاتھ نہیں بٹائیں گے کہ جب وہ دنیا میں اس کے گناہوں میں اس کے ساتھی نہ بنے تو وہ آخرت میں اس کے ساتھی کیوں بنیں اور جو بد ہوں گے وہ خود اپنے بوجھ کے تلے دبے ہوں گے وہ کسی دوسرے کو کیا سہارا دے سکیں گے!

رَأٰىنَا تَنْذِرًا لِّذٰىنَ يَخْشَوْنَ ذٰلِہُمْ بِالْغٰیْبِ ۚ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ ۚ یٰۤاٰیہِمْ عَلٰیہِ سَلَامٌ کے لیے تسلی ہے کہ تم ان حقائق سے لوگوں کو باخبر کر دو۔ اگر یہ متنبہ ہوتے ہیں تو فیہما۔ نہیں ہوتے ہیں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ تمہارا انذار صرف انہیں لوگوں پر کارگر ہو سکتا ہے جو اپنی عقل اور سمع و بصر و نواد کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں اور غیب میں رہتے اپنے رب سے ڈریں اور نماز کا اہتمام کریں۔ یہ وہ لوگ جو سب کچھ آنکھوں سے دیکھ کر ماننا چاہتے ہیں تو ان کا علاج تمہارے پاس نہیں ہے۔ ان کا معاملہ ہمارے اوپر چھوڑ دو۔

وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ کا ذکر یہاں ایمان کے اولین ثمرہ اور خشیتِ رب بالغیب کی علامت کے طور پر ہوا ہے۔ جو شخص غیب میں خدا سے ڈرتا ہے وہ لازماً نماز کا اہتمام کرتا ہے۔ جو نماز سے بے پروا ہے وہ خدا سے بے پروا ہے اگرچہ وہ زبان سے ایمان کے کتنے ہی بلند بانگ دعوے کرے۔

وَمَنْ تَزَكَّیْ فَاِنَّمَا یَتَزَكَّیْ لِنَفْسِہٖ ۚ وَاِیْ اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ۚ یہ نماز کے فائدے کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جو شخص گناہوں کے بوجھ سے سکدوش اور پاکیزہ ہونا چاہتا ہو وہ جھوٹے بہاروں پر اعتماد کرنے کے بجائے نماز کا اہتمام کرے۔ یہ چیز اس کو گناہوں سے پاک کرے گی اور جس نے پاکیزگی حاصل کی وہ اپنا ہی بھلا کرے گا اس لیے کہ اللہ کسی کی عبادت و اطاعت کا محتاج نہیں ہے بلکہ بندے خود ہی اس کے محتاج ہیں اور سب کی واپسی بہر حال اسی کی طرف ہوتی ہے۔

## ۴۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۱۹-۲۸

آگے یہ حقیقت واضح فرمائی کہ کس طرح کے لوگ ایمان لائیں گے اور کس قسم کے لوگ اس نعمت سے محروم رہیں گے۔ اس حقیقت کو سمجھانے کے لیے اس کائنات کے اندر اسناد کے وجود کی طرف توجہ



دلائی کہ دیکھتے ہو کہ اس کے اندر روشنی بھی ہے اور تاریکی بھی، گرمی بھی ہے اور سردی بھی۔ اسی طرح زمین میں زرخیز قطعات بھی ہیں جو بارش کا چھینٹا پڑتے ہی لہلہا اٹھتے ہیں اور بنجر علاقے بھی ہیں جو ہزار بارش ہو لیکن ویران ہی پڑے رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح اشخاص و افراد کے اندر بھی مختلف قسم کی صلاحیتیں رکھنے والے ہیں۔ جن کی صلاحیتیں زندہ ہیں وہ اس رحمت کی بارش سے، جو قرآن کی صورت میں نازل ہوئی ہے، فائدہ اٹھائیں گے اور جن کی صلاحیتیں مردہ ہو چکی ہیں وہ اس کے فیض سے محروم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح روشنی و تاریکی اور سردی و گرمی کو اس کائنات کی مجموعی مصلحت کے لیے پیدا کیا ہے اسی طرح اس کے اندر حق کے طالبوں کی طرح باطل کے پسند کرنے والوں کو بھی مہلت دی ہے اس لیے کہ حق و باطل کے اس تصادم ہی کے اندر اہل حق کے جو ہر نکتہ پر ہیں اور اہل باطل پر اللہ کی رحمت تمام ہوتی ہے۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۝ وَلَا الظُّلُمُتُ وَلَا النُّورُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ ۝ إِنَّ أَنتَ إِلَّا نَذِيرٌ ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۝ وَإِنْ يَكْذِبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ ۚ بِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۝ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَخَرَجْنَا بِهِ ۙ شَجَرًا مِّنْ مَّوَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ وَهِيَ الْجِبَالُ جُدَدٌ بَيَضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ ۚ وَأَلَّا نَعَامٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ۖ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ۝



نابینا اور بینا دونوں یکساں نہیں ہوں گے اور نہ تاریکی اور روشنی اور سایہ اور  
دھوپ یکساں ہیں اور نہ زندہ اور مردے یکساں ہوں گے۔ اللہ ہی جن کو چاہتا ہے  
سنا مانتا ہے اور تم ان کو سنانے والے نہیں بن سکتے جو فیروں کے اندر ہیں۔ تم تو بس ایک  
نذیر ہو۔ ہم نے تم کو حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ اور کوئی امت ایسی نہیں  
ہوئی ہے جس کے اندر ایک نذیر نہ آیا ہو۔ اور اگر یہ لوگ تم کو جھٹلاتے ہیں تو ان سے  
پہلے جو لوگ ہوئے ہیں انھوں نے بھی جھٹلایا۔ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل  
صحیفوں اور روشن کتاب کے ساتھ آئے تھے۔ پھر میں نے ان لوگوں کو بکڑا تو دیکھو کیسی  
ہوئی ان کے اوپر میری پھشکار! ۱۹-۲۶

تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پس ہم نے اس سے مختلف  
رنگوں کے پھل پیدا کر دیے۔ اور پہاڑوں میں بھی سفید اور سرخ مختلف رنگوں کی دھاریاں  
ہیں اور بھنگ کالی بھی۔ اور انسانوں، جانوروں اور چارپایوں کے اندر بھی مختلف رنگ کے  
ہیں۔ اسی طرح اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈریں گے جو علم رکھنے والے ہیں۔  
بے شک اللہ غالب اور بخشنے والا ہے۔ ۲۷-۲۸

## ۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَمَا يُغْنِي عَنْكَ الْاَعْنٰی وَابْصِیْرُ (۱۹)

’اَعْنٰی سے مراد یہاں عقل و دل کے اندھے ہیں اور ’بصیر‘ سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی عقل و دل  
کی صلاحیتیں زندہ ہیں اور وہ ان سے کام لیتے ہیں۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ  
تمہاری دعوت قبول کرنے کے معاملے میں ہر ایک کا حال یکساں نہیں ہوگا۔ جن لوگوں نے اپنی عقل  
کی آنکھیں پھوڑ لی ہیں اور جن کے دل بے نور ہو چکے ہیں وہ لوگ تمہاری دعوت قبول کرنے والے نہیں

براہت و ضلالت  
کے معاملہ میں  
خدا کا قانون



نہیں گے خواہ تم کتنے ہی جن کو تمہاری روشنی سے صاف وہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے جن کے اندر بصیرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ اس کی بخشی ہوئی فطری صلاحیتوں کو زندہ رکھتے اور ان کی قدر کرتے ہیں ان کی بصیرت و ہدایت میں وہ مزید اضافہ فرماتا ہے اور جو لوگ ان صلاحیتوں کی قدر نہیں کرتے ان کو مزید عطا ہونا تو درکنار ان سے وہ بھی سلب کر لی جاتی ہیں جو ان کو عطا ہوئی ہوتی ہیں۔ سورہ نمل میں یہی مضمون ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تَسْمِعُ الْقَبْرَ شَيْئًا وَكَذَٰلِكَ يُخَوِّفُ فُلُوكَ وَطُفُلَ الْبُيُوتِ ۚ وَمَا أَنْتَ بِمُهْدِي الْعُتْبَىٰ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۚ إِنَّ تَسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا ۚ (النمل : ۸۰-۸۱) دالے ہوں۔

تم مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو سنا سکتے جب کہ وہ پیٹھ پھیر کے بھاگے جا رہے ہوں۔ اور تم انھوں کو بھی ان کی ضلالت سے موڑ کر ہدایت پر نہیں لاسکتے۔ تم تو ایسے انھیں کرنا سکتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان رکھنے والے ہوں۔

وَلَا تَطْلُتُ وَلَا النُّورُ وَلَا يَظِلُّ وَلَا الْحَرُّ (۲۰-۲۱)

فرمایا کہ جس طرح اس دنیا میں تاریکی بھی ہے اور روشنی بھی، سایہ بھی ہے اور گرمی بھی، اور یہ دونوں کے یکساں نہیں ہو سکتے، اسی طرح یہ دونوں قسم کے لوگ جن کا ذکر اوپر ہوا یکساں نہیں ہو سکتے۔ تاہم جس طرح اہل ایمان میں بھی تاریکی اور روشنی، سایہ اور گرمی دونوں میں اس دنیا کی مصلحت مضمحل ہے اسی طرح اس قسم کے لوگوں کے وجود میں بھی قدرت کی مصلحت ہے۔ اس مصلحت کا ذکر قرآن کے دوسرے مقامات میں ہوا ہے۔ وہاں واضح فرمایا ہے کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے چونکہ انسان کے اختیار کے امتحان کے لیے پیدا کی ہے اس وجہ سے اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ اس میں ایک خاص حد تک ان لوگوں کو بھی مہلت ملے جو اس کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کی قدر نہیں کرتے اور حق کی جگہ باطل ہی کے پرستار بن کے زندگی گزارتے ہیں۔ اس میں دوسرے 'لا' کے اعادے کو بعض اہل ادب نے زائد مانا ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ زائد نہیں بلکہ تاکید کے لیے ہے۔ اس کی مثالیں پیچھے بھی گزر چکی ہیں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَا أَنْتَ بِسَمِيعٍ مُّنتَفِي ۚ (القصص : ۲۲)

یہ وہی مضمون دوسرے الفاظ اور دوسرے اسلوب میں بیان ہوا ہے۔ اس دور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی بیزاری سے بڑی پریشانی تھی۔ آپ کو اندیشہ تھا کہ بباد اس میں آپ ہی کی کسی کوتاہی کو دخل ہو۔ آپ کی یہ پریشانی دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف اسلوبوں سے تسلی دی کہ تمہارا کام زندوں کو سنا مانا ہے، مردوں کو جگانا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ جن کی صلاحیتیں زندہ ہیں



وہ تمہاری بات سن رہے ہیں اور مان رہے ہیں۔ رہے وہ جو عقلی و روحانی اعتبار سے بالکل مردہ ہو چکے ہیں اگر تم چاہتے ہو کہ یہ بھی تمہاری بات سننے والے بن جائیں تو یہ ہونے سے رہا۔  
 'إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ'۔ 'اسماع' یہاں بات کو سننے اور ماننے کی توفیق دینے کے مفہوم میں ہے۔ یعنی یہ اللہ ہی ہے جو سچی بات سننے اور اس کو ماننے کی، جس کو چاہتا ہے، توفیق دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر چاہنا اس کی حکمت کے تحت ہے۔ اس معاملے میں اس کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ اس کی بخشی ہوئی فطری صلاحیتوں کو زندہ رکھتے ہیں ان کو تو وہ مزید سننے سمجھنے اور ماننے کی توفیق بخشتا ہے اور جو لوگ اپنی فطری ہدایت کی قدر نہیں کرتے وہ اخلاقی اعتبار سے مردوں کے حکم میں ہیں ان کو زندہ کرنا خدا کے سوا کسی کے امکان میں نہیں۔

إِنَّ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ۚ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (۲۳-۲۴)

رسول کی ذمہ داری  
 یہ تبلیغ و دعوت کے معاملے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کی حدود واضح فرمادی کہ تم بس لوگوں کو آنے والے خطرے سے آگاہ کر دینے والے ہو۔ یہ ذمہ داری تمہارے اوپر نہیں ہے کہ لوگ تمہاری بات مان بھی لیں۔ تم کو خدا نے حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ جن باتوں کی تم خبر دے رہے ہو ان میں سے ہر بات شدنی ہے۔ پس تمہارا کام یہ ہے کہ جو لوگ تمہاری باتوں پر کان دھریں ان کو ان کے مبارک انجام کی خوش خبری سنا دو۔ اور جو لوگ تمہاری باتوں سے منہ موڑیں ان کو ان کے انجام بد سے آگاہ کر دو۔ اس سے زیادہ تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس وجہ سے تمہیں ان کے لیے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔  
 'وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ' یعنی تم دنیا میں پہلے نذیر نہیں ہو، بلکہ ماضی میں جو قومیں گزری ہیں ان میں بھی اللہ نے اپنے نذیر بھیجے تو ان کی سرگزشت میں تمہارے لیے بھی سبق ہے اور تمہاری قوم کے لیے بھی درس عبرت ہے۔ تمہارے ساتھ اللہ وہی معاملہ کرے گا جو اس نے اپنے رسولوں کے ساتھ کیا اور تمہاری قوم کے ساتھ بھی لازماً وہی معاملہ کرے گا جو پچھلی قوموں کے ساتھ اس نے کیا۔

وَلَنْ تُكِيدَ بُولُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۖ وَبِالْزُبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۚ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ (۲۵-۲۶)

یہ اسی اجمال کی وضاحت ہے۔ فرمایا کہ اگر یہ لوگ تمہاری تکذیب کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ان سے پہلے جو قومیں گزری ہیں اسی طرح انہوں نے بھی اپنے اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔ یہ روایت پہلے سے چلی آرہی ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ پہلی بار تمہاری ہی قوم نے تمہارے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ صورت حال پہلی بار پیش آئی ہوتی تب تو تمہارے لیے یہ وجہ تشویش ہو سکتی تھی کہ



مبادا اس میں تمہاری کسی کوتاہی کو دخل ہو لیکن جب ہر رسول کے ساتھ اس کی قوم نے یہی سلوک کیا ہے تو معلوم ہوا کہ رسولوں کے ساتھ ان کی قوموں کی روش ہمیشہ سے یہی رہی ہے۔

’جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ‘۔ الا یہ۔ یعنی یہ بات بھی نہیں تھی کہ ان کے رسول خالی ہاتھ آئے ہوں۔ بلکہ وہ نہایت واضح دلائل و معجزات، صحیفوں اور روشن کتاب کے ساتھ آئے لیکن ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی ان کو قائل کرنے والی نہ بن سکی۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے مخالفوں سے بھی تم یہ توقع نہ رکھو کہ اگر ان کی طلب کے مطابق ان کو کوئی نشانی دکھادی جائے تو یہ ایمان لانے والے بن جائیں گے۔ اس قسم کے لوگوں کے لیے ساری نشانیاں، سارے صحیفے اور تمام کتابیں بے سود ہیں۔

’بَيِّنَاتٌ‘ اور ’رُسُلُهُمْ‘ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر رسول کو ان سے مسلح کر کے بھیجا۔ ’کتاب منیر‘ سے اشارہ تورات کی طرف ہے۔ قرآن مجید سے پہلے کتاب منیر کی حیثیت اسی کو حاصل رہی۔

’ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا‘۔ قوموں نے جو روش اختیار کی وہ اوپر مذکور ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کذبوں کے ساتھ جو معاملہ کیا یہ اس کا بیان ہے۔ فرمایا کہ جب انھوں نے رسول کی تکذیب کر دی تو ہم نے ان کو پکڑا اور جب پکڑا تو دیکھو کس طرح پکڑا اور کیسی عبرت انگیز سزا ان کو دی! مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری قوم بھی اپنی اسی روش پر جمی رہی تو اس کے ساتھ بھی ہم یہی معاملہ کریں گے۔ ہمارا قانون سب کے لیے ایک ہی ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ السَّمَاءِ مَا أُنْزِلَ فَاجْرُجْنَا بِهِ سُورَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانًا فَهَاطُ وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَُا وَغَرَابِيبُ سُودٌ (۲۰)

وہی حقیقت جو آیات ۲۰-۲۲ میں سمجھائی گئی ہے اس کائنات کی دوسری مثالوں کی روشنی میں سمجھائی جا رہی ہے۔ گریہ آیات ۲۲-۲۶ میں بطور التفات آگئی تھیں۔ ان کے ختم ہونے کے بعد کلام پھر اپنے اصل سلسلہ سے مربوط ہو گیا۔ فرمایا کہ دیکھتے نہیں کہ اللہ آسمان سے بارش نازل کرتا ہے تو اس سے ایک ہی قسم کی چیز نہیں آگتی بلکہ طرح طرح کی مختلف النوع اور مختلف الألوان چیزیں آگ پڑتی ہیں۔ انہی سے خوش نما، خوش رنگ اور خوش ذائقہ پھلوں والی چیزیں بھی آگتی ہیں اور اسی سے ناقص زمینوں میں جھاڑ جھنکار بھی اُگتے ہیں۔ یہی حال اس قرآنی بارش کا بھی ہے۔ اس سے بھی صالح طبیعتوں کی سلامتی بھی ابھریں گی اور جن کے اندر کھوٹ اور فساد ہے وہ بھی ابھر کر سامنے آئے گا۔ اس لیے کہ شیطان اس کو ٹھنڈے پیٹوں نہیں برداشت کرے گا بلکہ وہ بھی اپنی ذریات کو اس کے مقابلے کے لیے ابھائے گا۔ لفظ ’الوان‘ عربی میں صرف رنگوں ہی کے مفہوم میں نہیں آتا بلکہ انواع و اقسام کے مفہوم میں بھی آتا ہے۔ آگے بھی اسی آیت میں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

سورۃ اعراف میں بارش کے اثرات کے اس پہلو کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے۔



وَالْبَدْدُ الطَّلَبُ يَخْرُجُ  
نَبَاتُهُ بِأَذْنِ رَبِّهِ دَبْدَبِي  
خُبْتُ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا  
اور جو زمین زرخیز ہوتی ہے تو اس کے  
رب کے حکم سے اس کی نباتات بھی اچھی اگتی ہیں  
اور جو ناقص ہوتی ہے تو اس کی نباتات بھی ناقص  
ہی اگتی ہیں۔ (الاعراف : ۵۸)

اس آیت کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں، اس مقام کی وضاحت کے لیے ایک نظر اس پر پڑھ لیجیے۔  
”وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيْضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُمَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ“۔ جُدَدُ جمع ہے  
جُودہ کی۔ یہ لفظ اصلاً تو بہروں اور پھروں کی پیٹھوں پر مختلف رنگوں کی جودھاریاں ہوتی ہیں ان کے لیے  
آتا ہے لیکن یہاں یہ ان مختلف الالوان سلوں اور چٹانوں کے لیے آیا ہے جن کی دھاریاں یا قطاریں  
پہاڑوں کے اندر پائی جاتی ہیں۔

المواہب کے  
مستحق ایک  
سوال کا جواب  
اس کے لیے آتا ہے۔ مثلاً کہیں گے ’اسود غرابیب‘۔ فلاں چیز کالی بھنگ ہے۔ اس وجہ سے یہ  
سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں یہ ’سود‘ سے پہلے کیوں آیا، تاکیدیہ کا مقدم آنا تو بلاغت کے خلاف  
ہے، اس سوال کے جواب مختلف اہل ادب نے مختلف دیے ہیں۔ بعض نے اس کو بدل کے مفہوم  
میں لیا ہے جو وضاحت کے طور پر آیا ہے۔ اگر یہ ترجیح مان لی جائے تو یہ اس پہلو سے صحیح ہے کہ جو بدل  
وضاحت کے طور پر آتا ہے وہ درحقیقت تاکید ہی کے لیے آتا ہے۔ اس صورت میں منظم گویا اپنی بات  
سادہ الفاظ میں پھر مخاطب کے سامنے دہرا دیتا ہے کہ اچھی طرح اس کے ذہن نشین ہو جائے۔ یہاں سیاہ  
قسم کے پتھروں کی طرف اس وضاحت کے ساتھ توجہ دلانے کی وجہ یہ ہے کہ مقصود یہ سمجھانا ہے کہ جس  
طرح پہاڑوں میں سیاہ پتھر ہوتے ہیں اسی طرح لوگوں کے اندر سیاہ قلب افراد ہوتے ہیں اور جس طرح  
سفید و سرخ اور سیاہ پتھروں کا الگ الگ مصرف ہے۔ اسی طرح سیاہ قلب افراد کا بھی ایک محل  
اور مصرف ہے جس کے لیے قدرت نے ان کو اس دنیا میں مہلت دی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالتَّوَّابِ أَلْوَانٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ إِنَّمَا يَعْنِي اللَّهُ مِنْ  
عِبَادِهِ الْعُكْمُوًّا إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ (۲۸)

فرمایا کہ جمادات کی طرح انسانوں، جانداروں اور چوپایوں میں بھی قدرت کی یہی گونا گونی و بولبولی  
نمایاں ہیں۔ لفظ ’الوان‘ یہاں بھی صرف رنگوں کے مفہوم میں نہیں بلکہ انواع و اقسام کے وسیع مفہوم میں  
ہے۔ یعنی صورت، سیرت، صفات، مزاج، خصوصیات اور عادات و اطوار کے اعتبار سے ان میں بڑا  
فرق و اختلاف پایا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہر جانور سے دو دھک کی توقع نہیں کی جاسکتی  
اسی طرح ہر آدمی سے خدا کی خشیت کی توقع بھی نہیں رکھنی چاہیے۔ اللہ کے بندوں میں سے اس



سے ڈرنے والے وہی نہیں گئے جن کے اندر علم و معرفت کی روشنی ہوگی۔

لفظ 'عَلَّمَ' یہاں اصطلاحی مفہوم میں نہیں بلکہ اپنے حقیقی مفہوم میں ہے۔ اوپر آیت ۸ میں جس طرح فرمایا ہے 'إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يُحْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ' (تم تو بس انہی لوگوں کو ڈرا سکتے ہو جو غیب میں رہتے اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں) اسی طرح یہاں فرمایا ہے 'كَذَلِكَ إِنَّمَا يُخَشِيَ اللَّهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُكْمَاءُ' اس سے معلوم ہوا کہ ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو محض ظاہر پرست ہوتے ہیں، محسوسات سے آگے نہ ان کو کچھ نظر آتا اور نہ اس سے آگے وہ کچھ دیکھنے کی کوشش ہی کرتے، دوسرے وہ ہوتے ہیں جن کے اندر ظاہر سے باطن اور مجاز سے حقیقت تک پہنچنے کی صلاحیت ہوتی ہے، اور جو اپنے بطن و فرج کی مطلوبات سے زیادہ اہمیت اپنی عقل اور روح کے مطالبات کو دیتے ہیں۔ درحقیقت یہی لوگ ہیں جو انسانیت کے گل سرسب اور علماء کے لقب کے اصلی مستحق ہیں اور یہی لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے بنتے ہیں اور اللہ کے رسولوں کی دعوت ان کو اپیل کرتی ہے۔

'إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ' جس طرح اوپر والی بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے فرمائی گئی ہے اسی طرح 'عزیز' اور 'غفور' کی صفات کا حوالہ بھی آپ کی تسلی ہی کے لیے دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آج جو لوگ تمہاری دعوت کو رد کر رہے ہیں خدا جب چاہے ان کو پکڑ سکتا ہے لیکن وہ 'عزیز' ہونے کے ساتھ ساتھ 'غفور' بھی ہے اس وجہ سے جب تک اس کی حکمت متعین ہوتی ہے وہ اس طرح کے لوگوں کو مہلت دیتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحیح علم کا منبع درحقیقت اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ جس کو خدا کی معرفت حاصل نہیں ہوئی وہ علم سے بالکل محروم ہے اگرچہ وہ دنیا جہان کی کتابیں حفظ کر ڈالے۔ اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جس کو خدا کی معرفت حاصل ہے اس کے اندر لازماً خدا کی خشیت بھی ہوگی۔ اگر کوئی شخص خدا کی خشیت سے محروم ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس کی معرفت سے بھی محروم ہے۔ یہی معرفت اور خشیت انسان کے تمام علوم و افکار میں حقیقی زندگی پیدا کرتی ہے جس سے علوم و فنون دنیا کے لیے موجب خیر و برکت بنتے ہیں۔ اگر یہ چیز نہ ہو تو انسان کی ساری ذہانت شیطان کی مقصد برآری میں صرف ہوتی ہے اور وہ بالآخر تباہی کا موجب بنتی ہے۔

یہاں ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو کہ مذکورہ بالا آیات سے تو یہ بات نکلتی ہے کہ جس طرح اس کا رفاۃ کائنات میں اللہ تعالیٰ نے مختلف الانواع چیزیں پیدا کی ہیں اور ان سب کے پیدا کرنے میں اس کی حکمت و مصلحت ہے اسی طرح ان لوگوں کے وجود میں بھی حکمت و مصلحت ہے جو حق کے مخالف خدا کی خشیت سے غالی اور باطل کے علم بردار ہیں۔ جب صورت واقعہ یہ ہے تو آخر یہ لوگ سزاوارست اور مستحق عتاب و عذاب کس بنا پر ہیں؟ اگرچہ ہم اوپر کی سطروں میں اس شبہ کو صاف کرتے آئے ہیں



لیکن یہاں پھر اس کی طرف اشارہ کیے دیتے ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے فطرت اللہ پر پیدا کیا ہے اس وجہ سے اس کے لیے صحیح رویہ یہ ہے کہ وہ اپنی فطرت کے دعوایات کا ساتھ دے لیکن چونکہ وہ حیوانات و جمادات کی طرح مجبور نہیں بلکہ ذی اختیار ہے اس وجہ سے ان میں بہتیرے اپنی فطرت اور اپنے رب کے احکام کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں۔ اپنے اختیار کے اس سوء استعمال پر وہ مستحقِ سزا ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کو مہلت دیتا ہے تاکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جائے اور ان کی مخالفتِ حق اہل حق کے امتحان کا ذریعہ بن سکے۔ اس پہلو سے غور کیجیے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ایک پہلو سے ان کا وجود مطابق حکمت و مصلحت ہے اور قدرت اس حکمت و مصلحت ہی کی خاطر ان کو اس دنیا میں ایک خاص وقت تک کے لیے مہلت دیتی ہے لیکن دوسرے پہلو سے یہ مستحقِ سزا ہیں کہ انھوں نے اپنے سمیع و بصیر کی صلاحیتوں کی قدر نہیں کی اور نفس کی خواہشوں کی پیروی میں اپنے اختیار کو غلط استعمال کیا۔

## ۶۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۲۹-۳۸

ادپر کے پیرے میں جو بات اصولی حیثیت سے بیان فرمائی ہے آگے کی آیات میں اسی کو واقعات و حالات پر منطبق کیا ہے یعنی یہ واضح فرمایا ہے کہ پچھلی امتوں کے دارثین میں سے کون لوگ ہیں جو علماء کے نقب کے مستحق ہیں اور وہ اس قرآن پر ایمان لانے والے بنیں گے اور اب جس قوم کو اللہ نے اپنی کتاب کی وراثت کے لیے منتخب کیا ہے اس کے اختیار یا اثرا اس کے ساتھ کیا رویہ اختیار کریں گے۔ پھر ان دونوں کے نتائج اعمال کی وضاحت فرمائی ہے۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ ۚ (۲۹) لِيُؤْفِقَهُمُ أَجْرَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ۚ (۳۰) وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ۚ (۳۱) ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ يَا ذَنِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۚ (۳۲)

آیات

۲۸-۲۹



جَنَّتْ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَ  
 لُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٣٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ  
 عَنَّا الْحَزْنَ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٤﴾ الَّذِي أَهْلَنَا دَارَ الْمَقَامَةِ  
 مِنْ فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ﴿٣٥﴾  
 وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا  
 يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا كَذَلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ﴿٣٦﴾ وَهُمْ  
 يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا  
 نَعْمَلُ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ  
 فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ﴿٣٧﴾ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمُ غَيْبِ السَّمَوَاتِ  
 وَالْأَرْضِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾

بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے، نماز کا اہتمام کرتے اور جو کچھ ہم نے

ترجمہ آیات  
۳۸-۳۶

ان کو رزق دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایک ایسی تجارت  
 کے امیدوار ہیں جس کے لیے کبھی کساد بازاری نہیں۔ تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا اجر بھی  
 دے اور ان کے لیے اپنے فضل میں سے زیادہ بھی کرے۔ بے شک وہ بخشنے والا  
 اور قبول فرمانے والا ہے۔ اور ہم نے تمہاری طرف جو کتاب وحی کی ہے، یہی حق ہے،  
 ان پیشین گوئیوں کی مصداق جو اس کے پہلے سے موجود ہیں۔ بے شک اللہ

اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا دیکھنے والا ہے۔ ۲۹-۳۱

پھر ہم نے کتاب کا وارث بنایا ان لوگوں کو جن کو اپنے بندوں میں سے منتخب کیا۔



پس ان میں سے کچھ تو اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہیں، کچھ ان میں سے میانہ رو ہیں اور کچھ ان میں سے اللہ کی توفیق سے بھلائیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔ یہی سب سے بڑا فضل ہے۔ ان کے لیے ہمیشگی کے باغ ہوں گے جن میں وہ داخل ہوں گے، ان میں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور اس میں ان کا لباس ریشم ہوگا۔ اور وہ کہیں گے شکریہ ہے اللہ کا جس نے ہم سے غم کو دور کیا۔ بے شک ہمارا رب بخشنے والا، قبول فرمانے والا ہے۔ جس نے ہمیں اپنے فضل سے اس اقامت کے گھر میں اتارا، اس میں نہ ہمیں کوئی کلفت پہنچے گی اور نہ کبھی تکان لاحق ہوگی۔ ۳۲-۳۵ اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ نہ ان کی قضا ہی آئے گی کہ مر جائیں اور نہ ان سے ان کا عذاب ہی کچھ ہلکا کیا جائے گا۔ ایسا ہی ہم بدلہ دیں گے ہر ناشکرے کو اور وہ اس میں واویلا کریں گے۔ اے ہمارے رب! ہم کو اس سے نکال، اب ہم نیک عمل کریں گے، ان اعمال سے مختلف جو ہم اب تک کرتے رہے ہیں۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی کہ جو یاد دہانی حاصل کرنا چاہے اس میں یاد دہانی حاصل کر سکے! اور تمہارے پاس آگاہ کرنے والا بھی پہنچا! تو اب اس عذاب کو چھو۔ ظالموں کے لیے کوئی مدد کرنے والا نہیں بنے گا۔ اللہ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جاننے والا ہے۔ بے شک وہ سینوں کے بھیدوں سے بھی اچھی طرح باخبر ہے۔ ۳۶-۳۸

## ۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَدْعُونَ تَبَارَةً لَّن تَبَوَّرَ (۲۹)



اد پر آیت ۲۸ میں جن لوگوں کو علماء کہا ہے اور جن کی تعریف میں فرمایا ہے کہ اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ اِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈریں گے جو علم رکھنے والے ہیں یہی علمدار کی تفصیل ہے۔ فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے، نماز کا اہتمام کرتے اور خدا کے بخشے ہوئے رزق و فضل میں سے فیاضی کے ساتھ ستر اور علانیۃً راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں، یہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور ان کا یہ اتفاق ایک ایسی تجارت ہے جس کے لیے مستقبل میں کسی کساد بازاری کا اندیشہ نہیں بلکہ اس کی برکات میں برابر امانت پر امانت ہوتا رہے گا۔

یہ اشارہ اگرچہ ان تمام صالحین کی طرف ہو سکتا ہے جو ان صفات سے متصف تھے لیکن میرا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ یہ ان علمائے اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے جو قرآن پر ایمان لائے اور قرآن نے جگہ جگہ جن کی تعریف فرمائی ہے۔ میرے نزدیک اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ان کے ذکر کے بعد نبی اسماعیل کے اختیار اور اشارہ کا ذکر آیت ۳۲ میں مستقلاً آ رہا ہے اور ان کا ذکر تَوَرَّاتْنَا الْكِتَابَ الْذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (پھر ہم نے کتاب کا وارث بنایا اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو جن کو اس کے لیے منتخب کیا) کے الفاظ سے ہوا ہے۔ یہاں لفظ تَوَرَّاتْنَا (پھر) اس بات کی دلیل ہے کہ اد پر جن لوگوں کا ذکر ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن سے پہلے کی کتاب کے وارث بنائے گئے تھے اور وہ اللہ کی توفیق سے اس پر قائم رہے جس کی برکت سے ان کو قرآن کے نازل ہونے کے بعد اس پر بھی ایمان لانے کی سعادت حاصل ہوئی۔

یہاں ان صالحین اہل کتاب کی تعریف میں تین باتوں کا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔ تلاوت کتاب اللہ، اقامت صلوٰۃ اور اتفاق فی سبیل اللہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی تین چیزیں دین کی حقیقی محافظ اور خشیتِ الہی کی اصلی علامت ہیں اور قرآن میں نہایت تصریح کے ساتھ یہ بات بیان ہوئی ہے کہ یہود نے اپنی کتاب فراموش کر دی تھی، نماز منائع کر بیٹھے تھے اور ان پر سخاوت و زیر پرستی کی بیماری مسلط ہو گئی تھی اس وجہ سے وہ قرآن پر ایمان لانے کی سعادت سے محروم رہے۔ ان کے اندر سے صرف وہ لوگ قرآن پر ایمان لائے جو ان بیماریوں سے محفوظ رہے۔

’يَرْجُونَ تَجَادَةً تَنْ تَبُورَ‘ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جنہوں نے اس دنیا کی زندگی کو مقصود بنا کر حرام و ملال کی کئی سے اپنی تجوریاں بھریں اور ہر ایک نے راک فیلر بننے کی کوشش کی ان کا حشر تو ایک دن یہ ہونا ہے کہ ان کی ساری دولت خاک اور راکھ ہو کر اڑ جائے گی۔ البتہ جو لوگ اپنی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے وہ اپنا سرمایہ ایک ایسے کاروبار میں لگا رہے ہیں جس میں کبھی کسی خسارے کا اندیشہ نہیں ہے۔



یہ ان کے انفاق کے محرک کی طرف اشارہ بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بھرپور صلہ کا وعدہ بھی کہ وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں نہ ریاء و نمائش کے لیے خرچ کرتے ہیں، نہ اس کا کوئی معاوضہ ہاتھ آتے اور نہ اس کا کوئی احسان جتاتے ہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں کہ وہ ان کو اس کا پورا پورا صلہ دے اور اپنے فضل سے اس پر مزید اضافہ فرمائے۔ چنانچہ ان کا رب ان کے ساتھ ان کی توقعات کے مطابق معاملہ کرے گا اس لیے کہ وہ کوتاہیوں اور غلطیوں کو معاف اور بندوں کے اعمال کی قدر فرمائے والا ہے۔ یہاں غُفُورٌ شَكُورٌ کی صفات کا حوالہ بندوں کی امید افزائی کے لیے ہے کہ ان کی نیکیاں قبول کرنے کے معاملے میں اللہ تعالیٰ بڑی چشم پوشی سے کام لے گا اور ان کے چھوٹے چھوٹے عمل کو بھی قد و عزت کے ساتھ قبول فرمائے گا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنَّا إِنَّهُمْ مَصَدِّقَاتُ مَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ إِنَّ اللَّهَ يَعْبَادُهُ  
لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ (۳۱)

صالحین ال

کتاب کو دعوت

ایمان

یہ صالحین اہل کتاب کو دعوتِ ایمان ہے کہ جو کتاب ہم نے تم پر وحی کی ہے یہی حق ہے اس لیے تمام طالبینِ حق کو پاسبی ہے کہ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیں اور حریزِ جاں بنائیں۔ مُسَوِّعَاتُ میں حصر کا جو مضمون ہے وہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اس سے پہلے اللہ نے اہل کتاب کو جو کتاب دی اس کو انھوں نے اپنی تحریفیات سے رطب و یابس کا مجموعہ بنا ڈالا اس وجہ سے وہ حق کی نعمت سے محروم ہو گئے تھے۔ اب اللہ نے اس کتاب کی صورت میں اس کو بالکل بے آمیز اور کامل شکل میں از سر نو اجاگر کیا ہے تاکہ یہ خلق کی ہدایت کا ذریعہ بنے۔

مُصَدِّقَاتُ مَا بَيْنَ يَدَيْهِ یہ اس کتاب کی حقانیت کی وہ دلیل ہے جو خاص طور پر اہل کتاب پر اتمامِ حجت کے لیے قرآن میں جگہ جگہ مذکور ہوئی ہے کہ یہ کتاب ان پیشین گوئیوں کا مصداق ہے جو سابق صحیفوں میں اس کے باب میں پہلے سے وارد ہیں۔ ان پیشین گوئیوں کا حوالہ ان کے محل میں ہم تفصیل سے دے چکے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يَعْبَادُهُ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ فرمایا کہ اللہ نے اس حق کی حفاظت کا یہ اہتمام اس لیے فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کے حال کی خبر رکھنے والا اور ان کے بناؤ اور بگاڑ کو برابر دیکھتے رہنے والا ہے۔ چنانچہ جب اس نے دیکھا کہ جس ہدایت سے اس نے ان کو نوازا تھا پاسبانوں کی خیانت سے وہ اس سے محروم ہو گئے تو اس کی حفاظت کا اس نے از سر نو انتظام فرمایا۔ اگر وہ یہ انتظام نہ فرماتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ وہ اپنی خلق کے خیر و شر سے بالکل بے تعلق ہے۔ حالانکہ وہ بے تعلق نہیں بلکہ ایک ایک چیز سے باخبر اور ہر جزئیہ پر نظر رکھنے والا ہے۔

لَوْ أَرَدْنَا أَلْكَتِبَ الَّذِينَ اسْتَطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ



وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ إِذْنُ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (۳۲)

یہ اس انتظام کا ذکر ہے جو اپنی ہدایت سے خلق کو بہرہ یاب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔  
 الذِّیْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا سے یہاں بنی اسماعیل یا بالفاظ دیگر 'امیین عوب' من حیث الجماعت  
 مراد ہیں جن کے اندر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنا وہ آخری رسول بھیجنے کا وعدہ فرمایا  
 تھا جس کے ذریعے سے خلق کو آخری اور کامل شریعت ملنے والی تھی۔ فرمایا کہ ہم نے اپنے بندوں میں سے  
 ایک یا دوسرے گروہ کو چنا اور اس کو اپنی کتاب کا وارث بنایا۔ 'وارث بنایا' کے الفاظ اس حقیقت  
 کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اس سے پہلے جو لوگ کتاب الہی کے وارث بنائے گئے تھے (یعنی بنی اسرائیل)  
 ان سے یہ امانت چھینی اور ایک دوسرے گروہ کو جس کو اس شرف کے لیے منتخب کیا، یعنی بنی اسماعیل  
 کو، یہ امانت بخشی۔

امیوں کے اسی شرف کی طرف اشارہ سورہ جمعہ کی آیت 'هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِي الْأُمَمِیْنَ رَسُولًا  
 مِنْهُمْ الْآیَۃ' میں ہے اور قرآن نے جگہ جگہ ان کے اس شرف کا حوالہ دے کر ان کو ایمان  
 کی دعوت دی ہے کہ وہ اس کی قدر کریں۔ اگر انھوں نے اس کی قدر نہ کی تو دنیا کی امامت کی جس عزت  
 کے لیے اللہ نے ان کا انتخاب فرمایا ہے وہ اس سے اپنے کو محروم کر لیں گے۔ امیوں کی اس عزت افزائی  
 کا ذکر سورہ نساء میں یوں آیا ہے۔

أَمْ یَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى  
 مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ  
 فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَٰهیمَ  
 الْکِتَابَ وَالحِکْمَةَ وَآتَيْنَاهُمُ  
 مُلْکًا عَظِیْمًا ۖ فَمِنْهُمْ مَّنْ أَمَنَ  
 بِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ  
 وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِیْرًا  
 (النساء : ۵۴ - ۵۵)

کیا رہی اسرائیل! اس فضل کی بنا پر لوگوں پر رہی اسماعیل  
 پر حسد کر رہے ہیں جو ہم نے ان پر بنی اسماعیل پر  
 کیا؛ اگر وہ حسد کر رہے ہیں تو جتنا حسد کرنا چاہیں کر لیں  
 ہم نے تو آل ابراہیم دینی اسماعیل کو کتاب اور حکمت  
 بھی عطا فرمائی اور ان کو ایک عظیم بادشاہی بھی بخشی تو  
 ان میں سے دینی اسماعیل میں سے کچھ تو اس کتاب پر ایمان  
 لائے اور ان میں سے کچھ اس سے اعراض کرنے والے بنے  
 ہوئے ہیں اور جہنم کی آگ ان کے لیے کافی ہے۔

اس آیت کے تحت ہم جو کچھ لکھا آئے ہیں آیت زیر بحث کو سمجھنے کے لیے اس پر ایک نظر ڈال  
 لیجیے۔ جس طرح اس آیت میں بنی اسماعیل من حیث الجماعت مراد ہیں اور ان کو کتاب و حکمت اور ملک عظیم  
 دیے جانے کا ذکر ہے اسی طرح آیت زیر بحث میں ان کی جس برگزیدگی کی طرف اشارہ ہے وہ من حیث  
 الجماعت ان کو حاصل ہوئی۔ یہود کو ان کی اس برگزیدگی پر بڑا حسد تھا اور ان کی طرف سے آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا ایک بڑا محرک یہی تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ آپ کی نبوت اگر قائم ہو گئی تو اس



طرح وہ مذہبی پیشوائی جواب تک ان کو حاصل رہی ہے ان کے حریفوں یعنی بنی اسرائیل کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ قرآن نے جگہ جگہ بنی اسرائیل کے اس کھوٹ سے عربوں کو آگاہ کیا ہے اور ان کو دعوت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جس شرف سے نوازا اور جس منصب عظیم کے لیے ان کا انتخاب فرمایا ہے اس کی قدر کریں، اس کی مخالفت کر کے اپنے دشمنوں کی مقصد برآری کا سامان نہ کریں۔ اسی طرح یہاں اس برگزیدگی کا حوالہ اس مقصد سے دیا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و انعام کی قدر کریں، اس سے محروم نہ رہیں۔

قرآن کے باب میں بنی اسرائیل کا وہ رد یہ بیان ہوا ہے جو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے جواب میں اختیار کیا۔ فرمایا کہ ان میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہیں یعنی اپنا ایڑی چوٹی کا حیث انا زاد۔ زور اس کی مخالفت میں صرف کر رہے ہیں۔ نہ خود اس کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں نہ کسی دوسرے ہی پہلا گروہ کو قبول کرنے دینا چاہتے ہیں۔ سورہ نسا کی مذکورہ بالا آیت میں اسی گروہ کا ذکر دُ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ کے الفاظ سے ہوا ہے یعنی خود بھی اس سے اعراض کیے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی اس سے روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ امر واضح رہے کہ لفظ صَدَّ کئے اور دُ کئے دونوں معنوں میں آتا ہے اسی گروہ کو یہاں ظَالِمٌ تَنْفِسُہ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی یہ اپنی اس مخالفت سے اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں کہ اپنے لیے خدا کے سب سے بڑے فضل سے محرومی اور جہنم کے عذاب کا سامان کر رہے ہیں ورنہ جہاں تک خدا کے دین کا تعلق ہے اس کو ان کی مخالفت سے کوئی گزند پہنچنے والا نہیں ہے۔ لفظ ظلم سے قرآن مجید میں بالعموم شرک کو تعبیر کیا گیا ہے۔ سورہ صافات میں ہے۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُعِصٌّ وَظَالِمٌ تَنْفِسُہٗ مُبِئٌّ (۱۱۳) اور ان دونوں (ابراہیم و اسحاق) کی ذریت میں نیکو کار بھی ہیں اور اپنی جانوں پر کھلا ہوا ظلم ڈھانے والے بھی (مفسرین نے عام طور پر اَلَّذِينَ اَصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا سے امت مسلمہ کو مراد لیا ہے اور پھر اس سے یہ نتیجہ بھی، معلوم نہیں، کس طرح نکال لیا ہے کہ یہ ظالمین بھی بخش دیے جائیں گے۔ ہم نے آیت کا صحیح موقع محل معین کر دیا ہے اس وجہ سے اس خیال کی تردید کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ہماری تائید میں حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے روایات بھی ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو تفسیر ابن کثیر یا تفسیر ابن جریر میں دیکھ لیجیے۔ ان بزرگ مفسرین نے ظَالِمٌ تَنْفِسُہ سے ان لوگوں کو مراد لیا ہے جن کا ذکر سورہ واقعہ میں اَمْعَابُ الشُّمَّة سے ہوا ہے۔

وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ یہ دوسرے گروہ کا ذکر ہے۔ 'مقتصد' میانہ رو کو کہتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ مخالفت تو نہیں کرتے ہیں لیکن آگے بڑھ کر اس دعوت حق کی حمایت کا حوصلہ بھی نہیں کر رہے ہیں۔ ان کا مخالفت نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو اس دعوت کے حق ہونے کا احساس ہے لیکن



یہ احساس اتنا قوی نہیں ہے کہ وہ تمام پیش و عقب سے بالکل بے پروا ہو کر اس کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ قرآن نے ان کے لیے یہ لفظ استعمال کر کے فی الجملہ ان کے متعلق یہ امید دلائی ہے کہ یہ لوگ پہلے گروہ (طَائِفَةٌ لِّنَفْسِهِ) کی طرح اس نعمت سے محروم رہنے والے نہیں ہیں بلکہ دیرپور ان کا تردد رفع ہو جائے گا اور اللہ نے چاہا تو یہ اس دعوت کے پرزور حامیوں میں بن جائیں گے۔ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْغَيْرَاتِ یہ تیسرے گروہ کا ذکر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اندر حق کا شعور اتنا قوی ہوتا ہے کہ ہر دعوت حق ان کو فوراً اپیل کرتی ہے اور ان کی قوت ارادی اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ جب ان کو کوئی چیز اپیل کر لیتی ہے تو وہ اس کی خاطر راہ کے تمام عقبات ایک ہی جست میں پار کر جاتے ہیں اور اس کی حمایت یا مدافعت میں کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے بلکہ تمام رکاوٹوں کا پوری دلیری سے مقابلہ کرتے ہوئے نیکی اور بھلائی کے ہر میدان میں گوتے سبقت لے جانے کے لیے سہ دھڑکی بازی لگا دیتے ہیں۔ یہ اشارہ اسلام کے سابقوں اور ان کی طرف ہے جن کے ہر خیریل بیدار ابوبکر صدیقؓ تھے۔

اس گروہ کی سبقت بالخیر کے ساتھ بِإِذْنِ اللَّهِ کی قید اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ اس رتبہ بلند کی سرفرازی ہر ایک کا حصہ نہیں ہے بلکہ اللہ ہی جس کو چاہے یہ رتبہ بخشا ہے۔ یہ اس سنت الہی کا حوالہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں تقدم اور تاخر کے لیے مقرر کر رکھی ہے اور جس کی طرف اس کتاب میں ایک سے زیادہ مقامات میں ہم اشارہ کر چکے ہیں۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ۔ یہ اس رتبہ بلند کا بیان ہے جو ان سابقوں بالخیرات کو حاصل ہو گا۔ اور اس میں نہایت بلیغ انداز میں مقتصدین کے لیے دعوت بھی ہے کہ ابھی موقع ہے کہ وہ بھی اس فضل کبیر میں حصہ دار بننے کے لیے قسمت آزمائی کر سکتے ہیں، تودہ تذبذب کو چھوڑیں اور سمت کر کے آگے بڑھیں۔ یہاں ہم ان اشارات پر کفایت کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ سورہ واقعہ کی تفسیر میں اس کے تمام اطراف زیر بحث آئیں گے۔

جَنَّتٌ عَدْنٌ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِدَ مِنْ ذَهَبٍ وَيُؤْتَوْنَ فِيهَا كُؤُودٌ وَلِبَاسُهُمْ

فِيهَا خَيْرٌ (۲۳)

یہ آخرت میں ان جانباظروں کا صلہ بیان ہوا ہے کہ ان کے لیے اقامت کے باغ ہوں گے جن میں وہ آخرت کا مد داخل ہوں گے۔ یعنی ان باغوں میں ان کا داخل ہونا محض وقتی سیر و تفریح کے لیے نہیں ہو گا بلکہ ہمیشہ کے لیے ہو گا۔ يُعَلَّوْنَ، مہول کا صیغہ تشریف و مکرم پر دلیل ہے۔ سونے کے کنگن، موتی اور ریشم وغیرہ کا ذکر تقریب فہم کے لیے ہے کہ جنت کی نعمتوں کا مخاطب کچھ تصور کر سکے۔ ان چیزوں کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ ان کا صحیح اندازہ اسی وقت ہو گا جب یہ آخرت میں ملنے آئیں گی۔



پہلے زمانہ میں سلاطین سونے کے کنگن اور موتی پہنتے تھے، اس وجہ سے جنت کے لباس کا تصور دینے کے لیے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِن فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ (۳۴-۳۵)

یعنی اہل جنت جب اللہ تعالیٰ کے تمام وعدوں کی صداقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو احساسات اللہ بے ساختہ ان کی زبانوں پر کلمہ شکر جاری ہو جائے گا کہ الحمد للہ ہم اپنے رب کے جن وعدوں کے لیے تعالیٰ کے وعدہ جیسے اور مرے وہ سب ہماری امیدوں سے کہیں بڑھ کر پورے ہوئے۔ اس نے ہمارے سارے غم دور کے غم کے بعد کر دیے۔ اب نہ ماضی کا کوئی کھپتا و اباقی رہا نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ۔ ہمارا رب غفور و شکور ہے۔ اس نے ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمایا اور ہماری ایک ایک نیکی کو شرف قبول بخشا۔ اہل جنت کے اسی کلمہ شکر کا ذکر دوسرے مقام میں یوں ہوا ہے۔ وَأَجْزُدَعُوهُمْ إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (یونس: ۱۰) اور ان کا آخری کلمہ یہ ہو گا کہ شکر ہے اللہ رب العالمین کے لیے۔

’دَارَ الْمُقَامَةِ‘ سے مراد ہمیشہ کی اقامت کا گھر ہے یعنی اس سے پہلے تو ہم دنیا میں ایک سرائے فانی میں تھے اور ہم نے اس کو ایک سرائے فانی ہی سمجھا۔ اب ہمارے رب نے ہم کو اپنے فضل و رحمت کے ایک ایسے گھر میں اتارا ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ اس میں نہ ہمارے لیے کوئی محنت و مشقت ہے اور نہ کوئی تکان اور افسردگی۔ یہ امر واضح رہے کہ بہتر سے بہتر عیش بھی حاصل ہو تو آدمی اس کے اندر بھی اذیت دہ ہو جاتا ہے اگر اس کی خواہش کے مطابق اس میں تجدید و تنوع نہ ہوتا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت ایسی بنائی ہے کہ اس میں ایسا بے غل و غش اور متنوع عیش حاصل ہو گا کہ اہل جنت اس کے اندر اکتاہٹ نہیں محسوس کریں گے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ وَمَنْ يَصْطِرْخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ أَوْ لَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ (۳۶-۳۷)

یہ کفار کے انجام کا بیان ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ جہنم میں اتارے گا جہاں ان کا حال یہ ہو گا کہ نہ ان کو موت ہی آئے گی کہ مر کے اس عذاب سے رہائی پائیں، نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہی کی جائے گی کہ ذرا دم لے لیں۔ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ کے بعد فَيَسْتَرْيَعُونَ یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ بر بنائے قرینہ محذوف ہے۔ ’كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ‘ یعنی یہ جو کچھ ہم سارے ہیں، یہ صرف دوسروں ہی کی سرگزشت نہیں ہے بلکہ ہر ناشکرے نابکار کو ہم اسی طرح سزا دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ بھی اسی سزا کے مستحق



ٹھہریں گے جو آج ہماری کتاب اور ہمارے رسول کی تکذیب کر رہے ہیں۔ اس فقرے سے کلام بالکل مطابق حال ہو گیا ہے۔

وَلَسْمُ يُفْطِرُونَ فِيهَا الْآيَةَ۔ وہ اسی جہنم میں پڑے فریاد کریں گے کہ اے رب، ہم کو یہاں سے ایک بار رہائی دے کہ ہم دنیا میں جائز نیک عمل، اس سے بالکل مختلف، کریں جو ہم اب تک کرتے رہے ہیں۔  
 اَدَلُّكُمْ نَعْتِرُكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمْ السَّيِّئُ مِنْهُ يَوْمَ يَأْتِيهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ سُبُوحٌ يُسَبِّحُونَ اللَّهَ تَعَالَى كُلَّ نَفَسٍ فَهُمْ لَهُ مُسَبِّحُونَ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو جواب ملے گا کہ کیا تمہیں اتنی مہلت نہیں ملی جس میں ایک یا دو رہائی حاصل کرنے والا یا دو رہائی حاصل کر سکے؟ مگر وہ ازیں تمہارے پاس ایک آگاہ کر دینے والا رسول بھی آیا! تو اب کس بات کے لیے مہلت مانگتے ہو! اب تمہارا کوئی مددگار نہیں بن سکتا، اب تو جس عذاب کے اسباب تم نے فراہم کیے اس کا مزہ چکھو۔

اس آیت سے یہ اشارہ لگتا ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے عمر بھی کافی دی اور ان پر کسی مندر کے فدیے سے حجت بھی تمام کر دی گئی ان کے ساتھ تو کسی قسم کی رعایت نہیں ہوگی لیکن جو لوگ سن و سال کی نچنگی کو پہنچنے سے پہلے ہی مر گئے یا قتل ہو گئے ان کے ساتھ معاملہ نسبتہ ذرا نرم ہوگا۔

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمُ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (۳۸)

اس سے دو باتیں واضح فرمائی گئی ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے تمام بھیدوں کو جاننے والا ہے اس وجہ سے کوئی ان باتوں کو محض ڈر وادانہ سمجھے بلکہ یہ حقائق ہیں جو ایک دن سب کے سامنے ظاہر ہو کے رہیں گے۔

دوسری یہ کہ جو لوگ یہ فریاد کریں گے کہ اگر ان کو دوبارہ مہلت ملے تو وہ نیکی کریں گے، خدا ان کے جھوٹ کو بھی جانتا ہے۔ اس طرح کے لوگوں کو اگر پھر مہلت دی جائے تو وہ وہی کریں گے جو اب تک کرتے رہے ہیں۔

## ۸۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۳۹-۴۵

آگے کی آیات میں مشرکین عرب کو دھمکی ہے کہ تم اس ملک میں پہلی قوم نہیں ہو بلکہ پہلی قوموں کے جانشین ہو تو ان کے حالات اور انجام سے سبق لو۔ اگر وہ قوت و شوکت میں تم سے بڑھ کر ہونے کے باوجود، رسولوں کی تکذیب کے جرم میں تباہ کر دی گئیں تو اسی جرم کا ارتکاب کر کے خدا کے قہر و غضب سے تم کس طرح بچ جاؤ گے؟ خدا کا قانون تو ہر قوم کے لیے ایک ہی ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یاد رکھو کہ آسمان وزمین تمہارے ان معبودوں کے تھامے نہیں تھے ہوئے ہیں بلکہ خدا ہی کے تھامے تھے ہیں۔ اگر خدا ان کو ورم برہم کر دے تو کوئی دوسرا ان کو نہیں سنبھال سکتا۔ تمہاری سرکشی کے باوجود اگر خدا نے تمہیں ڈھیل دے



رکھی ہے تو اس سے کسی غلط فہمی میں نہ رہو، خدا پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا لیکن جب پکڑتا ہے تو کوئی اس سے بھاگ نہیں سکتا۔

اسی ضمن میں یہ یاد دہانی بھی کی گئی ہے کہ اس سے پہلے تو یہ قسمیں کھا کھلکے یہ وعدے کرتے تھے کہ اگر ان کے اندر کسی رسول کی بعثت ہوئی تو یہ دنیا کی سب سے زیادہ ہدایت یافتہ قوم بنیں گے لیکن جب رسول آیا تو محض استکبار کے سبب سے اس کی مخالفت اور رات دن اس کے خلاف سازشوں میں سرگرم ہیں حالانکہ حق کے خلاف جو سازشیں کی جاتی ہیں ان کے پھندوں میں وہی لوگ پھنستے ہیں جو سازشوں کے جال بنتے ہیں۔

غور کیجیے تو اس پر رے ہیں، جس کو خاتمہ سوہ کی حیثیت حاصل ہے، فواصل یعنی توانی بدل گئے ہیں۔ توانی کی یہ اچانک تبدیلی مکالم کے لب و لہجہ کی تبدیلی کی دلیل ہوتی ہے اور اس تبدیلی سے مقصود مخاطب کو ایک نئے پہلو سے متوجہ کرنا ہوتا ہے۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات  
۳۹-۴۵

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا مَقْتًا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ③۹ قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءُ كُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ أَمْ آتَيْنَهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَى بَيِّنَةٍ مِّنْهُ بَلْ إِنَّ تَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ④۰ إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَا هُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهِ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ④۱ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ الْأَحْدَى الْأُمِّمِ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نِفُورًا ④۲ اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرُ السَّيِّئِ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السُّنَّتَ الْأُولَىٰ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ



اللّٰهُ تَحْوِيلًا ۝۴۳ اَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ  
عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَمَا كَانَ  
اللّٰهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ  
عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝۴۴ وَلَوْ يُوَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ  
عَلٰى ظُهُرِهَا مِنْ دَابَّةٍ وَّلٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا  
جَاءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيْرًا ۝۴۵

۱۲

ترجمہ آیات

۳۹-۴۵

وہی ہے جس نے تم کو زمین میں جانشین بنایا تو جو کفر کرے گا اس کے کفر کا وبال اسی پر  
آئے گا اور کافروں کے لیے ان کا کفر، ان کے رب کے نزدیک، اس کے غضب کی زیادتی  
ہی کا موجب ہوگا اور کافروں کے لیے ان کا کفر ان کے خناسے ہی میں اضافہ کرے گا۔ ۳۹  
کہو، ذرا تم دیکھو تو اپنے ان شریکوں کو جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو! مجھے دکھاؤ،  
انھوں نے زمین میں سے کیا پیدا کیا ہے! کیا ان کی آسمانوں میں کوئی حصّہ داری ہے؟ آیا  
ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے تو وہ اس کی کسی واضح دلیل پر ہیں! بلکہ یہ ظالم ایک  
دوسرے سے محض پُر فریب وعدے کر رہے ہیں۔ ۴۰

اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں۔ اور اگر  
وہ ٹل جائیں تو اس کے بعد کوئی اور ان کو تھامنے والا نہیں بن سکتا۔ بے شک وہ نہایت

علیم و غفور ہے۔ ۴۱

اور انھوں نے اللہ کی پکی پکی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نذیر آیا تو وہ ہر امت  
سے زیادہ ہدایت اختیار کرنے والے بنیں گے۔ پس جب ان کے پاس ایک نذیر آیا تو



اس چیز نے، زمین میں ان کے تکبر کے باعث، ان کی بیزاری اور ان کی بری چالوں ہی میں اضافہ کیا۔ اور بری چال تو اسی کو گھیرتی ہے جو بری چال چلتا ہے۔ پس یہ نہیں انتظار کر رہے ہیں مگر اسی سنت الہی کا جو اگلوں کے باب میں ظاہر ہوئی۔ تو تم سنت الہی میں نہ کوئی تبدیلی پاؤ گے اور نہ تم سنت الہی کو ٹلتے ہی ہوئے پاؤ گے۔ کیا انھوں نے زمین میں سفر نہیں کیا کہ دیکھتے کہ کیا ہو چکا ہے انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں حالانکہ وہ قوت میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔ اور آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے کہ وہ اللہ کے قابو سے باہر نکل سکے۔ وہ علم والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔ ۴۲-۴۴

اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے اعمال کی پاداش میں فوراً پکڑتا تو زمین کی پشت پر ایک جاندار کو بھی نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو ایک معین مدت تک مہلت دیتا ہے۔ پس جہان کی مدت پوری ہو جائے گی تو اللہ اپنے بندوں کو خود دیکھنے والا ہے۔ ۴۵

## ۹۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ ۖ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا مَتْنًا ۚ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا (۲۹)

یہ قریش کو تنبیہ ہے کہ اس سرزمین میں آج جو اقتدار تم کو حاصل ہے یہ نہ تمہارا اپنا پیدا کردہ ہے اور نہ تم اس ملک میں پہلی بار برسرِ اقتدار آئے ہو بلکہ تم سے پہلے بھی قومیں گزر چکی ہیں جن کو خدا نے ان کے کفر و استکبار کی پاداش میں ہلاک کر دیا اور ان کی جگہ تم کو ممکن کیا تو اگر وہی رشتہ تمہارے اختیار کی تو اسی انجام سے دوچار ہونے کے لیے بھی تیار ہو جو ان کے سامنے آیا۔ خدا نے قوموں کے عزل و نصب کے لیے جو میزانِ عدل قائم کر رکھی ہے اس کا فیصلہ ہر قوم کے لیے بالکل بے لاگ ہے۔ جن قوموں کی سرگزشتیں تم کو سنائی گئی ہیں وہی تاریخِ تم بھی دہراؤ گے اگر انہی کے نقشِ قدم پر چلو گے۔ یہ مضمون انعام آیت ۱۶۵ اور اعراف آیت ۱۰۰ کے تحت بھی تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

خدا کا عدل ہر قوم کے لیے یکساں ہے



وَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ الْآيَةُ یعنی یہ بھی یاد رکھو کہ کسی کے کفر سے خدا کا کچھ نہیں بگڑتا بلکہ اس کا خمیازہ خود کفر کرنے والے ہی کو بھگتنا پڑتا ہے۔ خدا کسی کا محتاج نہیں ہے بلکہ لوگ ہی اس کے محتاج ہیں۔ اگر وہ کفر کریں گے تو اس سے خدا کا کچھ بگاڑنے کے بجائے اس کے غضب میں اضافہ کریں گے اور یہ چیز دنیا اور آخرت میں انہی کی تباہی کا موجب ہوگی۔

یہ کہ خمیازہ کفر کرنے والے ہی کو بھگتنا پڑتا ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَدْرِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ ۚ أَمْ آتَيْنَهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ إِنْ يَتَّبِعُونَ الظَّالِمِينَ لَيَكُونُنَّ أَكْثَرًا ۚ أَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ بَيِّنَاتٌ مِّنْ آيَاتِهِ ۚ وَلَٰكِنْ أَكْثَرُهُمْ أَكْثَرًا ۚ (۴۰)

یہ ان کے شرکاء کی بے حقیقتی کی طرف توجہ دلائی کہ کیا ان کے بل پر خدا کی پکڑ سے سخت بیٹھے شرکار کی ہو! ذرا ان کو دیکھو تو بھلا ان کی کیا حقیقت ہے! اَرَأَيْتُمْ، اس طرح کے مواقع میں اظہارِ تعجب اور بے حقیقتی تحقیر کے لیے آتا ہے۔ فرمایا کہ اگر زمین میں سے کوئی چیز انھوں نے پیدا کی ہو تو وہ مجھے دکھاؤ۔ یا آسمانوں میں ان کی کوئی حصہ داری ہو تو وہ مجھے بتاؤ۔

’أَمْ آتَيْنَهُمْ كِتَابًا الْآيَةُ‘ اس ٹکڑے میں اسلوبِ کلام بدل کر حاضر کے بجائے غائب کا ہو گیا ہے جس سے تعجب اور اظہارِ نیراری کے مضمون میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ فرمایا کہ جب آسمانوں اور زمین میں کسی نوعیت سے ان کی کوئی حصہ داری ثابت نہیں تو آخر کس دلیل کی بنا پر ان کو خدا کی خدائی میں انھوں نے شریک بنایا ہے؟ کیا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے جس میں ہم نے تسلیم کیا ہو کہ فلاں اور فلاں ہماری خدائی میں شریک ہیں اور انھوں نے اس کی سند پر ان کو ہمارا شریک بنایا ہے؟

’بَلْ إِنْ يَتَّبِعُونَ الظَّالِمِينَ لَيَكُونُنَّ أَكْثَرًا‘ یعنی ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ نہ ان کے پاس کوئی دلیل ہے نہ کوئی سند۔ بلکہ یہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھلنے والے لوگ ہیں یوں ہی بے دلیل و سند ایک دوسرے کو ہزبانغ دکھا رہے ہیں کہ ان کے فلاں بت کے قبضہ میں یہ یہ اختیارات ہیں اور فلاں کی عبادت سے یہ برکات حاصل ہوتی ہیں۔ ان کی یہ ساری باتیں محض فریب ہیں جس میں ان کے لیڈران کو بتلا کیے ہوئے ہیں۔

لیڈروں کا

فریب عوام

کے ساتھ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ۚ يَتَّبِعُكَ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ أَنْ تَزُولَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ ۚ بَعْدَ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا (۴۱)

یعنی اگر یہ اس غلط فہمی میں ہیں کہ جس عذاب سے ان کو ڈرا یا جا رہا ہے اس سے ان کے مزعومہ دیوی دیوتا بچالیں گے یا بچائے ہوئے ہیں تو انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ آسمانوں اور زمین کو ان کے محور و مدار پر خدا ہی ٹکائے ہوئے ہے۔ اگر وہ ذرا ان کی باگ ڈھیلی چھوڑ دے تو بھر کسی کی طاقت نہیں ہے کہ ان کو تھام سکے۔ پھر حشرم زدن میں سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔







اِسْتِكْبَادًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرًا سَيِّئًا وَلَا يَحِثُّ الْمَكْرَ السَّيِّئَ عَمَّا لَا يَافِيهِمْ فَمَنْ يَنْظُرُونَ رَأْسًا  
الْاَوَّلِينَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۚ وَكَفَىٰ تَجْدِ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَعْوِيلًا (۲۲)

یہ رسول سے ان کی بیزاری کا سبب بیان ہوا ہے کہ اس کا سبب صرف استکبار ہے۔ حق ان پر اچھی باتیں  
طرح واضح ہے لیکن ملک میں جو قیادت و سیادت ان کو حاصل ہے اس کو یہ کسی قیمت پر قربان کرنے کے  
لیے تیار نہیں ہیں اس وجہ سے اس مترشح حق کی مخالفت کر رہے ہیں۔ ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اگر انھوں نے  
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت تسلیم کر لی تو ان کی قیادت ختم ہو جائے گی۔

’وَمَكْرًا سَيِّئًا‘ کا عطف ’نُفُورًا‘ پر ہے۔ یعنی جس رسول کی ہدایت کے علمبردار بننے کے مدعی تھے  
جب وہ آیا تو اس کے دشمن بن کے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو زک پہنچانے کے لیے اس کے خلاف  
مکروہ سازشوں میں سرگرم ہو گئے۔ لفظ ’مکرو‘ چونکہ اچھے معنوں میں بھی آتا ہے اس وجہ سے اس کے ساتھ  
’سَيِّئًا‘ کی قید لگا کر ان کے مکر کی نوعیت واضح فرمادی۔ پیچھے آیت ۱۰ میں بھی ان کی بری سازشوں اور اس  
کے انجام کا ذکر گزر چکا ہے۔

’وَلَا يَحِثُّ الْمَكْرَ السَّيِّئَ إِلَّا بِأَهْلِهِ‘۔ حق کے خلاف جو شخص سازش کرتا ہے وہ درحقیقت بری سازش  
خود اپنے خلاف سازش کرتا ہے۔ بظاہر تو وہ یہ جال دوسرے کے لیے بناتا ہے لیکن اس جال میں سب سے  
پہلے وہ خود پھنستا ہے۔ صحیح راہ بنانے والے کی مخالفت کرنا خود اپنی راہ گم اور اپنی عاقبت برباد کرنا ہے۔ اپنے تباہ  
دوسروں کو اس سازش سے کوئی ضرر اللہ کے اذن کے بغیر وہ نہیں پہنچا سکتا لیکن اپنے کو وہ بہر حال ہلاکت  
کے حوالہ کر دیتا ہے۔

’فَمَنْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السُّنَّةَ الْاَوَّلِينَ‘، یہاں انتظار کرنے کے معنی میں ہے حق کے خلاف  
اور ’سُنَّةَ الْاَوَّلِينَ‘ کے اندر عربیت کے معروف قاعدے کے مطابق کچھ الفاظ حذف ہیں۔ ان کو کھول  
دیجیے تو پوری بات یوں ہوگی۔ ’فَمَنْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السُّنَّةَ الْاَوَّلِينَ‘ یعنی اگر یہ لوگ اپنے  
تکبر اور حق بیزاری کے باعث اب مخالفت اور سازش ہی کے واسطے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اب یہ منتظر  
ہیں کہ ان سے پہلے جو قومیں گزری ہیں، اللہ کی جو سنت ان کے لیے ظاہر ہوئی وہ ان کے لیے بھی ظاہر ہو  
جائے اور جس طرح رسولوں کی تکذیب کے جہم میں وہ تباہ کر دی گئیں اسی طرح یہ بھی تباہ کر دیے جائیں۔

’فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۚ وَكَفَىٰ تَجْدِ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَعْوِيلًا‘۔ یہ آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم کو نہایت پر زور الفاظ میں تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ لوگ اسی کے منتظر ہیں تو اطمینان رکھو کہ سنت  
الہی نہ بدلتی ہے، نہ ٹلتی ہے۔ نہ بدلنے، نہ ٹلنے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہر قوم کے لیے بالکل یکساں اور بے لاگ  
ہے، یہ ممکن نہیں ہے کہ جو رویہ ایک قوم کے لیے باعث ہلاکت ہو چکا ہے وہی رویہ دوسری قوم اختیار  
کرے تو وہ اس انجام سے بچ جائے۔ نہ ٹلنے کا مفہوم یہ ہے کہ جب اس کے ظہور کا وقت آ جائے گا  
تو وہ لازماً ظہور میں آئے رہے گی۔ پھر اس کو ٹالنا یا اس کے رخ کو بدلنا کسی کے بس میں بھی نہیں ہوگا۔



أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشْهَدَ مِنْهُمْ قُوَّةً ذَٰلِكَ مَا كَانَ اللَّهُ يُعْجِزُهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا نَذِيرًا (۴۴)

ملک کے آثار سے عبرت حاصل کرنے کی تدبیر کی پاداش میں ان کا انجام نہایت عبرت انگیز ہوا۔

یہ ان کی طرف توجہ دلائی کہ کیا ان لوگوں نے اپنے ملک کی سیاحت کبھی اس مقصد سے نہیں کی کہ اپنی ان پیشرو قوموں کے آثار و نشانات دیکھتے جو قوت و شوکت میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں لیکن رسولوں کی دعوت

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشْهَدَ مِنْهُمْ قُوَّةً ذَٰلِكَ مَا كَانَ اللَّهُ يُعْجِزُهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا نَذِيرًا (۴۴)

کی سیاحت تو انہوں نے بہت کی ہے۔ اپنے تجارتی سفروں میں برابر معذب قوموں کی بستیوں پر سے گزرتے رہے ہیں لیکن کبھی خاص اس مقصد سے انہوں نے ان کے آثار پر نظر نہیں ڈالی کہ وہ اس کیفر کو اذ کو کیوں پہنچیں، حالانکہ دیکھتے اور فائدہ اٹھانے کی اصل چیز یہی ہے۔ اب بھی موقع باقی ہے کہ اس نگاہ سے ان کے آثار دیکھیں اور ان کے انجام سے سبق حاصل کریں۔ قوت و شوکت میں قریش ان کے پاسگ نہیں ہیں، لیکن خدا نے جب ان کو پکڑا تو وہ اس کی گرفت سے باہر نہ نکل سکیں۔ آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو خدا کی گرفت سے باہر نکل سکے۔ خدا کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، کوئی چیز اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ ساتھ ہی وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، کوئی کام اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو اپنے علم اور اپنی قدرت سے غفلتیں کر لیں وہ اس سے بھاگ کے کہاں جا سکتے؟

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهِمَا مِنْ ذَاتِهِ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا (۴۵)

یہ اسی سنت الہی کے ایک دوسرے پہلو کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ان لوگوں کی پکڑ تو لازماً ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ مجرمین کو ان کے اعمال کی پاداش میں فوراً نہیں پکڑا کرتا۔ اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو کوئی اس کا ہاتھ تو نہیں پکڑ سکتا، وہ چشم زدن میں روئے زمین سے ہر زندہ کو ختم کر دے، لیکن وہ علیم و غفور ہے اس وجہ سے ایک معین مدت تک لوگوں کو مہلت دیتا ہے تاکہ جس کو توفیق ہو وہ توبہ اور اصلاح کر لے اور جو اپنی ضد ہی پر مرنا چاہے اس پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔ جب ان کی معین مدت مہلت پوری ہو جائے گی تو پھر اللہ ان کو دیکھے گا کہ وہ کس پاداش کے مستحق ہیں۔

بِمَا كَسَبُوا کے بعد علی عجل، یا اس کے ہم معنی الفاظ مذكوف ہیں۔ دَنْكُنْ يُؤَخِّرُهُمْ کے الفاظ سے اس کی وضاحت ہو گئی ہے۔

بتوفیق ایزدی ان سطور پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ قَاتِلْهُمْ يَوْمَ ذِي قِلَاتٍ۔

رحمان آباد

۴ فروری ۱۹۶۵ء



تذکرہ

۳۶

پس









## د۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سورہ یس اور گرد پ کی پچھلی دونوں سورتوں کے عمود میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ پچھلی سورتوں میں توجید، معاد اور رسالت کے جو مطالب زیر بحث آئے ہیں انہی پر اس میں بھی بحث ہوئی ہے۔ البتہ تفصیل و اجمال اور نہج استدلال کے اعتبار سے فرق ہے۔ پچھلی سورہ کے بعض مطالب اس میں تاریخی اور فطری دلائل سے اچھی طرح محکم و مدلل کر دیے گئے ہیں۔ اس کا آغاز اثبات رسالت کے اسی مضمون سے ہوا ہے جس پر سابق سورہ تمام ہوئی ہے۔ اور فلسفہ دین کے نقطہ نظر سے غور کیجئے تو یہ حقیقت بھی واضح طور پر نظر آئے گی کہ اس کی بنیاد بھی، پچھلی سورتوں کی طرح، شکر اور اس کے مقتضیات ہی پر ہے۔ آگے ہم سورہ کے مطالب کا تجزیہ پیش کرتے ہیں جس سے اس کا عمود اور نظام ان شاء اللہ اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔

## ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱۲-۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات اور آپ کو تسلی کہ یہ پر حکمت قرآن خود اس بات کی سب سے بڑی شہادت ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ یہ قرآن، خدا کے عزیز و رحیم کی طرف سے ان لوگوں پر ایک عظیم احسان ہے جو اب تک خدا کی تعلیم و ہدایت سے بالکل محروم ضلالت میں جھٹک رہے تھے۔ یہ محض ان کی بد قسمتی ہے کہ استکبار کے سبب سے یہ اس کو جھٹلا رہے ہیں۔ ان کی پچھلی ردایات اور ان کی متبقل کی آرزوئیں ان کے لیے حجاب بنی ہوئی ہیں اس وجہ سے نہ یہ ماضی سے کوئی سبق لے رہے ہیں اور نہ مستقبل کا کچھ دھیان کر رہے ہیں۔ آپ ایسے بے فکر وں کے لیے زیادہ پریشان نہ ہوں۔ جو خدا سے ڈریں اور نصیحت کو سنیں ان کو مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت دیجیے۔ جو ہمیں سنتے ان کا معاملہ ہمارے حوالے کیجیے۔ ان کا اگلا پچھلا سب ہمارے رجسٹر میں درج ہے۔ ہم ان سے نمٹ لیں گے۔

(۱۳-۲۲) قریش کی عبرت کے لیے ایک بستی کی مثال جس کے باشندوں کے انداز کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو



رسول بھیجے جب انھوں نے ان کی نہیں سنی تو اللہ نے ایک تیسرے بندے کو ان رسولوں کی تائید کے لیے اٹھایا۔ لیکن انھوں نے اس کی بھی کوئی پروا نہیں کی۔ ان کی تنبیہ کے لیے اس دوران میں جو نشانیاں ظاہر ہوئیں لوگوں نے ان کو ان رسولوں کی نحوست قرار دیا اور اس جہنم میں ان کو نگار کر دینے کی دھمکی دی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب سے اس بستی کو ہلاک کر دیا۔

(۳۳-۴۴) اس کائنات میں خدا کی قدرت، حکمت، پروردگاری اور رحمت کی جو نشانیاں ہیں ان میں سے بعض کی طرف اشارہ اور اس امر کا بیان کہ یہ ساری نشانیاں اللہ تعالیٰ کے شکر کو واجب کرتی ہیں جس کا لازمی تقاضا توحید ہے اور ساتھ ہی یہ شرف و نشر اور جزاء و نزا کو مستلزم ہیں۔

(۴۵-۵۰) اس امر کا بیان کہ جب لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا ہے اور اس سے بچنے کے لیے اللہ کی راہ میں اتفاق کی دعوت دی جاتی ہے تو بڑی ڈھٹائی کے ساتھ عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جن کو خدا نے اپنے فضل سے محروم رکھا ہم اپنا مال ان پر کیوں خرچ کریں! انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ خدا کو جب عذاب لانا ہوگا تو اس کے لیے اسے کوئی تیاری نہیں کرنی پڑے گی بلکہ وہ چشم زدن میں آجائے گا جس کے بعد کسی کو لب ہلانے کی فرصت نصیب نہیں ہوگی۔

(۵۱-۶۵) قیامت کی تعمیر اور اس دن ایمان لانے والوں اور اس کے جھٹلانے والوں کا جو حال ہوگا اس کی تفصیل۔

(۶۶-۶۸) عذاب کا مطالبہ کرنے والوں کو یہ تنبیہ کہ سمع و بصر کی جو صلاحیتیں خدا نے بخشی ہیں ان سے فائدہ اٹھاؤ اور اپنی عقل سے کام لو۔ اگر ان صلاحیتوں سے فائدہ نہ اٹھایا تو خدا ان کو مسخ بھی کر سکتا ہے اور یہ کام خدا کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔

(۶۹-۸۳) خاتمہ سورہ جس میں ابتدائے سورہ کے مضمون کو ایک نئے اسلوب سے لیا ہے۔ توحید اور قیامت کی بعض نشانیوں کی طرف توجہ دلائی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ تمہارا کام زندوں کو جگانا ہے۔ جو لوگ اخلاقی اعتبار سے مردہ ہو چکے ہیں ان پر تمہارا کلام کارگر نہیں ہو سکتا۔



# سُورَةُ يٰس (۳۶)

مَكِّيَّةٌ ۖ اٰيَاتُهَا ۳۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰس ۱ وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ ۲ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۳ عَلٰی  
صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۴ تَنْزِیْلِ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۵ لَتُنْذِرَ قَوْمًا  
مَا اُنْذَرَاۤ اَبَاوْهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۶ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰی اَكْثَرِهِمْ  
فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۷ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلَٰلًا فَهٰی اِلَی الْاَذْقَانِ  
فَهُمْ مُّقْصَحُوْنَ ۸ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ  
سَدًّا فَاَعْمٰیۤتُهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۹ وَسَوَآءٌ عَلَیْهِمْ اَاَنْذَرْتَهُمْ  
اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۱۰ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ  
وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ الْغَیْبَ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِیْمٍ ۱۱ اِنَّا نَحْنُ  
نَحِی الْمَوْتٰی وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاَتَّخَذُوْهُمُ وَاٰثَرَهُمْ وَكُلَّ شَیْءٍۢ بِاَحْصٰیۤتِهٖ  
فِیۤ اِمَّا مَرْمِیۡنٍ ۱۲

وقت غفران

۱۲-۱

یہ سورہ یس ہے۔ شاہد ہے پر حکمت قرآن کہ تم رسولوں میں سے ہو۔ ایک نہایت

۱۲-۱

بیدھی راہ پر جس کو نہایت اہتمام سے اتارا ہے خدائے عزیز و رحیم نے کہ تم ان لوگوں کو آگاہ



کرد جن کے اگلوں کو آگاہ نہیں کیا گیا پس وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بہتوں پر ہماری بات پوری ہو چکی ہے تو وہ ایمان لانے والے نہیں بنیں گے۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں پس ان کے سر اٹھے رہ گئے اور ہم نے ان کے آگے سے بھی ایک روک کھڑی کر دی ہے اور ان کے پیچھے سے بھی ایک روک کھڑی کر دی ہے۔ اس طرح ہم نے ان کو ڈھانک دیا ہے پس ان کو سمجھائی نہیں دے رہا ہے۔ اور ان کے لیے یکساں ہے ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، وہ ایمان نہیں لانے کے رقم تو پس انہی کو ڈرا سکتے ہو جو نصیحت پر دھیان کریں اور غیب میں خدائے رحمان سے ڈریں۔ سو ایسے لوگوں کو مغفرت اور بانزت صلہ کی بشارت دو۔ بے شک ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور ہم لوٹ کر رہے ہیں جو کچھ انھوں نے آگے کے لیے بڑھایا اور جو کچھ پیچھے چھوڑا اور ہم نے ہر چیز ایک واضح کتاب میں محفوظ کر لی ہے۔ ۱۲-۱

## ۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

فیس (۱)

یہ حروف مقطعات میں سے ہے جن پر ایک جامع بحث سورہ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں گزر چکی ہے۔ یہ اس سورہ کا قرآنی نام ہے۔ بعض لوگوں نے اس کے معنی **يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ** کے لیے ہیں لیکن یہ بات بالکل بے دلیل ہے۔

وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّكَ لَبِنُ الْأُمْرِ سَلِيلُ (۲-۳)

قرآن کے اعجاز میں اصل دلیل اس کی حکمت کو

’و‘ قسم کے مفہوم میں ہے اور قسم عربی میں، جیسا کہ ہمارے استاذ مولانا فراہی نے اپنی کتاب ’الامعان فی اقسام القرآن‘ میں وضاحت فرمائی ہے، شہادت کے لیے آتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ پر حکمت قرآن جو تم لوگوں کو سنار ہے ہو، خود اس بات کی شہادت کے لیے کافی ہے کہ تم رسولوں کے زمرے سے تعلق رکھنے والے ہو۔ رسول کے سوا کوئی دوسرا اس طرح کا حکیمانہ اور معجز کلام پیش کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے اعجاز میں اصل دلیل اس کی حکمت اس کے فلسفہ کو ہے۔ اس کی زبان کی بلاغت و جزالت



مزید برآں ہے۔

عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (۴)

یہ خبر کے بعد دوسری خبر ہے اور اس کا بغیر حرف عطف کے آنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن حکیم ایک وقت دو ذوں باتوں کا شاہد ہے۔ اس بات کا بھی کہ تم اللہ کے رسولوں میں سے ہو اور اس بات کا بھی کہ تم بالکل سیدھی راہ پر ہو اور لوگوں کو سیدھی راہ پر چلنے کی دعوت دے رہے ہو۔ تنکیر یہاں تفعیم شان کے لیے ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ راہ عقل و فطرت اور خدا کی بتائی ہوئی نہایت سیدھی راہ ہے۔ جو لوگ یہ سیدھی راہ اختیار کرنے سے گریز کر رہے ہیں انہوں نے اپنی فطرت بگاڑ لی ہے اور اپنی عقل سے کام لینا چھوڑ دیا ہے اس وجہ سے انہیں سیدھی چیز ٹیڑھی نظر آ رہی ہے۔

تَسْزِيلُ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ (۵)

تَسْزِيلُ فعل محذوف سے منصوب ہے۔ اس کے معنی کی وضاحت دوسرے مقام میں ہم کر چکے ہیں کہ یہ کسی چیز کو درجہ بدرجہ نہایت اہتمام کے ساتھ اتارنے کے لیے بھی آتا ہے۔ یہ قرآن کے ایک دوسرے پہلو کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اس کو خدائے عزیز و رحیم نے نہایت اہتمام و تدبیر کے ساتھ اتارا ہے کہ لوگ اس پر غور کریں اس کو سمجھیں اور اس سے صراط مستقیم کی رہنمائی حاصل کریں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی دو صفتوں کا حوالہ ہے۔ ایک عزیز و دوسری رحیم۔ ان میں ایک صفت انذار کے لیے ہے اور دوسری بشارت کے لیے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس کی تکذیب کریں گے وہ یاد رکھیں کہ یہ کسی سائل کی درخواست نہیں بلکہ ایک عزیز و مقتدر کا فرمان واجب الزعان ہے جو سرکشی کرنے والوں کو لازماً سزا دے گا۔ ساتھ ہی وہ رحیم بھی ہے اور اپنی اس رحمت ہی کے لیے اس نے یہ کتاب اتاری ہے تو جو اللہ کے بندے اس قرآن کی قدر کریں گے ان کو وہ اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے گا۔

لَنُنْذِرَ قَوْمًا مَّا أُنْذِرَ آيَاتُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ (۶)

یہ قرآن کے اتارنے کا مقصد بیان ہوا ہے کہ اللہ نے اس کو اس اہتمام سے اس لیے اتارا ہے کہ جن کے اندر تم سے پہلے کسی رسول کی بعثت نہیں ہوئی تھی اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے تھے ان کو تم زندگی کے انجام سے اچھی طرح آگاہ کر دو۔ یہ اشارہ بنی اسماعیل کی طرف ہے اور یہ اس عظیم احسان کا بیان ہے جو حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی پیشین گوئیوں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ایہوں پر کیا۔ اس میں ان کے لیے ترغیب کے ساتھ یہ ترہیب بھی ہے کہ اگر انہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی تو اپنے لیے سب سے بڑی سعادت کی جگہ سب سے بڑی شقاوت کا سامان کریں گے۔ یہی مضمون دوسرے مقامات میں اس طرح بیان ہوا ہے۔ لَنُنْذِرَ قَوْمًا مَّا أَشْهَرُ مِنْ نَّذِيرِهِمْ قَبْلِكَ وَالْقَوْمُ (۷) (تاکہ تم ان لوگوں کو آگاہ کر دو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی نذیر نہیں آیا)۔



لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (۷)

سرکشوں سے 'قول' سے اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف ہے جو اس نے ابلیس کے جواب میں اس وقت فرمایا تھا جب اس نے یہ دھمکی دی تھی کہ میں ذریتِ آدم کی اکثریت کو گمراہ کر کے پھوڑوں گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لَا مَلَكَتْ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (۷) میں ایسے تمام جنوں اور انسانوں سے جو تیری پیروی کریں گے دوزخ کو بھردوں گا) اسی قول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ تمہارا فرض انذار کرنا ہے وہ کرتے رہو لیکن یہ توقع نہ رکھو کہ ان میں سے ہر شخص تمہاری دعوت قبول کرے گا بلکہ ان میں بہتیرے ایسے ہیں جن پر ہماری بات صادق آچکی کہ وہ ابلیس کی پیروی کے جرم میں جہنم کے ایندھن بنیں گے۔ اس طرح کے لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کے درپے اور ان کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَا فِي آخِرِهِمْ أَغْلًا فَمَهِيَ إِلَىٰ الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُونَ (۸)

مکبرین کے یہ ان ایمان نہ لانے والوں کے استکبار کی تصویر ہے کہ گویا ان کی گردنوں میں ایسے طوق پڑے ہوئے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچتے ہیں جس کے سبب سے ان کے سر اس طرح اٹھے ہوئے رہ گئے ہیں کہ نہ دھنیچے کی طرف جھک سکتے ہیں اور نہ اوپر ہی کی طرف اٹھ سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ وہ زمین کی نشانیاں دیکھ سکتے اور نہ آسمان کے عجائب ہی پر نگاہ ڈال سکتے۔ ان کی اس حالت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو ایسا بنا دیا ہے۔ اس کی وجہ جیسا کہ ہم جگہ جگہ اشارہ کرتے آ رہے ہیں، یہ ہے کہ کسی فرد یا گروہ کی یہ حالت اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق ہوتی ہے۔ جو لوگ حق سے انحراف و اعراض کی یہ روش دیدہ و دانستہ اختیار کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے آنکھیں بند کر کے زندگی گزارتے ہیں ان کے اوپر اللہ ان کی خواہشیں اور ان کے اعمال اسی طرح منظر کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر کوئی تعلیم و تذکیر ان پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اسی حقیقت کی طرف کَلَّا بَلْ رَأَتْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَّكَانًا يُرَىٰ (المطففين: ۱۴) میں اشارہ فرمایا ہے۔

'متمنع' اصل میں اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کا سر پیچھے کی جانب اس طرح باندھ دیا گیا ہو کہ اس کی گردن ایک خاص حد سے نہ نیچے ہو سکے نہ اوپر۔ بالکل یہی حال اس شخص کا ہوتا ہے جس کے گلے میں آہنی طوق ڈال دیا جائے۔ وہ بھی اپنا سر نہ نیچے کر سکتا ہے نہ اوپر بلکہ ایک خاص زاویہ پر اس کی گردن تنی رہتی ہے۔ یہ جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، مستکبرین کی تصویر ہے۔ اس طرح کے لوگ اپنے اوپر نیچے اور دھننے بائیں کی تمام نشانیوں سے بے خبر ہی رہتے ہیں۔ ان کو اپنی انا کے سوا اور کسی چیز کی طرف کبھی توجہ نہیں ہوتی۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ (۹)

یہ اوپر والے مضمون ہی کی وضاحت ہے کہ اس طرح ہم نے ان کے آگے اور پیچھے دونوں طرف سے اوٹ کھڑی کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے جس کے سبب سے انہیں کچھ سمجھائی نہیں



وہ رہا ہے۔ ان کی اسی حالت پر سورہ سبائیں اظہارِ تعجب فرمایا ہے: **فَاَخْلَدَ يَرَوْنَهُ مِمَّا بَيْنَ**  
**اَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۚ وَالْاُذُنُ غَرِبَتْ** (۹) دیکھا ان لوگوں نے ان کے آگے اور پیچھے جو  
 آسمان وزمین ہیں ان پر نگاہ نہیں ڈالی؟ اس طرح کے مشکبین کے متعلق یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ یہ  
 اپنی پچھلی روایات اور اپنے مستقبل کے مطالع کے غلام ہوتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں ان کی راہ میں اس طرح  
 روک بن جاتی ہیں کہ ان سے ہٹ کر وہ کوئی چیز دیکھنے کے قابل رہ ہی نہیں جاتے۔

وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَاذَنُوكَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۱۰)

ظاہر ہے کہ اس طرح کے لوگ ایک سخت قسم کی عقلی و اخلاقی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں اس وجہ  
 سے ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا اصل مقصد کے لحاظ سے بالکل بے سود ہوتا ہے۔ یہ لوگ ایمان لانے والے  
 نہیں بنتے۔ ان کو اگر انداز کیا جاتا ہے تو محض اتمامِ حجت کے لیے کہ قیامت کے دن یہ کوئی عذر نہ پیش  
 کر سکیں۔ سورہ بقرہ کے شروع میں ختمِ قلوب پر جو بحث گزر چکی ہے اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنََ الْغَيْبِ ۖ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيمٍ (۱۱)

یعنی تمہاری تعلیم و تذکیر تو بس انہی کے اوپر کارگر ہو سکتی ہے جو تمہاری نصیحت سنیں، اس پر غور کریں  
 اور اپنے دلوں کے دروازے اس کے لیے کھولیں نیز یہ کہ وہ اپنی عقل سے کام لیں، نئے محرمات کے  
 غلام بن کے زندگی نہ گزاریں کہ جب تک ان کو عذاب نہ دکھا دیا جائے اس وقت تک کوئی بات ماننے ہی  
 کے لیے تیار نہ ہوں۔ ایمان معتبر وہ ہے جو سمع و بصر اور عقل و دل کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا کر لایا جاتا ہے  
 نہ کہ حقائق کو آنکھوں سے دیکھ کر۔ فرمایا کہ جو لوگ سب کچھ آنکھوں سے دیکھ کر ایمان لانا چاہتے ہیں ان کا  
 معاملہ اللہ کے حوالے کر دو۔ البتہ ان لوگوں کو مغفرت اور اجرِ کریم کی بشارت دو جو غیب میں رہتے خدا سے  
 رحمان سے ڈرتے ہیں۔

یہ حقیقت ہم جگہ جگہ واضح کر چکے ہیں کہ خدا سے خشیت درحقیقت اس کی رحمانیت کا تقاضا ہے۔ وہ  
 رحمان ہے اس وجہ سے لازم ہے کہ وہ نیکیوں کو ان کی نیکی کا صلہ اور بدوں کو ان کی بدی کی سزا دے۔ اسی رحمانیت  
 کے ظہور کے لیے اس نے جزا اور سزا کا دن مقرر کیا ہے جس میں اس کی کامل رحمت اور اس کے کامل عدل  
 کا ظہور ہوگا۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰی وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَآثَرَهُمْ ۚ وَكُلُّ شَيْءٍ ؕ اَحْصِيْنٰهُ

ۛ مَا يَرٰ مُبِيْنٌ (۱۲)

یہ اسکا روزِ جزا کی یاد دہانی ہے جو اس کی رحمانیت کا لازمی تقاضا ہے۔ فرمایا کہ ایک دن آئے گا کہ  
 ہم تمام مُردوں کو زندہ کریں گے اور اس دنیا میں انہوں نے آگے کے لیے جو کچھ کیا اور پیچھے کے لیے جو کچھ چھوڑا  
 ہے، ہم اس سارے کو قلم بند کر رہے ہیں۔ مقصود اس سے اس کے لازم کو واضح کرنا ہے کہ جب ہم سب کو

خدا سے خشیت اس کی  
 رحمانیت کا تقاضا ہے

روزِ جزا کی

یاد دہانی



زندہ بھی کریں گے اور ہر ایک کے اعمال نوٹ بھی کر رہے ہیں تو لازماً ہر ایک کے ساتھ اس کے اعمال کے مطابق معاملہ بھی کریں گے۔ اس لازمی نتیجہ کی یہاں وضاحت نہیں کی۔ اس کی وجہ اول تو یہ ہے کہ یہ بغیر ذکر کے بھی واضح ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت کے باب میں منکرین کا اصلی شبہ صرف دو پہلوؤں سے تھا۔ ایک اس پہلو سے کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیسے جانے کو مستبعد سمجھتے تھے۔ دوسرا اس پہلو سے کہ اتنی وسیع دنیا کے تمام اعمال و اقوال کون محفوظ رکھ سکتا ہے کہ وہ ایک دن اس سب کا حساب کرنے بیٹھے؟ یہ دونوں شبہات یہاں صاف کر دیے جس کے بعد اس کا لازمی نتیجہ خود بخود سامنے آ گیا۔

‘مَا قَدَّ هُوَا وَاثَارُهُمْ’ میں وہی مضمون بیان ہوا ہے جو دوسرے مقام میں ‘يُنَبِّئُ الْإِنْسَانَ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ’ کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ اس دنیا میں انسان بہت سے کام اپنے تصور کے مطابق، آخرت کے لیے کرتا ہے اور بہت سے کام اپنی اس دنیا کی زندگی یا اپنے بعد والوں کے لیے کرتا ہے۔ فرمایا کہ ہم اس کے ان دونوں ہی طرح کے کاموں کو نوٹ کر رہے ہیں۔

‘وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ’۔ ‘إِمَام’ کے اصلی معنی رہنما، ہادی، لیڈر اور مرجع کے ہیں۔ یہیں سے یہ لفظ اس کتاب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو سب کے لیے رہنما اور مرکز مرجع کی حیثیت رکھتی ہو۔ چنانچہ ہر آیت ۱۱ اور احقاف آیت ۱۲ میں یہ لفظ تورات کے لیے آیا ہے۔ یہاں یہ اس مرکز کی کتاب کے لیے استعمال ہوا ہے جس میں ہر شخص کے اعمال درج ہوں گے اور جس کے مطابق ہر شخص جزایا سزا پائے گا۔ یہ اوپر والے ٹکڑے کی مزید وضاحت ہے کہ کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ لوگوں کے اعمال و اقوال کی تحریر میں ہم نے کسی غفلت و بے پروائی سے کام لیا ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ ہر چیز ایک نہایت واضح دفتر میں ہم نے درج کر رکھی ہے جو سب کے سامنے اس کا سارا کچا چٹھا پیش کر دے گا۔

‘ایم مبین’

سے مراد

## ۲۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۱۳-۲۲

آگے قریش کے سامنے رسولوں کی تکذیب کا انجام واضح کرنے کے لیے ایک بستی کی مثال پیش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بستی والوں کے انداز کے لیے اپنے دو رسول بھیجے لیکن انھوں نے ان کی تکذیب کر دی۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے ایک تیسرے مقرر سے اپنے رسولوں کو کمک پہنچائی لیکن بستی والوں نے اس کی بھی کوئی پروا نہ کی۔ ان کی تنبیہ کے لیے جو نشانیاں ظاہر ہوئیں ان کو انھوں نے رسولوں کی نحوست پر محمول کیا اور ان کو شگسار کر دینے کی دھمکی دی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک فیصلہ کن عذاب بھیج کر ان کو بالکل پامال کر دیا۔

ایک بستی

کا مثل



قرآن نے اس بستی کا نام نہیں لیا ہے اس وجہ سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے کون سی بستی مراد ہے؟ مفسرین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس سے مراد انطاکیہ ہے اور یہاں جن رسولوں کا ذکر ہے وہ اللہ کے رسول نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے سفیر تھے جن کو حضرت نے اپنے شاگردوں میں سے انتخاب کر کے انطاکیہ والوں کے انداز کے لیے بھیجا تھا۔ میرے سامنے بروقت جو تفسیریں ہیں ان سب میں یہی روایت نقل ہوئی ہے۔ ابن کثیرؒ نے اس پر متعدد شبہات وارد کر کے اگرچہ اس کو مجروح کر دیا ہے لیکن اس کے سوا کوئی اور قول چوکراں کو نہیں ملا اس وجہ سے انھوں نے بھی اختیار اسی کو کیا ہے۔ میرے نزدیک یہ قول متعدد وجوہ سے بے بنیاد ہے۔

۱۔ اس کے بے بنیاد ہونے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ یہاں ان رسولوں کا جس طرح ذکر ہوا ہے اور انھوں نے اپنے آپ کو جس حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے اس سے صاف واضح ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے رسول نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول تھے اور اسی حیثیت سے انھوں نے اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ مثلاً فرمایا ہے: **وَإِذَا رَسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَلَا يَكُونُ فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَكَانُوا إِلَيْنَا مُخْلِطِينَ** (یاد کرو جب کہ ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے تو انھوں نے ان کو جھٹلادیا تو ہم نے ایک تیسرے سے ان کو قوت پہنچائی تو انھوں نے لوگوں کے سامنے اعلان کیا کہ ہم تمہاری طرف رسول ہو کر آئے ہیں) آگے اسی سلسلہ میں یہ بھی آتا ہے کہ جب لوگوں نے اس بنا پر ان کو جھٹلایا کہ وہ انہی کی طرح بشر ہیں تو انھوں نے قید قسم کے ساتھ کہا کہ **رَبَّنَا يَعْدُو لَنَا إِلَيْنَا نَكْفُوهُمْ** (ہمارا رب گواہ ہے کہ ہم تمہاری طرف رسول ہو کر آئے ہیں) اگر یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے سفیر تھے تو ان کے بھیجے کو اللہ تعالیٰ نے اس صراحت و تاکید کے ساتھ اپنی طرف کیوں منسوب فرمایا؟ اور اگر انھوں نے اپنے آپ کو اللہ کے رسول کے بجائے حضرت عیسیٰ کے سفیر کی حیثیت سے لوگوں کو دعوت دی ہوتی تو لوگ ان کی بشریت کی بنا پر ان کی تکذیب کیوں کرتے؟ رسولوں کے مکذبین نے ان کی بشریت کو تکذیب کا بہانہ تو اس بنیاد پر بنا لیا کہ وہ خدا کے رسول ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اس پر لوگ یہ اعتراض اٹھاتے تھے کہ اگر خدا کو کوئی رسول بھیجنا ہوتا تو کیا وہ ہمارے ہی جیسے انسانوں کو رسول بناتا، آخر اس نے اپنے فرشتوں یا کسی اور برتر مخلوق کو اس منصب کے لیے کیوں نہیں انتخاب کیا؟

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں پیش آیا اور اس کا نتیجہ اہل انطاکیہ کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہوا تو یہ اتنا بڑا واقعہ تھا کہ انجیلوں اور بائبل ہسٹری میں اس کا ذکر ضرور ہوتا لیکن نہ تو انجیلوں میں اس کا کوئی ذکر ہے اور نہ تاریخوں ہی میں اس کی طرف کوئی اشارہ ہے بلکہ تاریخوں میں اس کے برعکس یہ اشارہ ملتا ہے کہ اہل انطاکیہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان



لانے میں سبقت کی۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ یہاں اس واقعہ کا ذکر قریش کے سامنے ایک معروف واقعہ کی حیثیت سے ہوا ہے۔ چنانچہ یہاں قریش پر الف لام عہد کا داخل ہے۔ اصحاب قریش نہیں کہا ہے بلکہ اصحاب القریش فرمایا ہے۔ اور موقع و محل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یہاں کسی معروف واقعہ کا ذکر کیا جائے اس لیے کہ اس سے مقصود قریش کو انداز و تحریف ہے اور یہ مقصد صرف ایک مشہور واقعہ ہی سے حاصل ہو سکتا تھا نہ کہ ایک ایسے واقعہ سے جس سے وہ بالکل بے خبر ہوں۔

۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے رسول تھے اس وجہ سے غیر قوموں کو نہ تو انھوں نے خود دعوت دی اور نہ ان کی طرف اپنے شاگردوں ہی کو بھیجا بلکہ انھوں نے غیر قوموں کے پاس جانے سے اپنے شاگردوں کو روکا۔ ان کا ارشاد ہے کہ میں صرف اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیدوں ہی کی تلاش کے لیے آیا ہوں۔ غیر قوموں کے بارے میں ان کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ میرے پاس جو روٹی ہے وہ صرف بچوں ہی کے لیے ہے، کتوں کے آگے اس کو ڈالنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس وجہ سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انطاکیہ میں انھوں نے اپنے شاگردوں کو کن کے پاس بھیجا؟ غیر قوموں کے پاس تو ظاہر ہے کہ وہ بھیج نہیں سکتے تھے۔ رہے بنی اسرائیل تو بشریت کی بنیاد پر تو انھوں نے حضرت عیسیٰ کی بھی تکذیب نہیں کی تو اس بنیاد پر وہ ان کے شاگردوں کی تکذیب کیوں کرتے؟ وہ جن نبیوں کے معتقد تھے ان کو وہ بشر مانتے تھے اس وجہ سے وہ یہ اعتراض نہیں اٹھا سکتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے خلاف ہر قسم کے فتنے اٹھائے لیکن یہ اعتراض نہیں اٹھایا کہ آپ بشر ہیں بلکہ قریش نے جب یہ اعتراض اٹھایا تو قرآن نے بنی اسرائیل ہی کو گواہ کی حیثیت سے پیش کیا کہ ان سے پوچھ لو کہ ہم نے جتنے نبی یا رسول بھیجے سب بشر ہی تھے۔

۵۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ آگے مذکور ہے کہ ان رسولوں کی تکذیب کے نتیجہ میں ان کے اوپر ایسا فیصلہ کن عذاب آیا کہ وہ بالکل پامال ہو کے رہ گئے۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَصْبَحَةُ رَاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خُمُودٌ (۲۹) (بس ہماری ایک ڈانٹ ہی تھی کہ وہ چشم زدن میں پامال ہو کے رہ گئے) اس قسم کے فیصلہ کن عذاب سے متعلق ہم سنت الہی کی وضاحت کر چکے ہیں کہ یہ صرف رسولوں کی تکذیب کے نتیجہ میں، کامل اتمام حجت کے بعد ہی، آیا ہے۔ یہود کے متعلق یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کے نتیجہ میں ان پر اس طرح کا کوئی عذاب نہیں آیا جس طرح کا عذاب سابق رسولوں کے مکذبین پر آیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس جرم میں ان پر قیامت تک کے لیے لعنت کر دی۔ لعنت کا عذاب تمام عذابوں سے زیادہ سخت ہے جس کے سبب سے وہ دنیا میں بھی ہمیشہ ذلیل و پامال رہیں گے اور آخرت میں بھی ان کے لیے ذلت و رسوائی ہے۔ اس کی وضاحت سورہ اعراف اور سورہ بنی اسرائیل کی تفسیر میں ہم کر



پکچہ ہیں۔

اس قول کے ضعف کے یہ وجوہ بالکل واضح ہیں۔ ان کے علاوہ بعض اور وجوہ بھی ہیں جو آگے آیات کی تفسیر کے ذیل میں سامنے آئیں گے۔ یہاں سے نزدیک اس قریہ سے اشارہ مصر کی طرف ہے جہاں حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام اور میرے مردِ حق کی تکذیب کے نتیجہ میں فرعون اور اس کی قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا۔ اس کے قرائن و دلائل کی تفصیل آیات کی تفسیر کے ذیل میں آئے گی۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

نہایت ۲ آیات ۱۳-۳۲

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ ۖ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ۚ  
 إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ  
 فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُم مُّرْسَلُونَ ۚ ۱۳ قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ  
 مِّثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ مِنْ شَيْءٍ ؕ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ ۚ ۱۴  
 قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُم لَمُرْسَلُونَ ۚ ۱۵ وَمَا عَلَيْنَا الْبَلَّغُ  
 الْمُبِينُ ۚ ۱۶ قَالُوا إِنَّا نَطَّيَّرُ بِكُمْ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهُوا لَنَرْجِمَنَّكُمْ  
 وَلَنَكْسَنَنَّكُمْ مِمَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ ۱۷ قَالُوا طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ ؕ إِنْ  
 ذُكِّرْتُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ۚ ۱۸ وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ  
 رَجُلٌ يَسْعَى قَالَ يَاقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ۚ ۱۹ اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْئَلُكُمْ  
 أَجْرًا وَهُمْ مُّهْتَدُونَ ۚ ۲۰ وَمَالِيَ لَا أَعْبُدُ الذِّكْرَ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ  
 تُرْجَعُونَ ۚ ۲۱ ؕ أَتَتَّخِذُونَ دُونَهُ إِلَهَةً إِنْ يُرِيدِ الرَّحْمَنُ  
 بِضُرٍّ لَا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُونِ ۚ ۲۲ إِنْ أَرَادْتُ  
 ضَلُّ مَبِينٍ ۚ ۲۳ إِنْ أَرَادْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونَ ۚ ۲۴ قِيلَ ادْخُلِ  
 الْجَنَّةَ ۚ قَالَ يَلَيْتُ قُوْمِي يَعْلَمُونَ ۚ ۲۵ يَمَّا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي



مِنَ الْمُكَرَّمِينَ ۝ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ  
مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ۝ إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً  
فَإِذَا هُمْ خِمْدُونَ ۝ يَحْسِرَةُ عَلَى الْعِبَادِ ۝ مَا يَأْتِيهِمْ مِّن رَّسُولٍ  
إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ أَلَمْ يَرَوْا كَمَا أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ  
الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ وَإِنْ كُلُّ لَمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا  
مُحْضَرُونَ ۝

تفسیر

ع ۲۰

نزد آیت  
۱۳-۲۲

اور ان کو بستی والوں کی مثال بناؤ، جب کہ ان کے پاس فرستائے آئے جب کہ  
ہم نے ان کے پاس دو رسول بھیجے تو لوگوں نے ان کی تکذیب کر دی تو ہم نے ایک تیسرے  
سے ان کی تائید کی تو انھوں نے لوگوں سے کہا کہ ہم تمہارے پاس بھیجے ہوئے آئے ہیں۔  
لوگوں نے جواب دیا کہ تم تو بس ہمارے ہی جیسے بشر ہو! اور خدا نے رحمان نے کوئی چیز  
بھی نازل نہیں کی ہے، تم لوگ بالکل جھوٹ دعویٰ کرتے ہو۔ ۱۳-۱۵

انھوں نے کہا کہ ہمارا رب گواہ ہے کہ ہم تمہاری طرف رسول ہو کر آئے ہیں۔ اور ہماری  
ذمہ داری بس واضح طور پر پہنچا دینے کی ہے۔ لوگوں نے کہا، ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں، اگر  
تم لوگ باز نہ رہے تو ہم تم کو سنگسار کر چھوڑیں گے اور تم کو ہمارے ہاتھوں بڑا دکھ پہنچے گا۔  
رسولوں نے جواب دیا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے۔ کیا اس چیز کو تم نے نحوست سمجھا  
کہ تمہیں یاد دہانی کی گئی! بلکہ تم خود حدود سے گزر جانے والے لوگ ہو۔ ۱۶-۱۹

اور شہر کے پرے پرے سے ایک شخص بھاگا ہوا آیا۔ اس نے کہا، اے میری قوم  
کے لوگو، رسول کی پیروی کرو۔ ان لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتے اور وہ



راہِ راست پر بھی ہیں۔ اور میں کیوں نہ بندگی کروں اس ذات کی جس نے مجھ کو پیدا کیا اور اسی کی طرف تم سب لوٹاؤ گے! کیا میں اس کے سوا دوسروں کو معبود بناؤں! اگر خدائے رحمان مجھے کوئی تکلیف پہنچانی چاہے تو نہ ان کی سفارش میرے کچھ کام آئے گی اور نہ وہ مجھے پھڑاسکیں گے۔ بے شک میں اس وقت ایک کھلی ہوئی گمراہی میں ہوں گا۔ میں تمہارے رب پر ایمان لایا تو میری بات سنو۔ ارشاد ہوا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ اس نے کہا کاش! میری قوم جانتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت پانے والوں میں سے بنایا! ۲۰-۲۷

اور اس کے بعد اس کی قوم پر ہم نے آسمان سے کوئی فوج نہیں اتاری اور نہ ہم اُتارنے والے ہی تھے۔ بس ایک ڈانٹ تھی کہ دفعۃً وہ پامال ہو کے رہ گئے۔ افسوس ہے بندوں کے حال پر! جو رسول بھی ان کے پاس آئے وہ ان کا مذاق ہی اڑاتے رہے۔ کیا انھوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ کتنی قومیں ان سے پہلے ہوئی ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا، اب وہ ان کے پاس واپس آنے والی نہیں۔ بے شک وہ سب ہمارے ہی حضور میں حاضر کیے جائیں گے۔ ۲۸-۳۲

### ۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَأَضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا مِّنَ الْقَرْيَةِ مَرَّادُ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ (۱۳)

”لَهُمْ“ میں غمیر کا مرجع قریش ہیں اور ”مِّنَ الْقَرْيَةِ“ میں ”قَدِیَّة“ پر الف لام اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ بستی مخاطب کے لیے ایک معبود و معلوم بستی تھی۔ آگے کے اشارات دلیل ہیں کہ اس سے مراد مصر ہے جس کی سرگزشت، مختلف اسلوبوں سے، قرآن میں، قریش کی عبرت پذیری کے لیے بیان ہوئی ہے اور جس کے حالات سے وہ واقف تھے ”جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ“ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے



کہ یہاں مقصود مخاطب کو اس وقت کے حالات کی طرف توجہ دلانا ہے جب ان کی طرف رسولوں کی بشت ہوئی ہے۔ فرمایا کہ ان لوگوں کو اس بستی کی سرگزشت کی طرف توجہ دلاؤ کہ جو انجام اس بستی والوں کا ہوا وہی حال ان کا بھی ہوگا اگر انھوں نے انہی کی روش اختیار کی۔

ایک تیسرے

بندے سے

رسولوں کی تائید

اور مانو۔

تیسرے سے

کون مراد ہے؟

مثلاً یہاں ان کا تعارف اس طرح کرایا ہے: "وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى" (اور شہر کے دور کے حصہ سے ایک شخص بھاگا ہوا آیا) بعینہ انہی الفاظ میں ان کا تعارف سورہ قصص آیت ۲۰ میں ہوا ہے: "وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَى" (اور ایک شخص شہر کے دورے سے بھاگا ہوا آیا)۔



ہوا آیا اور اس نے بتایا کہ اے موسیٰ! اعیان حکومت تمہارے قتل کے مشورے کر رہے ہیں تو تم یہاں سے نکل جاؤ، میرا تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ یہ اس موقع کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک مصری کے قتل کا واقعہ صادر ہو گیا تھا اور فرعون کے آدمی ان کے قتل کے مشورے کر رہے تھے۔ اس وقت اسی مرد حق نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دشمنوں کی سازش سے آگاہ کیا اور ان کو کہیں نکل جانے کا مشورہ دیا۔ جس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کو ہجرت فرمائی۔ انکی جس تائید و حمایت کا یہاں حوالہ ہے اس کی ایک مثال تو یہیں آگے آرہی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن نے ان کے متعدد کارناموں کا حوالہ دیا ہے۔ سورہ مومن کی آیت ۲۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرعون کے خاص شاہی خاندان کے ایک فرد تھے لیکن نہایت حق پرست تھے۔ ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کی بعثت سے پہلے بھی نہایت ہمدردی تھی چنانچہ اوپر سورہ قصص کا جو حوالہ نقل ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انھیں پتہ چلا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جان کو خطرہ ہے تو وہ چین سے بیٹھے نہیں رہے۔ بلکہ دور سے بھاگے ہوئے حضرت موسیٰ کے پاس پہنچے اور ان کو خطرے سے آگاہ کیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعوائے نبوت کے بعد جب فرعون اور اس کے اعیان نے حضرت موسیٰ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تو اس مرد حق نے بھرے دربار میں جو تقریر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تائید میں کی وہ قرآن نے سورہ مومن میں نقل کی ہے۔ ہم یہ تقریر اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ اس کو پڑھیے تو کچھ اندازہ ہوگا کہ ان کا مرتبہ و مقام کیا تھا اور ان کی اس تائید و حمایت (تعزیز) کی نوعیت کیا تھی جس کا قرآن نے یہاں حوالہ دیا ہے۔ سورہ مومن کی آیات ۲۶-۴۵ سامنے رکھ لیجیے۔

”فرعون نے درباریوں سے کہا کہ تم لوگ مجھے موسیٰ کو قتل کر لینے دو، اگر وہ سچا ہے تو اپنی مدد کے لیے اپنے رب کو بلائے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تمہارا دین بدل دے گا یا ملک میں فساد برپا کر کے رہے گا۔ موسیٰ نے کہا میں بے شک سے، جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا، اپنے اور تمہارے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔“

اور ایک مرد مومن، جو فرعون کے خاندان میں سے تھا اور اب تک اپنے ایمان کو چھپاتے ہوئے تھا، بولا کہ کیا تم لوگ ایک شخص کو محض اس گناہ میں قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے درآنحالیکہ وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے نہایت واضح نشانیاں لے کر آیا ہے! اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے تو اس کا وبال اسی پر آئے گا اور اگر وہ سچا ہے تو یاد رکھو کہ جس چیز سے وہ تم کو ڈرا رہا ہے اس کا کوئی حصہ تم کو پہنچ کے رہے گا۔ اللہ کبھی حد سے تجاوز کرنے والے اور جھوٹے کو بامراد نہیں کرتا۔ اے میری قوم کے لوگو! آج تم کو اس ملک میں اقتدار حاصل ہے لیکن کل اگر خدا کا عذاب ہم پر آدھکا تو خدا کے تہرے ہم کو کون بچائے گا!



فرعون نے کہا، میں تمہیں وہی راستے دے رہا ہوں جو میری سوچی سمجھی ہوئی راستے ہے اور بارگھو کہ میں بالکل ٹھیک راہ کی طرف تمہاری رہنمائی کر رہا ہوں۔

مرد مومن نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! میں تم پر اسی طرح کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں جس طرح کا عذاب پچھلی قوموں — نوح، عاد، ثمود کی قوموں اور ان کے بعد والوں — پر آیا۔ اللہ بندوں کے لیے ظلم کو پسند نہیں کرتا۔

اے میری قوم کے لوگو، میں تم پر ایک بڑی پھل کے دن کا اندیشہ رکھتا ہوں جس دن تم پیٹھ پیچھے بھاگو گے۔ اور کوئی تم کو خدا کے غضب سے بچانے والا نہیں ہوگا۔ یاد رکھو کہ جس کو خدا گمراہ کر دے اس کو کوئی دوسرا راہ دکھانے والا نہیں بن سکتا۔ اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف کھلی نشانیوں کے ساتھ آئے لیکن تم ان کی دعوت کی طرف سے برابر شک ہی میں رہے۔ یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہو گئی تو تم یہ سمجھ بیٹھے کہ اللہ اب کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔ اللہ مدد سے تجاؤز کرنے والوں اور شک کیوں کو اسی طرح گمراہی میں ڈال دیتا ہے۔ یعنی ان لوگوں کو جو بغیر کسی دلیل کے اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑتے ہیں، ایسے لوگ اللہ اور اہل ایمان کے نزدیک زیادہ مبغض ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر شکرت و جفا کے دل پر نہر کر دیا کرتا ہے۔

فرعون نے ہامان کو مخاطب کر کے کہا، اے ہامان! میرے لیے ایک محل بنواؤ تاکہ میں آسمانوں کے اطراف میں جہان تک کر دیکھوں کہ موسیٰ کا رب کہاں ہے! میں تو اس کو بالکل جھوٹا سمجھتا ہوں.....

مرد مومن نے کہا، اے میری قوم کے لوگو، میری پیروی کرو، میں تمہیں سیدھی راہ دکھا رہا ہوں۔ اے میری قوم کے لوگو! یہ دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے، اصلی ٹھکانا تو آخرت ہے۔ جو کسی برائی کا ارتکاب کرے گا تو وہ اسی کے مطابق بدلہ پائے گا۔ اور جو نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، تو یہی لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر بے حساب نفل ہوگا۔

اے میری قوم کے لوگو! کیا بات ہے کہ میں تو تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو! تم مجھے دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور ایسی چیزوں کو اس کا شریک ٹھہراؤں جن کے باب میں مجھے کوئی علم نہیں اور میں تمہیں خدا سے عزیز و غفار کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔ اس میں ذرا شبہ نہیں کہ تم جن کی طرف مجھے دعوت دے رہے ہو ان کی دہائی نہ دنیا میں کچھ نافع نہ آخرت میں۔ ہمارا وطن اللہ کی طرف ہوگا اور مدد سے تجاؤز کرنے والے جہنم کے ایندھن بنیں گے۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کو بہت جلد تم یاد کر دو گے۔ میں اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔



بے شک اشراف اپنے بندوں کا نگرانِ حال ہے۔ تو اللہ نے اس کو لوگوں کی بری سادشوں سے محفوظ رکھا اور آلِ فرعون کو بڑے عذاب سے گھیر لیا۔

تین کا تیسرا

اس مرد بزرگ کی یہ پوری تقریر پڑھیے۔ یہ تقریر انھوں نے مصر کے دارالامراء (House of Lords) میں اعیانِ حکومت کے سامنے اس وقت کی ہے جب فرعون نے حضرت موسیٰ کے قتل کی تجویز پیش کی ہے اور اعیانِ حکومت کو اپنی تجویز سے متفق کرنا چاہا ہے۔ اس وقت تک انھوں نے اپنا ایمان پوشیدہ رکھا تھا لیکن جب یہ فیصلہ کن وقت آگیا تو انھوں نے پردہ اٹھا دیا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تائید اور حق کی حمایت میں، فرعون اور قوم کے تمام اعیان و اکابر کے سامنے، انھوں نے جو کچھ کہا ہے، جن دلائل کے ساتھ کہا ہے اور جس جرأت و بے خوفی کے ساتھ کہا ہے، اس کی مثال انبیاء اور صدیقین کی تاریخ کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتی۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھیے کہ یہ کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ خاندانِ شاہی کے ایک رکن رکین تھے اس وجہ سے ان کی اس نصیحت کو اعیانِ حکومت کسی اسرائیلِ عصییت پر محمول نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون پر تو انھوں نے یہ الزام لگایا کہ یہ اسرائیلیوں کو بغاوت پر ابھارنا چاہتے ہیں لیکن یہ صلیبی حق جو انہی کے اندر کے ایک مرد بزرگ کی طرف سے اٹھی، اس کے خلاف وہ اپنے عوام کے اندر کیا بدگمانی پھیلا سکتے تھے! — اس مردِ جلیل کا یہی وہ شاندار اور زندہ جاوید کارنامہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے "فَعَزَّزْنَا بِنَايِثٍ" کے الفاظ سے ذکر فرمایا۔ یہ اس معنی میں تو رسول نہیں تھے جس معنی میں حضرت موسیٰ و حضرت ہارون رسول تھے لیکن ان کے سب سے زیادہ طاقتور، سب سے زیادہ جانثار اور سب سے بڑے وفادار و راستبار ساتھی ضرور تھے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو تین کے تیسرے کا درجہ دیا۔

قَالُوا إِنَّا إِلَهُكُم مُّسَدُّونَ، یہ جمع کے صیغہ سے ان سب کا یہ کہنا کہ "إِنَّا إِلَهُكُم مُّسَدُّونَ" اس امر کو تسلیم نہیں ہے کہ یہ تینوں حضرات ایک ہی درجہ کے رسول تھے بلکہ یہ بات علیٰ سبیلِ التغلیب ارشاد ہوئی ہے۔ ایک سفارت کے تمام ارکان ایک ہی درجہ و منصب کے نہیں ہوتے لیکن اصل ذمہ داری میں چونکہ سب شریک ہوتے ہیں اس وجہ سے ان کو اس طرح اپنے کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے کا حق ہوتا ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اصل رسول کی حیثیت تو صرف حضرت موسیٰ کو حاصل تھی۔ حضرت ہارون بھی اصل رسول نہیں بلکہ حضرت موسیٰ کے وزیر تھے۔ اسی طرح اس مردِ ثالث کی حیثیت رسول کی نہیں بلکہ ان رسولوں کے سب سے بڑے جانثار و بددگار کی تھی لیکن انھوں نے حضرت موسیٰ کی دعوت کی پوری ذمہ داری اپنے اوپر لے لی تھی اور اپنی قوم کو غلط کاربندوں کی پیروی سے روک کر حضرت موسیٰ و حضرت ہارون اور اپنی پیروی کی دعوت دے رہے تھے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی زمرے میں شمار فرمایا۔

قَالُوا مَا آتَيْنَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلًا وَمَا أَنزَلْنَا الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْتُمْ لَا



تَكْذِبُونَ (۵)

یہ وہی اعتراض ہے جو ہر رسول کے مکذبین نے اپنے اپنے رسولوں کے خلاف اٹھایا ہے کہ تم تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو تو تم خدا کے رسول کیسے ہوئے! اگر خدا کو کوئی رسول بھیجنا ہوتا تو کسی بزرگ معنوی کو رسول بناتا نہ کہ ہمارے ہی جیسے انسانوں کو۔ یہ اعتراض قرآن میں رسولوں کے مکذبین کی زبان سے بار بار نقل ہوا ہے۔ فرعون اور اس کے اعیان کو بھی حضرت موسیٰ پر یہ اعتراض تھا اور یہی 'اعتراض قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی اٹھایا تھا۔

فرعونوں کا

پال اعتراض

'وَمَا آتٰنَاكَ الرَّحْمٰنُ الْاٰیٰةَ' یعنی تمہارا یہ ذنوی کہ خدا نے تم پر کوئی کتاب یا وحی نازل کی ہے، بالکل جھوٹ ہے۔ خدا نے کوئی چیز بھی نازل نہیں کی ہے۔

قَالُوْا اَنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّا اِلٰهٌ كُفْرًا مَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (۱۶-۱۷)

'اَنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ' قسم کے مفہوم میں آتا ہے۔ اس کی وضاحت ہم دوسرے مقام میں کر چکے ہیں۔ ان کی تکذیب کے جواب میں انھوں نے قسم کے ساتھ فرمایا کہ ہم تمہارے پاس خدا کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ جس طرح آیت ۴ میں 'مُؤْمِنُوْنَ' علی سبیل التغلیب آیا ہے اسی اسلوب پر یہاں بھی جمع آیا ہے۔ 'وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ' یہ ان کی طرف سے لوگوں کو تنبیہ ہے کہ اگر تم ہم کو جھٹلاتے ہو تو جھٹلاؤ۔ ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ذمہ داری ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہم تم کو خدا کی بات نہایت واضح طور پر پہنچادیں۔ تمہارے دلوں میں ایمان آنا دینا ہماری ذمہ داری نہیں ہے۔ اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو اس کا انجام خود بھگتو گے۔ ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں گے۔

اعتراض کا

جواب اور

تنبیہ

قَالُوْا اِنَّا نَقْضُ بَیْعَكُمْ ؕ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِوا لَنَرْجِمَنَّكُمْ وَنَحْبِسَنَّكُمْ مِّنْ اَعْدَابِ رَبِّكُمْ (۱۸)

لفظ 'تظیر' کی تحقیق اس کے محل میں ہم کر چکے ہیں۔ یہاں یہ بُری فال لینے اور کسی کو منحوس سمجھنے کے مفہوم میں ہے۔

فرعونوں کی طرف سے

حضرت موسیٰ اور

ان کے ساتھیوں

پر نحوست کا الزام

یعنی ان رسولوں کی دعوت کے زمانے میں اہل مصر پر جو آفتیں، ان کی تنبیہ کے لیے نازل ہوئیں ان سے عبرت حاصل کرنے کے بجائے انھوں نے ان کو حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیا اور کہا کہ یہ آفتیں ہمارے اعمال کے سبب سے ہم پر نہیں آ رہی ہیں، جیسا کہ موسیٰ اور ان کے ساتھی دعویٰ کر رہے ہیں بلکہ یہ ان کی اس گمراہ کن دعوت کے نتیجے میں پیش آ رہی ہیں جس سے ہمارے دیوتا ناراض ہیں۔ ساتھ ہی ان کو دھکی بھی دی کہ اگر تم لوگ اس بد عقیدگی کی اشاعت سے باز نہ آئے تو ہم اپنے دیوتاؤں کی حرمت کی حفاظت کے لیے تم کو سنگسار کر دیں گے اور اس کے علاوہ بھی بہت سے دیکھ تم کو ہمارے ہاتھوں جھیلنے پڑیں گے۔ یہ مضمون سورہ اعراف میں بھی گزر چکا ہے۔ 'وَلَقَدْ اَخَذْنَا اِلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَنَقَعْنَا مِّنَ الشَّجَرِ نَعْلَمُ بِیْذَنِّکُمْ ؕ فَاِذَا جَاءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا



قَالُوا لَنَا هَذِهِ ؕ وَإِن تَعِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ (۱۳۰-۱۳۱)  
 (اور ہم نے فرعون کو قحط اور بھلوں کی کمی میں مبتلا کیا کہ وہ نصیحت حاصل کریں تو جب ان کے حالات اچھے ہوتے کہتے کہ یہ تو ہمارا حق ہی ہے اور اگر ان کو کوئی آفت پہنچتی تو اس کو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔)

قَالُوا ظَنِّكُمْ مَعَكُمْ ؕ إِنَّ دُكْرَكُمْ مَبْدَأُنْظُرُ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ (۱۹)

لفظ 'ظن' کی تحقیق بھی اس کے محل میں گزر چکی ہے۔ یہاں اس کے معنی نحوست کے ہیں۔ یہ ان رسولوں کا جواب ہے کہ تم اپنی بدبختی کے اسباب دوسروں کے اندر ڈھونڈتے ہو حالانکہ تمہاری نحوست خود تمہارے ساتھ ہے۔ یہ جو کچھ پیش آ رہا ہے تمہارے اپنے ہی عقائد و اعمال کا نتیجہ ہے اس وجہ سے دوسروں کو ملیم ٹھہرنے کے بجائے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھو اور اپنے اعمال و عقائد کا جائزہ لو۔ 'إِنَّ دُكْرَكُمْ' یعنی تم میں جو منحوس ٹھہرا رہے ہو تو کیا اس گناہ میں کہ ہماری طرف سے تم کو باددہانی کی گئی اور نیک و بد سے آگاہ کیا گیا ہے!

'إِنَّ دُكْرَكُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ' یعنی یہ تمہاری سرکشی و بدبختی کی انتہا ہے کہ خدا کے حدود کو توڑ کر اپنے لیے خطرات کو دعوت دیتے ہو پھر خدا کے جو بندے تمہیں ان خطرات سے آگاہ کرتے ہیں ان کے شکر گزار ہونے کے بجائے اُسے انہی کو ان خطرات کا سبب قرار دیتے ہو۔

فَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدْيَنَةِ رَجُلٌ يُسْعَىٰ قَالَ يَاقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ؕ اتَّبِعُوا مَن لَّا يَسْتَدْكُمُ أَجْرًا ؕ وَهُمْ مُّتَّبَدُونَ (۲۰-۲۱)

اد پر آیت ۱۴ میں جس تیسرے مَندَر کی طرف اشارہ ہے یہ اس کی تائیدِ حق کی تفصیل ہے۔ اور سورہ اعراف کی آیت کے حوالہ سے ہم بیان کر چکے ہیں کہ 'رَجُلٌ' سے مراد وہی مومن آلِ فرعون ہے جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ سورہ مومن میں ہوا ہے اور جس کی تقریر کا حوالہ ہم اوپر دے چکے ہیں۔ اس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ جن الفاظ میں ان کا تعارف یہاں کرایا گیا ہے لیکن انہی الفاظ میں سورہ اعراف میں بھی کرایا گیا ہے۔

'فَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدْيَنَةِ يُسْعَىٰ' سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت موسیٰ کے ساتھ ان کی ہمدردی محض نفعی نہیں بلکہ عملی تھی۔ اپنے خسرانوں میں بیٹھے بیٹھے تو بہت سے لوگ کسی مقصدِ حق اور مردِ حق کا تعریف و تحسین کر دیتے ہیں لیکن ایسے افراد، بالخصوص امرا و افسانہ مند طبقہ میں بہت کم نکلتے ہیں جو عملاً اس حق کے لیے سرگرمی دکھائیں۔ لیکن اس مردِ حق کا حال اس سے مختلف تھا۔ ان کا مکان شہر کے ایک بعید کنارے پر تھا۔ جیسا کہ لفظ 'أَقْصَىٰ' سے واضح ہوتا ہے، لیکن جب بھی انہوں نے یہ محسوس فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ کو کوئی خطرہ درپیش ہے تو وہ بھاگ کر جیسا کہ لفظ 'يُسْعَىٰ' سے واضح ہوتا ہے، وہاں پہنچے ہیں اور اپنے تمام خاندانی



منادات بلکہ اپنی جان تک خطرے میں ڈال کر ان کے لیے سپرین گئے ہیں۔ اسی طرح کے ایک موقع کا حوالہ قرآن نے یہاں دیا ہے اور قرینہ دلیل ہے کہ یہ وہی موقع ہے جب انھوں نے فرعون کے سامنے وہ تقریر فرمائی ہے جو پیچھے ہم نقل کر آئے ہیں۔ آگے کی آیات سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

’قَالَ لِيَقْدُمَا نِيْعُوا الْمُوسِيْنِ‘ یہ اس تقریر کا اجمالی حوالہ ہے جو انھوں نے فرعون اور اس کے اعیان کے سامنے کی ہے۔ ’اِثْبَعُوا الْمُوسِيْنِ‘ میں ’مُوسِيْنِ‘ سے ان کا اشارہ زمرہ مرسلین کی طرف ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اپنے کو بھی اصطلاحی مفہوم میں ایک رسول سمجھتے رہے ہوں۔ ان کے اس اشارہ میں اصلی زور اس بات پر ہے کہ قوم کے لوگوں کو فرعون، ہامان، قارون اور اس قسم کے منفذ ایڈروں کے پیچھے چلنے کے بجائے ان لوگوں کے پیچھے چلنا چاہیے جن کو خدا نے لوگوں کی رہنمائی کے لیے بھیجا ہے یا جو لوگ ان کا ساتھ دے رہے اور ان کی پیروی کر رہے ہیں۔

دوسری

مفسرین

احسان حوالہ

’اِثْبَعُوا مَنْ لَا يَسْتَكْبِرُ الْاِيَةُ‘ یہ رسولوں کی پیروی کے حق میں دو دلیلیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان رسولوں کا اس دعوت کے ساتھ کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہیں ہے بلکہ وہ ہر غرض سے بالاتر ہو کر محض خلق کی ہدایت کے لیے یہ سارے دکھ جھیل رہے ہیں۔ برعکس اس کے دوسرے لیڈر جو اس دعوت حق کی مخالفت کر رہے ہیں وہ محض اپنے مفاد کے تحفظ کے لیے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔

رسولوں کے

حق میں دو

واضح دلیلیں

دوسری دلیل انھوں نے یہ دی کہ ’وَهُمْ مُهْتَبِدُونَ‘۔ یہ رسول بے غرض ہونے کے ساتھ ساتھ ہدایت پر بھی ہیں۔ اس دلیل سے یہ بات نکلتی ہے کہ بے غرضی ایک شخص کی نیک نیتی کی شہادت تو ضرور ہے لیکن مجرد نیک نیتی اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ وہ حق پر بھی ہے۔ اس وجہ سے کسی شخص کی نیک نیتی اور بے غرضی کے ساتھ ساتھ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اس کی بات عقل و منطق کے معیار پر بھی پوری اترتی ہے یا نہیں۔ اگر وہ بے غرض بھی ہے اور اس کی دعوت عقل و منطق کی رو سے بھی صحیح ہے تو اس کی پیروی نہ کرنا بد بخشتی ہے۔

وَمَا لِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ هَذَا أَخَذْتُ مِنْ دُونِهِ اِيْمَةً اِنْ يَرَوْنَ الرَّحْمٰنَ بَصِيْرًا لَّا تُغْنِي عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْْئًا وَلَا يُنْقِذُون ۚ اِنِّيْ اِذَا نَفَعْتُ ضَلِيْلًا مُّبِيْنٌ ه ۚ اِنِّيْ اَمُنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاَسْمَعُوْنِ (۲۲-۲۵)

قوم کے لیڈر

کی ملامت کا

جواب

اندر از کلام دلیل ہے کہ یہ بات انھوں نے قوم کے لیڈروں کی ملامت کے جواب میں فرمائی ہے۔ جب انھوں نے کھلم کھلا لوگوں کو رسولوں کی پیروی کی دعوت دی ہوگی تو ظاہر ہے کہ مفاد پرست لیڈروں نے ان کو قوم اور دین آباؤی کا دشمن ٹھہرایا ہوگا۔ ان کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ آخر اس کی بندگی میں کیوں نہ کروں جس نے مجھے وجود بخشا اور جس کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے۔ ’وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ‘ میں خطاب کا صیغہ تنبیہ کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آج جس رب کی بندگی سے تم لوگ اس شد و مد کے ساتھ مجھے روک







نے ان کو قوم کی سازشوں کے شر سے محفوظ رکھا۔ ان کے دماغی کلمات کے بعد ان کی حفاظت کا ذکر یوں ہوا ہے :

فَتَذَكَّرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ  
وَأَنْتُمْ مِّنْ أُمَّرٍ رَّحَىٰ اللَّهُ لِرِائِةِ  
اللَّهِ بِمِيزَانٍ بِالْبَيِّنَاتِ فَوَقَّه  
اللَّهُ مَسِيئَاتٍ مَا مَكُرُوا  
وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ  
الْعَذَابِ

(اے میری قوم کے لوگو! میں جو کچھ تم سے  
کہہ رہا ہوں اس کو تم عنقریب یاد کر دو گے۔ میں اپنا  
معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ  
اپنے بندوں کے حالات کو دیکھنے والا ہے۔ پس اللہ  
نے اس کو ان سازشوں کی آفات سے محفوظ رکھا جو  
لوگوں نے اس کے خلاف کیں اور آل فرعون کو

راہنہ من : ۴۴ - ۴۵) برے عذاب نے گھیر لیا۔

اس آیت کی روشنی میں یہ امکان تو خارج از بحث ہو جاتا ہے کہ ان کو قتل کیا گیا ہو البتہ مذکورہ  
بالاد و امکان باقی رہ جاتے ہیں اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ان دو میں سے کون سی صورت پیش آئی۔  
اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اس اتنی بات یقینی ہے کہ حق کی حمایت میں جو جاں بازی انہوں نے  
دکھائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا انعام ان کو یہ ملا کہ اسی دنیا میں مبشر بالجنة قرار پائے۔  
وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ وَرِثَ  
كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خِلْدُونَ (۲۸ - ۲۹)

مِنْ بَعْدِهِ : میں مذکورہ بالاد و باتوں کا ارکان ہے۔ ان کی موت کے بعد یا ان کی ہجرت کے بعد۔  
یہ اس سنت الہی کا حوالہ ہے جس سے کمذبین کو لازماً سابقہ پیش آتا ہے جب کہ رسول اور اس  
کے ساتھی قوم کو چھوڑ کر ہجرت کر جاتے ہیں۔ فرمایا کہ اس کے بعد ہمیں اس کی قوم کو پامال کرنے کے لیے آسمان  
سے کوئی فوج نہیں اتارنی پڑے بلکہ ہماری ایک ہی ڈانٹ میں وہ پامال ہو کے رہ گئے۔ لفظ صَيْحَةُ عذاب  
کی تعبیر ہے : وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ سے مقصود اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ان کے لیے آسمان سے کوئی فوج  
نہ اتارنے کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح کے کاموں کے لیے ہم اپنی فوجیں نہیں اتارا کرتے، بس ہماری ایک  
ڈانٹ ہی کافی ہو جاتی ہے۔

رسولوں کے  
کمذبین کے لیے  
سنت الہی

یہ حقیقت بھی نگاہ میں رہے کہ ہر چند یہ عذاب املاً حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کی تکذیب  
کے نتیجہ میں آیا لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے اس کو اس بندہ مومن کی تکذیب کے نتیجہ کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے۔  
اس سے رسول کے ساتھیوں کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ان کا یہ درجہ ہوتا ہے  
کہ ان کی تکذیب رسول کی تکذیب کے ہم معنی بن جاتی ہے اور اس کا وہی انجام ہوتا ہے جو رسول کی  
تکذیب کا ہوتا ہے۔



مکن ہے یہاں کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ حضرت موسیٰ کے مکذبین — فرعون اور اس ایک شبہ کی قوم — پر جو عذاب آیا اس کی شکل تو یہ ہوئی کہ فرعون اپنی تمام فوج سمیت دریا میں غرق کر دیا گیا۔ لیکن یہاں جس عذاب کا ذکر ہے اس میں غرق کے واقعہ کی طرف کھٹی اشارہ نہیں ہے بلکہ الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر بھی کوئی اسی طرح کا عذاب آیا جس طرح کا عذاب عاد و ثمود اور دوسری پچھلی قوموں پر آیا جس کا اندیشہ اس مرد مومن نے اپنی اس تقریر میں ظاہر کیا تھا جو سورہ مومن کے حوالے سے اوپر نقل ہوئی ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ فرعون اور اس کی قوم پر دونوں قسم کے عذاب آئے — ایک طرف، تو اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی فوجوں کو ایک سائیکلوئی طوفان کے ذریعے سے سمندر میں غرق کر دیا، دوسری طرف، رعد و برق اور زلزلہ کے عذاب نے مصر کی تمام تعمیرات اور اس کے سارے باغ و چین تاراج کر دیے۔ اس دوسرے عذاب کا ذکر تورات میں نہیں ہے لیکن قرآن میں اس کا ذکر نہایت واضح الفاظ میں ہے — مثلاً فرمایا ہے:

وَدَمَّرْنَا مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ۚ  
فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا  
يَعْبُدُونَ (الاعراف: ۱۳۷)

اور ہم نے تاراج کر دیے وہ سب کچھ جو فرعون اور اس کی قوم کے لوگ بناتے رہے تھے اور ان کے انگوڑوں کے باغ بھی جن کو وہ ٹیٹوں پر چڑھاتے تھے۔

یہی بات سنت الہی کے مطابق بھی ہے۔ رسول کی تکذیب کے نتیجے میں جو عذاب کسی قوم پر آیا ہے اس نے قوم کے قومی وجود کی جڑ کاٹ دی ہے۔ یہ بات مجرذ فرعون اور اس کی فوجوں کے غرق ہونے سے نہیں پوری ہو سکتی تھی۔ یہ اسی طرح کے کسی عذاب سے پوری ہو سکتی تھی جس کی طرف سورہ اعراف کی مذکورہ بالا آیت اشارہ کر رہی ہے۔ اسی کا ذکر یہاں آیت زیر بحث میں ہے۔

يَعْسُرُ عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَفِزُّونَ ۚ

یہ مکذبین رسول کی بدبختی پر اظہارِ افسوس ہے کہ ہمیشہ سے لوگوں کا حال یہی رہا ہے کہ جب اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے کوئی رسول بھیجا تو لوگوں نے ان کا مذاق اڑایا ہے اور پھر اس کے انجام بد سے دوچار ہوئے ہیں۔ چنانچہ جو روش فرعون اور اس کی قوم نے اپنے رسولوں کے ساتھ اختیار کی آج وہی روش قریش نے اپنے رسول اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ اختیار کی ہے اور لازماً یہ بھی اسی انجام سے دوچار ہوں گے جس سے ان کے پیشرو دوچار ہوئے۔ رسول خدا کی سب سے بڑی رحمت بن کر آتا ہے لیکن اس کو مذاق نے تو پھر اس سے بڑی نعمت بھی کوئی نہیں ہے۔

بَرَزَكُنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْفُرُودِ أَتَهُمُ إِلَيْهِمْ لَا يُوجِعُونَ ۚ وَرَأَتْ كُلُّ نَفْسٍ مِمَّا



یہ قریش کو رسولوں کے ساتھ استہزاء کا انجام دکھانے کے لیے ماضی کی طرف توجہ دلاتی ہے کہ یہ کھیل جو وہ کھیل رہے ہیں یہ ایک نہایت خطرناک کھیل ہے۔ یہ کھیل کھیلنے والی قومیں اس دنیا سے اس طرح مٹی میں کہ اب وہ کبھی واپس آنے والی نہیں ہیں۔ بلکہ اب ان سب کی ماضی ہمارے ہی سامنے ہوتی ہے اور ہم ہی ان کا حساب کریں گے۔

وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا جَاءْنَاكُمْ بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّا نَسْتَعْتِلُ الْعَرْشَ الْعَلِيِّ (۳۲) اے ایمان والو! ہم نے تم کو حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے لیکن ہم نے تم کو اللہ کے عرشِ اعلیٰ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس کا قریب ہے چونکہ جملہ میں کچھ صوتی غلطی جاتا ہے اس وجہ سے اس کو بھرنے کے لیے اس کو لٹا کر دیتے ہیں۔ معنی پراس کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔

## ۴۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۳۳-۵۰

آگے آفاق کی نشانیوں سے رسول کی دعوت اور اس کے انذار کی تائید کی ہے اور ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے جو کائنات کی ان تمام نشانیوں سے آنکھیں بند کیے ہوئے کسی نئی نشانی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ گویا اوپر کی تاریخی شہادت کے بعد کلام از سر نو تمہید سے متصل ہو گیا ہے جس میں یہ بات فرمائی گئی تھی کہ ان کی اصلی بیماری یہ ہے کہ اشکباران کو اوپر پانچپے کی کسی نشانی کی طرف توجہ نہیں ہونے مے رہا ہے ورنہ ان کے آگے اور پیچھے نشانیوں کی کمی نہیں ہے۔ ان کے اس رویہ اور اس کے انجام کی مثال قوم فرعون سے دینے کے بعد پھر ان کو آسمان و زمین کی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

وَاٰیٰتُہُمُ الْاَرْضُ الْمِیْتَةُ ۙ اُحْیِیْنٰہَا وَ اَخْرِجْنَا مِنْہَا حَبًا قَنِیْنُہٗ  
یَا کُلُوْۤنَ ﴿۳۳﴾ وَ جَعَلْنَا فِیْہَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلِ وَّ اَعْنَابٍ وَ فَجْرًا  
فِیْہَا مِّنَ الْعِیُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِّیَا کُلُوْۤا مِنْ ثَمَرِہٖ ۙ وَ مَا عَمِلْتُمْ اٰیٰدِیْہُمْ  
اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّہَا مِمَّا  
نَبَتْ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِہُمْ وَ مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاٰیٰتُہُمْ  
الَّیْلُ ۙ تَسْلُخُ مِنْہُ النَّہَارُ فَاِذَا ہُمْ مُظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ الشَّمْسُ  
تَجْرِیْ لِسُتْقَرِّ لَّہَا ۙ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۳۸﴾ وَ الْقَمَرَ

آیات ۱

۵۰-۱۳



قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۝۳۹ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي  
 لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ  
 يَسْبَحُونَ ۝۴۰ وَآيَةٌ لَهُمْ أَنَا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِ  
 الْمَشْحُونِ ۝۴۱ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ۝۴۲ وَإِنْ نَشَأْ  
 نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ ۝۴۳ إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا  
 وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ۝۴۴ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ  
 وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝۴۵ وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ  
 رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝۴۶ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا  
 رَزَقَكُمْ اللَّهُ قَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْطَعِمُ مَنْ نَوْشَاءُ  
 اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝۴۷ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا  
 الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝۴۸ مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً  
 تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّصُونَ ۝۴۹ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ  
 أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ۝۵۰

۳  
۶۸  
۲

اور ایک بہت بڑی نشانی ان کے لیے مردہ زمین ہے۔ اس کو ہم نے زندہ کیا اور

اس سے غلے اگائے پس اس میں سے وہ کھاتے ہیں۔ اور اس میں ہم نے کھجوروں اور

انگوروں کے باغ لگائے اور اس میں چشے جاری کر دیے کہ وہ اس کے پھل کھائیں، اور

یہ ان کے ہاتھوں کی کارگزاری نہیں ہے تو کیا وہ شکر نہیں کرتے! ۳۳ - ۳۵

پاک ہے وہ ذات جس نے تمام قسمیں پیدا کیں ان چیزوں میں سے بھی جن کو زمین گاتی



ہے اور خوران کے اندر سے بھی اور ان چیزوں میں سے بھی جن کو وہ نہیں جانتے۔ ۳۶۔  
 اور ان کے لیے ایک بہت بڑی نشانی رات ہے۔ ہم اس سے دن کو کھینچ لیتے ہیں  
 پس وہ دفعۃً اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور سورج اپنے ایک معین مدار پر گردش کرتا  
 ہے۔ یہ خدائے عزیز و علیم کی منصوبہ بندی ہے! اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں ٹھہرا  
 دی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی ٹہنی کے مانند ہو کے رہ جاتا ہے۔ نہ سورج کی بجال  
 ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت کر سکتی۔ ہر ایک اپنے خاص دائرے  
 میں گردش کرتا ہے۔ ۳۷-۴۰

اور ان کے لیے ایک بہت بڑی نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی  
 میں سوار کیا اور ان کے لیے اسی کے مانند (خشکی میں بھی) چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار  
 ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں پھر نہ ان کا کوئی فریاد رس ہوگا اور نہ ان  
 کو نجات مل سکے گی۔ پس یہ ہماری رحمت اور ایک وقت معین تک ان کو بہرہ مند کرنا  
 ہے۔ ۴۱-۴۲

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز سے ڈرو جو تمہارے آگے اور پیچھے ہے کہ تم  
 پر رحم کیا جائے (تو وہ اعراض کرتے ہیں) اور ان کے رب کی نشانیوں میں سے جو نشانی بھی ان  
 کے پاس آتی ہے وہ اس سے اعراض ہی کرنے والے بنے رہتے ہیں۔ اور جب ان سے  
 کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ تم کو رزق بخشا ہے اس میں سے خرچ کر دو تو جن لوگوں نے کفر  
 کیا ہے وہ ایمان لانے والوں سے کہتے ہیں کہ کیا ہم ان لوگوں کو کھلا میں جن کو خدا چاہتا  
 تو کھلاتا! یہ تو تم لوگ ایک صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہو! ۴۵-۴۷



اور وہ پوچھتے ہیں کہ یہ دھمکی کب پوری ہوگی اگر تم لوگ سچے ہو! یہ لوگ بس ایک ڈانٹ ہی کے منتظر ہیں جو ان کو آپکڑے گی اور وہ جھگڑتے ہی رہ جائیں گے! پس نہ تو وہ کوئی وصیت کر پائیں گے اور نہ اپنے لوگوں کے پاس لوٹ ہی سکیں گے۔

۵۰-۴۸

## ۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَاٰیَةُ لَهُمُ الْاَرْضُ الْمَيِّتَةُ ۚ اَحْيَيْنَاهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنَّتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّاَفْجَرْنَا نَبِيْنَهَا مِّنَ النَّيُّوْنَ ۝ لِّیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهَا ۚ لَا دَمَاعِمْلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ (۳۵-۳۳)

یہ سب سے پہلے زمین کی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مردہ زمین کی از سر نو زندگی سے قیامت توحید اور آسمانی ہدایت کے نازل پرچم گونا گوں پہلوؤں سے استہاد کیا ہے اس کی تفصیل پچھلی سورتوں میں گزر چکی ہے۔ یہاں ربوبیت کے پہلو کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے اور پھر خدا کی شکر گزاری کے حق کا مطالبہ کیا ہے جو بندوں پر لازماً عائد ہوتا ہے۔ اس شکر کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ بندے تنہا اپنے رب کی بندگی کریں اس لیے کہ ان نعمتوں میں سے کوئی نعمت بھی نہ تو انسان کی اپنی سعی و تدبیر سے وجود میں آئی ہے اور نہ کوئی دوسرا ان کو وجود میں لانے والا بنا ہے۔

وَاٰیَةُ لَهُمُ الْاَرْضُ الْمَيِّتَةُ ۚ لَفْظُ اَیَّہُ کی شکر تفہیم شان پر دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو اگر کسی نشانی کی طلب ہے تو اس کے لیے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے لیے ایک سب سے بڑی نشانی ان کے پاؤں کے نیچے بھی ہوئی یہ زمین ہی ہے۔ یہ بالکل مردہ ہوتی ہے، ہم اپنی بارش بھیج کر اس کو زندہ کرتے اور پھر اس سے فصل پیدا کرتے ہیں اور ان غلوں ہی پر ان کی معاش کا انحصار ہے۔ پھر یہ غور کریں تو ان کو معلوم ہوگا کہ ہم نے ان کی معاش کے لیے صرف غلے ہی کا انتظام نہیں کیا ہے بلکہ ہم نے اس میں ان کے لیے کھجور اور انٹورا اور دوسرے پھلوں کے باغ بھی اگائے ہیں اور ان باغوں کو شاداب رکھنے کے لیے چشمے بھی جاری کر دیے ہیں۔

لِّیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهَا ۚ لَا دَمَاعِمْلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ: یہ اس تمام اہتمام ربوبیت کا حق بیان فرمایا ہے کہ یہ سارا اہتمام ہم نے اس لیے کیا کہ بندے ہماری نعمتوں سے بہرہ مند ہوں اور اس امر پر دھیان کریں کہ یہ ان کے ہاتھوں کی کار فرمائی نہیں ہے بلکہ ایک رب رحیم و کریم و منعم کی بخشش ہے



جس نے ان کو بغیر کسی استحقاق کے ان نعمتوں سے بہرہ مند کیا ہے کہ وہ اس کے شکر گزار و فرمانبردار نہیں۔ لیکن ان کی ناپاسی کا یہ حال ہے کہ یہ تمام نعمتوں سے فائدہ تو اٹھا رہے ہیں لیکن جب ان کو خدا کی شکرگزاری کی دعوت دی جاتی ہے تو اکڑتے اور نشانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔

زبان کا ایک  
خاص اسلوب

’مِنْ ثَمَرِهِ‘ کی ضمیر کے مرجع کے بارے میں اہل تادیل کا اختلاف ہے۔ اکثر لوگوں نے اس کا مرجع اللہ تعالیٰ کو مانا ہے۔ (یعنی لوگ اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے پھل کھاتے ہیں اور اس کے شکر گزار ہیں) اس تادیل میں مجھے تکلف محسوس ہوتا ہے۔ اوپر سے اسلوب کلام متکلم کا چلا آ رہا ہے اس وجہ سے اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے یہاں ’مِنْ ثَمَرِهِ‘ کے بجائے ’مِنْ أَشْرَانَا‘ یا اس کے ہم مطلب کوئی اور اسلوب ہوتا اگرچہ یہ بھی کچھ موزوں نہ ہوتا۔ میرے نزدیک اس ضمیر کا مرجع ’ارض‘ ہی ہے جس کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے لیکن اس کے لیے یہاں ضمیر مذکر اس اسلوب پر آئی ہے جس کو اہل ادب ’علی سبیل تادیل‘ سے تعبیر کرتے ہیں۔ عربی زبان میں یہ قاعدہ ہے کہ بعض مرتبہ ضمیر لفظ کے ظاہر کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کے مفہوم کے اعتبار سے آتی ہے۔ اس کی متعدد مثالیں پچھلی سورتوں میں گزر چکی ہیں۔ یہاں ’ارض‘ کے لیے مذکر ضمیر استعمال کر کے یہ اشارہ فرما دیا کہ اس سے بلد طیب مراد ہے۔ اس لیے کہ بارش ہونے کو تو ہر خشک و تر اور ہر بنجر اور زرخیز زمین پر ہوتی ہے لیکن بار آور دہی زمین ہوتی ہے جو زرخیز ہوتی ہے۔ یہ مضمون سورہ اعراف میں اس طرح بیان ہوا ہے۔ **وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرِجُ نَبَاتَهُ يَادُّنَ رَيْهٖ ۝ وَالَّذِي خَبَا لَا يُخْرِجُ إِلَّا يَنْكًا ۝ اَصْحَافُ ۝** اور جو زمین زرخیز ہوتی ہے اس کی نباتات تو اس کے رب کے حکم سے خوب اچھتی ہیں اور جو زمین ناقص ہوتی ہے اس سے ناقص ہی چیز اگتی ہے۔

’وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۚ‘ یہ جملہ معترفہ کے محل میں ہے اور یہ ایک نہایت اہم یاد دہانی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان پھلوں کو کھائیں اور یہ یاد رکھیں کہ ان کو وجود میں لانے والے وہ نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی حقیقت کا تذکرہ ہی آدمی کے اندر شکر کا جذبہ ابھارتا ہے اور یہی شکر تمام دین کی بنیاد ہے۔ جو لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں وہ اللہ کی نعمتوں کو اپنے استحقاق اور اپنی قابلیت و صلاحیت کا کرشمہ سمجھتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ خدا کے شکر گزار بندے بننے کے بجائے استکبار میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یہ استکبار اپنی فطرت کے اعتبار سے شرک اور تمام فساد فی الارض کا پیش خیمہ ہے۔

مُسْبَحْنَ الَّذِي خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۶)

توحید پر

استدلال

لفظ ’ازواج‘ انواع و اقسام کے معنی میں بھی آتا ہے اور جوڑے جوڑے کے مفہوم میں بھی۔ یہاں یہ دونوں ہی معنوں کا جامع ہے۔ زمین سے جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں ان کو دیکھیے تو ان کے اندر گونا گونی اور تنوع بھی ہے اور ہر چیز جوڑے جوڑے کی شکل میں بھی نظر آتی ہے۔ اسی طرح انسانوں کو دیکھیے تو ان کی شکلوں، رنگوں، ناستوں اور زبانوں میں عظیم فرق نظر آئے گا اور ساتھ ہی ان کے اندر جوڑے جوڑے



ہونے کا وصف بھی پایا جاتا ہے۔ یہی حال اس عالم کے اس حصہ کا ہے جو ہمارے علم کی رسائی سے باہر ہے۔ اب ایک قدم آگے بڑھ کر غور کیجیے تو یہ حقیقت بھی آپ پر واضح ہوگی کہ اس کے تنوع کے اندر مقصد کی ہم آہنگی اور اس کے مفاد کے اندر توافق کی سازگاری پائی جاتی ہے۔ یہ چیز اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ اس کائنات پر ایک ہی خدا نے وحدۃ لا شریک لہ کا ارادہ کار فرمایا ہے۔ کوئی دوسرا اس میں دخل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات شرک کے ہر شائبہ سے پاک ہے اور اس کی اس پاکی کی شہادت اس کائنات کی ہر چیز دے رہی ہے۔

نیز یہ بات بھی واضح ہوئی کہ جب ہر چیز جوڑا جوڑا ہے اور ہر چیز اپنے جوڑے سے مل کر اپنے مقصد کو پورا کرتی ہے تو لازم ہے اس دنیا کا بھی کوئی جوڑا ہو ورنہ یہ بالکل بے مقصد بے غایت ہو کے رہ جاتی ہے اور یہ بات ایک حکیم خالق کی شان سے بعید ہے کہ وہ کوئی عہد اور بے مقصد کام کرے۔ چنانچہ اس دنیا کے اس خلا کو بھرنے کے لیے اس نے آخرت بنائی ہے۔

آیت کا مدعا یہ ہوا کہ یہ کائنات اپنے وجود سے توحید اور آخرت کی شہادت دے رہی ہے اور اس کا خالق اس بات سے پاک ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو یا اس نے یہ دنیا بالکل بے مقصد بنائی ہو۔ لفظ تَبْدِئُ تَنْزِیْہِہ کے لیے آتا ہے۔ یہاں اس کا موقع و محل بالکل واضح ہے۔

وَاٰیۃُ تَہُمُ الْاٰتِیٰلُ بِمَا نَسَخْ مِنْہُ الْاَنْۡہَارَ فَاِذَا ہُمْ مُظْلَمُوْنَ (۳۷)

فرمایا کہ اگر یہ لوگ غور کریں تو ان کے لیے رات بھی خدا کی قدرت، حکمت، ربوبیت اور توحید کی ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ ہم اس کے اوپر ایک نور کی چادر اوڑھا دیتے ہیں تو ان کے لیے روشن دن نمودار ہو جاتا ہے جس میں وہ اپنے کام کاج انجام دیتے ہیں۔ پھر ہم اپنی یہ نورانی چادر اس سے لے لیتے ہیں تو وہ تاریکی میں ہو جاتے ہیں جس میں وہ آرام کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنی یہ نورانی چادر نہ اوڑھائیں تو ہمیشہ تاریکی ہی میں رہیں اور اگر اس چادر کو نہ کھینچیں تو ان کو کبھی شب کا سکون نہ میسر ہو۔ روز و شب کا یہ ایاب و ذباب اور خلق کے مفاد کے لیے ان کی یہ سازگاری اس بات کی صاف دلیل ہے کہ یہ دنیا اضداد کی کوئی رزم گاہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک خالق کی بنائی ہوئی دنیا ہے جو اس کے تمام اضداد کو اس کے مجموعی مفاد کے لیے استعمال کر رہا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرٰی لِمُسْتَقَرٍّ لَّہَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرٌ لَّعِزِّزٍ عَلِیْمٍ (۳۸)

یہ دن کے اندر ظاہر ہونے والی سب سے بڑی نشانی کی طرف توجہ دلائی کہ اس سورج کو دیکھیں کہ یہ پوری پابندی کے ساتھ اپنے ایک معین محور و مدار پر گردش کرتا ہے۔ مجال نہیں کہ اپنے محور و مدار سے ذرا ہٹ سکے یا اس کی پابندی اوقات میں منٹ یا سیکنڈ کا بھی فرق پیدا ہو سکے۔ کیا یہ اس بات کی شہادت ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے آپ سے آپ ہو رہا ہے، اس کے پیچھے کوئی مدبر



اور کار فرما طاقت نہیں ہے؛ یا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے پیچھے ایک قادر مقتدر اور علیم و حکیم ہستی ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی باگ ہے اور وہ اپنے بنائے ہوئے نقشہ اور اپنے قرار دادہ منصوبہ کے مطابق ہر چیز کی استعمال کر رہی ہے؛ اس کا صحیح جواب، عقل و فطرت کے مطابق، صرف یہی ہو سکتا ہے کہ ذلک تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ، یعنی یہ دنیا نہ تو اتفاق سے وجود میں آئی ہوئی کوئی چیز ہے اور نہ یہ آپ سے آپ چل رہی ہے بلکہ یہ ایک ایسی ہستی کی پلاننگ کا کرشمہ ہے جو ہر چیز پر قادر و غالب اور ہر چیز کا علم رکھنے والی ہے۔

وَالْقَمَرُ قَدَرُهُ مَنَادَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ (۳۹)

چاند کی نشانی

فرمایا کہ یہی حال اس دنیا کی دوسری سب سے بڑی نشانی — چاند — کا ہے۔ وہ بھی نہ خود کار ہے، نہ خود مختار بلکہ ہم نے اس کے لیے منزلیں ٹھہرا رکھی ہیں جو ہر ماہ اس کو طے کرنی پڑتی ہیں بیان تک کہ یہ منزلیں طے کرتے کرتے وہ بالآخر کھجور کی پرانی ٹہنی کے مانند ہو کے رہ جاتا ہے۔

عُرْجُونٌ کھجور کی اس ٹہنی کو کہتے ہیں جس میں خوشے لگتے ہیں۔ یہ ٹہنیاں خشک ہونے کے بعد خمدار ہو کر بالکل وہ شکل اختیار کر لیتی ہیں جو شکل آخری اور ابتدائی تاریخوں میں چاند کی ہوتی ہے۔ یہ تشبیہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ جس چاند کو نادان لوگ پوجتے ہیں اس غریب کی بے بسی کا یہ حال ہے کہ ہر ماہ اس کو مختلف منازل فلکی طے کرنی پڑتی ہیں جس سے وہ سوکھ کے کاٹا اور اس طرح خمیدہ کر ہو کے رہ جاتا ہے جس طرح کھجور کی سوکھی ٹہنی۔

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ

يَسْبَحُونَ (۴۰)

ساری کائنات

یعنی اس کائنات کا سارا نظام اس کے خالق نے اس طرح اپنے قابو میں کر رکھا ہے کہ نہ سورج کی مجال ہے کہ وہ اپنے مدار سے نکل کر چاند کے مدار میں جا گھے اور اس کو پکڑ لے اور نہ رات کی مجال ہے کہ ایک سیکنڈ کے لیے بھی دن پر سبقت کر جائے بلکہ ان میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے دائرے میں گردش کرنی پڑتی ہے۔ یہ اس بات کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز کی باگ ایک ہی خدائے قدیر و علیم کے ہاتھ میں ہے اور وہی تنہا ہر چیز کا مالک و مختار ہے۔ اگر اس کے سوا کسی اور کا بھی اس میں کوئی دخل ہوتا تو یہ دنیا اپنے افساد کے تصادم میں تباہ ہو جاتی۔ خاص طور پر یہ حقیقت تو بالکل نمایاں ہے کہ جو چیزیں جتنی ہی زیادہ نمایاں ہیں اور جن کے نمایاں ہونے ہی کی بنا پر قوموں نے ان کو معبود مان کر ان کی پرستش کی وہ اپنے وجود ہی سے یہ اعلان کر رہی ہیں کہ وہ سب سے زیادہ مسخر و محکوم ہیں، مجال نہیں ہے کہ وہ اپنے دائرہ کار سے ایک انچ بھی ادھر یا ادھر سرک سکیں۔

وَأَنِّي أَنَا خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ ۖ لَا تَخْلُقْنَا لَهُمْ مِثْلَهُ مَا



يُذَكِّرُونَ. وَ إِنَّا نُنْزِلُهُمْ فَلَا صَرِيحَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقِذُونَ إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا عَالِي حِينَ ۲۱-۴۴

’وَذَرِيَّتُهُمْ‘ میں ’ہم‘ سے مراد مخاطب بحیثیت انسان ہیں اور ’ذَرِيَّة‘ نسل کے مفہوم میں ہے۔ کشتی کا نشانہ  
’مُشْحُون‘ بھری ہوئی کشتی کو کہتے ہیں۔ فرمایا کہ اگر ان کو مزید نشانی کی طلب ہو تو وہ اس بات کو دیکھیں کہ ہم نے  
نسل انسانی کے بحری سفر کے لیے یہ اہتمام کیا ہے کہ ان کی کشتیاں سمندر کے سینہ پر سے ہزاروں ٹن سامان لے  
کر چلتی ہیں اور نہیں ڈوبتیں۔

’وَخَلَقْنَا لَهُمُ الْآيَةَ‘ فرمایا کہ جس طرح سمندر کے سفر کے لیے ہم نے کشتی بنائی ہے اسی طرح کی چیزیں  
ہم نے خشکی کے سفر کے لیے بھی بنائی ہیں مثلاً گھوڑے اور ادانت وغیرہ۔ خاص طور پر ادانت کو عرب میں  
سفینہ صحرا کی حیثیت حاصل تھی۔ اسی حکم میں وہ سواریاں بھی داخل ہیں جو اب سائنس کی مدد سے ایجاد ہوئی  
ہیں یعنی موٹریں، لاریاں، بسیں، ہوائی جہاز وغیرہ۔ یہ تمام چیزیں جن قوانین کے تحت کام کرتی ہیں وہ خدا ہی  
کے بنائے اور اسی کے سکھائے ہوئے ہیں۔ انسان انہی قوانین سے کام لے کر مختلف چیزیں ایجاد کرتا  
اور ان سے فائدہ اٹھاتا ہے ماس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف منسوب فرمایا اس لیے کہ اصل  
حقیقت یہی ہے۔

’وَإِنَّا نُنْزِلُهُمْ فَلَا صَرِيحَ لَهُمُ الْآيَةَ‘۔ ’صریح‘ فرمایا اور فریاد رسی کے معنی میں بھی آتا ہے ہر چیز اللہ  
اور فریاد کرنے اور فریاد رسی کرنے والے کے معنی میں بھی۔ یہاں یہ تمام معانی کے اعتبار سے موزوں ہے۔ کشتی کا  
فرمایا کہ یہ ہماری رحمت ہے کہ ان کی لدی پھندی کشتیاں سمندر کے سینہ پر دوڑتی ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو  
کشتی سمیت غرق کر دیں پھر نہ وہ کوئی فریاد کر سکیں اور نہ کوئی ان کی فریاد رسی کر سکے اور نہ وہ اس درطہ ہلاکت  
سے کسی طرح نجات پا سکیں۔

’الْأَرْحَمَةُ مِنَّا عَالِي حِينَ‘ فرمایا کہ انسان کو یہ جو کچھ بھی حاصل ہے نہ اس کے اب وجد کی میراث  
ہے اور نہ اس کی اپنی قوت و قابلیت کا کرشمہ بلکہ یہ محض خدا کا فضل اور اس کی رحمت ہے جس سے ایک  
وقت خاص تک کے لیے اس نے اس کو بہرہ مند کیا ہے۔ بالآخر وہ وقت آنے والا ہے جب اللہ تعالیٰ  
ان تمام نعمتوں سے متعلق پرسش کرے گا کہ ان کا شکر ادا کیا گیا یا نہیں!

فَلَا أَقْبِلُ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (۴۵)

یعنی جب ان کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ تمہارے آگے اور پیچھے جو آسمان و زمین ہیں ان سے ڈرو کہ زمین  
تمہارے سمیت دھنسا نہ دی جائے اور آسمان سے تم پر ٹکڑے نہ گرا دیے جائیں تو وہ متنبہ ہونے کے  
بجائے اعراض کرتے اور عذاب کی نشانی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ’اِذَا‘ کا جواب یہاں برہائے وضاحت  
قریبہ مخدوف ہے اور ’مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ‘ کے بعد ’مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ‘ کے الفاظ مخدوف ہیں۔ سورہ



سب میں یہی مضمون اس طرح بیان ہوا ہے۔ اَفَلَمْ يَدْرُوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ مِثْرًا نَّسْتَا نَخِيفُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نَسْقِطُ عَلَيْهِمْ كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ (۹) (کیا وہ اپنے آگے اور پیچھے کے آسمان اور زمین پر غور نہیں کرتے! اگر ہم چاہیں تو ان کے سمیت زمین کو دھندلا دیں یا ان کے اوپر آسمان سے ٹکڑے گرا دیں)۔

وَمَا تَأْتِيْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ (۴۶)

یعنی یہ اعراض انکار اس طرح ان پر متولی ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آیت بھی ان کی تعلیم و تذکیر کے لیے آتی ہے وہ باطل ہے و وہ ہر گز رو گئی ہے، کوئی چیز بھی ان کے اوپر کارگر نہیں ہوتی۔

وَ اِذْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا مِّنَّا نَادِيًاۙ فَقَالَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اٰمَنُوْا اَنْطَعُوْا لِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اَطَعَمَكُم مِّنۢ بَٰرِئٍۭ اَنْتُمْ اِلَآ فِيْ ضَلٰلٍۭ مُّبِيْنٍ (۴۷)

اوپر والی آیت میں ان کی جس بے حسی اور سنگدلی کی طرف اشارہ ہے یہ اس کی ایک مثال بیان ہوئی ہے کہ جب ان کو شکر کی دعوت دی جاتی ہے، جیسا کہ اوپر آیت ۲۵ میں ہے۔ لِيَاْكُلُوْا مِمَّنۢ ثَمَرِهٖۤ اَوْ مِمَّا عَمِلَتْهُۤ اَيْدِيْهِمْۚ فَلَا تَشْكُرُوْنَ تو برعکس کے ساتھ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ چنانچہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے جو رزق و فضل تم کو بخشا ہے اس کا حق یہ ہے کہ اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور ان غریبوں کی مدد کرو جو مدد کے محتاج ہیں تو وہ مسلمانوں کو یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ تمہاری صریح گمراہی ہے کہ جن کو اللہ نے محروم رکھا چاہا ہے ان کو تم کھلانا چاہتے ہو۔ اگر اللہ ان کو بھی ہماری طرح کھلانا پہنچانا چاہتا تو آخر اس کے پاس کس چیز کی کمی تھی لیکن جب اس نے ایسا نہیں کیا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس نے ان کے لیے یہی چاہا ہے اور جب اس نے ان کے لیے یہی چاہا ہے تو ہم ان کے اوپر کوئی احسان کر کے خدا کو خوش نہیں کریں گے بلکہ اس کی ناراضگی مول لیں گے! — اس فلسفہ جاہلی کا حوالہ دے کر اس پر کوئی تبصرہ کیے بغیر اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اس لیے کہ اس کی قناعت و سفاہت اس قدر واضح ہے کہ اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں تھی۔ مقصود بس یہ دکھانا ہے کہ جب دل بگڑتے ہیں اور عقل الٹی ہے تو آدمی کا حال یہ ہو جاتا ہے!

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّ اٰجِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ۝ فَلَا يَسْتَطِيعُوْنَ تَوْصِيَةًۭ وَّلَا لٰلٰى اٰهْلِيْهِمْ يَرْجِعُوْنَ (۴۸-۵۰)

یعنی اللہ کی جو آیتیں ان کو سنائی جاتی ہیں ان پر تو وہ کوئی دھیان نہیں کرتے، بس یہ مطالبہ ان کی طرف سے پیہم ہے کہ جس عذاب سے ان کو ڈرایا جا رہا ہے وہ ان کو دکھا دیا جائے۔ اس کے بغیر وہ اس کی خبر دینے والوں کو سچا ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّ اٰجِدَةًۭ ۝ لَفِطۡ صَيْحَةٍۭ اٰیٰتِ ۲۹ میں گزر چکا ہے۔ فرمایا کہ اس

ایک جاہلی  
فلسفہ



طنطنہ کے ساتھ وہ اس عذاب کا جو مطالبہ کر رہے ہیں تو کس برتنے پر کر رہے ہیں! خدا کو اس کے لیے کوئی سروسامان نہیں کرنا ہے۔ اس کی تو بس ایک ڈانٹ ہی ان کے لیے کافی ہوگی۔ وہ ان بحثوں ہی میں پڑے ہوں گے کہ وہ ان کو دبوچ لے گی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ نہیں آ رہا ہے تو اس کے نہ آنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس کی تیاری نہیں ہو پائی ہے۔ اس کی تیاری میں کوئی کسر نہیں ہے۔ بس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سبب سے لوگوں کو مہلت دے رہا ہے۔

’فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً الْآبَةِ‘ یعنی خدا کی وہ ایک ہی ڈانٹ ایسی ہوگی کہ جو جہاں ہے وہ وہیں دبوچ لیا جاوے گا۔ اس کو اتنی فرمت بھی نصیب نہیں ہوگی کہ کسی کو کوئی وصیت کر سکے یا اپنے گھروالوں کی طاعت لوٹ سکے۔

## ۶۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۵۱-۶۸

آگے واضح فرمایا ہے کہ جس طرح اس دنیا میں کوئی عذاب لانے کے لیے ہماری ایک ہی ڈانٹ کافی ہے اسی طرح جب ہم قیامت لانی چاہیں گے تو اس کے لیے بھی ہمیں کوئی خاص اتہام نہیں کرنا ہوگا بلکہ ایک ہی نفع صور میں سب اٹھ کھڑے ہوں گے۔

اس کے بعد روز قیامت کی تصویر ہے کہ اہل ایمان اس دن اپنی دلچسپیوں میں مگن ہوں گے اور کفار اپنے نتائج اعمال سے دوچار ہوں گے۔ اس دن کسی کو زبان سے کچھ بولنے کی اجازت نہیں ہوگی بلکہ ہر شخص کے ہاتھ پاؤں خود اس کے خلاف گواہی دیں گے۔

پھر دھکی دی ہے کہ یہ لوگ اس ڈھٹائی کے ساتھ جو عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں تو یاد رکھیں کہ یہ ہمارے لیے ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔ ہم چاہیں تو ان کو ان کی جگہ ہی پر اس طرح منہج کر دیں کہ یہ تمام قوتوں اور صلاحیتوں سے چشم زداع میں بالکل محروم ہو کے رہ جائیں۔ اس کے آثار وہ اس دنیا میں دیکھ سکتے ہیں بشرطیکہ ان کے پاس آنکھیں ہوں۔ اگر ہم نے ان کو منہج نہیں کیا تو اس وجہ سے نہیں کہ یہ کام ہمارے لیے مشکل ہے بلکہ یہ ہماری رحمت ہے کہ ہم لوگوں کو ان کی سرکشی کے باوجود مہلت دیتے ہیں۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے:

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ﴿٥١﴾  
قَالُوا يَوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا ۚ هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ  
وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾ إِنَّ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ



جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٥٢﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا  
 تُجْزَوْنَ الْأَمْثَالَ تَعْمَلُونَ ﴿٥٣﴾ إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي  
 شُغْلٍ فَاكِهِونَ ﴿٥٤﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَى الْأَرَائِكِ  
 مُتَّكِئُونَ ﴿٥٥﴾ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَا يَدَّعُونَ ﴿٥٦﴾ سَلَامٌ  
 قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ ﴿٥٧﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٨﴾  
 أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ  
 عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٥٩﴾ وَإِنِ اعْبُدُونِي ۚ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٦٠﴾  
 وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ﴿٦١﴾  
 هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٦٢﴾ اصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ  
 تَكْفُرُونَ ﴿٦٣﴾ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ  
 وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا  
 عَلَى أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّى يُبْصِرُونَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ نَشَاءُ  
 لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ﴿٦٦﴾  
 وَمَن تَعْبِرُهُ نَنكِّسُهُ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾

وقف غفران

۴۳۰

اور سور بھونکا جائے گا تو وہ دفنہ قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف چل پڑیں گے

ترجمہ آیات  
۵۱-۵۸

وہ کہیں گے، ہائے ہماری بد بختی! ہم کو ہماری قبر سے کس نے اٹھا کھڑا کیا! — یہ تو وہی

چیز ہے جس کا خدا نے رحمان نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں کی بات سچی نکلی! بس وہ ایک ڈانٹ

ہوگی، بس وہ دفنہ سب کے سب ہمارے حضور حاضر کر دیے جائیں گے۔ ۵۱-۵۳



پس آج کے دن کسی جان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ اور تم کو بس وہی بدلے میں ملے گا جو تم کرتے رہے ہو۔ بے شک اہل جنت آج اپنی دلچسپیوں میں مگن ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیویاں، سالیوں میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھیں گے۔ اور اس میں ان کے لیے میوے ہوں گے اور ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ مانگیں گے۔ ان کو سلام کہلایا جائے گا پروردگار رحیم کی طرف سے! ۵۴-۵۸

اور اے مجرمو! آج الگ ہو جاؤ۔ اور اے آدم کے بیٹو! کیا میں نے تمہیں یہ ہدایت نہیں کر دی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کیجیو، بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اور یہ کہ میری ہی بندگی کیجیو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔ اور اس نے تم میں سے ایک خلق کثیر کو گمراہ کر لیا، تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے! یہ ہے وہ جہنم جس سے تم کو ڈرایا جاتا رہا ہے۔ اب اپنے کفر کی پاداش میں اس میں داخل ہو جاؤ۔ ۵۹-۶۴

آج ہم ان کے منہوں پر مہر کر دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم کو تباہیں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں۔ ۶۵

اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں مٹا دیتے پھر وہ راستہ کی طرف بڑھتے تو کس طرح دیکھ پاتے! اور اگر ہم چاہتے تو ان کی جگہ ہی پر ان کو مسخ کر دیتے تو نہ وہ آگے بڑھ سکتے اور نہ پیچھے لوٹ سکتے۔ اور جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں ہم اس کو اس کی خلقت میں پیچھے لوٹا دیتے ہیں تو کیا وہ سمجھتے نہیں؟ ۶۶-۶۸

## ۷۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ (۵۱)



تاخیر عذاب کی حکمت  
اد پر کی آیات ۴۸-۴۹ میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ رسول کی تکذیب کی صورت میں جس عذاب کی ان کو دھکی دی جا رہی ہے اگر وہ ٹل رہا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے لیے کوئی خاص تیاری کرنی ہے جو ابھی نہیں ہو پائی ہے۔ وہ عذاب بھیجنا چاہے تو اس کے لیے بس اس کی ایک ہی ڈانٹ کافی ہے۔ اب یہ فرمایا کہ یہی حال قیامت کا بھی ہے۔ اس کے لانے کے لیے بھی خدا کو کوئی خاص انتظام و انتظام نہیں کرنا پڑے گا، بلکہ جوں ہی صور پھونکا جائے گا لوگ بھاگتے ہوئے اپنے رب کی طرف چل پڑیں گے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ رسول کو زچ کرنے کے لیے عذاب یا قیامت کا مطالبہ کر رہے ہیں وہ یاد رکھیں کہ ان کا لٹا میں سے کوئی کام بھی اللہ کے لیے ذرا مشکل نہیں ہے۔ یہ تو چشم زدن میں ہو جانے والے کام ہیں۔ اگر اس کے باوجود نہیں ہو رہے ہیں تو اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ پاہتا ہے کہ لوگ اس دلت سے فائدہ اٹھا کر توبہ اور اصلاح کر لیں۔

قَالُوا يَوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْحُومٍ نَاكِهًا هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ (۵۲)  
یعنی یہ مذاق اڑانے والے لوگ اس وقت گھبراہٹ اور سرریگی میں اپنے سر پٹیں گے اور کہیں گے  
والوں کا حال کہ یہ کس نے ہم کو ہماری قبروں سے اٹھا کھڑا کیا ایہ سوال تحقیق کے لیے نہیں بلکہ اپنی بد بختی کے اظہار کے  
قیام قیامت کے لیے وہ کریں گے کہ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں ہوگا لیکن یہ تو واقعہ ثابت ہوا!

هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ۔ یہ ان کے قول کا حصہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تو وہی بات ہوئی جس کی خدائے رحمان کی طرف سے ہم کو آگاہی دی گئی تھی، رسولوں کی بات بالکل سچی نکلی۔ اور اس کا بھی امکان ہے کہ یہ بات فرشتوں کی زبانی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت ان کی تذیل کے لیے فرمائی جائے کہ اب اپنی بد بختی پر سر بیٹھو، یہ وہی چیز تھما ہے سامنے آئی ہے جس سے خدائے رحمان نے اپنے رسولوں کے ذریعے سے تم کو آگاہ کر دیا تھا لیکن تم نے ان کی کوئی پروا نہیں کی۔ میرا جہان اس دوسری بات کی طرف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے نظائر سے واضح تا ئید اسی کی نکلتی ہے۔ سورہ صافات میں ہے۔

فَإِذَا هِيَ زَاكِیَّةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يُنْفَخُونَ هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ (۲۱-۱۰)  
بس وہ ایک ڈانٹ ہی ہوگی کہ دفعۃً وہ اٹھ کے ناکے لگیں گے اور کہیں گے ہمارا بد بختی! یہ تو جزاء دہرا کا دن آگیا۔ یہ وہی فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔

اس میں آخری فقرہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو بالکل بروقت ان کی تفسیح کے لیے کہلایا جائے گا۔

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَوْنَ (۵۳)

یہ سب کچھ بالکل چشم زدن میں، محض ہماری ایک ڈانٹ سے ہو جائے گا۔ اس کے لیے نہ ہمیں دیر



بنانے پڑیں گے، نہ تو میں نصب کرنی پڑیں گی۔ جس طرح ہم اپنے کلمہ گئی سے جو چیز چاہیں وہی ہو سکتی ہے۔  
 میں اسی طرح اپنی ایک ڈانٹ سے جو قیامت برپا کرنی چاہیں برپا کر سکتے ہیں۔ جمیع تاکید کے لیے ہے۔  
 مطلب یہ ہے کہ کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ پھر کوئی ہم سے بچ کے نکل سکے گا۔ اس کے بعد ان کے  
 سب چھوٹے اور بڑے، امیر اور مہر، عابد اور مہبود پکڑ کر ہمارے حضور حاضر کر دیے جائیں گے۔ 'مُحَضَّرُونَ'  
 ان کی ذلت کی تصویر کے لیے ہے کہ وہ اس طرح ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں گے جس طرح مجرم عدالت کے سامنے حاضر  
 کیے جاتے ہیں۔

فَالْيَوْمَ لَا تَنْفَعُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۵۴)

اس آیت میں تصویرِ حال کا اسلوب ہے۔ گویا وہ دن سامنے ہے اور مخاطب سے یہ بات کہی جا رہی ہے۔  
 ہے۔ قرآن میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔

فرمایا کہ آج عدلِ کامل کے ظہور کا دن ہے۔ آج کسی جان پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا۔ وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا  
 مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔ یہ اسی عدلِ کامل کا بیان ہے کہ آج جس اصول پر لوگوں کے ساتھ معاملہ ہوگا وہ یہ  
 ہے کہ جس نے جو کچھ کیا ہوگا وہی وہ بدے میں پائے گا۔ ظاہر ہے کہ جب اپنی ہی کمائی سامنے آنے والی  
 ہے تو اس میں کسی ظلم و نا انصافی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

رَبِّهِمْ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فَاكِهُونَ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَى الْأَرْدَاءِ لَيْسَ مُتَبَكِّوْنَ هَلْ هُمْ  
 فِيهَا فَائِزُونَ لَهُمْ مَا يَدْعُونَ هَ سَلَامٌ وَقَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ (۵۵-۵۸)

اس دن اہل جنت کا جو حال ہوگا یہ اس کی تصویر ہے۔ فرمایا کہ اس دن اہل جنت اپنی خاص دلچسپی میں  
 مگن ہوں گے۔ 'شُغْلٍ' کی تنکیر نفخیم شان کے لیے ہے۔

'هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ الْآيَةُ' یہ ان کی بیویوں کا ذکر آیا ہے کہ وہ بھی ان کی دلچسپیوں میں شریک ہوں گی۔ ان  
 کا ذکر خاص اہتمام سے اس لیے ضروری ہوا کہ آدمی کی کوئی دلچسپی اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک  
 اس کے اہل و عیال بھی اس میں شریک نہ ہوں۔ عَلَى الْأَرْدَاءِ مُتَبَكِّوْنَ۔ یہ سب سے اعلیٰ نشست کی تصویر  
 ہے۔ اس زمانے میں بادشاہ اور ملکہ مزین تختوں ہی پر ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے۔ اہل جنت اپنی ابدی بادشاہی  
 میں اسی طرح بیٹھیں گے۔

'لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ' الْآيَةُ اس میں ان کے آگے پھل پیش کئے جائیں گے اور مزید جو کچھ وہ طلب کریں گے  
 'مَا يَدْعُونَ' یعنی 'مَا يَشْتَهُونَ' جو کچھ وہ چاہیں گے وہ سب ان کے لیے حاضر ہوگا۔ یہ امر ملحوظ رہے  
 کہ اس دنیا میں کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی نہ اب تک یہ درجہ حاصل ہو سکا ہے اور نہ آئندہ کبھی حاصل  
 ہو سکے گا کہ وہ جو کچھ چاہے اس کے لیے وہ فوراً حاضر کر دیا جائے۔ لیکن اہل جنت کو جنت میں یہ درجہ  
 حاصل ہوگا اور ہمیشہ حاصل ہوگا۔







هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۖ وَاصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ (۶۳-۶۴)  
یعنی اگر تم نے میرے عہد اور میری تنبیہ کو یاد نہیں رکھا تو اس کا انجام اب اس جہنم کی صورت میں  
تمہارے سامنے ہے۔ اس سے میرے رسول اور میرے ایک بندے تم کو ڈراتے رہے لیکن تم برا بران کی  
باتوں کا انکار کرتے رہے۔ اب اس میں داخل ہو، یہی تمہارا ٹھکانا ہے۔

أَلَيْسَ نَحْنُ عَلَىٰ أَقْوَامِهِمْ وَكَلِمَتُنَا ابْدِئُ بِهِمْ وَنَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (۶۵)

اوپر کی آیات میں اسلوب کلام خطاب کا تھا، اس آیت میں غائب کا ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہاتھ پاؤں  
ہے کہ اوپر کی آیات میں زجر و ملامت ہے جس کے لیے موزوں اسلوب خطاب ہی کا ہے اور اس آیت  
میں ان کی بے بسی کی تصویر ہے جس کے لیے غائب کا اسلوب زیادہ موزوں ہے۔ فرمایا کہ آج کے دن ہم  
ان کے موٹھوں پر مہر کر دیں گے اور ان کے ہاتھ اور پاؤں کو ناطق بنادیں گے جو ان کی ساری کارستانیوں  
کی مگرزشت ہم کو سنا دیں گے۔ موٹھوں پر مہر کر دینے کی وجہ یہ ہوگی کہ زبان جھوٹ بھی بول سکتی ہے اور  
عذر بھی تراش سکتی ہے لیکن ہاتھ پاؤں وہی بیان کریں گے جو انھوں نے کیا ہوگا۔ اس طرح انسان پر  
خود اس کے اعتقاد و جوارح حجت قائم کر دیں گے اور یہ حجت تمام جھوٹوں پر بھاری ہوگی — یہ مضمون سورہ  
رحمان میں بھی ہے — فَيَوْمَئِذٍ لَا تُنْفِرُ عَنْ ذَنْبِهِ رَأْسٌ وَلَا حَبَآئٍ ؕ .....  
يَوْمَئِذٍ الْمُجْرِمُونَ يَلْمِزُهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ۝ (الرحمن : ۲۱، ۲۲)  
رہیں اس دن کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے بابت پرسش کی نوبت نہیں آئے گی.... مجرم اپنی  
پیشانیوں سے پہچان لیے جائیں گے پس ان کی چوٹیاں اور ان کی ٹانگیں پکڑ کے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔  
وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّى يُبْصِرُونَ (۶۶)

یعنی جب ان کا حال یہ ہے کہ اپنی ان صلاحیتوں سے جو اللہ نے ان کو بخشی ہیں کوئی کام ہی نہیں  
لے رہے ہیں تو یہ مستحق ہیں کہ ہم ان سے ان کو محروم کر دیں اور یہ کام ہمارے لیے ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔ ہم  
چاہتے تو ان کی آنکھیں مٹا دیتے، پھر یہ راستہ کی تلاش میں بھٹکتے پھرتے لیکن ان کو راہ نہ ملتی۔ لیکن ہم  
نے ایسا نہیں کیا تو یہ ہماری رحمت ہے اور اب بھی ان کے لیے موقع ہے کہ یہ ہماری اس رحمت سے فائدہ  
اٹھائیں اور آنکھیں بند کر کے زندگی نہ گزاریں — 'لو شرط فی المامنی کے لیے آتا ہے اور ہمارے نزدیک  
یہاں مفاسد سے پہلے فعل ناقص مخدوف ہے۔ یعنی وَلَوْ كُنَّا نَشَاءُ'

وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ (۶۷)

اسی طرح اگر ہم چاہتے تو ان کو ان کی جگہ ہی پر مسخ کر کے رکھ دیتے تو پھر نہ وہ آگے ہی کو بڑھ سکتے اور  
نہ پیچھے ہی کو واپس سکتے لیکن یہ ہماری عنایت ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان کو مہلت دیے ہوئے ہیں  
کہ اگر وہ چاہیں تو سنبھل جائیں اور خدا کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کا حق پہچانیں، ان کی قدر کریں اور اپنے رب



کے شکر گزار بندے نہیں۔

وَمَنْ تَعْبُدْهُ تَعْبُدْهُ فِي الْخَلْقِ ۖ أَفَلَا يَعْقِلُونَ (۶۸)

انسانی زندگی اور وجود دھکی دی گئی ہے یہ انسانی زندگی کے احوال و مشاہدات سے اس کی دلیل دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں کی قوتوں اور صلاحیتوں کو مسخ کر دینا ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔ انسان جب وجود میں آتا ہے تو وہ ایک مضبوط گوشت ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ درجہ بدرجہ اس کو قوت و توانائی بخشتا ہے یہاں تک کہ وہ جوانی کی تمام قوتوں اور صلاحیتوں سے بھرپور ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے اوپر بڑھاپا طاری ہونا شروع ہوتا ہے اور درجہ بدرجہ وہ اسی ضعف و ناتوانی کی حالت کی طرف لوٹ جاتا ہے جس میں وہ اپنی ولادت کے

وقت مبتلا تھا۔ قرآن نے اس حالت کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعِیفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعِیفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَیْبَةً (الروم: ۵۴) اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ناتوانی سے، پھر ناتوانی کے بعد اس نے توانائی بخشی پھر توانائی کے بعد ضعف اور بڑھاپا طاری کر دیا، یہ عام حالت کی تصویر ہے۔ ہر شخص جو جوانی اور پیری کے مراحل سے گزرتا ہے اس کو اس کا تجربہ ہوتا ہے۔ قوتوں اور صلاحیتوں کی ناتوانی کا اس سے کہیں زیادہ تجربہ ان لوگوں کو ہوتا ہے جن کو ارذل عمر کے مرحلے سے سابقہ پڑتا ہے۔ قرآن نے ان کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔ وَ مِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ اِلٰی اَرْذَلٍ عُمرِیْکِ لَا یُعٰی۔ لَمَّا بَعَدَ عَنْهُمْ شَیْبًا اَلْاِنْحِلَ (۱۰۰) اور تم میں بعض وہ بھی ہوتے ہیں جو ارذل عمر کو پہنچائے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ جانے کے بعد کچھ نہیں جانتے۔

آیت زیر بحث میں اسی صورت حال کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اس دنیا میں تم دیکھتے ہو کہ جس کی عمر ہم زیادہ کرتے ہیں درجہ بدرجہ اس کی قوتوں اور صلاحیتوں میں ہم اس کو پیچھے کی طرف لٹا دیتے ہیں۔ یعنی جس ناتوانی کے دور سے وہ زندگی کا آغاز کرتا ہے اسی ناتوانی کی طرف پھر وہ واپس لوٹا دیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام قوتیں اور صلاحیتیں خدا ہی کی بخشی ہوئی ہیں وہ جب چاہے ان کو واپس لے سکتا ہے اور اس طرح واپس لے سکتا ہے کہ کسی کو اپنے دینے بائیں کا بھی کچھ ہوش باقی نہ رہے تو حیف ہے ان لوگوں پر جو اللہ کی ان نعمتوں کی قدر نہ کریں اور ان کو پا کر خدا کے شکر گزار ہونے کے بجائے استکبار میں مبتلا ہو جائیں۔ ”تسکس“ اور ”کس“ کو عام اہل لغت بالکل ہم معنی قرار دیتے ہیں۔ یعنی کسی شے کو پیچھے کی طرف لوٹا دینا۔ لیکن میرے نزدیک تسکس میں تدریج کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے یعنی درجہ بدرجہ کسی چیز کو پیچھے کی طرف لوٹانا۔ قرآن میں یہ دونوں لفظ استعمال ہوئے ہیں اور دونوں جگہ یہ فرق ملحوظ ہے۔ لفظ ”خلق“ یہاں ”خلق“ کے مفہوم میں ہے اور اس معنی میں یہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔

## ۸۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۶۹-۸۳

آگے خاتمہ سورہ کی آیات ہیں۔ خاتمہ میں تمہید کے مضمون کو، ایک نئے اسلوب سے پھر لے لیا ہے۔



یاد ہوگا، سورہ کا آغاز قرآن حکیم کی قسم سے ہوا ہے اور اس حکیمانہ کتاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رست کی دلیل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اس کتاب کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے ایموں پر عظیم احسان فرمایا ہے لیکن اس پر ایمان وہی لائیں گے جن کے اندر زندگی کی رمتی ہوگی۔ اس تمہید کے بعد کلام کا رخ قرآن کے دعاوی کے اثبات کی طرف مڑ گیا ہے۔ یہاں بھی غور کیجئے تو وہی بات ایک نئے اسلوب سے آئی ہے۔ پہلے ان مخالفین کی تردید ہے جو قرآن کو شاعری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر قرار دیتے تھے۔ پھر یہ واضح فرمایا ہے کہ کن لوگوں پر یہ کلام اثر انداز ہوگا اور کون لوگ اس سے محروم رہیں گے۔ اس کے بعد ربوبیت کی بعض واضح آیات کی طرف اشارہ کر کے اس دعوتِ شکر کا اعادہ کیا ہے جس پر اس سورہ کی بنیاد ہے۔ اس کے بعد کلام کا رخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کی طرف مڑ گیا ہے کہ لوگ تمہاری مخالفت میں جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کا غم نہ کرو، جو لوگ اللہ پر بھی بھتیاں چست کرنے سے باز نہیں آتے وہ اگر تمہارا مذاق اڑائیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کرو۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ﴿٦٩﴾ لِيُنذِرَ مَنِ كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧٠﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مِلْكُونَ ﴿٧١﴾ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّهُمْ يَتَصَرَّوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُحْضَرُونَ ﴿٧٥﴾ فَلَا يَخْزِيكَ قَوْلُهُمْ إِنَّآ نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٦﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبْنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِّنْهُ

آیات

۸۳-۶۹

دقت لازم



تَوْقِدُونَ ⑧ أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ  
عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ ۖ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ⑨ إِنَّمَا أَمْرُهُ  
إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ⑩ فَسُبْحَانَ الَّذِي  
بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ⑪

دقت غنوان

ہ  
ع  
م

ترجمہ آیات

۶۹-۸۳

اور ہم نے اس کو شعر کی تعلیم نہیں دی ہے اور یہ اس کے شایانِ شان بھی نہیں۔ یہ تو  
بس یاد دہانی اور نہایت واضح قرآن ہے تاکہ وہ ان لوگوں کو آگاہ کر دے جن کے اندر  
زندگی ہے اور کافروں پر حجت تمام ہو جائے۔ ۶۹-۷۰

کیا انھوں نے غور نہیں کیا کہ ہم نے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے  
لیے چوپاٹے پیدا کیے، پس وہ ان کے مالک ہیں! اور ہم نے ان کو ان کا مطیع بنا دیا، پس  
ان میں سے بعض پر وہ سوار ہوتے ہیں اور بعض سے وہ غذا حاصل کرتے ہیں اور ان میں ان  
کے لیے دوسری منفعتیں اور پینے کی چیزیں بھی ہیں۔ تو کیا وہ شکر نہیں کرتے۔ ۷۱-۷۳

اور انھوں نے اس توقع پر اللہ کے سوا دوسرے معبود بنائے ہیں کہ ان کی مدد کی جائے گی۔  
وہ ان کی مدد نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ وہ ان کی حاضر کی ہوئی فوج بنیں گے۔ تو ان کی بات تم  
کو مبتلائے غم نہ کرے، ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ ۷۴-۷۶

کیا انسان نے غور نہیں کیا کہ ہم نے اس کو پانی کی ایک لونڈ سے پیدا کیا تو وہ ایک کھلا ہوا  
حریف بن کر اٹھ کھڑا ہوا! اور اس نے ہم پر ایک پھبتی چیت کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا!  
کہتا ہے کہ بھلا ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے جب کہ وہ بوسیدہ ہو جائیں گی! کہہ دو ان کو وہی  
زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ اور وہ ہر مخلوق سے اچھی طرح باخبر ہے۔



وہی ہے جس نے تمہارے لیے سرسبز درخت سے آگ پیدا کر دی پس تم اس سے آگ جلا لیتے ہو۔ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ ان کی جیسی مخلوق پیدا کرنے پر قادر نہیں! ہاں وہ قادر ہے اور وہی اصل پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ اس کا معاملہ تو بس یوں ہے کہ جب وہ کسی بات کا ارادہ فرماتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ ۸۳-۷۷

## ۹۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِذْ ذُكِّرَتْ مُبَيِّنٌ (۷۹)

شعر شاعری  
نبوت کے شایان  
شان نہیں ہے

ضمیر مفعول کا مرجع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ ان لوگوں کے خیال کی تردید ہے جو قرآن کو شاعری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شاعر قرار دیتے تھے۔ فرمایا کہ نہ ہم نے اپنے رسول کو شعر کی تعلیم دی نہ یہ چیز اس کے شایان شان ہی ہے۔ یہ ان لوگوں کو جواب دیا گیا ہے جو قرآن کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کو محض اس کے پیش کرنے والے کی شاعرانہ جا دو بیانی کا کوشش قرار دیتے تھے تاکہ ان کے عوام پر یہ اثر نہ پڑنے پائے کہ وہ اس کی تاثیر و تسخیر سے مرعوب ہو کر اس کو آسمانی کتاب مان لیں۔ عوام کو قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے برگشتہ کرنے کے لیے وہ کہتے تھے کہ قرآن ہے تو بے شک ایک نہایت فصیح و بلیغ کلام لیکن اس کی یہ فصاحت و بلاغت اس وجہ سے نہیں ہے کہ یہ کوئی آسمانی وحی ہے، جیسا کہ اس کا پیش کرنے والا دعویٰ کرتا ہے، بلکہ جس طرح ہمارے اونچے درجے کے شاعروں کے کلام میں تاثیر و تسخیر ہے اسی طرح اس شخص کے کلام میں بھی تاثیر و تسخیر ہے۔ اس وجہ سے اس شخص کو زیادہ سے زیادہ ایک اونچے درجے کا شاعر سمجھنا چاہیے نہ کہ ایک نبی اور رسول اور اس قرآن کو ایک شاعرانہ کلام ہی کا رتبہ دینا چاہیے نہ کہ وحی والہام کا۔ قرآن نے ان کے اس خیال کی مختلف اسلوبوں سے جگہ جگہ تردید کی ہے۔ خاص طور پر سورہ شعراء میں اس فرق کو نہایت تفصیل سے نمایاں فرمایا ہے جو ایک نبی اور ایک شاعر کے درمیان ایک عامی کو بھی نظر آ سکتا ہے۔ تفصیل کے طالب اس پر ایک نظر ڈال لیں۔

وَمَا يَنْبَغِي لَهُ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ شاعری نبوت کی شان سے ایک فرد تر چیز ہے۔ اس کے فرد تر ہونے کے دو پہلو ہیں۔

ایک پہلو تو یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی روایات و خصوصیات اور شاعروں کی



روایات و خصوصیات میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ سورہ شعراء میں شاعروں کی تین خصوصیات بیان ہوئی ہیں اور یہ تینوں ہی شان نبوت کے منافی ہیں۔

ان کی ایک خصوصیت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ صرف گفتار کے غازی ہوتے ہیں، مکر دار کے غازی نہیں ہوتے۔ اس کے برعکس نبی اپنی ہر بات پر سب سے اول اور سب سے بڑا عمل کرنے والا خود ہوتا ہے۔ دوسری خصوصیت ان کی یہ مذکور ہوئی ہے کہ ان کا کلام متضاد افکار کا مجموعہ ہوتا ہے۔ وہ ہر داری میں ہرزہ گردی کرتے اور ایک ہی سانس میں کفر و اسلام دونوں کی باتیں کرتے ہیں۔ اس کے بالکل برعکس نبی کی ہر بات اپنی اصل اور فرع دونوں میں بالکل متحد و مربوط اور باہم دگر وابستہ و پیوستہ ہوتی ہے۔ ان کی تیسری خصوصیت یہ بیان ہوئی ہے کہ ان کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ برعکس اس کے انبیائے کرام کے پیرو سہیئہ سوسلٹی کے اختیار ہوئے ہیں۔

اگرچہ اس کلیہ میں بعض استثنائے بھی ہیں جن کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے لیکن بہت کم۔ عام ملت یہی ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو شعر و شاعری کی چھوت سے محفوظ رکھا۔

انبیاء کی شان سے اس کے فرد تو ہونے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ شاعری کا تعلق تمام تر جذبات سے ہے۔ یہ جذبات ہی سے پیدا ہوتی ہے اور جذبات ہی پر عمل کرتی ہے۔ یہ اچھے جذبات ابھارتی ہے اگر اس کے اندر اچھے جذبات ظاہر کیے گئے ہوں اور برے جذبات بھی برا نگینہ کرتی ہے اگر اس کو برے جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنایا جائے۔ اس دائرہ سے باہر اس کا وجود بالکل بے کار ہے۔ حضرات انبیائے کرام جس مشن پر مامور ہوتے ہیں اس کا تعلق صرف جذبات سے نہیں بلکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو سے ہوتا ہے اس وجہ سے ان کی اصل اپیل جذبات کے بجائے انسان کی عقل سے ہوتی ہے جو زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی کرتی ہے۔ انھیں لوگوں کو صرف ابھارنا ہی نہیں ہوتا بلکہ ان کی تربیت بھی کرنی ہوتی ہے، ان کی غلطیوں کو درست کرنا ہوتا ہے، ان کو انفرادی و اجتماعی زندگی کے آداب و اصول سکھانے ہوتے ہیں، ان کو حکومت و ریاست کے قوانین و ضوابط بتانے ہوتے ہیں۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھیے کہ انھیں دنیا اور آخرت دونوں کی حسات سے لوگوں کو بہرہ مند کرنا ہوتا ہے۔ یہ سارے کام ظاہر ہے کہ شاعری کے بس سے باہر ہیں ان کاموں کے لیے ضرورت کسی شاعر کے دیوان یا مجموعہ کلام کی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب مبین کی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو شاعر نہیں بلکہ اپنی کتاب مبین کا حامل بنایا۔

ایک سوال یہاں ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب شاعری حضرات انبیائے کرام کی شان اور ان کے مقصد سے ایک فرد تر چیز ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور شعر کی شکل میں کیوں عطا فرمائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس اصل رہنما کتاب زبور نہیں بلکہ تورات تھی۔ زبور کی حیثیت محض تورات کے ایک ضمیمہ کی سمجھیے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی کچھ دعائیں، مناجاتیں، ان کے مواعظ اور



ان کی ہر حکمت نصیحتیں ہیں۔ تورات کے ساتھ مل کر تو یہ ایک نہایت بابرکت خزانہِ حکمت ہے۔ لیکن تورات کے بغیر یہ اس مقصد کے لیے کافی نہیں ہے جس کے لیے حضرات انبیاء کی بعثت ہوئی۔

مَا تَمُورَ إِلَّا ذِكْرًا قُرْآنٍ مُبِينٍ یعنی یہ قرآن شعورِ شاعری نہیں بلکہ ایک عظیم یاد دہانی اور ایک واضح صحیفہ ہدایت ہے تاکہ یہ خلق کی اصلاح اور لوگوں کی رہنمائی کا ذریعہ بنے۔ قرآن کے ذکر ہونے کا مفہوم اس کے محل میں ہم واضح کر چکے ہیں۔ یہ ان تمام حقائق کی بھی یاد دہانی کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کے اندر ودیعت فرمائے ہیں، اس پوری تاریخ ہدایت کی بھی یاد دہانی کرتا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پھیلی ہوئی ہے اور ان تمام نتائج و عواقب کی بھی یاد دہانی کرتا ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں لازماً پیش آکے رہیں گے اگر اللہ کے رسول کی تکذیب کی گئی۔

قُرْآنٌ مُبِينٌ یعنی ایک جامع صحیفہ ہدایت جو زندگی کے ہر پہلو کے لیے اپنے اندر نہایت واضح، ٹھوس، محکم اور مدلل رہنمائی رکھتا ہے اور ہر حقیقت کو اس طرح کھول کر بیان کرتا ہے کہ کسی انصاف پسند کے لیے کسی شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ ایسی مدلل، میرہن اور منضبط کتاب کو شعورِ شاعری سے کیا تعلق! دنیا کی پوری تاریخ میں کس شاعر نے اس طرح کی کتاب پیش کی ہے!

رَبُّنَا الَّذِي أَمَّا تَبِيعُ الْقَوْلَ عَلَى الْكَافِرِينَ (۷)

یُسْذَرُ کا فاعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ اس قرآن میں کے آثار سے جانے کا مقصد بیان ہوا ہے قرآن کے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ قرآن اس لیے اتارا ہے کہ اس کے ذریعے سے وہ ان لوگوں کو انداز کرے جو جن کے اندر حیاتِ عقلی و روحانی کی رمت باقی ہے۔ رہے وہ لوگ جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں وہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھائیں گے البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر رحمت پوری ہو جائے گی اور وہ خدا کے ہاں یہ غدر نہیں کر سکیں گے کہ ان کے پاس کوئی ڈرنے والا نہیں آیا اور نہ وہ ہدایت اختیار کرنے والے بنتے۔

فصل 'انذار' یہاں اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے اور 'حق' سے دل کے زندہ مراد ہیں۔ ایک مُنذِر انذار کرتا تو سب کو ہے لیکن اس کا انذار کا اگر صرف انہی لوگوں پر ہوتا ہے جن کی فطرت زندہ ہوتی ہے۔ اس لیے کہ بات پر دھیان وہی کرتے ہیں، جیسا کہ فرمایا ہے۔ اِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ (نہیں) (۱۱) (تم انہی کو ڈرا سکتے ہو جو نصیحت پر دھیان کریں) چونکہ حقیقت کے اعتبار سے زندہ وہی لوگ ہوتے ہیں اس وجہ سے قرآن نے انہی کو زندہ کہا ہے۔ جو اس وصف سے محروم ہیں وہ زندہ نہیں بلکہ مردہ ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کی نسبت فرمایا ہے اَوْ مَا أَنْتَ بِمُبَشِّرٍ فِي الْقُبُورِ (فاطر: ۲۲) اس اسلوب بیان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ تسلی بھی ہے کہ تمہارا کام زندوں کو جگانا ہے، مردوں کو جگانا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ مضمون مختلف اسلوبوں سے قرآن میں بار بار بیان ہوا ہے۔

'القول' سے مراد وہ قول ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے چیلنج کے جواب میں فرمایا تھا کہ میں بنی آدم



کی ہدایت کے لیے اپنی کتاب اور اپنی ہدایت نازل کروں گا۔ پھر جو اس کے بعد بھی تیری پیروی کریں گے تو میں ان سب کو تیرے سمیت جہنم میں بھر دوں گا۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْفَاءً مَا فَهَمَ لَهَا مِلكُونَ ۚ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ  
وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ۚ وَفِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۚ أَفَلَا يَشْكُرُونَ (۷۱-۷۳)

ان آیات کا موقع و محل سمجھنے کے لیے اس سورہ کی آیات ۳۳-۳۵ پر ایک نظر ڈال لیجیے جس طرح وہاں قرآن کے انذار اور اس کی دعوت توحید کا حوالہ دینے کے بعد بعض آیات ربوبیت کی طرف توجہ دلائی ہے اور پھر خدا ہی کی شکرگزاری کا مطالبہ کیا ہے اسی طرح یہاں بھی قرآن کی دعوت کی تائید میں اپنی ربوبیت کی بعض نشانیوں کی طرف توجہ دلانے کے بعد خدا ہی کی شکرگزاری کا مطالبہ کیا ہے۔ گویا تمہید کا مضمون خاتمہ میں ایک نئے اسلوب سے پھر سامنے آگیا۔

قرآن کی روش  
کی تائید میں  
آیات ربوبیت  
کا حوالہ

’أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا الْأَمِيَّةُ‘ فرمایا کہ کیا وہ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ ہم نے اپنی قدرت و حکمت سے چوپائے بنائے اور پھر ان کو ان کا مالک بنا دیا۔ وہ ان پر پوری آزادی سے مالکانہ تصرف کرتے اور اپنی تمام ضروریات میں ان کو استعمال کرتے ہیں۔ ’مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا‘ میں وہی بات ایک دوسرے اسلوب سے فرمائی گئی ہے جو پیچھے آیت ۳۵ میں ’وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ‘ کے الفاظ سے فرمائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں خود اپنے وجود سے شاہد ہیں کہ صرف خدا ہی کی قدرت و حکمت نے ان کو وجود بخشا ہے کسی دوسرے کی مجال نہیں تھی کہ ان کو وجود میں لاسکتا یا ان کو انسان کا مطیع و فرمانبردار بنا سکتا۔ یہ محض رپ کریم کی کریمی ہے کہ اس نے ان کو اپنی قدرت و حکمت سے بنایا اور پھر ان کو انسان کی غلامی میں دے دیا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ صورت حال دعوت دیتی ہے کہ انسان غور کرے کہ قدرت کے اس بے پایاں انعام کے عوض میں اس پر کوئی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ قرآن اس سوال کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا اور اس کے نتائج سے آگاہ کرنا چاہتا ہے لیکن احمق لوگ حقیقت کی اس یاد دہانی کو شاعری سمجھتے ہیں۔

’وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمُ الْأَمِيَّةُ‘ یعنی یہ محض خدا کی ربوبیت و رحمت ہے کہ اس نے ان چوپایوں کو انسان کی معاشی ضروریات کے لیے سازگار بنایا اور پھر ان کو اس طرح انسان کا مطیع بنا دیا ہے کہ وہ جس طرح چاہے ان کو استعمال کرتا ہے۔ اگر خدا نہ چاہتا تو یہ چوپائے نہ تو انسان کی ضروریات کے لیے سازگار ہوتے اور نہ وہ ان کو اپنا مطیع بنا سکتا۔ آخر دنیا میں کتنے جانور ایسے ہیں جو نہ تو انسان کی ضروریات کے لیے کارآمد ہیں اور نہ وہ ان کو چوپایوں کی طرح اپنا غلام ہی بنا سکتا ہے۔ اگر وہ ان کو مسخر بھی کر لے جب بھی وہ ایک بوجھ تو اس کے لیے بن سکتے ہیں لیکن اس کا کوئی بوجھ اٹھانے والے نہیں بن سکتے۔ فرمایا کہ ان چوپایوں ہی میں سے بعض وہ ہیں جن سے وہ سواری کا کام لیتا ہے اور بعض وہ ہیں جن سے وہ اپنی غذائی ضروریات پوری کرتا ہے۔







’انسان‘ سے مراد قریش ہی ہیں جن سے یہاں بحث ہے سبہ التفاتی کے اظہار کے لیے لفظ عام استعمال فرمایا ہے۔

’ضرر بمثل‘ کوئی مثال بیان کرنے یا حکمت کی بات کہنے کے لیے بھی آتا ہے اور موقع ہو تو کسی پر طنز یا پھبتی چیت کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یہاں یہ اس دوسرے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ یہ کلام اپنے مابقی سے دو پہلوؤں سے ربط رکھتا ہے۔ اوپر کی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تسلی دی گئی ہے اس سے بھی اس کا تعلق ہے اور اس سے اوپر کی آیات میں قریش کو خدا کی ربوبیت کے جو مقتضیات بتائے گئے ہیں اس سے بھی اس کا ربط ہے۔

تسلی کے مضمون سے اس کا ربط یوں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا ہے کہ جو سر پھرے لوگ خدا پر بھی پھبتی چیت کر رہے ہیں اور اپنی پیدائش کو بھول کر بڑے طغظنہ سے یہ سوال کر رہے ہیں کہ بوسیدہ ہڈیوں میں کون زندگی پیدا کر سکتا ہے وہ اگر پیغمبر پر طنز کریں اور اس کو شاعر و مجنون قرار دیں تو ان سے کیا بعید ہے۔ ربوبیت کے مضمون سے اس کا تعلق یوں ہے کہ ربوبیت جس طرح شکر اور توحید کو مقتضی ہے اسی طرح ایک روز حساب و کتاب کو بھی مقتضی ہے (اس مضمون کی وضاحت اس کے محل میں ہو چکی ہے) لیکن انسان کی بلادت کا یہ حال ہے کہ وہ خدا کی نعمتوں سے متمتع ہونے کے باوجود یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے کہ کوئی روز حساب و کتاب بھی آنے والا ہے جس دن اس سے ان نعمتوں کی بابت پرسش ہونی ہے اور اگر اس کو اس کی یاد دہانی کی جاتی ہے تو وہ ایک حریف بن کر سامنے آتا ہے اور اپنی پہلی خلقت کو بالکل بھول کر طنز یہ انداز میں سوال کرتا ہے کہ بھلا بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے! فرمایا کہ ان کو بتا دو کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا۔ اگر پہلی بار ان کو پیدا کرنے میں اس کو کوئی زحمت نہیں پیش آئی تو دوبارہ اس کو پیدا کرنے میں کیوں زحمت پیش آئے گی!

’وَشَيْءٌ خَلَقَهُ‘ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ احمقانہ سوال وہی کر سکتا ہے جس کو اپنی پہلی خلقت یاد نہ رہی ہو۔ جس کو اپنی پہلی خلقت یاد ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو اسی مٹی سے وجود میں لایا ہے تو وہ یہ سوال نہیں کر سکتا اگر کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خدا کا حریف بن کر اس سے لڑنے اٹھا ہے۔

قَدْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (۹)

’وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ‘۔ ’خالق‘ یہاں مخلوق کے معنی میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کو جانتا ہے۔ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ (کیا وہ نہیں جانتے گا جس نے پیدا کیا) کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ مٹی میں رل ملی جانے کے بعد وہ ان کو بھول جائے گا۔ وہ ان کے وجود کے ایک ایک ذرے سے باخبر ہے۔ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ ۖ وَعِندَنَا كِتَابٌ حَفِيفٌ (۴) (زمین ان کے اندر سے جو کچھ کم کرتی ہے ہم اس کو جانتے رہے ہیں اور ہمارے پاس سارا ریکارڈ رکھنے والی ایک کتاب ہے)۔



الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِّنْهُ تُوقِدُونَ (۸۰)

یعنی اس بات کو مستبعد نہ خیال کرو کہ راکھ اور مٹی سے زندگی نمودار ہو جائے گی۔ فندے سے فندے کے نمودار ہونے کا رشمہ تم برابر اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ تم سرسبز درخت کی دو شاخیں لیتے اور ان کو ایک دوسرے سے رگڑ کر ان سے آگ جلا لیتے ہو۔ جس خدا نے اپنی قدرت کی یہ شان دکھائی ہے اس کے لیے یہ کیا بعید ہے کہ وہ مٹی اور راکھ کے اندر سے زندگی نمودار کر دے! — الشجر الاخضر سے مراد وہ درخت ہیں جو عرب کے بعض علاقوں میں پائے جاتے ہیں اور صحراؤں کے مسافران کی شاخوں سے چھتاق کا کام لیتے رہے ہیں۔

سلف میں سے بعض لوگوں نے اس آیت کی تاویل اس سے مختلف بھی کی ہے لیکن مجھے اس میں تکلف محسوس ہوتا ہے۔ یہ تاویل بالکل واضح ہے۔ عرب میں بعض درخت پائے جاتے تھے جن سے لوگ چھتاق کا کام لیتے تھے۔ کتابوں میں ان کے نام بھی مذکور ہوئے ہیں۔ اگر اب یہ درخت نہ پائے جاتے ہوں یا بہت نایاب ہوں تو اس سے کچھ فرق نہیں پیدا ہوتا۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے برابر محدود اثبات ہوتا رہتا ہے۔ اگر قرآن کے مخاطب اول اس سے واقف تھے تو یہ استدلال بالکل بر عمل ہے۔ اس کی اصل بنیاد اس حقیقت پر ہے کہ فندے سے فندے کے وجود کے ثواب اس دنیا میں موجود ہیں اور یہ ایک ایسی بات ہے جس سے انکار کی گنجائش کسی کے لیے بھی نہیں ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ سب سے زیادہ زوردار آگ پانی کے اندر پائی جاتی ہے!

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ

الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ (۸۱)

سوال کا جواب اسے استبعاد کو ایک دوسرے پہلو سے رفع فرمایا ہے کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کر دیا اور اس کو اس میں کوئی مشکل نہیں پیش آئی کیا وہ ان کی جیسی مخلوق کو دوبارہ پیدا کر دینے پر قادر نہیں ہو سکتا؟ یہ سوچیں کہ ان دونوں میں زیادہ مشکل کام کون سا ہے؟ بلیٰ دھواں خلائق العلیم یہ اس سوال کا خود ہی جواب دیا ہے کہ ہاں، وہ پوری طرح قادر ہے کہ ان کو دوبارہ پیدا کر دے۔ اس جواب سے مخاطب کے لیے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی اگرچہ وہ کتنی ہی سخن سازیاں کرے۔ دھواں خلائق العلیم یہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے مذکورہ دعوے پر دلیل ہے کہ اصل پیدا کرنے والا اور علم رکھنے والا تو خدا ہی ہے۔ اوپر آیت ۹، میں فرمایا ہے دھو بکلی خلیٰ یلیئم اسی مضمون کو یہاں زیادہ زور دار الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ خدا بڑا پیدا کرنے والا ہے، کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ اس دنیا کو پیدا کر کے وہ تھک گیا یا اس کی قوت تخلیق ختم ہو گئی بلکہ وہ اسی طرح تازہ دم ہے جس طرح پہلے تھا اور وہ اپنی ہر مخلوق کے اجزائے ترکیبی سے اچھی طرح باخبر ہے، وہ جب چاہے گا از سر نو اس کے پورے پورا دہرے کو ٹھیک کرے گا۔



رَأْسًا أَمْرًا إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (۸۲)

یعنی کوئی اس غلط فہمی میں بھی نہ رہے کہ کسی چیز کو پیدا کرنے کے لیے خدا کو کارخانے قائم کرنے پڑتے ہیں یا سرمایہ، میٹیریل، لیبر اور شیمنوں کا اہتمام و انتظام کرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کسی ارادے کی تعمیل میں کسی چیز کا بھی محتاج نہیں ہے۔ اس کا معاملہ بس یوں ہے کہ جب وہ کسی بات کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو حکم فرماتا ہے کہ وہ ہو جائے اور وہ اس کے حکم کے مطابق ہو جاتی ہے۔

فَسُبُّهُمْ أَلْسِنًا مَبِيدَةً مَكُونُ كُلِّ شَيْءٍ دَلِيلُهُ تُرْجَعُونَ (۸۳)

’ملکوت‘ کے معنی اختیار و اقتدار کے ہیں۔ یہ آخر میں تنبیہ فرمائی کہ جہں خدا کے ہاتھ میں ہر چیز کی زمام ہے اور جس کی طرف ہی تمہیں لوٹ کر جانا ہے وہ ہر نقص و عیب سے منزہ ہے تو اس کو ہر عیب سے منزہ مانو اور اس کی پاکی بیان کرتے رہو۔ اس کی ذات و صفات اور اس کے حقوق میں کوئی شریک نہیں۔ وہ ہر شرکت سے ارفع ہے، اس نے یہ دنیا عبث نہیں بنائی ہے اس وجہ سے ہر ایک کو خدا کے حضور حاضر ہونا اور اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔ اس کے لیے لوگوں کو مرنے اور مٹر گل جانے کے بعد دوبارہ اٹھا کھڑا کرنا ذرا مشکل نہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، کوئی چیز بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں اور کسی کا کوئی قول و عمل بھی اس سے مخفی نہیں

اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی رہنمائی سے ان سطروں پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ الحمد للہ علی ذلک۔

رحمان آباد

۸ مارچ ۱۹۷۵ء



مدیرفران

۳۷  
۳۰  
الطیف









## ۱۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ ————— سورہ یس — کے منشی کی حیثیت رکھتی ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ توحید، قیامت اور رسالت کے اصولی مباحث جس طرح اس گردپ کی پچھلی سورتوں میں زیر بحث آئے ہیں اسی طرح اس میں بھی زیر بحث آئے ہیں البتہ پنج استدلال اور ترتیب بیان مختلف ہے۔ توحید جو اس پر سے گردپ کی روح ہے، اس سورہ میں بھی نمایاں ہے۔ لیکن اس میں اس کے ایک خاص پہلو ————— الوہیت ملائکہ کے تصور کے ابطال — کو زیادہ وضاحت کے ساتھ لیا ہے۔ احوال قیامت کی تصویر اس میں ایسے زاویہ سے پیش کی گئی ہے جس سے مشرکین کے عوام اور ان کے لیڈروں کی باہمی تو تکرار سامنے آتی ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی پوری تاریخ بھی اس میں اجمالاً بیان ہوئی ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جن قوموں نے رسولوں کی تکذیب کی اللہ تعالیٰ نے ان کو مٹا دیا، فلاح صرف رسولوں اور ان کی پیروی کرنے والوں کو حاصل ہوئی۔

## ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

سورہ کے مطالب کا اجمالی تجزیہ یہ ہے۔

(۱۔۱۰) ملائکہ خدا کے حضور میں ہمیشہ اس کے احکام کی تعمیل کے لیے حاضر اور اس کی حمد و تسبیح میں سرگرم رہتے ہیں۔ وہ اپنے عمل سے شہادت دے رہے ہیں کہ وہ خدا کے نہایت فرمانبردار اور اطاعت گزار بندے ہیں نہ کہ اس کے شریک، جیسا کہ نادانوں نے سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب صرف ملائکہ کو حاصل ہے، جنات و شیاطین کی رسائی ملائکہ اعلیٰ تک نہیں ہے۔ اگر وہ ملائکہ اعلیٰ کی باتوں کی کچھ سن گئے ہیں تو شش کرتے ہیں تو ملائکہ ان کو دھتکار تے اور شہاب ثاقب ان کا تعاقب کرتے ہیں اس وجہ سے وہ غائب کی باتیں جاننے سے قاصر ہیں۔ جو لوگ ان کو علم غیب حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے مرتبہ بلند سے بے خبر ہیں۔

(۱۱۔۳۹) ان لوگوں کو تنبیہ جو قیامت کا مذاق اڑا رہے تھے۔ قیامت کے دن ان کا ادا ان کے لیڈروں کا



جو حال ہوگا اس کی تصویر۔ مقصود اس سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ ان کے مغرورانہ رویہ کو ابھی نظر انداز کر دو۔ وہ دن آنے والا ہے جب ان کے عوام اپنے لیڈروں پر لعنت کریں گے کہ انھوں نے ان کو پیغمبر کی پیروی سے روکا اور لیڈر اپنے پیروں کو ملامت کریں گے کہ وہ خود شامت زدہ تھے کہ انھوں نے حق کے مانع ہو جاتے کے بعد اس کا انکار کیا۔

(۴۰-۶۱) ان اہل ایمان کا صلہ جو گمراہ کرنے والے ساتھیوں اور لیڈروں کے علی الرغم رسول کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ان کو قیامت کے دن جو سزا دی جائے گی اس کے بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ۔

(۶۲-۶۰) باپ دادا کی اندھی تقلید کے جنون میں رسول اور اس کے طریقہ کی مخالفت کرنے والوں کو جس انجام سے سابقہ پیش آئے گا اس کی طرف اشارہ۔

(۴۱-۱۴۸) تاریخ کی شہادت کہ جن قوموں کو اللہ تعالیٰ نے کسی رسول کے ذریعہ سے انداز کیا اگر انھوں نے رسول کی تکذیب کر دی تو ہلاک کر دی گئیں۔ صرف وہ لوگ خدا کی پکڑ سے محفوظ رہے جنہوں نے رسول کی پیروی کی۔ اللہ کی رحمت و برکت، اللہ کے رسولوں اور ان کی پیروی کرنے والوں ہی کے لیے ہے۔

(۱۴۹-۱۸۲) غانہ سورہ جس میں کلام تمہید کے مضمون سے پھر مربوط ہو گیا ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام کی زبانی یہ شہادت دلائی گئی ہے کہ فرشتوں کی جماعت برابر خدا کے احکام کی تعمیل اور اس کی حمد و تسبیح میں مہرگرم رہتی ہے اور ہم خدا کے فرمانبردار بندے ہیں نہ کہ اس کے شریک و شفیع۔ آخر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اللہ کی مدد اور غلبہ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں ہی کے لیے ہے۔ تمہارے مخالفین لازماً ناکام ہوں گے جو پہلے تو رسول کی بعثت کے منتظر رہے لیکن جب وہ آیا تو حسد و تکبر کے سبب سے اس کی مخالفت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ تم ان سے درگزر کرو اور مہر کے ساتھ اپنا کام کیے جاؤ۔ سلامتی اللہ کے رسولوں ہی کے لیے ہے۔



# سُورَةُ الصَّفَاتِ (۳۷)

مَكِّيَّةٌ ۱۸۲ آيَاتُهَا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
وَالصَّفَاتِ صَفَا ۱ ۱۰۰۱ فَالزُّجَرِ زَجْرًا ۲ ۱۰۰۱ فَالتَّالِيَةِ ذِكْرًا ۳ ۱۰۰۱  
إِنَّ إِلَهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۴ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَ  
رَبُّ الْمَشَارِقِ ۵ إِنْ أَرَادْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزَيْنَةٍ ۶ لَنَكْوَاكِبُ ۷  
وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ۸ لَا يَسْمَعُونَ إِلَى الْمَلَأِ الْأَعْلَى  
وَيُقْنَذَ فُونَ مِّنْ كُلِّ جَانِبٍ ۹ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۱۰  
إِلَّا مَن خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۱۱

شاہد ہیں صفیں باندھے، حاضر رہنے والے فرشتے، پھر زجر کرنے والے (شیاطین کو) ترجمہ آیات

پھر ذکر کرنے والے (اپنے رب کا) تمہارا معبود ایک ہی ہے، وہی خداوند ہے آسمانوں اور

زمین اور ان کے درمیان کی ساری چیزوں کا۔ اور وہی خداوند ہے سارے اطراف مشرق کا۔ ا۔ ہ

بے شک ہم ہی نے سجایا ہے سمار دنیا کو ستاروں کی زینت سے اور اس کو محفوظ کیا ہے

اچھی طرح ہر سرکش شیطان کی دراندازی سے۔ اور وہ ملائعہ اعلیٰ کی طرف کان نہیں لگانے پاتے

اور وہ ہر جانب سے دھتکائے جاتے ہیں کھدیڑنے کے لیے اور ان کے لیے ایک دائمی عذاب



ہے مگر یہ کہ کوئی ایک لے کوئی بات تو ایک دیکھا شعلہ اس کا تعاقب کرتا ہے - ۱۰-۶

## ۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

فَالصَّفَاتِ صَفَاتُ (۱)

قسم نمائندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو قسمیں لکائی ہیں یہ تعلیم کے لیے نہیں بلکہ مقسم علیہ پر شہادت کے لیے ہیں۔ اساذام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ الامان فی اقسام القرآن میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے۔ ہمارے قلم سے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ تفصیل کے طالب اس کو پڑھیں۔  
قسم کے اس مفہوم کی روشنی میں فَاَلصَّفَاتِ صَفَاتُ کا ترجمہ شاید یہی صفتیں باندھے ہوئے حاضر رہنے والے فرشتے کیا جائے تو یہ قسم کے مفہوم کو بالکل ٹھیک ادا کرنے والا ہوگا۔

صَفَاتُ یہاں فرشتوں کی صفت کے طور پر آیا ہے اور اس کی وضاحت اسی سورت میں خود حضرت جبریل کی زبانی ہو گئی ہے۔ ان کا ارشاد نقل ہوا ہے: وَمَا مِمَّا آتَاكُم مَّقَرُّ مَقُورَةٍ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُونَ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ (۱۶۱-۱۶۲) (اور ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک معین مقام ہے اور ہم تو صفت بستہ رہنے والے ہیں اور ہم تو تسبیح کرتے رہنے والے ہیں)۔

قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان فرشتوں کا ذکر ہے جو ملائکہ علی کے زمرے سے تعلق رکھتے اور عرش الہی کے ارد گرد صفت بستہ رہتے ہیں۔ سورہ زمر میں ان کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے: وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِظِينَ مِنْ حَوْلِ عَرْشِ رَبِّكَ لَيْسَ مِنْهُمْ يَخْفَىٰ وَبِهِمْ (۵) (اور تم دیکھو گے فرشتوں کو گھیرے ہوئے عرش کے ارد گرد اپنے رب کی تسبیح کرتے ہوئے اس کی حمد کے ساتھ)۔

فَالصَّفَاتِ زَجْرًا (۲)

زجر کے معنی جبر کرنے، ڈانٹنے اور دھمکانے کے ہیں۔ یہ انہی فرشتوں کی دوسری صفت بیان ہوئی ہے کہ اگر شیاطین ملائکہ علی کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ ان کو دھمکارتے ہیں۔ شیاطین کو ملائکہ سے دور رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص انتظام بھی فرمایا ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

فَالصَّفَاتِ ذِكْرًا (۳)

تیسری صفت یہ ان فرشتوں کی تیسری صفت ہے۔ تلاوت ذکر سے مراد وہی چیز ہے جو سورہ زمر میں لَيْسَ مِنْهُمْ يَخْفَىٰ وَبِهِمْ کے الفاظ سے اور اس سورہ میں وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ کے الفاظ سے مذکور ہوئی ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتے ہیں۔

یہاں عربی زبان کا یہ تادمہ پیش نظر رہے کہ جب صفات کا بیان اس طرح 'ف' کے ساتھ ہو جس



طرح یہاں ہے تو یہ دو باتوں پر دلیل ہوتا ہے۔ ایک اس بات پر کہ یہ تمام صفات ایک ہی چیز کی ہیں اس وجہ سے جن لوگوں نے ان صفات کے الگ الگ موصوف قرار دیے ہیں ان کی رائے ہمارے نزدیک عر بیت کے خلاف ہے۔ دوسری اس بات پر کہ ان صفات میں ایک تدریجی ترتیب ہے۔ ہم نے جو تاویل کی ہے اس سے پہلی بات تو بالکل واضح ہے کہ یہ تمام صفات ملائکہ کی ہیں۔ رہی دوسری بات تو غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان صفات میں اسی طرح کی ترتیب ہے جس طرح کی ترتیب ہماری نازوں میں ہوتی ہے جس طرح ہم خدا کے سنگ صفت بستہ کھڑے ہوتے ہیں، پھر شیطان سے لغو ذکر کرتے ہیں، پھر اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہیں اسی طرح ملائکہ بھی عرش الہی کے ارد گرد صفت بستہ کھڑے ہوتے ہیں، پھر ثابلیں کو زجر کرتے ہیں، پھر اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكُمُ لَوَاحِدٌ (۴)

یہ اس قسم کا تقسم علیہ ہے۔ فرشتوں کی اس بندگی اور اس حمد و تسبیح کو شہادت میں پیش کرنے کے بعد فرمایا کہ تمہارا رب ایک ہی ہے۔ اس سے یہ بات نکلی کہ جن لوگوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مان کر ان کو خدائی میں شریک کر رکھا ہے اور ان کی شفاعت کی امید پر ان کی پوجا کر رہے ہیں وہ بالکل حماقت میں مبتلا ہیں۔ فرشتوں کا خود اپنا طرز عمل ان نادانوں پر ایک کھلی ہوئی نکیر ہے۔ اس لیے کہ وہ برابر خدا کی بندگی اور اس کی حمد و تسبیح میں سرگرم ہیں اور یہ احمق لوگ ان کو شریک خدا بنا کر ان کی پوجا میں لگے ہوئے ہیں۔

رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا رَبُّ الْمَشَارِقِ (۵)

یہ خبر کے بعد دوسری خبر ہے۔ یعنی وہی اللہ واحد تمام آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ساری چیزوں کا خداوند ہے اور وہی تمام مشرق و مغرب کا مالک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ اس نے اپنی ناپیدا کنار مملکت کے دور دراز گوشوں کا انتظام اپنے دوسرے شریکوں کے سپرد کر رکھا ہے۔ وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہے۔ وہ اپنی کائنات کے ہر گوشے اور کونے کا مالک خود ہے اور خود ہی اپنے احکام کے تحت اس کا انتظام فرماتا ہے۔ اس کائنات میں فرشتوں کا اگر کوئی دخل ہے تو خدا کے شریک کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس کے فرمانبردار سفیروں اور کارندوں کی حیثیت سے ہے۔ وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اپنے رب کے احکام کی تعمیل میں کرتے ہیں۔

رَبُّ الْمَشَارِقِ، میں 'مَشَارِق' جمع اپنے اطراف کی وسعت کے اعتبار سے ہے۔ سورۃ اعراف میں جمع رائے استعمال

لفظ اعراف کے تحت ہم بیان کر آئے ہیں کہ جمع بعض مرتبہ کسی شے کی وسعت اور اس کے طول کو ظاہر کرنے کے کا ایک خاص

لیے بھی آتی ہے۔ قرآن میں 'مَشَارِق' اور 'مَغَارِب' کے الفاظ اسی اعتبار سے آئے ہیں۔ اسی طرح جہاں مقصود محل

کسی شے کے دونوں کناروں کی طرف اشارہ کرنا ہو وہاں اس کو بعض اوقات ثنائی کی شکل میں لاتے ہیں چنانچہ



قرآن میں مشرق اور مغرب میں، بھی استعمال ہوئے ہیں۔ رَبُّ الْمَشَارِقِ کے بعد رَبُّ الْمَغَارِبِ، بر بنائے وضاحت تریبہ حذف ہے۔ اس لیے کہ مغارب، 'مشارق' کے تحت ہیں۔ جب اصل کا ذکر آگیا تو فرع کا ذکر گویا خود بخود ہو گیا۔ بعض جگہ اس کو واضح بھی فرما رہا ہے۔ مثلاً: فَلَا تُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَدِيْدُونَ (العارج - ۴۰) (پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں مشارق اور مغارب کے رب کی کہ بے شک ہم قادر ہیں)۔ 'مشارق' کے خاص اہتمام کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دنیا میں مشرکوں نے سب سے زیادہ پرستش سورج کی کی ہے جو مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔

إِنَّا زَيْنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزَيْنَةٍ ۚ إِنَّكَ وَكَيْلٌ وَحِفْظًا ۚ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَارِدٍ (۶-۷)

اد پر کی آیات میں ملائکہ کا ذکر ہوا ہے کہ نادانوں نے تو ان کو خدائی کا درجہ دے رکھا ہے اور ان کے ملا را علیٰ تک کا حال یہ ہے کہ وہ برابر اپنے رب کے آگے صف بستہ اور اس کی حمد و تسبیح میں مگر م رہتے ہیں۔ اب آگے کی آیات میں شیاطین جن کا ذکر آ رہا ہے کہ نادانوں نے ان کی نسبت یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کی رسائی ملا را علیٰ تک ہے اور وہ وہاں سے غیب کی خبریں حاصل کرتے ہیں چنانچہ اسی توقع پر ان کی پرستش کی جاتی ہے کہ یہ علم غیب کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ حالانکہ ملا را علیٰ تک کسی کی بھی رسائی نہیں ہے۔ اگر کوئی شریر جن وہاں تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے تو اس پر شہاب ثاقب کی مار پڑتی ہے۔

شیاطین جن کی تردید

'وَحِفْظًا' فعل محذوف کی تاکید ہے۔ یعنی 'وَحِفْظُهَا حِفْظًا' اس وجہ سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آسمان کو ہم نے شیاطین کی در اندازی سے اچھی طرح محفوظ کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ستارے ایک طرف تو آسمان زیریں کی زینت ہیں، دوسری طرف قدرت ان سے یہ کام بھی لیتی ہے کہ جو شیاطین ملا را علیٰ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں ان کو انہی ستاروں کے ذریعے سے سرزنش کی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں یہ مضمون مختلف اسلوبوں سے بیان ہوا ہے مثلاً: وَلَقَدْ زَيْنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِسَبْعٍ رَاجِعٍ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيْطَانِ (الملک: ۵) (اور ہم نے سماء دنیا کو تاروں سے سجایا ہے اور ان کو شیاطین کے سنگسار کرنے کے لیے بھی بنایا ہے) دوسرے مقام میں ہے: وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيْنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا خَيْرِينَ ۚ وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَاجِعٍ ۚ إِلَّا مِنْ أَسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ مُبِينٌ (الحجر: ۱۶-۱۸) (اور ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور اس کو دیکھنے والوں کے لیے ستاروں سے مزین کیا ہے اور اس کو ہر شیطان راجع سے محفوظ کیا ہے اور اگر کوئی چھپ کے ملا را علیٰ کی باتیں سننے کی کوشش کرتا ہے تو ایک دمکنا شہاب اس کا تعاقب کرتا ہے)۔

لَا يَسْمَعُونَ إِلَى الْمَلَأِ الْأَعْلَىٰ وَيُقَذَّفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ هَٰذَا دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ

وَاصِبٌ (۸-۹)

'لَا يَسْمَعُونَ' یہ نفی فعل، نفی نائزہ فعل کے پہلو سے ہے۔ یعنی شیاطین ملا را علیٰ کی باتیں سننے کی



کوشش کرتے تو ہیں لیکن وہ کان لگانے پاتے نہیں۔ جب وہ یہ کرنا چاہتے ہیں تو ہر جانب سے ان پر شگ باری ہوتی ہے۔ دُحُوْدُ کے معنی دھنکارتے اور کھڑکھڑانے کے ہیں اور دَاٰصِبُ کے معنی دائم کے۔ یعنی اس دنیا میں تو وہ اس طرح ملعون و مہجوم رہیں گے اور آخرت میں ان کے لیے ایک دائمی عذاب ہے۔  
 اَلَا مَنْ خِطَفَ الْخُطْفَةَ فَاتَّبَعَهُ يَشْهَابٌ ثَارِقٌ (۱۰)

یعنی قدرت کے اس حکم انتظام کے بعد اس بات کا تو امکان ہے نہیں کہ کوئی شیطان ملا ملا علی تک پہنچ سکے یا ان کی باتیں سن سکے۔ کوئی شریر جن اگر کچھ کر سکتا ہے تو یہ کر سکتا ہے کہ اچکوں کی طرح کوئی بات اچکنے کی کوشش کرے۔ سو اس کے سدباب کے لیے بھی یہ انتظام ہے کہ آسمان کی برجیوں سے ایک دہکتا شعلہ اس کا تعاقب کرتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ نہ فرشتوں کو خدا کی خدائی میں کوئی دخل ہے اور نہ جنات کی رسائی ملا ملا علی تک ہے کہ وہاں سے وہ غیب کی کوئی خبر معلوم کر سکیں اس وجہ سے جو لوگ فرشتوں کو خدا کی چہریتی بیٹیاں سمجھ کر پوج رہے ہیں وہ بھی احمق اور جو جنات کو علم غیب کا وسیلہ سمجھ کر ان سے تعلقی و تعلق پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ بھی احمق۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ عربوں کے شرک اور ان کی کہانت کی تمام گرم بازاری انہی دو مذکورہ تصورات پر مبنی۔ قرآن نے یہاں جنوں اور فرشتوں دونوں کی حقیقت واضح کر کے ان کی فسادیت کے اس سارے کاروبار کو ختم کر دیا۔

## ۲۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۱۱-۱۲

آگے احوال قیامت کی تفصیل ہے اور مقصود اس سے یہ دکھانا ہے کہ جو لوگ اللہ کے سوا دوسری چیزوں کی پرستش کر رہے ہیں قیامت کے دن ان کا اور ان کے معبودوں کا کیا حال ہونا ہے۔ شرک کے علم بردار لیڈر اور ان کے پیرو کس طرح ایک دوسرے پر لعنت کریں گے! اور اہل ایمان، بر تمام مخالفین کے عل الرغم توحید اور قیامت کے عقیدے پر جمے رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان کو کس فوز عظیم سے نوازے گا! — آیات کی تلاوت فرمائیے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خُلُقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ  
 لَازِبٍ ۝ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ۝ ۱۲ ۝ وَإِذْ كُنَّا فِي الْأَيِّدِ كُرُونِ ۝ ۱۳ ۝  
 وَإِذْ أَرَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخَرُونَ ۝ ۱۴ ۝ وَقَالُوا لَإِنْ هَذَا إِلَّا أَسْحَارٌ مِنْ  
 عَمَلِنَا مُتَنَاقِلِينَ ۝ ۱۵ ۝ وَأَوْبَآؤُنَا



الْأَوَّلُونَ ① قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ② فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ  
 وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ③ وَقَالُوا أَيَوِيلَنَّا هَذَا يَوْمَ  
 الدِّينِ ④ هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَكْذِبُونَ ⑤  
 احْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ⑥  
 مِنْ دُونِ اللَّهِ فَأَهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ ⑦ وَقِفُوهُمْ  
 إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ⑧ مَا لَكُمْ لَا تَنْصَرُونَ ⑨ بَلْ هُمْ الْيَوْمَ  
 مُسْتَسْلِمُونَ ⑩ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ⑪  
 قَالُوا إِنَّا كُنْكُمْ تَاوُونَ نَا عَنِ الْيَمِينِ ⑫ قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا  
 مُؤْمِنِينَ ⑬ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا  
 طَافِينَ ⑭ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا إِنَّا لَذَائِقُونَ ⑮ فَأَعْوَيْنَكُمْ  
 إِنَّا كُنَّا غُورِينَ ⑯ فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ⑰ إِنَّا  
 كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ⑱ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ  
 إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ⑲ وَيَقُولُونَ إِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ  
 مَجْنُونٍ ⑳ بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ㉑ إِنَّا لَنَذَارِقُوا  
 الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ㉒ وَمَا تَجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ㉓ إِلَّا  
 عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ㉔ أُولَئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَعْلُومٌ ㉕ فَوَاحِشُهُ  
 وَهُمْ مُكْرَمُونَ ㉖ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ㉗ عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ㉘  
 يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِنْ مَعِينٍ ㉙ بِيضَاءُ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ ㉚

ع ٥

الربيع



لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ﴿٤٤﴾ وَعِنْدَهُمْ قَصْرِاتُ الطُّرُقِ  
 عَيْنٌ ﴿٤٥﴾ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَكْنُونٌ ﴿٤٦﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ  
 يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٧﴾ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿٤٨﴾ يَقُولُ أَتِنَّكَ  
 لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ ﴿٤٩﴾ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظًا مَا عَلَانَا  
 كَمِذْيُونٍ ﴿٥٠﴾ قَالَ هَلْ أَنْتُمْ مُطْلِعُونَ ﴿٥١﴾ فَأَطْلَعَ فَأَرَاهُ فِي سَرَادٍ  
 الْجَحِيمِ ﴿٥٢﴾ قَالَ تَاللَّهِ إِن كِدْتُ لَتُرَدِّينَ ﴿٥٣﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّي  
 لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿٥٤﴾ أَفَمَا نَحْنُ بِمَبْتَلِينَ ﴿٥٥﴾ الْأَمْوَتْنَا الْأُولَى  
 وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿٥٦﴾ إِنَّ هَذَا لَهَوٌ لَقُورٍ الْعَظِيمِ ﴿٥٧﴾ بِمِثْلِ  
 هَذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ ﴿٥٨﴾ أَذَلِكَ خَيْرٌ نُزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ﴿٥٩﴾  
 إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ ﴿٦٠﴾ إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ  
 الْجَحِيمِ ﴿٦١﴾ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ﴿٦٢﴾ فَإِنَّهُمْ لَا كُفْرَانَ  
 مِنْهَا فَأَمَّا لَوْ أَنَّ مِنْهَا الْبُطُونُ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِمَّنْ  
 حَبِيمٍ ﴿٦٤﴾ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ﴿٦٥﴾ إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ  
 ضَالِّينَ ﴿٦٦﴾ فَهُمْ عَلَى آثَرِهِمْ يُهْرَعُونَ ﴿٦٧﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ كَثَرٌ  
 الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنْذِرِينَ ﴿٦٩﴾ فَأَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ  
 عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ﴿٧٠﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٧١﴾

ع  
۴

پس ان سے پوچھو کہ کیا ان کے پیدا کرنے کا معاملہ زیادہ سخت ہے یا ان چیزوں

ترجمہ آیات

کا جو ہم نے پیدا کی ہیں! ہم نے ان کو تو چمکتی مٹی سے پیدا کیا ہے بلکہ تم تعجب کر رہے ہو



اور یہ لوگ مذاق اڑا رہے ہیں اور جب ان کو یاد دہانی کی جاتی ہے تو وہ دھیان نہیں کرتے اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اس کا مذاق اڑاتے اور کہتے ہیں یہ تو بس ایک کھلا ہوا جادو ہے۔ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو پھر ہم اٹھائے جائیں گے! اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی! ۱۱-۱۷

ان کو جواب دے دو کہ ہاں تم اٹھائے بھی جاؤ گے اور ذلیل بھی ہو گے۔ بس وہ تو ایک ہی ڈانٹ ہو گی پس وہ تانے لگیں گے۔ اور کہیں گے، ہائے ہماری شامت! یہ تو جزا کا دن ہے! یہ وہی فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلاتے رہے تھے! ۱۸-۲۱

جمع کروان کو جنہوں نے ظلم کیا اور ان کے ہم مشربوں کو اور ان کو جن کی یہ اللہ کے سوا پرست کرتے رہے ہیں پھر ان سب کو دوزخ کا رستہ دکھاؤ۔ اور ان کو ذرا رد کو، ان سے کچھ پوچھنا بھی ہے! کیا بات ہے، اس وقت تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کر رہے ہو! بلکہ یہ تو آج بڑے ہی فرماں بردار بنے ہوئے ہیں! ۲۲-۲۶

اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے، پوچھتے ہوئے۔ کہیں گے، تم ہی ہمارے پاس آتے تھے دہننے سے..... وہ جواب دیں گے، بلکہ تم لوگ خود ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور ہمارا تمہارے اوپر کوئی زور تو تھا نہیں بلکہ تم خود ہی سرکش لوگ تھے۔ پس ہمارے اوپر ہمارے رب کی بات پوری ہو کے رہی۔ ہم کو اس کا مزا چکھنا ہی ہو گا۔ ہم نے تم کو گمراہ کیا، ہم خود بھی گمراہ تھے۔ پس وہ سب اس دن عذاب میں شریک ہوں گے۔ ۲۷-۳۲

ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کریں گے۔ ان کا حال یہ تھا کہ جب ان سے کہا جاتا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو یہ اکڑتے اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک شاعر دیوانہ کے کہنے



سے اپنے مبعودوں کو چھوڑ دیں! بلکہ وہ حق لے کر آیا ہے اور وہ رسولوں کی پیشین گوئیوں کا مصداق ہے۔ ۳۲-۳۷

بے شک تم کو دردناک عذاب چکھنا پڑے گا۔ اور یہ تو تم اسی کا بدلہ دیے جا رہے ہو جو تم کرتے رہے ہو۔ پس اللہ کے مخصوص بندے ہی اس سے محفوظ رہیں گے۔ یہ لوگ ہیں کہ ان کے لیے معلوم رزق ہوگا۔ میوے، اور وہ نعمت کے باغوں میں بڑی عزت سے ہوں گے۔ تختوں پر آنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے لیے شراب معین کے جام گردش میں ہوں گے۔ بالکل صاف شفاف، پینے والوں کے لیے لذت ہی لذت! نہ اس میں کوئی ضرر ہوگا اور نہ وہ اس سے نڈھال ہوں گے۔ اور ان کے پاس باحیا، غزال چشم حوریں ہوں گی گویا کہ شتر مرغ کے محفوظ انڈے ہیں۔ ۳۸-۴۸

پس وہ ایک دوسرے کی طرف پوچھتے ہوئے متوجہ ہوں گے۔ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا جو کہا کرتا تھا کہ کیا تم بھی قیامت کی تصدیق کرنے والوں میں ہو! کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو ہم بدلہ پانے والے نہیں گے! کہے گا ذرا جھانک کے دیکھو تو سہی! تو وہ جھانکے گا اور اس کو جہنم کے بالکل بیچ میں دیکھے گا کہے گا، خدا کی قسم! تم تو مجھے تباہ ہی کر دینے والے تھے! اگر میرے رب کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی آج پکڑا ہوا ہوتا۔ ہے نا یہ حقیقت کہ اب ہم پہلی موت کے بعد کبھی مرنے والے نہیں اور نہ ہم پر عذاب ہوگا! بے شک بڑی کامیابی یہی ہے! جس کو کوشش کرنی ہو وہ اس کے لیے کوشش کرے!! ۴۹-۶۱

ضیافت کے لیے یہ بہتر ہے یا درختِ زقوم! ہم نے اس کو ظالموں کے لیے ایک